U100093 H 14-12-97

Title - AL KHUTBAATUL AHMADIYYA FI AL ARAB WAL SEERATUL MUHAMMADIYYA

Author - Sir Sayyed Ahmad Khan Bahadur.

Publisher - Matba Nawal Kishore Steam Press (Lahore).

Date - N.A.

Pages - 752.

Subject - Seerat Nabvi; Tasaneef Sir Sayyed.

Rs 50/-

سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر

نمبر ۳۷

الخطبات الاحمدیّہ

فی

العرب والسیرۃ المحمدیّہ

از

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر

مطبوعہ نول کشور سٹیم پریس لاہور

تعداد اشاعت دو ہزار ...... قیمت فی جلد عہ مجلد عاآ
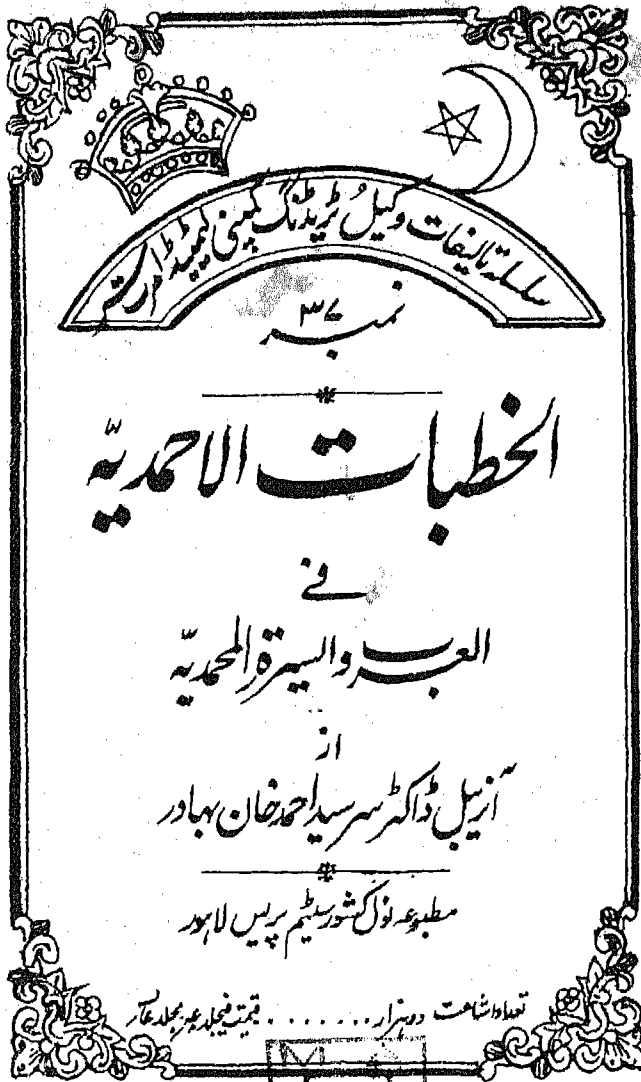
وکیل پرنٹنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر کی علمی ادبی اور تاریخی جدید کتابیں

نام کتاب	نام مصنف	قیمت
الاسلام	مولوی فتح محمد خاں	۸ /
اسلام کی دنیوی برکتیں	نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم ..	۸ /
تقلید و عمل بالحدیث	نواب محسن الملک مرحوم	۸ /
الدین یسر	مولانا حالی	۳ /
تدبیر	"	۲ /
سوانح مولانا روم	مولانا شبلی	[illegible]
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ...	"	۸ /
حیات خسرو	منشی سعید احمد	۱۲ /
البرامکہ	منشی عبد الرزاق	[illegible]
تفسیر السموات	سر سید مرحوم	۸ /
مسلمانوں کی ترقی و تنزل کے اسباب	نواب محسن الملک مرحوم	۸ /
مسلمانوں کی تہذیب	"	۴ /
فلسفہ ابن عربی	مولانا عمادی	۲ /
ہندو رانیاں	"	۸ /
سیاحت ہند	حافظ عبد الرحمن سیاح بلاد اسلامیہ ..	[illegible]

جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں (غفرلہ) ۱۳۱۵ھ

فہرست مضامین کتاب خطبات احمدیہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	رنگین تصویر سر سید مرحوم	
۲	دیباچہ	۱
	خطبہ اول	
۳	جغرافیہ جزیرہ عرب مع نقشہ عرب	۲۵
۴	عرب البائدہ یا خانہ بدوش صحرائے عرب کی قومیں	۴۲
۵	جھوٹی روایتیں جو قوم عاد کی نسبت مشہور ہیں	۵۲
۶	جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ہیں۔	۵۷
۷	عرب العاربہ یعنی ٹھیٹ عرب	۶۰
۸	قبائل عرب کی تفصیل	۹۲
۹	عرب المستعربہ - یعنی پردیسی عرب	۹۶
۱۰	اسماعیلی یا بنی اسماعیل	۹۷
۱۱	ابراہیمی یا بنی قطورہ	۱۴۳
۱۲	حضرت ہاجرہ کے حالات کتب یہود سے	۱۰۳
	خطبہ دوم	
۱۳	عرب کے رسومات و عادات اسلام سے پہلے	۱۴۹
	خطبہ سوم	
۱۴	عرب کے مذاہب قبل اسلام	۱۹۶
۱۵	بت پرستی	۲۰۱
۱۶	للامذہبی	۲۰۴
۱۷	خداپرستی۔	۲۰۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸	الہامی مذہب	۲۰۶
۱۹	مذہب صابی	//
۲۰	ابراہیم یا دیگر انبیائے عرب کا مذہب	۲۰۷
۲۱	یہودی مذہب	۲۱۲
۲۲	عیسوی مذہب	۲۱۴
	خطبہ چوتھا	
۲۳	اسلام انسان کے لئے رحمت ہے اور تمام انبیا کے مذاہب کی پشت و پناہ	۲۲۴
	خطبہ پانچواں	
۲۴	مسلمانوں کی کتب مذہبی یعنے کتب احادیث۔ کتب سیر۔ کتب تفسیر کتب فقہ کے بیان میں۔	۳۱۱
۲۵	اول کتب احادیث	۳۱۴
۲۶	دوم کتب سیر	۳۲۰
۲۷	سوم کتب تفسیر	۳۲۲
۲۸	چہارم کتب فقہ	۳۲۹
	خطبہ چھٹا	
۲۹	مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور اسکے رواج کی ابتدا۔	۳۳۳
۳۰	اس سزا کا بیان جس کا مستحق جھوٹ حدیث بیان کرنیوالے کو جناب پیغمبر خدا نے قرار دیا ہے۔	۳۳۸
۳۱	اس طرز تحریر کے بیان میں جو روایات کے لکھنے میں مستعمل کیا گیا تھا۔	۳۴۲
۳۲	درجات حدیث کے بیان میں ایک راوی دوسرے راوی تک پہنچنے کے لحاظ سے۔	۳۴۴
۳۳	درجات حدیث کے بیان میں بلحاظ راویوں کے چال چلن یعنے اُنکے ثقہ وغیرہ ہونے کے بیان میں۔	۳۴۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴	راویوں کے وجوہ اعتبار کے بیان میں ان کے تفقہ فی الدین کے لحاظ سے	۳۴۷
۳۵	جو روایتیں کہ یہودیوں کے ہاں مذکور تھیں ان کے بیان کرنے سے مسلمانوں کو ممانعت تھی	۳۴۹
۳۶	روایات میں مختلف ہونے کے اسباب (ص ۳۴۹) اور ۳۷ موضوع حدیثوں کا بیان	۳۵۱
۳۸	سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کے شبہات کی تردید	۳۵۶
	خطبہ ساتواں	
۳۹	قرآن جناب پیغمبر خدا پر کس طرح نازل ہوا	۴۱۴
۴۰	قرآن جب نازل ہوتا تھا لکھا جاتا تھا یا نہیں۔	۴۱۶
۴۱	سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کیونکر ہوئی اور کس نے کی۔	۴۲۰
۴۲	نازل ہونا قرآن کا سات قراتوں میں یا قرات مختلف میں۔	۴۲۸
۴۳	جناب پیغمبر خدا خود بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کے پڑھتے رہنے کی ہمیشہ ہدایت کرتے تھے۔	۴۳۳
۴۴	قرآن مجید کی آیات ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان۔	۴۳۶
۴۵	کیا جناب پیغمبر خدا قرآن مجید کی کوئی آیت بھول گئے تھے۔	۴۴۷
۴۶	قرآن مجید حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں کس طرح جمع ہوا۔	۴۵۱
۴۷	حضرت عثمانؓ کی خلافت میں قرآن مجید کی نقلوں کا تقسیم ہونا	۴۵۴
۴۸	قرآن مجید کا اپنی طرز میں کامل ہونا اس کے الہامی الاصل ہونیکو ثابت کرتا ہے	۴۵۸
۴۹	سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مورخوں کی غلطیاں نسبت قرآن مجید کے۔	۴۶۶
	خطبہ آٹھواں	
۵۰	خانہ کعبہ اور اس کے گذشتہ حالات اسلام سے پہلے	۴۹۳
۵۱	حضرت اسماعیل کا حجاز میں آباد ہونا	۴۹۵
۵۲	حجر اسود اور قربانی کی رسم کو اور کعبے کا بیت اللہ نام ہونیکو خاص ابراہیم سے تعلق ہے	۴۹۸
۵۳	کعبہ بلاشبہ بیت العتیق ہے۔ (ص ۵۰۰) ۵۴ سر ولیم میور کے اغراض کی تردید	۵۰۶
۵۵	تعمیر ابراہیم (۵۱۷) ۵۶ تعمیر بنی جرہم	۵۲۰
۵۷	تعمیر قصی (۵۲۳) ۵۸ تعمیر قریش	۵۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹	تعمیر عبداللہ ابن زبیر	۵۱۹
۶۰	تعمیر حجاج بن یوسف	۵۲۳
۶۱	غلاف کعبہ	۵۳۶
۶۲	اصنام کعبہ	۵۴۱
۶۳	تصاویر خانہ کعبہ	۵۴۳
۶۴	زمزم	۵۴۴
۶۵	اسمائے کعبہ	۵۴۷
۶۶	عمال کعبہ	〃
۶۷	واقعہ اصحاب فیل	۵۵۱
	خطبہ نواں	
۶۸	آنحضرت صلعم کے نسب نامے کے بیان میں	۵۵۴
۶۹	شجرۂ نسب نامہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تا حضرت ابراہیمؑ ۔ و نسب نامہ مؤلف خطبات تا محمد صلے اللہ علیہ وسلم	۵۷۴
	خطبہ دسواں	
۷۰	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے بیان میں جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں ۔	۵۷۸
	خطبہ گیارھواں	
۷۱	شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان میں	۶۰۸
	خطبہ بارھواں	
۷۲	اس خطبے میں آنحضرت صلعم کی ولادت سے آپ کی بارہ برس کی عمر تک کا حال ہے ۔	۶۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

عجائبات دنیا میں سب سے زیادہ عجیب وہ خیال ہے جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں مذہب اُس امتیاز کا نام ہے جو انسانوں کے افعال سے علاقہ رکھتا ہے اور جس کے سبب انسانوں کے افعال اچھے یا بُرے یا نہ اچھے نہ بُرے خیال کئے جاتے ہیں کیونکہ اگر انسان کے افعال میں یہ تمیز نہ ٹھیرائی جائے تو کسی مذہب کا وجود باقی نہیں رہتا۔

تمام خیالات جو انسان میں پیدا ہوتے ہیں اور تمام یقین جو انسان کسی چیز پر رکھتا ہے اُس کا منشا اُن خیالات اور یقین کے سوا کچھ اور چیزیں ہوتی ہیں جو اُن خیالات اور یقین کے اسباب سمجھی جاتی ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ وہ خیال جس کو مذہب کہتے ہیں بغیر کسی خارجی اسباب کے اور بغیر تجربہ اور امتحان کے اور بدون کسی معقول ثبوت کے یکایک دل سے اُٹھتا ہے اور اس لئے وہی اُس کا مخرج سمجھا جاتا ہے اور پھر اُس پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ کسی آنکھ دیکھی چیز پر بھی نہیں۔

اس تعجب پر اور تعجب یہ ہے کہ اُس بن دیکھی چیز اور ان سمجھی بات اور بے دلیل خیال

کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر اور قدرتی جذبات
پر جو انسان میں خدا نے پیدا کئے ہیں غالب ہو جاتا ہے اور جو جوش و ولولہ اُس از خود پیدا
ہوئے خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہے کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اُس
دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لئے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی
ثبوت موجود ہوں *

اگر وہ خیال تمام انسانوں میں مختلف نہ ہوتا تو شاید یہ کہا جا سکتا کہ تمام عالم کا اُس پر
یقین رکھنا ہی کا اُس کی سچائی کا ثبوت ہے مگر تعجب تو یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر ملک
اور ہر فرقہ بلکہ ہر فرد بشر میں وہ خیال ایسا مختلف رہا ہے کہ کسی ایک پر بھی یقین کرنے کی کوئی
وجہ نہیں اور اس پر تعجب یہ ہے کہ ہر شخص کو یہی یقین ہے کہ میرا ہی خیال اور سب کے خیالوں
سے بالکل صحیح اور بالکل سچا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح یونانی اپنے خدا اور دیوتا پر
اور مسلمان و یہودی اپنے ایک خدا پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں اسی طرح ہندو اور
مصری اپنے تینتیس کروڑ دیوتاؤں پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں۔

کیا یہ مسئلہ کہ تمام چیزیں ایک ہی کل کے جزو یا اُس کی عین یا وہ بمنزلہ جان اور یہ بمنزلہ
جسم کے ہیں صحیح ہے کیا یہ سب مختلف چیزیں جو ہم کو دکھائی دیتی ہیں سب ایک ہیں کیا
نور و ظلمت اور کالا اور سفید دونو یکساں ہیں جیسا کہ ایک عارف باللہ کہتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ تمام چیزوں کا اسی سے ظہور ہے وہی ظلمت کا باعث اور وُہی نور
کے ظہور کا سبب ہے وہی آسمانوں پر کڑکتا ہے اور وہی زمینوں پر برستا ہے وہی ستاروں
کو چمکاتا ہے اور وہی پھولوں کی کلیوں کو کھلاتا ہے اُسی کا جلوہ بہشتوں کی کہاوت اور
اُسی کا پردہ دوزخوں کی آفت ہے غمگین دل کا غم اور شادان دل کی شادی اُسی سے

ہے وہ کسی جگہ نہیں اور سب جگہ ہے وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہے عابد کے نورانی سینے اور فاسق کے بریاں دل اور معشوق کے عاشق کُش ابرو اور عاشق کی گریاں چشم سب میں اُس کی یکساں جگہ ہے جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اُسی طرح سے وہ باریک سے بال میں بھی ہے وہ سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے مگر اُس کا جاننا یا علم ہم سے دو درجہ کم ہے کیونکہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہے بہرحال اُس بن دیکھی جناب اور ان کبھی ذات کو جو کہو سو کہو مگر ان تمام مشکلوں پر ہم کو یہ مسلمانی مسئلہ کہ "انا عند ظن عبدی بی" اور بھی مشکل میں ڈالتا ہے۔

ربّی انت عند ظنی رحیم فارحم علیّ

پھر ہم کو اور زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ تمام مختلف خیالات جو لوگوں کے دلوں میں ہیں اور جو مذہب کہلاتے ہیں وہ ایک ہی مخرج سے یعنے دل سے نکلے ہیں اور دل کے اُس فعل کا جس سے یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں اعتقاد نام رکھا جاتا ہے پس اگر مدار مذہب کا اعتقاد ہو تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹھیرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

کیا وجہ تمیز کی ہے اُس سچی دلی پرستش میں جو ابراہیم کے باپ نے ایک بُت کی کی اور اس سچے دل کے خیال میں جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اُس بُت کو توڑا۔

ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کے قتل کا ہے جو کالوری کی پہاڑی میں بیت المقدس کے پاس گذرا اُن بے رحم قاتلوں نے اپنی دانست میں جو کچھ کیا مذہبی نہایت سچے اور مستحکم اعتقاد اور دل کے کپ کپا دینے والے ایمانی جوش سے کیا پس اُن دو گروہوں میں سے جو نہایت سچے دل سے اُس کو نہایت ہی نیک کام سمجھتے ہیں اور جو نہایت پاک دلی سے اُس کو نہایت ہی بدکام جانتے ہیں کونسی چیز تفرقہ کرنے والی ہے۔

کیا وجہ تمیز کی ہے سینٹ پال کی اُس حالت میں جب کہ وہ دلی اعتقاد اور ایمان کے

جوش سے اُن لوگوں کا ساتھی تھا جنھوں نے سینٹ اسٹیفن شہید کو سنگسار کیا اور اُس حالت میں جب کہ اُس نے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا۔

کیا چیز ہے جس سے ہم عمرؓ کی اُس حالت میں تمیز کریں جب کہ اُس نے لات ومنات پر سچا دلی اعتقاد رکھ کر ابن عرب کے قتل پر کمر باندھی اور اُس حالت میں جب کہ اُس نے نہایت سچی دلی تصدیق سے کہا کہ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔

یہ وہی عجیب خیال ہے جو دونو طرف برابر نسبت رکھتا ہے اور جس کو لوگ مذہب کہتے ہیں پس ایسی ذو جہتین چیز کی جو ضدین میں برابر نسبت رکھتی ہو کسی جہت پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ ان تمام خیالوں میں سچا خیال یا تمام مذہبوں میں سچا مذہب وہی ہوسکتا ہے جو ضدین میں برابر نسبت رکھنے کے نقص سے پاک ہو۔

مذہب کیا چیز ہے وہ ایک ایسا سچا اصول ہے کہ جب تک انسان اپنے قواے جسمانی اور عقلی پر قادر ہے اُس کے تمام افعال ارادی۔ جوارح نفسانی۔ و روحانی کا اسی اصول کے مطابق ہونا چاہئے پھر اگر وہ اصول ایسے ہیں کہ صرف کسی قسم کے اعتقاد پر مبنی ہیں تو اگر متعدد لوگوں کا متضاد اصولوں پر کسی وجہ سے اعتقاد ہے تو ایک کو سچا یا صحیح اور دوسرے کو جھوٹا یا غلط کہنے کی بجز تحکم کے اور کوئی وجہ نہیں سچا مذہب وہی ہوسکتا ہے جس کی سچائی نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب اعتقاد کی فرع نہیں ہے بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنے عین مذہب ہے اور اعتقاد اُس کی فرع ہے پس جبکہ ہم مختلف مذہبوں میں سے سچے مذہب کو پرکھنا چاہیں تو دیکھیں کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہے یا نہیں۔

سچا اصول کیا ہے ؟ جہاں تک کہ انسان اپنے قواے عقلی سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت یا قانون قدرت کے اور کچھ نہیں جس کی نسبت اسلام کے بانی نے یہ فرمایا کہ " ما ترٰی فی خلق الرحمٰن من تفاوت ط فارجع البصر ھل ترٰی من فطور ط ثم ارجع

البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر٭

قدرت یا قانون قدرت کیا ہے؟ وہ وہ ہے جس کے بموجب اُن تمام چیزوں مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے اردگرد ہیں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وجود ہے اور ہمیشہ اُنہی کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتا قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا ہے بغیر خطا کے اُسی طرح پر ہوتا ہے۔ اور اُسی طرح پر ہوگا۔ پس وہی سچ ہے اور جو اصول اُسکے مطابق ہیں وہی سچے اصول ہیں نہ وہ جن کی بنا ایک فانی قابل سہو و خطا وجود یعنے انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو٭

قدرت ہم کو صرف اپنے وجود اور اپنے سلسلہ انتظام اور اپنے تعلقات ہی کے جو نے تہا مخلوق میں پایا جاتا ہے سچائی نہیں دکھلاتی بلکہ اُس سے ایسے بھی اصول پائے جاتے ہیں جس سے ہم اپنے افعال ارادی جسمانی اور روحانی کی بھلائی اور بُرائی بھی جان سکتے ہیں اور جو کہ قدرت سچی اور کامل ہے تو ضرور ہے کہ وہ اصول بھی سچا اور کامل ہو اور یہی سچا اور کامل اصول یا یوں کہو کہ وہ مذہب جس کے اصول اُس کے مطابق ہیں وہی سچا مذہب ہونے کے مستحق ہے٭

یہ مت سمجھو کہ ہم قدرت یا قانون قدرت ہی کو مسبب یا اخیر سبب اس تمام کارخانے کا سمجھتے ہیں جس کا کوئی خالق نہ ہو جیسے کہ دہریوں کا مذہب ہے نعوذ باللہ منہا بلکہ قدرت کو تو ہم ایک قانون کہتے ہیں جس کا کوئی بنانے والا ہے اور اسی لئے ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ تمام سلسلہ ایک ہی مسبب اور ایک ہی اخیر سبب پر ختم ہوتا ہے جس پر تمام چیزوں کی ہستی منحصر ہے وہ جس کی ان پہچان ذات کو ہزاروں لاکھوں کروڑوں ناموں سے لوگ پکارتے ہیں۔" او میرے پیارے خدا تم پردے میں تو ہو پر سب پر ظاہر ہو ایسے جھوٹ موٹ کے پردے سے کیا فائدہ٭

رشک آیدم وگرنہ نقابت کشودمے　　　دست ترا گرفتہ بہ عالم نمودمے

معاذ اللہ توبہ توبہ میں نے کیا کہا کہیں کافر تو نہیں ہو گیا " الٰہی انت عبدی و
انا ربك استغفر اللہ استغفر اللہ انت ربی وانا عبدك " پس آدمی کو چاہئے
کہ اس کارخانۂ قدرت سے اس کے بنانے والے کو اور اُس کی راہ کو یا اُس کی راہ بتانے والے
کو تلاش کرے کہ یہی سیدھی سڑک سیدھا راستہ چلنے کا ہے۔

مذہب کی تمثیل میں علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کیسی کیسی غلطیاں کی ہیں
اور کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں بعضوں نے مالک اور غلام کی تمثیل دی ہے اور فرمایا ہے کہ
مذہب اور شریعت کو مصالح قدرت اور اعمال کو اُس کے بدلے یعنے جزا اور سزا سے کچھ مناسبت
نہیں اور اس کے اوامر و نواہی میں بجز اس کے کہ مالک کا حکم بجا لانا ہے۔ اور کچھ فائدہ
نہیں شاید ان لوگوں کا خدا ایسا ہو جو لغو کام کرنے کو کہے میرا تو خدا ایسا نہیں وہ تو نہایت
دانا اور سب سے بڑا حکیم مطلق ہے اُس کی تو کوئی بات بھی حکمت اور منفعت سے خالی نہیں۔

اس رائے کو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی غلط ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ
میں لکھتے ہیں کہ " قد يظن ان احكام الشريعة غير متضمنة لشئ من المصالح وانه
ليس بين الاعمال وبين ما جعل الله جزاء لها مناسبة وان مثل التكليف
بالشرائع كمثل سيد اراد ان يختبر طاعة عبده فامره برفع حجر او لمس
شجر مما لا فائدة فيه غير الاختبار فلما اطاع او عصى جوزى بعمله
وهذا ظن فاسد تكذبه السنة واجماع القرون المشهود لها بالخير "

بعض عالموں نے مالک اور بیمار غلام سے مذہب کی تمثیل دی ہے جس پر مالک نے
اُس کے علاج کے لئے اپنا مصاحب مقرر کیا ہو اور اس مصاحب کے حکم کو ماننا باعث
نجات اور نہ ماننا باعث درکات ٹھیرایا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی رائے کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ
وہ لکھتے ہیں کہ " وظهر مما ذكرنا ان الحق فى التكليف بالشرائع ان مثله كمثل

سید مرض عبیدہ فسلط علیھم رجلا من خاصتہ لینقیھم دواء فان اطاعوا له اطاعوا السید ورضی عنھم سیدھم واثابھم خیرا ونجوا من المرض وان عصوہ عصوا السید واحاط بھم غضبہ وجازھم اسوء الجزاء وھلکوا من المرض۔

مگر میں اس کو نہیں مانتا اور پوچھتا ہوں کہ دوا کا کرنا باعث نجات کا تھا یا مصاحب کے حکم کا ماننا تھا اگر بے حکم مصاحب کے بھی وہ دوا کرتا تو نجات پاتا یا نہیں ضرور پاتا اس لئے کہ اس دوا سے نجات پانا قدرت کا قانون تھا جو کسی طرح بدل نہیں سکتا۔

بعضے عالموں نے مذہب کی تمثیل ایسے طبیب سے دی ہے جو نہ تو خود کسی چیز کو اثر بتاتا ہو اور نہ کسی کو بلا دلیل ٹھیراتا ہو بلکہ ہر چیز میں قدرت نے جو اثر رکھا ہے اسی کو بتاتا ہو۔ تاکہ جو لوگ صحیح ہیں اپنے حفظ صحت کے اصول جانیں اور جو بیمار ہیں وہ حصول صحت کی دوا کو پہچانیں اور مذہب بہ نسبت اس کے کہ صرف بیمار غلاموں ہی کے لئے ہو سب کے لئے عام ہو جائے۔

افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اس رائے کو نہیں مانتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ " وانہ لیس الامر علی ماظن من احسن الاعمال وقبحھا بمعنی استحقاق العامل للثواب والعقاب عقلیان من کل وجہ وان الشرع وظیفتہ الاخبار عن خواص الاعمال علی ما ھو علیہ دون انشاء الایجاب والتحریم بمنزلۃ طبیب یصف خواص الادویہ وانواع المرض فانہ ظن فاسد تمجہ السنۃ بادی الرائے "۔

مگر میں اسی کو مانتا ہوں اور اسی کو سچا اصول سمجھتا ہوں جو قانون قدرت کے بالکل مطابق ہے اور کتاب وسنت دونو کو اسی کا مؤید پاتا ہوں جو علم مذہب اسلام کی بنیاد ہیں۔ پس جہاں تک کہ سچے مذہب کی میں تحقیق کر سکا۔ میں نے اسلام ہی کو سچا مذہب پایا اور

اُمید ہے کہ جو لوگ سچائی کو دوست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ صفائی اور سچائی سے اسلام کی سچائی کی تحقیقات کریں گے۔

مگر ایک مشکل یہ پیش ہے کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو لوگ اُس مجموعۂ احکام کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہیں مذہب اسلام خیال کرتے ہیں۔ہاں مجازاً تو اُن پر مذہب اسلام کا اطلاق ہو سکتا ہے۔مگر حقیقتاً وہ مجموع من حیث المجموع یعنے حقیقی مذہب اسلام کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔موجودہ مسائل مذہب اسلام میں دو قسم کے اصول و احکام شامل ہیں۔ایک وہ جن کو خود شارع نے صاف صاف بیان کیا ہے۔جو احکام منصوصہ کہلاتے ہیں اور ایک وہ جن کو عالموں اور مجتہدوں نے اپنے ذہن کی خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے باستدلال دلالت النص یا اشارۃ النص یا قیاس کے قائم کیا ہے۔جو اجتہادیات کہلاتے ہیں اور جو بجز ایک قابل سہو وخطا وجود کی راے کے اور کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے۔پس ان دونو قسم کے مسائل میں تمیز نہ کرنے سے آدمی طرح طرح کی سخت غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں اور یہ وہی ترک امتیاز ہے کہ جب مسلمان اُس کو اختیار کرتے ہیں تو اُس کا نام تقلید رکھتے ہیں اور جب غیر مذہب کے لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں تو اُس کو ایک حقیر نام تعصب یا جہل مرکب یا ضلالت سے موسوم کرتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار؀

پہلی قسم کے احکام بھی جن کا نام احکام منصوصہ ہے۔دو قسم کے احکام ہیں ایک وہ جو اصلی احکام ہیں اور بلاشبہ وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق بلکہ اُس کی جان ہیں۔ اور دوسرے وہ جو ان اصلی احکام کی حفاظت اور اُن کے بقاء اور قیام کے لئے ہیں۔ پس جو کوئی مذہب اسلام کی سچائی اُن سچے قدرتی اصولوں سے پرکھنی چاہئے تو اُسکو اُن دونو قسم کے احکام اور اُن میں سے ہر ایک کے درجے اور رتبے کی تمیز کرنی لازم ہے؀

علاوہ مذکورہ بالا دو قسموں کے ایک تیسری قسم بھی احکام مذہب اسلام میں ہے جو دو معینین عبارتوں یا ناکامل سند یا مشتبہ سندوں سے قائم ہوئے ہیں ان میں سے پہلی قسم تو اجتہادیات میں داخل ہے اور دوسری قسم مذہب اسلام میں کچھ وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی۔ گو اُس پر اس وجہ سے کہ اُس میں کچھ نقصان نہیں ہے عمل ہوتا ہو۔

پس یہ سچا مذہب اور وہ شخص جس کی معرفت ہم کو اُس کی تعلیم ہوئی۔ ہمارے بے انتہا ادب اور نہا محمد و ثنا و صفت کا مستحق ہے اور بلاشبہ اسی خطاب کے لائق ہے کہ ''انت احب الی یا رسول اللہ من نفسی التی بین جنبی'' چنانچہ ہم کو بہت بڑی خوشی اور سپاس کی اسی بات کی ہے کہ ہم نے اُس کو نہ خدا سمجھا اور نہ خدا کا بیٹا۔ نہ کوئی فرشتہ بلکہ ایک وحی بھیجا ہوا انسان جانا مگر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا۔ بابی انت و امی یا رسول اللہ۔

دل و جانم فدایت یا محمد — سر من خاک پایت یا محمد

یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

آنحضرت کی زندگی کے حالات جن کو مسلمان سیرا اور انگریز لائف کہتے ہیں صرف دیندار مسلمان عالموں نے ہی نہیں بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مورخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آ گئی اور پچھلوں کی آنکھیں بجلی کی چمک سے بند ہو گئیں پہلے تو شراب محبت کی سرشاری میں باٹ سے بھٹک گئے اور پچھلے اُس رستے کی ناواقفی سے منزل تک نہ پہنچے۔ پہلے تو یہ بھول گئے وہ کس کا بیان کرتے ہیں اور پچھلوں نے اُسی کو نہ جانا جس کا وہ ذکر کرتے ہیں۔

کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے کوئی خاص کتاب آنحضرت کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی لیکن تمام محدثین نے جن کی سعی اور

کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے اپنی اپنی کتابوں میں اُن حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو آنحضرت کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں۔ جن سے کم و بیش آنحضرت کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہوسکتے ہیں اور جن کو معقول طرح پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع ہوسکتا ہے۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے جو ۲۰۹ھ ہجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا ہوا۔ اور ۲۷۹ھ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال کیا اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی کے سوا ایک اور کتاب بھی آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے۔ جو "شمائل ترمذی" کے نام سے مشہور ہے مگر اس میں آپ کی زندگی کے تمام حالات مندرج نہیں ہیں بلکہ وہ خاص خاص باتیں اور عادتیں جو بالتخصیص نفس نفیس آنحضرت سے متعلق تھیں مذکور ہیں باایں ہمہ جس قدر حدیثیں آنحضرت کے حالات سے متعلق اُن مشہور حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ جن کو ہم مثل کتاب اللہ کے بے غور اور بلا تحقیقات اندھا دھند کی سے مان لیں بلکہ ہم پر واجب ہے کہ اُن تمام حدیثوں کو خواہ وہ بخاری کی ہوں یا مسلم کی اور جامع ترمذی کی ہوں یا شمائل ترمذی کی قبل اُن کے سچا قبول کرنے کے اُن کی سچائی اور صحت کی تحقیقات اُن اصول و قواعد کے ساتھ کرلیں۔ جو اس کے لئے مقرر ہیں اور جن کو ہم نے ایک جداگانہ خطبے میں بیان کیا ہے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو سخت غلطیوں میں پڑیں گے کیونکہ بے سند حدیث مسلمانوں کے مذہب میں کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں "حدیث بے سند گوزشترست" مگر افسوس ہے کہ بہت ہی کم مصنف ہیں جنہوں نے اُس ضروری اور نہایت ضروری اصول کی پیروی کی ہو۔

ان حدیث کی کتابوں کے سوا جن کا ابھی ذکر ہوا اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص آنحضرت کے حالات کے لئے لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں اُس کے سوا اور بھی حالات ہیں اور یہ تمام کتابیں عموماً کتب سیر کے نام سے موسوم ہیں - اور جن میں سے کتب مفصلۂ ذیل زیادہ مشہور ہیں -

ابن اسحاق - ابن ہشام طبقات کثیر المشہور بواقدی - طبری - سیرت شامی - ابو الفدا - مسعودی - مواہب لدنیہ - ان کے سوا عربی اور فارسی زبان میں اور بھی کتابیں ہیں جو انہی سے بنائی گئی ہیں - ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور باقی بہت پچھلی *

یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح وموضوع حدیثوں کا مختلط مجموعہ ہے جس میں صحیح اور غلط - مشتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسی کا کچھ امتیاز نہیں اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں اُن میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے - قدیم مصنفوں اور اگلے زمانے کے مورخوں کو تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو جو ان کے زمانے میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کر لیں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں کی بالکل صحیح ہے اور کونسی غلط - اور کس میں زیادتی یا کمی ہوئی ہے اور کس میں مضمون کے سمجھنے اور واقعہ کے بیان میں غلط فہمی ہوئی ہے - آئندہ وقت یا آئندہ نسلوں پر منحصر رکھیں - مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اس کے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے اپنے بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے - اُنہی کتابوں کو اپنی تصنیفات جدیدہ کا ماخذ ٹھیرایا اور اس لئے ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص پیدا ہوا جو اُن قدیم مصنفوں کی تصنیفوں میں تھا - غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں کیا قدیم کیا جدید مثل ایسے غلے کے انبار کے ہیں جس میں سے کنکر - پتھر - کوڑا - کرکٹ کچھ چُنا نہیں گیا اور اُن

ہیں تمام صحیح و موضوع جھوٹی اور سچی سند اور بے سند ضعیف و قوی۔ مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں ؛

سرولیم میور صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ" آنحضرت ؐ کے حالات زندگی کی تین کتابیں ہشامی۔ واقدی۔ طبری ایسی ہیں کہ جو شخص دانشمندی سے آنحضرت کے حالات لکھے گا۔ تو اپنی تحریر کے لئے اُنہی کتابوں کو سند گردانیگا" مگر صاحب ممدوح نے اس بات کو بیان نہیں فرمایا کہ اُن کتابوں میں کس قدر ایسی روایتیں ہیں جن سے آنحضرت کو کچھ بھی علاقہ نہیں۔ اور کس قدر ایسی ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور کسقدر ایسی ہیں جنکے راویوں کی خصلت نہ کسی مذہبی مسئلہ کے سبب بلکہ اخلاقی نقصانوں کے سبب مشتبہ اور اُن کی راست بیانی مشکوک یا مطعون ہے اور کس قدر ایسی ہیں جن کے بیان کرنے والے بالکل لامعلوم شخص ہیں۔ اور کس قدر ایسی ہیں جن کی تحقیق یا تصدیق نہیں ہے ؛

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے نہایت گرم جوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کو اس کی اصلی حقیقت سے بہت بڑھا دیا ہے۔ جس کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتاب کی تعریف اُس کی حد سے زیادہ کی ہے" مگر افسوس ہے کہ باوجود اس کے صاحب ممدوح نے بھی واقدی کی کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ اس لئے کہ اُنھوں نے بھی آنحضرت کی زندگی کے تمام حالات کو اُسی کتاب سے لکھا ہے۔ اور اُسی کی سند پر مذہب اسلام کے برخلاف تمام داؤں کو قائم کیا ہے ؛

واقدی کچھ بڑا معتبر شخص نہیں ہے وہ تو حاطب اللیل یعنے اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا ہے۔ اُس کی غلط روایتوں اور جھوٹے قصہ کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اُس کو نامعتبر ٹھیرایا ہے۔ محمد بن عبد الباقی الزرقانی

نے شرح مواہب لدنیہ میں میزان سے واقدی کی نسبت یہ جملہ نقل کیا ہے۔ "الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی الاسلمی المدنی الذی استقر الاجماع علی وھنہ ذکرہ فی المیزان"۔

کسی کے کہنے اور سننے پر کیا موقوف ہے خود اس کی کتابیں موجود ہیں جو کچھ بھی قدر و قیمت کے لائق نہیں بجز اس کے کہ جو افواہ اُس نے سنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوّے کی اُس کے کان میں آئی وہ اُس نے لکھ دی کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی رستہ تنقیح کا اُس نے اختیار نہیں کیا پس کیا وہ کتابیں ایسی ہیں جو مذہب الاسلام کی بنیاد سمجھی جاسکتی ہیں اور کیا کوئی مخالف مذہب اسلام کا ان کتابوں کی سند پر مذہب اسلام یا اُس کے واعظ میں عیب نکال کر اور اپنے آپ کو فتح مند سمجھ کر خوش ہوسکے گا۔ ان ھذا الشیٔ عجاب۔

البتہ ابوالفدا کی کتاب کسی قدر اچھی ہے اور جہاں تک ہوسکے اعتبار کے لائق ہے۔ اُس نے اپنی کتاب احتیاط سے لکھی ہے اگرچہ تحقیق و تنقیح کے رستے کو اُس نے اختیار نہیں کیا الا اس بات پر کوشش کی ہے کہ کوئی موضوع یا مشتبہ یا لغو روایت اُس میں نہ داخل ہونے پاوے مگر باایں ہمہ یہ کہنا کہ اُس کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اُس میں کوئی روایت موضوع یا مشتبہ نہیں ہے حد اعتدال سے آگے بڑھ جانا ہے۔

مسلمان مورخوں کے سوانح کا اوپر ذکر ہوا عیسائی مورخوں نے بھی مذہب اسلام اور اُس کے واعظ کی نسبت بہت سی کتابیں لکھیں مگر افسوس ہے کہ ابتدائے زمانے کی تصنیف شدہ کتابیں مثل کتب مصنفہ ڈینیل۔ لوتھر۔ مائک ھتن۔ سیپال ہیم۔ دی ہربی لاٹ۔ مجھ کو دستیاب نہیں ہوئیں مگر جو کچھ اور کتابوں سے اُن کا حال معلوم ہوا وہ اسی قدر ہے کہ اُن کتابوں میں بجز سخت کلامی اور بدزبانی کے اور کچھ نہیں ہے۔

ان مصنفوں کے سوا مراکشی صاحب کا ذکر نہایت حیرت انگیز ہے وہ ایک ایسا سخت متعصب مصنف ہے کہ اُس کا دل اپنے بغض و کینے کے اظہار اور نفرت انگیز جھوٹے طعن و تشنیع اور بد زبانی سے کبھی نہیں بھرا۔ مگر مجھ کو جو حیرت ہوئی وہ اِس بات سے ہوئی کہ کوارٹرلے ریویو" کے ایک آرٹیکل کے مصنف نے اُس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "مراکشی پر جو یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ باطن میں اسلام کا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ الزام کچھ بے وجہ نہ تھا" کیا مراکشی باوصف اس قدر تعصب کے مثل "برہر خوردار" صاحب کے آخر کو مسلمان ہو گیا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو میں ذمہ وار ہوں کہ اُس سے پہلے جو کچھ اُس نے اسلام اور داعظ اسلام کی نسبت کہا تھا سب نسیًا منسیًا ہو گیا لان الاسلام یھدم ماکان قبلہ من معصیۃ اللہ ٭

ڈین پریڈی صاحب بھی اُنہی مورخوں میں سے ہیں جن پر مذہب اسلام نہایت شاق گذرتا تھا جب کوئی مسلمان اتفاقاً اُن صاحب کی کتاب پڑھتا ہے تو مذہب اسلام سے اُن کی ناواقفیت پر جو اُن کی کتاب کے ہر ورق سے ٹپکتی ہے بن ہنسے رہ نہیں سکتا ٭

ان مؤرخوں کے سوا انجر گیگیزری لنڈ او کلی صاحب نے بھی مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں مگر افسوس ہے کہ میں اُن کی محنتوں سے مستفید نہ ہو سکا ٭

گوتھ صاحب اور ایارمی صاحب اور نالڈ انگ صاحب اور دواری صاحب نے جو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں۔ اُن کی نسبت مذہب اسلام کے آرٹیکل کا مصنف جو کوارٹرلی ریویو میں چھپا ہے یہ لکھتا ہے کہ "اُن مورخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلا دی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تر و تازہ چیز ہے اور ہزاروں ثمرور جوہروں سے بھر پور ہے اور محمد (ص) نے گو اُن کی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاوے انسانیت

کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ حاصل کی ہے"

نہایت مشہور عیسائی مورخوں میں جنہوں نے آنحضرت کے حالات لکھے ہیں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب ہیں اُن کی کتاب انگریزی زبان میں بمقام الہ آباد ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اُس کے مضمون کی صحت میں ہیں کچھ اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ علاوہ اس کے ایک اور خرابی اُنہوں نے اس کتاب میں یہ کی ہے کہ اُس کا طرز بیان نہایت مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے ان کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصبات اور یک طرفہ رائے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جو کسی قسم کے مصنف کو اور بالتخصیص ایک مورخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے۔ اپنے اس کلام کی تصدیق کے لئے ان کی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے اُن کے تعصب کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں اُنہوں نے کتاب لکھی ہے۔ اُس سے بھی ماشاء اللہ وہ بہت ہی خوب واقف تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام محمد (ص) کا ایجاد نہیں ہے وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہوسکتا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مکار نے اپنی بداخلاقی اور طبیعت کی بُرائی سے اُس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اُس میں قابل اعتراض ہیں وہ اُسی کے ایجاد ہیں" نعوذ باللہ من ھذہ الاقاویل۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

اسی کتاب کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب ایسے وقت میں میرے پاس پہنچی جب کہ میں اسی مضمون کی تحصیل اور تلاش کر رہا تھا اور جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے بعض مقامات میں ثابت کیا ہے اُسکے مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے چنانچہ اُنہوں نے محمد (ص) کے قبل زمانہ کے عرب کا اور خاص محمد کا اور اُن کی خصلت کا جو حال لکھا ہے وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے ایک اَور کتاب جرمنی زبان میں آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے جو چھ جلدوں میں ہے مگر افسوس ہے کہ جرمنی زبان نہ جاننے کے سبب اُس کتاب سے جس قدر قلیل سے قلیل فائدہ حاصل کرسکتا اُس سے بھی محروم رہا۔ صرف اِس قدر ہوا کہ میرے ایک جرمن دوست نے مجھ کو اطلاع دی کہ اُس کے مصنف نے ابن اسحٰق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کئے ہیں اور چونکہ میں اُن مصنفوں کی کتابوں سے واقف ہوں جن سے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مطالب اخذ کئے اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ کتاب بھی مثل اَور کتابوں کے جن کو عیسائی مؤرخوں نے تصنیف کیا ہے اس تحقیق اور تلاش سے معرا ہوگی جو صفائی دل سے کی جاتی ہے اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب اُنہی کتابوں سے لکھی ہے جن میں صحیح اور غلط اور مشتبہ اور لغو روایتیں سب گڈمڈ ہیں۔

مگر کوارٹرلے ریویو[1] کے آرٹیکل کا مصنف جو غالباً جرمن ہے اس کتاب کی نسبت یہ رائے لکھتا ہے کہ "جن لوگوں نے اسلام کی نسبت لکھا ہے اُن میں سے ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب کو جو مصنفوں میں اول درجہ رکھتا ہے ہم نے اس لئے سب سے افضل قرار دیا ہے کہ وہ بہ نسبت اور سب کے نہایت جامع ہے اور بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے اسلئے کہ اس کتاب میں وہ تمام مطالب ناظرین کے سامنے موجود کر دئے گئے ہیں جن سے پڑھنے والا اپنی رائے آپ قائم کر سکے"۔

عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ وہ کتاب ہے جو سر ولیم میور صاحب نے نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھ لکھی ہے یہ کتاب چار موٹی جلدوں میں ہے اور بہت خوب صورت ٹیپ اور خوش وضع تقطیع میں چھپی ہے اس لائق اور فائق مصنف کو مثل مغربی علوم کے مشرقی علموں میں بھی

---

[1] یہ ایک سہ ماہی رسالہ ہے جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے جو لندن میں چھپتا ہے۔ اس میں نہایت اعلےٰ درجے کے عالم مضمون لکھتے ہیں احمد بابا +

بڑی واقفیت حاصل ہے اور اس لئے ان کی یہ کتاب تمام تربیت یافتہ یورپ کے ملکوں میں بڑی قدر و منزلت کی ہے جو ایسی قدر و منزلت کے لائق ہے اور یورپ کے عالموں اور عالموں کی مجلسوں نے بھی اس کتاب کے سبب اُن کی ایسی قدر کی ہے جس کے درحقیقت وہ مستحق تھے مگر قطع نظر اس نقص کے جو اس کتاب میں ہے کہ اس کی بنیاد گویا بالکل واقدی پر ہے جو مسلمانوں میں وجہ اعتبار نہیں رکھتا اور اس کی روایتیں زیادہ معتبر اور ایسی محقق نہیں ہیں کہ مسلمان ان پر یقین لاویں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ جس منشاء اور مطلب سے سر ولیم میور صاحب نے یہ کتاب لکھی وہ اسلئے پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ منشاء اس کتاب میں نقصان رہ جانے کا اور واقعات کا اصلی تحقیقات تک نہ پہنچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہے چنانچہ سر ولیم میور صاحب خود ارقام فرماتے ہیں کہ "اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اوّل اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے جو اس بات میں مشہور ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں سے مباحثے میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اس کے پیرووں کے پڑھنے کے لئے مناسب ہو ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جاوے جس کو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہیں - چنانچہ اسی منشأ سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا"

لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجود کہ سر ولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں - اس پر بھی ان کی طبیعت پر اُس غرض اور منشأ کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیسا کہ ایسی حالت میں اَوروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے - اور اسی سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی ان کو بُری اور

بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُس کے سبب سے اُن کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُن کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے لیکن جیسا اکثر ہوتا ہے ویسا ہی اس میں بھی ہوا کہ اُس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا اور وہ مطلب حاصل نہ ہؤا۔ جس کے لئے پادری فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی بلکہ برعکس اس کے یہ نتیجہ ہؤا کہ جس شخص کو پادری پی فنڈر صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا ۔

جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی تو لوگوں نے اس کو نہایت شوق وذوق سے پڑھا۔ مگر جب ان کو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرت کے حالات کی نہایت سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی سے اس کتاب کا اس طرح پر لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو اُن کا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر جو نوجوان مسلمان طالب علم انگریزی علم کی تحصیل کرتے تھے اور اپنے دینیات اور الٰہیات سے محض ناواقف تھے اُن میں اس بات کا چرچا پیدا ہؤا کہ اگر سر ولیم میور صاحب نے سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی بُرے پہلو پر لے جا کر لکھا ہے تو نفس الواقع اُن کی اصلیت کیا ہے۔

میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہؤا وہ یہ تھا کہ اُسی زمانے میں میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح پر لکھی جاوے کہ جو جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں اُن کو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کر کر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور اُن کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے اُن کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا

احمق واعظوں اور حمقاء کو دام تزویر میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خدا پرست اور
جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اُن کو علٰحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے
اور اُنہی کے ساتھ اُن کے غلط اور اُن کے نامعتبر ہونے کا ثبوت اور اُن کے موضوع
ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جاویں۔ مگر میں اپنے اس ارادے کو بہت سے موانعات
کے سبب سے جن میں سب سے بڑا اپنی فکر معاش میں مبتلا رہنا اور اس سے بھی بڑا کسی کا
میرے ارادے کے مدد و معاون نہ ہونا تھا پُورا نہ کر سکا اور علاوہ اس کے اس کام کے
لئے بہت سی پُرانی کتابیں جن کو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہے درکار تھیں جو
مجھ کو بہ سبب برباد ہو جانے قدیم کتب خانوں کے دستیاب نہ ہو سکیں اور یہ بھی ایک
قوی سبب اس ارادے کے پُورا نہ ہونے کا ہوا اگر اس پر بھی مختلف اوقات میں مختصر
طور سے مختلف مضامین اور مسائل مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات پر کچھ کچھ
لکھتا رہا چنانچہ انہیں تحریروں میں یہ بارہ مضمون ہیں جو بہ عنوان بارہ خطبوں کے لکھے
گئے ہیں اور جن کو اس ایک جلد میں جمع کر دیا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ باقی مضامین
اور جلدوں میں جمع کئے جاویں گے۔

اگرچہ میں نے اس دیباچہ میں چند عیسائی ایسے مورخوں کا ذکر کیا ہے جنہوں
نے آنحضرت کے حالات اور اصول مذہب اسلام کا انصاف سے فیصلہ نہیں کیا مگر اُن
لائق اور قابل اور عالم واجب التعظیم عیسائی مورخوں کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا
جنہوں نے نہایت انصاف سے اور بالکل بغیر تعصب کے آنحضرت کے حالات اور مذہب
اسلام کی نسبت ٹھیک ٹھیک اپنی رائے لکھی ہے بلکہ متعصب اور تنگ حوصلہ مخالفوں
کے مقابلے میں مذہب اسلام کی حمایت کی ہے اگرچہ بعض مقامات میں اُنہوں نے
بھی کچھ کچھ سقم اور نقصان بیان کئے ہیں۔ لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کا
بیان کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس مسئلے کی حقیقت وہ نہیں سمجھے یا غلط

سمجھ گئے۔ پس یہ ایک غلطی سمجھ کی تو ہے الا وہ عیب جو تعصب اور تنگ حوصلہ ہونے کے سبب سے ہوتا ہے وہ نہیں ہے۔ بہرحال یہ قابل ادب شخص ایڈورڈ گبن قدیم روم کی سلطنت کا مشہور مورخ اور گاڈفری ہیگنز رحمہما اللہ تعالے اور ٹامس کارلیل اور جان ڈیون پورٹ سلمہما اللہ تعالے ایں جن کے علم اور لیاقتوں کی تعظیم وقدر ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ اب میں اُن صاحبوں میں سے تین صاحبوں کی رائے جو اُنہوں نے آنحضرت اور مذہب اسلام کی نسبت لکھی ہے اپنے اس دیباچہ میں لکھتا ہوں اور گاڈفری ہیگنز کی رائے خطبات میں متعدد جگہ لکھی گئی ہے +

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں "کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص نے اُس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلے جس میں اُس کے ہموطن یعنے اہل عرب ابمدت سے ڈوبے ہوئے تھے خدائے برحق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولادکشی کو موقوف کیا نشے کی چیزوں کے استعمال کو اور قماربازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے منع کیا۔ بہتایت سے کثرت ازدواج کا اُس وقت میں رواج تھا اُس کو بہت کچھ گھٹاکر محدود کیا غرضکہ ایسے بڑے اور سرگرم مُصلح کو ہم فریبی ٹھیرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائی مکر پر مبنی تھی۔ نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد (ص) بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ اپنی کارروائی پر ابتدائے نزولِ وحی سے جو خدیجہ سے بیان کی۔ آخر دم تک جب کہ عایشہ کی گود میں شدتِ مرض میں وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔ جو لوگ ہروقت اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط ضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی اُن کی ریاکاری کا شُبہ نہیں ہوا اور کبھی اُنہوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہیں کیا"+

بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسا ہو اور

جو ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے۔ اُس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس طرح خدا تعالےٰ کے اور وفادار خادم گذرے ہیں اگرچہ اُن کی خدمتیں کامل نہ تھیں اُسی طرح محمدؐ کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدا تعالےٰ کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی۔ جیسی اَوروں نے جو مثل اَوروں کی خدمت کے پوری اور کامل نہ تھی۔ اس بات پر کیوں یقین نہ کیا جاوے کہ اُس کو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعظیم سکھلانے کے لیئے اور ان کی حالت کے مناسب اُن کو ملکی اور اخلاقی امور میں نصیحت کرنے کے لیئے خدا نے بھیجا تھا اور وہ راستبازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا ؂

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ " محمدؐ کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ہے قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی ۔ انسانوں کی ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اِس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہوجاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہوجاتی ہے۔ اُس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُس کا ثانی موجود ہے جس سے اُس کو تشبیہ دے سکیں وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے اخلاق اور عقل کا کمال جو اس کو حاصل ہے وہ اس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے۔ اُن بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اُس کے پیرووں نے اُن کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعے سے بہت درستی کے ساتھ اُن کی تشریح اور تفریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالےٰ کے وجود

اور اُس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدے کی نسبت یہ کہہ سکتا
ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ ادراک اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے اسلئے
کہ جب ہم نے اُس نامعلوم چیز (یعنی خدا) کو زمان اور مکان اور حرکت مادہ اور حس اور تفکر
کے اوصاف سے مبرا کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز باقی رہی
وہ اصل اول (یعنی ذات باری تعالےٰ) جس کی بنا عقل اور وحی پر ہے محمدؐ کی شہادت
سے استحکام کو پہنچی چنانچہ اس کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب
سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے"۔

مسٹر باسس کاربیل صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم لوگوں (یعنے عیسائیوں) میں جو یہ بات
مشہور ہے کہ محمد ایک پُرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور اُن کا
مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک
غلط ٹھیرتی جاتی ہیں جو جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں
(یعنی عیسائیوں) نے اُس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزام
قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں چنانچہ ایک یہ بات مشہور ہے کہ پارک صاحب نے
جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصہ جو تم نے لکھا ہے کہ محمدؐ نے ایک کبوتر کو تعلیم کیا تھا
کہ وہ اُن کے کان میں سے تیل نکالا کرتا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے جو اُنکے
پاس وحی لایا کرتا ہے تو اس قصے کی کیا سند ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "اس
قصے کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں" حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ایسے ایسے
قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جاوے۔ جو جو باتیں اس انسان (یعنی محمد صلعم) نے اپنی زبان
سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قائم
ہیں ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اُسی طرح خدا نے پیدا کیا ہے جس طرح ہمکو پیدا کیا
اس وقت جتنے آدمی محمدؐ کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اُس سے بڑھ کر اور کسی

کے کلام پر اس زمانے کے لوگ یقین نہیں رکھتے پھر کیا ہم یہ خیال کرسکتے ہیں کہ جس کلام پر خدائے قادر مطلق کی اس قدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اُسی پر مر گئی ۔ کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے ۔ جیسا ایک بازی گر کا ہوتا ہے[1] ۔ میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کرسکتا بلکہ میں بہ نسبت اَور چیزوں کے اس پر جلد یقین کرتا ہوں اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں اس قدر زورآور ہوں اور رواج پکڑ جاویں اور مستحکم ٹھیر جاویں تو پھر اس دنیا کی نسبت کوئی کیا سمجھے گا ۔ اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے ہوئے ہیں بہت ہی افسوس کے قابل ہیں اگر ہمکو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا منظور ہو تو ہم کو ایسی باتوں پر یقین کرنا ہرگز نہیں چاہیئے ۔ وہ باتیں ایسے زمانے میں پھیلی تھیں ۔ جب کہ توہمات کو بہت دخل تھا اور اُنھیں توہمات کے سبب خیال تھا کہ آدمی کی روحیں ہمگین خرابی میں پڑی ہوئی ہیں جو اُن کی ہلاکت کا سبب ہے ۔ میرے نزدیک اس خیال سے کہ ایک جھوٹے آدمی نے ایک مذہب قائم کیا اور کوئی اس سے زیادہ بد اور ناخداپرست خیال دنیا میں نہیں پھیلا ۔ بھلا یہ کب ہوسکتا ہے کہ ایک جھوٹا آدمی جو چونہ اور اینٹ اور اَور مصالح

---

[1] میں اس قدر اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ۔ کروڑوں آدمی اس وقت بھی اُسی پر نہایت مستحکم اعتقاد سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور جن ملکوں میں اسلامی سلطنت کبھی نہیں گئی اُن ملکوں کے لوگوں نے بھی اُن کی باتیں سن کر ان کو قبول کیا ۔ اور اب بھی کہ اس کے بانی کو دنیا سے گئے ہوئے بارہ سو برس ہوگئے ہر ایک ملک میں اور اُن ملکوں میں بھی جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے ہزاروں نئے لوگ اس پر بغیر کسی لالچ اور دھوکے کے اور بغیر کسی تدبیر کرنے والوں کی تدبیر و حکمت کے ایمان لاتے جاتے ہیں اور اسلام کو قبول کرتے ہیں ۔ تو وہ کیا ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے ۔ نہیں بلکہ اُس کے سچ ہونے کا ہر ایک کے دل پر یقین ہوتا ہے ۔ سید احمد

کی حقیقت کو سچ نہ جانے اور پختہ مکان بنالے وہ پختہ مکان کاہے کو ہوگا۔ بلکہ خاک کا ایک ڈھیر ہوگا۔ بارہ سو برس تک اس کو کب قیام ہوسکتا ہے اور اٹھارہ کروڑ آدمی اس میں کب رہ سکتے ہیں بلکہ اب تک وہ مکان کبھی کا سر کے بل گر پڑا ہوتا۔ ضرور ہے کہ ایک آدمی اپنے طریقوں کو قانون قدرت کے مطابق کرے اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو سمجھے اور اس پر عمل کرے ورنہ قدرت سے اس کو یہ جواب ملے گا کہ نہیں ہرگز نہیں ہوسکتا جو جو قانون اور قاعدے خاص ہیں وہ خاص ہی رہتے ہیں عام نہیں ہوجاتے افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ لسٹر و یا اور ایسے ہی بہت سے دنیا کے سربرآوردہ لوگوں کے چند روز کے لئے اپنے فند فطرت سے کامیاب ہوجاتے ہیں مگر اُن کی کامیابی ایک جعلی ہنڈوی کی مانند ہوتی ہے جس کو وہ اپنے نالائق ماتوں سے جاری کرتے ہیں اور خود الگ تھلگ رہتے ہیں اور اَوروں کو اُس کے سبب سے نقصان پہنچاتے ہیں مگر قدرت آگ کے شعلوں اور فرانسیسی ہنگاموں اور اسی قسم کے اَور غضبناک ظہور سے ظاہر ہوکر یہ بات بہت غضب اور قہر سے دنیا پر ظاہر کردیتی ہے کہ جعلی ہنڈویاں جعلی ہی ہیں٭

راقم

سید احمد

بمقام لنڈن محلہ میکلن برگ اسکویر مکان نمبر ۲۱

سنہ ۱۸۷۰ء مطابق سنہ ۱۲۸۷ ہجری

الخطبۃ الاولیٰ

فی

جغرافیہ جزیرۃ العرب واُمم العرب البائدہ والعاربۃ والمستعربہ

ربِّ اجعل ہٰذا البلد اٰمنًا واجنبنی وبنیّ ان نعبد الاصنام

عرب یا وہ جزیرہ نما جو جزیرۃ العرب کہلاتا ہے بحر احمر کے مشرق کی طرف واقع ہے اور یہاں سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک متحقق ہونا کہ اس ملک کا نام عرب کیونکر اور کس زمانے میں رکھا گیا نہایت مشکل ہے۔ لیکن کتاب اول ملوک باب (۱۰) درس (۱۵) میں جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان کی ملاقات کا ذکر ہے اس ملک کو عرب کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ۳۰۰۰ دنیوی یا ۱۰۰۰ قبل حضرت مسیح کے گذرا تھا مگر ہماری رائے میں یہ جزیرہ حضرت سلیمان کے زمانے کے بہت پہلے سے عرب کے نام سے کہلایا جاتا تھا کیونکہ اس کا ذکر کتاب ملوک میں اس طرح پر کیا گیا ہے کہ گویا ایک بہت معروف اور مشہور ملک کا نام ہے۔ کتاب توریہ مثنیٰ باب (۱) درس (۷)، و باب (۲) درس (۸) میں لفظ عربہ پایا جاتا ہے مگر جو باتیں[1] کہ

---

[1] بعضے لوگ عرب کے نام کو لفظ عربہ کی طرف جس کے معنی ہموار بیابان کے ہیں اور جو صوبہ تہامہ

اس جزیرہ نما کی وجہ تسمیہ میں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے وہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے جو خود اس لفظ سے نکلتی ہے اور جو اس ملک کی طبعی بناوٹ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لفظ عربہ کے معنی وادی یا بیابان کے ہیں اور چونکہ ایک بڑا حصہ جزیرہ عرب کا بالکل بیابان ہے اور وادی کے نام سے مشہور ہے اسی وجہ سے کل جزیرے کا نام عرب ہو گیا۔ لفظ عربہ کا ہر قصبہ کے نام کے پہلے بطور ایک عام صفت کے لگایا جاتا تھا اور اسی طرح عربات[1] جو اس کی جمع ہے اس جزیرے کے ایک حصے پر بولا جاتا تھا جیسا کہ کتاب توریہ مثنے باب (۴۳) درس (۱۰ و ۸) میں آیا ہے۔ بعض مورخ ازراہ جرأت یہ رائے دیتے ہیں کہ ایک گاؤں[2] موسوم کی وجہ سے جو تہامہ کے نزدیک واقع ہے اس تمام جزیرے کا یہ نام پڑ گیا مگر یہ رائے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ ممکن ہے کہ لفظ عربہ جو کسی گاؤں کے نام کے پہلے محض بہ حیثیت ایک جزو ممیزہ کے استعمال کیا جاتا ہو اور رفتہ رفتہ اُس کے اصلی نام کے قائم مقام ہو گیا ہو +

عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مغرب میں بحر احمر۔ مشرق میں خلیج فارس و خلیج عمان۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۔ کا ایک ضلع ہے منسوب کرتے ہیں اور بعض لوگ لفظ عیبر کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کے معنی خانہ بدوش کے ہیں کیونکہ زمانہ سابق میں عرب خانہ بدوش تھے۔ اس صورت میں اس کا اشتقاق لفظ عبرانی سے جس کی بھی وجہ تسمیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ لفظ عبری مصدر عرب سے نکلا ہے جس کے معنے پیچھے جانے کے ہیں اور اس سے وہ ملک مراد ہے جس میں سم کی یعنی اولاد سام بن نوح کو جو دریائے فرات کے کنارے پر رہتی تھی آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ بوکارٹ صاحب کے نزدیک لفظ عرب ایک فنی شین لفظ ہے جس کے معنے اناج کے بالوں کے ہیں مشتق ہوا ہے۔ لفظ عربہ ایک عبری لفظ بھی ہے جس کے معنے بنجر زمین کے ہیں اور توریت میں شام اور عرب کی حد فاصل کے طور پر بار بار بولا گیا ہے (چیمبرز این سائکلو پیڈیا صفحہ ۴۴۳) +

[1] عربات بالتحریک جمع عربۃ وہی بلاد العرب (مراصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)
[2] عربۃ قریۃ فی اول وادی نخلۃ من جہۃ مکۃ (ایضاً صفحہ ۲۲۶)

جنوب میں بحرِ ہند۔ شمال کی جانب اُس کی سرحد ایل اور شام سے ملی ہوئی ہے اور اُس کو آبنائے سویز مصر سے علیحدہ کرتی ہے۔ یہ جزیرہ نما شمال اور مغرب کی جانب کنعان سے ملا ہوا ہے جو بنی اسرائیل کا وطن ہے اور جس کو متقدمین یونانی فنشیا اور متوسط زمانے کے لوگ فلسطین یا ارضِ مقدس کہتے تھے اور بالفعل سریا یعنے شام کے نام سے مشہور ہے اسی زمین کی نسبت خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد سے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ۔ اِن دونو ملکوں کی اِس سمت میں بیابان حائل ہیں اس لئے قبل اس کے کہ عرب کے شمالی اور مغربی حد معیّن کرنے کی کوشش کی جاوے "ارضِ موعود" کی جنوبی اور مشرقی حد کو محقق کرنا چاہئے۔ جب کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری اولاد کو ایک ملک عطا کرونگا اُس وقت حضرت ابراہیمؑ اُس مقام پر رہتے تھے جو درمیان (بیت ایل۔ اور عی) کے واقع ہے۔ جیسا کہ سفرِ تکوین باب (۱۳) ورس (۳) میں مذکور ہے۔ اگرچہ خدا تعالےٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت ابراہیم کو وہ ملک جس کے دینے کا وعدہ کیا تھا دکھلا دیا تھا۔ لیکن اُس کی ٹھیک ٹھیک حدیں نہیں بتائی تھیں جیسا کہ سفرِ تکوین باب (۱۳) ورس (۱۴ و ۱۵) سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر جب خدا تعالےٰ نے دوبارہ اپنے وعدے کی تجدید کی اُس وقت حضرت ابراہیم کو صرف اُس کی دو حدیں بتلائیں جیسا کہ سفرِ تکوین باب (۱۵) ورس (۱۸) میں لکھا ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اس زمین کو نہرِ مصر سے نہرِ بزرگ تک جو نہرِ فرات ہے تیری ذریّت کو دوں گا۔

مگر تعجب ہے کہ اُس کے بعد کتاب ہائے مقدس کے کسی لکھنے والے نے دریائے مصر کو "ارضِ موعود" کی سرحد نہیں قرار دیا جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ برخلاف اس کے بیرسبع[1] کو ہر جگہ اُس کی حدِ جنوبی قرار دیا ہے اور جب کہ خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ

[1] کتاب قضاۃ باب ۲۰ ورس ۱۔ سموئیل اول باب ۳ ورس ۲۰۔ سموئیل دوم باب ۳ ورس ۱۰ و باب ۱۷

کو بیابان موآب میں "ارض موعود" دکھلائی تو اُنہوں نے دیکھا کہ صوعر[1] اس کی جنوبی سرحد ہے صوعر اور بیر شبع قریب قریب ایک ہی خط میں واقع ہیں اس واسطے اُن دونوں میں سے کوئی جگہ بلا تفرقہ "ارض موعود" کی جنوبی سرحد قرار پا سکتی ہے +

مگر یہ بات بالتخصیص جاننی چاہیئے کہ بیر شبع[2] دو تھے ایک کا نام صرف بیر شبع[3] تھا اور دوسرے کا نام قریہ بیر شبع یا شبعہ[4] کہا جاتا تھا یعنے وہ جگہ جہاں بیابان جرار میں حضرت اسحاق کے نوکروں نے اُس وقت جب کہ حضرت اسحاق اور ابی ملک کے باہم عہد و پیمان اور حلف ہوا تھا ایک کنواں کھودا تھا چنانچہ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۳۲ و ۳۳ میں لکھا ہے اور ایسا ہوا کہ اُسی دن اسحاق کے نوکر آئے اور اُس کنوئیں کا حال جو اُنہوں نے کھودا تھا بیان کیا اور اُن سے کہا کہ ہم کو پانی مل گیا اور اُنہوں نے اس کا نام شبع رکھا۔ اسی واسطے اُس شہر کا نام آج تک بیر شبع ہے۔ اور یہ وہی[5] جگہ ہے جہاں سے کہ حضرت

بقیہ حاشیہ ۲۰۔ ورس ۱۱ و باب ۲۴ ورس ۷ و ۱۵۔ ملوک اول باب ۴ ورس ۲۵۔ ملوک دوم باب ۲۳ ورس ۸۔ تواریخ اول باب ۲۱ ورس ۲۔ تواریخ دوم باب ۳۰ ورس ۵ +

[1] توریت مثنیٰ باب ۳۴ ورس ۳ +

[2] ہم کو صاف اور صریح خبر ملی ہے (سموئیل دوم باب ۲۴ ورس ۷ و ۱۵) سے کہ بیر شبع یہودیہ کے جنوب میں ادومیہ کی جانب واقع تھا اور اس واسطے اُس کو وہ بیر شبع نہ سمجھ لینا چاہیئے جو گلیلی کے اوپر کے حصے میں واقع ہے اور جس کا ذکر جوسیفس نے اور حال میں ڈاکٹر ویچرڈسن نے کیا ہے۔ (بائبل سائکلو پیڈیا مولفہ جے بی لاسن ایم۔ اے جلد ۱ صفحہ ۲۰۰) +

[3] سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۳۱ و ۳۲ +

[4] یوشع باب ۱۹ ورس ۲ +

[5] سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۰ +

یعقوب حاران کو روانہ ہوئے تھے اور اسی[1] جگہ حضرت یعقوب کے بیٹے جب کہ وہ مصر کو غلہ لینے جاتے تھے ٹھیرے تھے اور ایک زمانے میں یہ شہر گردو نواح کے ملک کا پایۂ تخت تھا اور شموئیل کے لڑکے وہاں[2] حاکم تھے۔ عاموص[3] نبی نے بھی اس مقام کا ذکر کیا ہے کہ یہاں بت پرستی بہت شائع تھی۔ اور صفنیاہ[4] مادر یہو ہواش اسی جگہ پیدا ہوئی تھی اور ایلیاہ[5] ملکہ ایزبل کے خوف سے یہاں بھاگ آئی تھی۔ یہ شہر[6] بابل والوں کی گرفتاری تک ویران نہیں ہوا تھا۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وہ اب ایک نہایت چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے اور ایک وسیع ریگستان کے قرب و جوار میں واقع ہے جہاں کہ بجز اطراف سمندر کے آبادی کا نام و نشان نہیں ہے۔ بیرشبع حبران سے بیس پچیس میل کے فاصلے پر تھا اور یوسی بیس کے زمانے میں جو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا ہے اس میں ایک رومی فوج رہتی تھی۔ یہ بیرشبع اکتیس درجہ سترہ دقیقہ عرض شمالی پر واقع تھا اور طول شرقی اسکا چونتیس درجہ اور چون دقیقہ کا تھا۔

پہلا بیرشبع قادیش اور شور کے بیابانوں کے بیچ میں تھا اور حضرت ابراہیم نے اسکو بنایا تھا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کلدانیوں کے شہر کو جس کا نام[7] "اور کلدانیاں" تھا چھوڑ کر حاران کو چلے گئے اور وہاں چند روز ٹھیر کر مصر کی طرف چلے گئے اور جب

---

[1] سفر تکوین باب ۴۶ ورس ا و ۵ +

[2] شموئیل اول باب ۸ ورس ۲ +

[3] کتاب عاموص باب ۵ ورس ۵ و باب ۸ ورس ۱۴ و باب ۷ ورس ۹ +

[4] ملوک دوم باب ۱۲ ورس ۱۔ تواریخ دوم باب ۲۴ ورس ۱ +

[5] ملوک اول باب ۱۹ ورس ۳ + [6] نحمیاہ باب ۱۱ ورس ۲۷ و ۳۰ +

[7] سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۳۱ +

مصر سے واپس ہوئے تو اُسی جگہ پر ٹھیرے[1] جہانکہ پہلے ٹھیرے تھے اور وہاں سے حضرت لوط
اُن کے ساتھ سے جدا ہو کر وادیٔ[2] اردن کو روانہ ہو گئے۔ حضرت ابراہیم نے قادیش اور
شور[3] کے بیابانوں میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک[4] کنواں کھودا۔ حضرت ابراہیم[5]
مدت تک یہاں رہے اور ایک[6] باغ لگایا۔ اور جب حضرت[7] ہاجرہ حضرت ابراہیم کی پہلی
بی بی حضرت سارہ سے ناراض ہو کر نکل گئی تھیں تو اسی جگہ پر آ ئی تھیں اور اسی
کنوئیں کے پاس اُن کو خدا کا فرشتہ دکھائی دیا تھا اور اس لئے اُنہوں نے اس
کنوئیں کا نام بیرلحی روئی یعنی "بئیر للحی المرئی" رکھا تھا اس کے بعد ایک قحط سالی
کے ایام میں حضرت اسحق نے اُس مقام کی سکونت چھوڑ دی اور جرار[8] کو چلے گئے
اس میں کچھ شک نہیں کہ قادیش ایک اور جگہ ہے اور جرار اُس سے بہت دور ہے
وہاں کے باشندے حضرت اسحاق سے واقف نہ تھے اور غالباً بدطینت اور بدخصلت
آدمی تھے اس لئے حضرت اسحاق نے جیسا کہ توریت میں لکھا ہے اُن لوگوں سے اپنی
بی بی کی نسبت کہا کہ یہ میری بہن[9] ہے۔ مگر جب ابی ملک نے حضرت اسحاق کو جرار

[1] سفر تکوین باب ۱۳ ورس ۳ +

[2] سفر تکوین باب ۱۳ ورس ۱۰ و ۱۱ +

[3] سفر تکوین باب ۲۰ ورس ۱ +

[4] سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ و ۱۵ و ۳۰ +

[5] سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۱۹ +

[6] سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۳۳ +

[7] سفر تکوین باب ۱۶ ورس ۸ لغایت ۱۴ +

[8] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۶ +

[9] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۷ +

سے نکال دیا تب اُنھوں نے بیابان جرار میں بود و باش اختیار کی اور وہاں ایک کنواں کھودا جس کا نام شبع رکھا اور جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی اُس کا نام قریہ[1] بیر شبع رکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہ وہ جگہ ہرگز نہیں ہو سکتی جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کھودا تھا ٭

اِن باتوں کی اس قدر تفصیل کرنے سے ہمارا منشاء دو چیزوں کے ثابت کرنے کا ہے اول یہ کہ عرب کی شمالی حد ملک شام یا "ارض موعود" سے ملحق ہوتی ہے اور "ارض موعود" کی جنوبی حد حضرت اسحاق والا بیر شبع یا صوعر جس کو ضلع[2] بھی کہتے ہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع قادیش میں ہے جو ملک عرب میں واقع ہے ٭

جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع اور حضرت اسحاق والا بیر شبع دونوں ایک ہی ہیں اُن واقعات پر مبنی ہے جن کو کہ میں ابھی ثابت کروں گا کہ اُن پر کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا سب سے پہلا واقعہ جو اُن کی رائے کا مؤید ہے یہ ہے کہ جب حضرت اسحاق قادیش سے چلے گئے۔ تو فلسطین والوں نے حضرت ابراہیم کے کھودے ہوئے کنوئیں کو مٹی سے بھر کر بند کر دیا اور جب کہ ابی ملک نے حضرت اسحاق کو جرار سے نکال دیا تو حضرت اسحاق نے اُنہیں کنوؤں کو از سرِ نو کھودا جو اُن کے والد حضرت ابراہیم کے زمانے میں کھودے گئے تھے اور جن کو فلسطین والوں نے روک دیا تھا اور اُنھوں نے اُن کنوؤں کے وہی نام رکھے جو اُن کے والد نے رکھے تھے ۔ مفسرین توریت کا یہ استدلال ابتدائی یا سرسری نظر میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور خیال

---

[1] سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۳۳ ٭

[2] سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۲ ٭

میں آتا ہے کہ بیرشبع ایک ہی ہوگا مگر ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ سفر تکوین کے چھبیسویں باب کی اٹھارھویں آیت تک توریت میں حضرت ابراہیم کے صرف اُنہیں کنوؤں کا بیان ہے جن کو حضرت اسحاق نے پھر کھدوا دیا تھا مگر اُسی باب کی اُنیسویں آیت سے لے کر آخر باب تک اُن قدیم کنوؤں کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ بلکہ نئے کنوؤں کا ذکر ہے۔ ان نئے کنوؤں کے نام بھی حضرت اسحاق نے نئے رکھے تھے۔ اول کا نام بیر عسق۔ دوسرے کا نام سطنہ۔ تیسرے کا نام رحوبث۔ اور چوتھے کا نام سبعہ رکھا تھا۔ اس سے صریح واضح ہے کہ یہ کنوئیں حضرت ابراہیم کے کنوؤں میں سے نہیں تھے۔ پھر اُسی باب کی سترھویں آیت کا صاف صاف مضمون یہ ہے کہ حضرت اسحاق نے جرار کی وادی میں اپنا خیمہ نصب کیا اور وہاں آباد ہوئے اور اُنیسویں اور بیسویں درس میں بیان ہے کہ حضرت اسحاق کے آدمیوں نے وادی میں کنواں کھودا اور وہاں ایک کنواں جاری پانی کا برآمد ہوا اور جرار کے چرواہوں نے حضرت اسحاق کے چرواہوں سے تکرار کی اور پانی پر اپنا دعوےٰ کیا۔ پس جب کہ ان سب آیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جاوے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کنوئیں وادی جرار میں کھودے گئے تھے نہ وادی قادیش میں۔ ایک اور امر جو مذکورہ بالا لوگوں کی رائے کی تائید کرتا ہے تینتیسویں آیت کا یہ مضمون ہے کہ حضرت اسحاق ابی ملک کو چھوڑ کر بیرشبع کو چلے گئے جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس بیرشبع سے مراد حضرت ابراہیم والا بیرشبع ہے کیونکہ اُس وقت تک حضرت اسحاق والے بیرشبع کا وجود بھی نہ تھا۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ جس بیرشبع کا اُس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم والا بیرشبع نہیں ہے بلکہ حضرت اسحاق والا بیرشبع ہے۔ کتب مقدسہ لکھنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ پچھلے زمانے کے حالات لکھنے میں جب کسی مقام کا ذکر آتا ہے تو وہ اُس مقام کا ذکر

نام لکھ دیتے ہیں جو زمانۂ تحریر میں اُس کا نام ہوتا ہے گو کہ اُس زمانے میں جس کا وہ حال لکھتے ہیں اُس مقام کا وہ نام نہ تھا بلکہ وجود بھی نہ تھا۔ چنانچہ اکثر مقامات میں اُنہوں نے بہت سے شہروں اور قصبوں کا جو اُس زمانے کے عرصہ دراز کے بعد وجود میں آئے تھے نام لے کر ذکر کیا ہے اکیسویں باب کی چودھویں آیت میں حضرت ابراہیم والے بیرشبع کا نام مذکور ہے اگرچہ اُس وقت تک اُس کنوئیں نے وہ لقب حاصل نہیں کیا تھا۔

عرب علے العموم ایک وسیع مسطح اور ویران ملک ہے مگر جابجا چند بے انتہا سرسبز و شاداب اقطاع بھی واقع ہیں اور بعض عظیم الشان پہاڑ بھی ہیں جن کی گھاٹیاں تازگی اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہیں۔ اُس میں جو سب سے بڑے نقصانات ہیں وہ کثرت سے وادیوں کا ہونا اور پانی کا نہ ہونا ہے۔ میوے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جن میں کھجور نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ ہوتی ہے جو عرب کے ملک سے مخصوص ہے اور درحقیقت عرب کے لوگوں کی زندگی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ عرب کے گھوڑے تمام دنیا کے گھوڑوں سے عمدہ اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ لیکن عرب کے لئے سب سے زیادہ مفید جانور اونٹ ہے جس کو ریگستان کا جہاز لکھنا بے جا نہیں ہے۔

عرب ٹھیک طور سے دو حصوں میں منقسم ہو سکتا ہے ایک عرب الحجر یعنے کوہستانی عرب جو خاکنائے سوئیس سے لے کر بحر احمر اور بحر عرب تک پھیل رہا ہے۔ دوسرا عرب الوادی یعنے عرب کا مشرقی حصہ۔ مگر بطلیموس[1] پرانے جغرافیہ دان نے

---

[1] جزیرہ عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا موجد بطلیموس خیال کیا جاتا ہے اور وہ تین حصے یہ ہیں۔ عرب الحجر۔ عرب المعمور۔ عرب الوادی۔ عرب الحجر میں تمام شمالی۔ غربی حصہ شامل تھا۔

عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے - عرب الحجر یعنے پتھریلا عرب - عرب المعمور یعنے عرب آباداں - عرب الوادی یعنے ریگستانی عرب - آج کل کے اٹلسوں میں عرب الحجر میں صرف وہ حصہ ملک کا شامل رکھا گیا ہے جو خلیج سوئیز اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے مگر اس تقسیم کے لئے کوئی معتبر سند نہیں - بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق عرب الحجر کو خلیج سوئیز سے لے کر یمن یا عرب المعمور کی حد تک شمار کرنا چاہئے - وہ لوگ جن کے نزدیک بطلیموس نے عرب المعمور لفظ یمن کا ترجمہ کیا ہے - بلاشک غلطی پر ہیں کیونکہ اس پرانے جغرافیہ دان کے زمانے میں عرب الحجر کا جنوبی حصہ گنجان آباد تھا اور تجارت کے لئے مشہور تھا - جس کی وجہ سے اس نے تمام جزیرے کے اس حصے کا عرب المعمور نام رکھدیا - عربی جغرافیہ دانوں نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے - تہامہ - حجاز - نجد - عروض - یمن - غیر ملکوں کے مؤرخ اور جغرافیہ دان جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس ملک کو حجاز اس سبب سے کہتے ہیں کہ حاجی اور زائروں کا عام مرجع ہے - وہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ لفظی معنے حجاز کے اس چیز کے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان میں واقع ہو - تمام ملک کا یہ نام اس پہاڑ کی وجہ سے پڑ گیا ہے جو شام اور یمن کے درمیان بطور حجاب کے واقع ہے - عرب بہ لحاظ ان مختلف قوموں کے جو اس زمانے میں آباد ہیں اور ان آبادیوں کے ناموں کے اور ان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳ - عرب المعمور میں غربی اور جنوبی کنارہ - عرب الوادی میں تمام اندرونی حصہ جو اچھی طرح معلوم نہ تھا - مگر اس تقسیم کو عرب کے لوگ تسلیم نہیں کرتے اور حال کی تحقیقات کی رُو سے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی - چیمبر دان سائکلو پیڈیا صفحہ ۴۴۴ - یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بطلیموس نے ملک کو اس کی طبعی حالت کے لحاظ سے تقسیم کیا تھا نہ کہ حدبندی کے لحاظ سے ؛

آبادیوں کے ملکی حالات کے اور ان کے باشندوں کے اعتبار سے بے شمار حصوں میں منقسم ہو گیا ہے مگر اس بات کا کہنا کہ یہ حصے ٹھیک ٹھیک کس طرح پر ہیں بغیر اس بات کے اول جان لینے کے کہ یہ قومیں جو ان میں آباد ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں اور کہاں کہاں آباد ہوئیں اگر محال نہیں تو غیر ممکن ضرور ہے اس لئے ہم حتے الامکان ان امور کی تنقیح کی کوشش کریں گے - ان امور کی نسبت کتب مقدسہ یا عرب کے قرب وجوار کی قوموں کی کتابوں میں بہت کم تذکرہ پایا جاتا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ کتب مقدسہ کے لکھنے والے صرف "ارض موعود" کے حالات لکھنے اور تلاش کرنے میں مصروف رہے اور ان کی تمام ہمت صرف بنی اسرائیل کے حالات لکھنے پر منحصر تھی اور غیر قوموں نے اس ویران اور بے ثمر ملک کی طرف کچھ توجہ نہیں کی ✦

اس کتاب کے لکھنے میں جہاں تک کہ ہو سکے گا ہم ان دونو ذریعوں سے گو کہ ان سے بہت ہی کم حالات معلوم ہوتے ہیں فائدہ حاصل کریں گے اور اس کی تائید میں عرب کی ملکی روایتوں سے جو قابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں غفلت نہ کریں گے ✦

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں کیونکہ عرب کے لوگ اپنی آبائی رسوم اور اوضاع اور اطوار کے بدرجہ غایت پابند تھے اور انکو کبھی ترک کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے اور اسیوجہ سے وہ لوگ اپنے نسب ناموں کو یاد رکھنا زیبا دینا اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جد امجد نام رکھتا تھا اور اس ذریعے سے ہر ایک شخص اپنی قوم اور قبیلے کو بخوبی جانتا تھا اور اپنے حسب ونسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا اور جس طرح کہ پرانی قوموں "سکنڈنیوین" اور "سلٹک" کے ہاں کیفیت ہوتی تھی اسی طرح عرب کی قوموں میں بھی ہوتی تھی جن کا لڑائیوں میں مردانہ اشعار پڑھنا اور لڑنے والوں کو تنبیہ

حسب نسب کا جتلانا جنگی باجے کا کام دیتا تھا[1]۔

جو کچھ کہ میں نے عرب کی ملکی روایتوں کی نسبت بیان کیا ہے اُس کی تائید رورنڈ مسٹر فارسٹر کے بیان سے ہوتی ہے۔ اُنہوں نے عرب کا ایک جغرافیہ لکھا ہے اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ "عربوں کی قدیمی اوضاع اور رسوم اور یادگاروں کی پابندی کو جو ہمیشہ سے زبان زد خاص و عام ہے تمام دلائل میں سب سے اول رکھنا مناسب ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اُن کے قومی خاصوں میں سے یہ خاصہ سب سے مقدم ہے"۔ ایک اور تعجب انگیز مثال عرب کی اس پابندی کی قدامت اور رفاقت کی کرنیل حسینی نے اس طرح بیان کی ہے کہ عجل عربوں کا ایک گروہ بغداد کے قریب خیمہ زن ہوا میں اُن کے خیمہ گاہ کی سیر کے واسطے گیا۔ اُن خیموں کے بیچ میں شاہی نشان اسپین کا لہراتا ہوا دیکھ کر مجھ کو کمال حیرت ہوئی اور ایک عربی خیمے میں تین حاریوں کی علامتوں کو دیکھ کر میں نے اُن کا حال دریافت کرنے کی کوشش کی۔ ایک نہایت بڈھے آدمی نے مجھ سے کہا کہ جب کہ اُن کے آباو اجداد بربر کے ملک میں گئے تھے اور وہاں سے اسپین کی فتح کے واسطے روانہ ہوئے اُس وقت خلیفہ نے اُن کی خدمات کے صلہ میں قبیلہ عجل کو شاہی نشان اسپین کا بطور جھنڈے کے عطا فرمایا تھا

[1] ہمارے ملک میں جو ہندو قومیں آباد ہیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے اور اس بات کے دیکھنے سے کہ باوجود اس کے کہ ہزارہا برس اور مختلف حکومتیں اُن پر گذر گئی ہیں مگر اُن کی جُداجُدا قومیں آج تک کس طرح پر محفوظ ہیں اور ہر ایک شخص اپنی قوم اور اپنی گوت یعنے قبیلے سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے اور آج تک اُن کے معزز لوگوں کے ہاں بھاٹ اور کڑکیت موجود ہیں۔ عرب کی قدیم قوموں کے حالات کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اسی طرح اُنہوں نے اپنی قوم اور قبیلہ کو علحدہ علحدہ محفوظ رکھا تھا۔

ڈین پریڈو نے عرب کی رسم ورواج کی نسبت اس طرح پر لکھا ہے کہ قوم عرب دنیا میں سب سے
زیادہ قدیم قوم ہے جو اپنے مورثان اعلےٰ کے زمانے سے آج تک نسلاً بعد نسلٍ اپنے
ملک میں رہتی چلی آئی ہے اور جس قدر کہ عرب اپنی رسم ورواج میں تغیر و تبدل کو
ناپسند کرتے ہیں اُسی قدر ملک کے ناموں کے بدلنے کو بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اسی
وجہ سے اکثر مقاموں کے وہی نام بدستور چلے آتے ہیں جو ابتدا میں رکھے گئے تھے۔
اسی وجہ سے ملک مصر کے قدیمی دارالسلطنت کے رہنے والے جو مصری کہلاتے
تھے اور بعد کو زمانۂ دراز تک بنام ممفس مشہور رہے عربوں کے تسلط کے زمانے
سے پھر مصری کہلانے لگے اور جب سے برابر یہ نام چلا آتا ہے۔ یہ مثالیں منجملہ اُن
بے شمار مثالوں کے ہیں جو علامہ ڈین نے بیان کی ہیں۔ پروفیسر رالنسن کا بیان
ہے کہ فلسطین میں ایک اور قسم کی قدیمی روایت ہے جس سے کہ کنیسوں کو
کچھ علاقہ نہیں ہے یعنے عوام الناس میں مقاموں کے قدیمی ناموں کا بجنسہ
چلا آنا سے فی الحقیقت یہ قومی اور دیسی روایت ہے جو کسی طرح پر اجنبی کنیسوں
اور اجنبی حکام کے اثر سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اُنھوں نے اپنی ماں کے
دودھ کے ساتھ اس کو پیا ہے اور سمٹک زبانوں کی طبیعت میں استحکام کے ساتھ
گھر پکڑ گئے ہیں۔ مقامات کے عبری نام انجیل کے زمانے کے بہت عرصہ بعد تک اپنی
ارمینین شکل میں مروج رہا ہے اور باوجود اس کے کہ یونانی اور رومیوں نے اپنی
اپنی زبانوں کے ناموں کی ترویج کے لیے کوششیں کیں مگر عوام الناس کی زبان
پر وہی پرانے نام جاری رہے +

غرضکہ ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے
حالات دریافت کرنے کا ہے۔ اُن کی رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے معلوم ہوسکتا
ہے۔ میدان جنگ میں کوئی جنگ آور بدون اس کے کہ حریف سے اپنا حسب و نسب

یہ آوازہ بلند بیان کرنے تنہا لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا تھا۔

کسی عام مہم میں ہر شخص اپنے ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے پیچھے قیام کرتا تھا۔ بعض اوقات جب کہ کسی قوم کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو اسکی پاداش میں اُس ساری قوم کے لوگوں کو جرمانہ دینا پڑتا تھا جواب شرع میں بہ لفظ الدیت علے العاقلۃ مستعمل ہے۔

اس قسم کی رسوم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے لوگوں کو اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا غیر ممکن ہوگیا تھا اور اسی بنا پر جزیرہ عرب کے مختلف اقطاع پر تقسیم ہونے کی روایتوں پر کما حقہ اعتبار قائم ہوا اور برقرار رہا۔ اب ہم عربوں کی اُس مشہور و معروف پابندی کو جو اپنی قومی اطوار اور عادات اور اپنے بزرگوں کی رسوم کے ساتھ رکھتے ہیں بیان کرکے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرنا کس طرح سے ممکن ہے کہ ایسی قوم پر جو تغیر و تبدل کے اس قدر برخلاف ہو اور مزید برآں تبدیلوں کے سخت اختلافات کی نسبت اس قدر محتاط ہوں مندرجۂ ذیل شبہات کرنے کے لئے کافی وجوہ ہیں یعنے ایسے شبہات کے لئے جن کی تائید کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ایک طرف دار مصنف کے خیالی شوشے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ بنی عملیق اور بنی نبات میں ہم کو ایسو اور اسمٰعیل کی اولاد صاف صاف نظر آتی ہے اور اس بات کا فرض کر لینا کچھ ضرور نہیں ہے کہ اُن کے انساب کا علم یا روایت خود اُن قوموں میں بجنسہ چلی آتی ہے بلکہ فتح کے انقلابات اور دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے یہ بات بالکل بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ ایسی وحشی قوم کے پاس جن کے پاس کوئی تحریری یادداشت نہیں ہے اُن کو اپنے نسب کی واقفیت اتنی صدیوں تک محفوظ اور برقرار رہی ہو۔ مگر اس معترض کو ہمارے اوپر کے بیان سے ثابت ہو گیا ہوگا کہ یہ امر ناممکن نہ تھا بلکہ درحقیقت اسی طرح پر واقع ہوا جیسا

بیان ہوا ہے ✤

اب یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ کی سکونت کے باب میں ملکی اور قومی دونوں طرح کی روایتیں نہایت معتبر ذریعے سے ہمارے زمانے تک پہنچی ہیں اور وہ ایسی روایتیں ہیں کہ جن کو تمام قوم نے بلا تامل صحیح مان لیا ہے پھر ہم کس طرح کسی عیسائی طرف دار مصنف مسٹر ولیم میور کے محض بے دلیل بیانات کو صحیح اور معتبر تصور کر سکتے ہیں جس کا یہ بیان ہے کہ "یہ روایت ایک کہانی ہے یا توریت سے اخذ کر کے تحریر کر دی گئی ہے" مگر جس وقت کہ اس عالی رتبہ مصنف نے یہ بیان کیا اُن کو معلوم نہ ہوگا کہ خود توریت ہی سے حضرت ابراہیم کے نسب کی بابت اُس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے بعد مصنف موصوف نے کم سن اسمٰعیل اور اُن کی بے کس ماں کی سکونت کی اصلیت کی نسبت اس طرح پر قیاس دوڑایا ہے کہ "بنی اسمٰعیل اور عمالیق کی قومیں جزیرہ عرب کے شمال اور وسط میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً یہی لوگ مکہ کے اصلی متوطن ہوں گے یا زمانۂ سابق میں یمن کے لوگوں کے شمول میں وہاں آبسے ہوں گے۔ اُس کے بعد ایک فرقہ بنی اسمٰعیل خواہ نباتی خواہ کسی ہم نسل خاندان کا وہاں کے کنوؤں اور کاروانی تجارت کے دل پسند موقع کے لالچ میں وہاں چلا گیا ہوگا۔ اور بہت دنوں بعد اختیار ہو گیا ہوگا۔ یہ فرقہ اپنی ابراہیمی نسب کی پرانی روایتوں کو اپنے ساتھ لے گیا ہوگا اور مقامی اوہام اور اعتقادات پر خواہ وہ اُسی ملک کے ہوں یا یمن سے لائے گئے ہوں۔ اُن کو منقش کر دیا ہوگا" ✤

ان قیاسی باتوں کی غلطی اس طرح پر ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر جب کہ اُن کے باپ نے اُن کو گھر سے نکالا تھا توریت کے مطابق[1] سولہ برس کی تھی اور یہ

---

[1] جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی (سفر تکوین باب ۱۶ درس ۱۶)

عمر ایسی تھی کہ جو روایتیں اُنھوں نے اپنے والد سے سنی تھیں اُن کے سمجھنے اور تمیز کرنے
اور یاد رکھنے کے قابل تھے۔ اِس کے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے
رہے اور حضرت ابراہیم بھی اکثر اُن کے پاس آتے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھ کر
یہ بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل جن کی عمر اس وقت نواسی برس کی تھی بروقت وفات حضرت
ابراہیم اپنے والد کے اُن کے پاس موجود تھے۔ یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص
کے ذہن نشین کرنے کو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف اقوام عرب میں اس قدر
شائع ہیں لوگوں کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے پہنچی ہیں اور یہ امور ایسے بدیہی
اور ذہن نشین ہونے کے لائق ہیں کہ اگر پھر کوئی شخص براہ جرأت یہ کہے کہ یہ روایتیں
یہودیوں کی وساطت سے پہنچی ہیں تو اُس کو سنکر کچھ کم تعجب نہ ہوگا۔ مگر تعجب اس پر
آتا ہے کہ مصنف موصوف نے اپنے قیاسی خیال کے ثابت کرنے کا ادعا کیا ہے اور یہ
لکھا ہے کہ "مگر اُن بنی اسرائیل کو جو توریت پڑھتے ہیں صرف نام اور مقام ہی سے اس
نسب کا احتمال عائد ہوتا ہے اور یہودی مصنفوں میں۔ الہامی ہوں خواہ غیر الہامی
ہم کافی اظہار اس امر کا پاتے ہیں کہ ایسا خیال درحقیقت کیا گیا تھا۔ یہ قدرتی استنباط
خود اُن قوموں میں جن سے وہ علاقہ رکھتا تھا قرب و جوار کے یہودیوں کے ذریعے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۔ اور جب حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی تھی۔
(سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۵) اور حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو حضرت اسحاق کے دودھ
چھٹنے کے زمانے میں گھر سے نکال دیا تھا اس حساب سے حضرت اسمٰعیل جب کہ جلاوطن ہوئے
تھے سولہ برس کے تھے۔ حضرت ابراہیم کا ایک سو پچھتر برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا اور
حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے مل کر مکپیلاہ کے غار میں دفن کیا تھا (سفر تکوین باب ۲۵ ورس
۹) اس لئے حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت نواسی برس کی تھی۔

وقتاً فوقتاً شائع ہو گیا ہوگا اور اُن بے جوڑ روایتوں کے غیر مکمل آثار کو جو ہنوز اُسکے تخیلات اور اُن کی عادات اور اُن کی زبان میں موجود تھے تقویت دے دی ہو گی "۔

اگرچہ اس رائے کی غلطی اوپر کے بیان سے بخوبی ظاہر ہو گئی ہے مگر عرب کی قوموں کی عادت پر خیال کرنے سے اُس رائے کی اور زیادہ غلطی ظاہر ہوتی ہے۔ عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی جبلی عادت کے موافق اپنی اصلی روایتوں میں کوئی نئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے بالکل علیحدہ رہتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت اسمٰعیل اور اُن کے ہمراہی وہاں آکر آباد ہوئے تو قدیمی عرب اُن کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب "مستعربہ" سے اُن کو ملقب کیا تھا۔ آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب بنی اسمٰعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے رہے اور قدیم عرب نے اپنی قدیمی روایتوں کا اُن سے مبادلہ نہیں کیا اور بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیاء کی نسبت نہ زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہ تھی۔

آنحضرت صلعم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیاء بنی اسرائیل برحق نبی تھے اور اُن پر ایمان لانا چاہیے اُس وقت بنی اسرائیل کی اور اُن کے نبیوں کی روائتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہو گئے۔ لیکن چونکہ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روائتیں نہ تھیں اس وجہ سے عرب کی روائتیں بجائے خود بجنسہ برقرار رہیں۔

تمام نئے آباد ہونے والے جو وقتاً فوقتاً عرب میں آباد ہوئے اور قدیم متوطنان عرب نے تین نام حاصل کئے تھے۔ اول عرب البایدہ یعنے صحرائی عرب۔ دوم عرب العاربہ یعنی قدیمی عرب۔ سوم عرب المستعربہ یعنی عرب میں نئے آباد ہونے والے جو بسبب زمانہ دراز کی سکونت کے عرب بن گئے تھے۔ یہ تین بڑی تقسیمیں قریب قریب تمام باشندگانِ عرب پر حاوی ہیں خانہ بدوش بدوؤں سے لے کر اُن قدرے شائستہ قوموں تک جو کنارے کے برابر برابر آباد ہیں اور معہذا قدیم باشندگانِ عرب اور جدید باشندگانِ عرب کے درمیان

تیز بھی قائم رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عرب کے باشندوں کا اُن مذکورہ بالا تین عام قسموں کے مطابق علٰحدہ علٰحدہ بیان کریں +

اوّل

عرب البایدہ یا خانہ بدوش صحرائی عرب کی قومیں

عرب البایدہ میں سات شخصوں کی اولاد کی سات مختلف گروہیں شامل ہیں (۱) کوش پسر حام پسر نوح کی اولاد (۲) عیلام پسر سام پسر نوح کی اولاد (۳) لود پسر سام پسر نوح کی اولاد (۴) عوص پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۵) حول پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۶) جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۷) ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد +

کوش کی اولاد خلیج فارس کے کنارے پر اور اُس کے قرب و جوار کے میدانوں میں آباد ہوئی +

جرہم پسر عیلام بھی اُسی طرف جا کر رودِ فرات کے جنوبی کناروں پر سکونت پذیر ہوا +

لود کے جوان میں سے تیسرا مورث اعلےٰ اِسے تین بیٹے مسمیان طسم۔ عملیق۔ امیم تھے جنہوں نے اپنے آپ کو تمام مشرقی حصہ عرب میں یمامہ سے لے کر بحرین اور اُس کے گرد نواح تک پھیلا دیا +

عوص پدر عاد اور حول دونوں نے ایک ہی سمت اختیار کی اور جنوب میں بہت دور جا کر حضرموت اور اُس کے قرب و جوار کے میدانوں میں اقامت اختیار کی +

جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام عرب الوادی میں آباد ہوا +

ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام نے عرب الحجر میں اور اُس میدان میں جو وادی القریٰ

کے نام سے مشہور ہے اور ملک شام کی جنوبی اور ملک عرب کی شمالی حد سے رہنا اور قبضہ کرنا پسند کیا ۔

عربی جغرافیہ دانوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں نسبت عرب البائدہ اور اُن کے مقاماتِ سکونت کے لکھا ہے اُس کا انتخاب ذیل میں لکھتے ہیں جن سے اُن امور کی جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں تصدیق ہوتی ہے ۔

قال القاضی صاعد ابن احمد الاندلسی صاحب قضاء مدینۃ طلیطلۃ

ان العرب البائدۃ کانت امماً ضخمۃ کعاد وثمود وطسم وجدیس ولتقادم العهد بهم ذهبت عنا حقائق اخبارهم وانقطعت عنا اسباب العلم بآثارهم ۔

اما جرهم فهم صنفان جرهم الاولی وکانوا علی عهد عاد فبادوا ودرست اخبارهم وهم من عرب البائدۃ ۔ ابو الفدا ۔

سکنت بنو طسم الیمامۃ الی البحرین ۔ ابو الفدا

سکنت بنو عاد الرمل الی حضرموت ۔ ابو الفدا

وبلاد عاد یقال لها الاحقاف وهی بلاد متصلۃ بالیمن وبلاد عمان ۔ ابو الفدا ۔

والی عاد اخاهم هوداً وهو عاد بن عوص بن ارم بن سام وهم عاد الاولی کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وهی رمال بین عمان وحضرموت ۔ معالم التنزیل ۔

سکنت ثمود الحجر بین الحجاز والشام ۔ ابو الفدا ۔

کانت مساکنهم بالحجر بین الحجاز والشام الی وادی القری ۔ معالم التنزیل ۔

الحجر بالکسر ثم السکون والراء اسم دیار ثمود بوادی القری بین المدینۃ

والشام کانت مساکن ثمود وهی بیوت منحوتة فی الجبال مثل المغایر وتسمی تلک الجبال الاثالیب کل جبل منقطع عن الآخر یطاف حوله وقد نقر فیه بیوت ولقد رایت علی قدر الجبال التی تتفرق فیها وهی بیوت فی غایة الحسن فیها نقوش وطیقان محکمة الصنعة وفی وسطها بیر التی کانت ترد ها الناقة۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنة والبقاع ٭

الحجر بکسر الحاء وسکون الجیم والراء دیار ثمود بواد القری بین المدینة والشام۔ مشترک یاقوت الحموی ٭

قال ابن حوقل والحجر بین جبال علی یوم من وادی القری افول لم یحصل ذلک فان بینهما اکثر من خمسة الایام قال وکانت دیار ثمود الذین قال الله عنهم وثمود الذین جابوا الصخر بالواد قال رایت تلک الجبال وما نحتت منها کما اخبر الله تعالے وتنحتون من الجبال بیوتا فارهین وتسمی تلک الجبال الاثالیب اقول وهی التی ینزلها حجاج الشام وهی عن العلی علی نحو نصف مرحلة من جهة الشام۔ تقویم البلدان ٭

وادی القری فهو بادیة الجزیرة وما کان من بالس الی ایله مواجها للحجاز معارضا لارض تبوک فهو بادیة الشام۔ تقویم البلدان ٭

اب کہ ہم نے اس مقام پر ایک کامل فہرست سات مختلف اقوام عرب البایدہ کے مؤرخان اعلےٰ کی لکھ دی ہے اور اُن مقامات کو بھی بیان کر دیا ہے جہاں جہاں یہ مختلف تو میں آباد ہوئیں تو اب ہم حتے المقدور اُن شعبوں اور شاخوں کی تفصیل بیان کرینگے جو اُن قوموں سے پیدا ہوئی ہیں ٭

اوّلاً۔ بنی کوشش کسی عرب کے مؤرخ نے بنی کوسش کا کچھ حال نہیں بیان کیا سب کے سب خاموش ہیں اور اس سبب سے ہم اُن کے حالات کچھ دریافت نہیں ہوتے۔ بنی

بنا پر جارج سیل اور اُنہیں کی مانند اُور انگریزی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ "کوش کی اولاد عرب میں آباد نہیں ہوئی تھی" نویری نے اپنے جغرافیہ میں ایک یہ فقرہ لکھا ہے "وملک شرحبیل علے قیس و تمیم" اس فقرے میں نویری نے بنی کوش کا ذکر بشمول بنی تمیم کے کیا ہے جس سے وہ حصہ سلطنت کا مراد ہے جو الحارث نے اپنے دوسرے بیٹے شرحبیل کو بخشا تھا۔ نویری کے اس فقرے پر رورنڈ مسٹر فارسٹر یہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ مشرقی مؤرخ بنی کوش کو عرب کے رہنے والوں میں شمار کرنے سے خاموش نہیں ہیں۔ مگر رورنڈ مسٹر فارسٹر کو اس میں کسی قدر دھوکا ہوا ہے کیونکہ نویری کے فقرے سے کسی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بنی قیس اور بنی کوش ایک ہی خاندان میں یعنے حام کی اولاد میں ہیں۔ مشرقی مورخوں نے جو بنی کوش کا کچھ ذکر نہیں کیا اس کی وجہ ظاہراً یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود مشرقی مورخ دھوکے میں پڑگئے ہیں کیونکہ کوش کی اولاد جو مشرق میں آباد ہوئی تھی اور یقطان کی اولاد جو جنوب کی طرف یمن اور اُس کے گرد و نواح میں آباد ہوئے تھے اُن دونوں کے ناموں میں ایک طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے اور اس سبب سے مشرقی مورخوں نے دھوکے کھا کر تمام واقعات و حوادث کو جو بنی کوش سے متعلق تھے بنی یقطان سے متعلق سمجھ لیا اور اُن تمام واقعات اور حوادث کو بنی یقطان کی طرف منسوب کر دیا ۔

مگر رورنڈ[1] مسٹر فارسٹر نے بڑی کوشش اور تلاش سے اور بڑی صحت اور قابلیت

---

[1] یہ ایک عام اور مسلم رائے ہے کہ سبا یسوکلاں کوش نے پہلے وہ حصہ وادی الفرات کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے اور یہ رائے بظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے۔ ضلع مذکور کا "خوزستان" یعنے کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا۔ زمانہ ابعد میں شہر "سبسی" اور قوم سبا کا سرحد "خالدیہ" پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ توبلا۔ ستباہ۔ راماہ۔ دوران۔ کا خلیج فارس کے کنارے

سے نہایت معتبر اور مستند حوالوں سے اس امر کو بیان کیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب میں خلیج فارس کے کنارے کے برابر برابر آباد ہوئے تھے اور مشرقی کنارے کے مختلف شہروں کے ناموں سے مقابلہ کرکے جو بطلیموس نے لکھے ہیں اپنے دعوے میں قطعی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن مصنف موصوف نے جب کہ بنی کوش کو تمام جزیرہ عرب میں اور خصوصاً یمن اور خلیج عرب کے کناروں پر پھیلا دینے کی کوشش کی ہے تو اُس کی دلیلوں میں ضعف آجاتا ہے اور اُسی دھوکے میں پڑ جاتا ہے جس میں مشرقی مورخ پڑ گئے تھے۔ اور اسی سبب سے یمن تک پہنچنے پر اُسکی بحث بدرجۂ غایت مہمل اور بے معنی ہو گئی ہے اور صرف ایک ناکارہ سلسلہ خیالی اور رہمی استدلال طلو کا خیال کی جاسکتی ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ "نمرود" کے سوا جس کا ذکر تنہا کتاب مقدس میں کیا گیا ہے اور اس سبب سے ہم کو یہ مستنبط کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ

بقیہ حاشیہ ۵۴ - پر مسلسل سلسلے میں واقع ہوا اور سب سے اخیر یہ کہ اشیاہ نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور "سبا" کا ساتھ ساتھ بیان ہوا جس سے پایا جاتا ہے کہ سبا "خوزستان" سے ملحق ہے۔ "راس مسندم" کے قریب جس کو بطلیوس نے "راس اسابی" کرکے لکھا ہے ہم مسٹر سیل کے نقشے میں شہر "کشکان" جو توریت کے "کشام" کے مرادف ہے پاتے ہیں۔ بحر عمان کے اسی کنارے پر "عمان" یا "عمان" اور "تامر" یا "سیب" اور "سوبار" شہروں کے درمیان میں ہم ایک ساحل پاتے ہیں جس کو "پلینی" نے سواحل "حام" جو بالفعل "اماُم" کہلاتا ہے اُس خاکنائے کے مقابل کی اطراف پر جو "راس مسندم" میں منتہی ہوتی ہے اور "خلیج فارس" کے دہانے کے اندر شہر اور ضلع "رعماہ" جس کو یونانی ترجمہ توریت میں "رغمہ" اور بطلیموس نے "رغامہ" لکھا ہے پایا جاتا ہے۔ خلیج کے باہر شہر اور ضلع "دوان" یا "دوانہ" کا پتہ ملتا ہے اور توریت میں جو "ددان" چھوٹے بیٹے "رعماہ" کا ذکر ہے اُس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

(فارسٹر صاحب کا جغرافیہ عرب صفحہ ۳۸)

آباد ہوا تھا باقی اولاد کوش کی جن کے نام سبا۔ حویلاہ۔ سبتاہ۔ رعماہ۔ سبتکا تھے اور رعما کے بیٹے یعنے شبا اور ودان سب خلیج فارس کے کنارے کنارے آباد ہوئے تھے۔ ہم اس امر سے انکار کرنا نہیں چاہتے۔ کہ کوش کی اولاد میں سے کوئی جزیرہ عرب کے آور اقطاع کی جانب بھی چلے گئے ہوں اور وہاں سکونت اختیار کی ہو۔ مگر ہم نے رونڈ مسٹر فارسٹر کی جن دلیلوں کو لغو اور مہمل اور وہمی اور خیالی بیان کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مصنف موصوف کو بنی کوش کے مقامات سکونت کی تحقیق میں کوئی ایسا مقام مل جاتا ہے جس میں ذرا سی بھی مشابہت کوشی ناموں سے ہجوں میں یا صرف ایک حرف ہی کی مطابقت پائی جاتی ہے تو وہ اس مقام کو کوش کی اولاد کے متعلق کر دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا حالانکہ بنی کوش کے اکثر نام ایسے ہیں جو بنی یقطان کے ناموں سے جو یمن میں رہتے تھے مشابہت تامہ رکھتے ہیں +

کتب مقدسہ کے لکھنے والوں نے بنی کوش کی وجہ سے تمام ملک عرب کو بنام ارض کوش یا اتھوپیا کے موسوم کیا ہے اور اس امر کے ثابت کرنے کو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت مضبوط اور قابلانہ دلیلیں پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "توریت اور انجیل کے تاریخی جغرافیہ کی انگریزی ترجمے میں الفاظ "اتھوپیا" اور "باشندگان اتھوپیا" اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور ان کی جگہ عبرانی توریت میں اسم معرفہ کوش واقع ہوا ہے۔ اور یہ لفظ کوش جبکہ کتاب مقدس میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اس سے ہمیشہ ایشیائی اتھوپیا یعنے عرب مراد لیا گیا ہے نہ کہ افریقی اتھوپیا۔ چند مصرح درسوں کے مقابلہ کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب اعداد باب ۱۲ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ مریام اور ہارون نے حضرت موسےٰ سے اس اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت کی وجہ سے جس کے ساتھ انہوں نے شادی کی تھی گفتگو کی اس لئے کہ انہوں نے ایک اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت سے شادی کی تھی۔ اور کتاب خروج باب ۲ ورس ۱۵ او ۲۱سے

یہ امر محقق ہے (اور ہم حضرت موسےٰ کے دوسرے نکاح کے فرض کرنے کے واسطے کوئی دلیل نہیں پاتے) کہ ایک مدیانی عورت تھی یعنے حضرت ابراہیم کی اولاد میں بنی قطورہ کے سلسلے میں تھی۔ اور یہ امر بھی متحقق ہے کہ "میان" یا "ادیان" عرب میں بحر احمر کے کنارے پر ایک شہر یا ملک تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ کی بی بی ایک عرب کی عورت تھی اور اسی وجہ سے عبرانی لفظ کوشی کا ترجمہ لفظ اتھوپین کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا ہے تاوقتیکہ اس سے ایشیائی اتھوپیا یا عرب مراد نہ لیا جاوے۔ کیونکہ افریقی اتھوپیا اس سے کسی طرح مراد نہیں لیا جا سکتا" (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۲) +

ان دلیلوں سے کسی طرح شک اور شبہ نہیں رہتا کہ کتاب مقدس کے انگریزی ترجمے میں جو لفظ کوش کا اتھوپیا ترجمہ کیا گیا ہے وہ دو مختلف مقاموں پر مستعمل ہوا ہے افریقی اتھوپیا پر اور ایشیائی اتھوپیا یعنے عرب کے ایک حصے پر یا خود ملک عرب پر اور یہ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ اس سے کتب مقدسہ کے بہت سے مشکل مقامات کے حل ہونے میں مدد ملے گی +

ثانیاً۔ عیلام۔ یا جرہم الاولے۔ جو کہ یہ قوم بنی کوشں کے مقابلے میں کچھ نامور نہیں ہوئی اس لئے اُس کی نسبت بجز اس کے کہ بنی کوش سے قرابت رکھتی تھی اور اُنہیں کے ساتھ رہتی تھی اور کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہُوا +

ثالثاً۔ لود اس کے تین بیٹے تھے۔ طسم۔ عملیق۔ امیم۔ یہ لوگ بھی عیلام کی اولاد کی مانند کچھ اولوالعزم اور نامور نہ تھے اس لئے ان کا حال بھی بہت کم معلوم ہے۔ مگر اُن کے آثار ساحل خلیج فارس کے بعض مقاموں کے ناموں میں پائے جاتے ہیں مثلاً دریاے عمنان (جس کو پلینی نے عمان لکھا ہے) اور "ہمایئم" جو امیم کے نام سے جو لود کا تیسرا بیٹا تھا ماخوذ کیا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ الف اسے ہمزہ سے بدل جاتا ہے۔ جیسے ادد سے ہدد اور اجر سے ہاجرہ ہو گیا جو حضرت اسمٰعیل کی ماں کا نام تھا۔ روزنڈ

ریورنڈ فارسٹر نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش میں کہ عمان یا یمنان زمانہ حال کے عمان سے علاقہ رکھتا ہے غلطی کی ہے کیونکہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۰ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت لود کی چھوٹی بیٹی نے رہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن پر بیٹیوں کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے وہ حضرت لود کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ لونڈیاں تھیں) بیٹا جنا اور اس کا نام "بن عمی" رکھا گیا جس سے بنی عمون کی قوم مشہور ہوئی حال کا عمان ہمارے نزدیک اسی نام سے علاقہ رکھتا ہے ✦

رابعاً۔ عوص اور خامساً۔ حول ارم کے بیٹے تھے۔ ہم ان دونو کا بیان بالاشتراک کریں گے ان کے آثار بھی آج تک اُن مقامات کے ناموں میں پائے جاتے ہیں جو خلیج فارس کے کنارے پر یا قرب وجوار کے میدانوں میں واقع ہیں۔ مثلاً عول اور حول ایک ہی نام ہیں۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے عول کے اشتقاق میں بھی مغالطہ کیا ہے۔ کیونکہ ان کا بیان ہے کہ یہ لفظ حویلاہ نام کی ایک مختلف شکل ہے ✦

عاد اولی۔ پسر "عوص" نے بہت شہرت حاصل کی اور اس کی اولاد ایک نامی قوم ہوگئی اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ اُنھوں نے عالی شان مکان بھی بنائے اور اور قوموں پر تحکم بھی حاصل کیا۔ اس قوم کے آدمی اپنی جسامت اور قوت اور شان میں اور قوموں پر فوق لے گئے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے ✦

عرب کے جنوب او مشرق کے باشندے نسبت اور لوگوں کے تنومند اور قدآور ہوتے تھے۔ ہم ان کی نسبت مسٹر ریورنڈ فارسٹر نے ولسٹڈ صاحب کے سفرنامہ ملک عرب سے یہ بیان نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "میں نے حجاز کے عربوں اور ان عربوں کی وضع جسمانی میں جو خلیج فارس کے کنارہ جانب غرب پر آباد ہیں ایک بڑا فرق مشاہدہ کیا۔ اعراب کنارے ساحل و خلیج فارس کا حلیہ یہ ہے کہ انکے چہرے

قریب قریب بیضوی کے ہیں سر کے بال عموماً سیاہ بالکل منڈے ہوئے ہوتے ہیں بھویں بھی سیاہ ہیں اور کھال چمکتی ہوئی ہے اور ہندوستان کے باشندوں کی نسبت اُن کا رنگ کسی قدر کھلا ہوا ہے۔ سواحل بحر احمر کے قرب کے باشندے لاغر اندام اور پستہ قد ہوتے ہیں مگر قوی ہیں۔ چہرہ کسی قدر لمبا رخسارے بے گوشت کے اور سر کے بالوں کو دو لمبی زلفوں کے سوا جو دونو طرف ہوتی ہیں اور جنکی وہ نہایت درجہ خبرداری کرتے ہیں اس قدر بڑھاتے جاتے ہیں کہ کمر تک آجاتی ہیں اُن کا رنگ کسی قدر کھلا ہوا ہوتا ہے +

"بیشی" سے چار پانچ منزل جنوب اور مشرق کی جانب سرما کے موسم میں اعراب "دواسر" رہتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں نجد کے سرسبز چراگاہوں میں چلے جاتے ہیں جس کی سب سے قریب سرحد صرف آٹھ منزل ہے۔ یہ لوگ گھوڑے نہیں رکھتے مگر لڑائی میں وہابیوں کی کمک کے لئے تین ہزار شتر سوار بھیجتے ہیں۔ اعراب "دواسر" طویل القامت اور قریب قریب سیہ فام ہوتے ہیں۔ (سفرنامہ ملک عرب ضمیمہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۵) مگر یہ عجیب اختلاف درازی اور رنگ میں گرد و نواح کی قوموں سے کچھ اعراب "دواسر" ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے خلیج فارس کے عربوں میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے اور اُن اطراف میں بھی جہاں کہ علماء کے نزدیک شہر سبا آباد تھا۔ کرنیل چسینی کا بیان ہے کہ خلیج فارس کے عرب خوش ہیئت ہوتے ہیں اور طویل القامت اور سیہ فام ہوتے ہیں مشہور ہیں اور اُن دونو باتوں میں اقوام خلیج عرب سے بدرجہا اختلاف رکھتے ہیں (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۳۱) مگر ورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال کرنے میں کہ صرف بنی کوش ہی طویل القامت تھے غلطی کی ہے کیونکہ تمام قومیں جو خلیج فارس کے کنارے پر رہتی تھیں اور جن کو ہم نے عرب البائدہ کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

نہایت بلند قامت تھیں۔ زمانۂ حال تک بھی خلیج فارس پر ہر دو قسم کے آدمی پائے ہیں جو درازی قد میں برابر ہیں مگر رنگ میں مختلف ہیں ایک تو سیاہ رنگ کے ہیں۔ اور دوسرے زرد اور جلے رنگ کے ہیں +

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اشعیاء نبی کی کتاب ۴۵ درس ۱۴ کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ " خداوند چنیں مے فرماید کہ محصول مصر و تجارت حبش و اہل سبا کہ مردمان بلند قد اند بتو عبور نمودہ از آں تو خواہند بود " اور اس بات کو کہ بنی کوش سب دراز قد تھے۔ اسی درس پر مبنی کرتے ہیں۔ مگر صاحب موصوف نے اس میں دو وجہ سے غلطی کی ہے۔ اول اس وجہ سے کہ " جملہ مردمان بلند قد " سے خواہ نہ خواہ یہ مراد لینی کہ وہ لوگ طویل القامت تھے محض غلط ہے کیونکہ ان لفظوں سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگ معزز اور اشراف تھے چنانچہ عربی ترجمہ جو اشعیاء نبی کی کتاب کا ہے اس میں یہی معنے لیئے گئے ہیں اور اس کی عبارت یہ ہے۔ هذه يغوليها الرب تعب مصر و تجارت الحبش و سبايم رجال اشراف يعبرون اليك " دوم اس وجہ سے کہ باشندگان سبا متذکرہ عبارت مذکور کا کوش کی اولاد میں ہونا ضرور نہیں ہے کیونکہ کتب مقدسہ میں بنی سبا کا اطلاق اور قوموں پر بھی ہوا ہے مثلاً بنی سبا جن کا ذکر کتاب ایوب باب اول درس ۱۵ میں آیا ہے اور جو دریائے فرات کے بنی سبا سے ہر طرح مشابہت رکھتے ہیں اور بہ لحاظ اپنے آبائی نام کے ہجوں کے قاعدے کے موافق سبا پسر کلاں کوش کی اولاد نہیں ہے بلکہ ان تین سباؤں میں سے کسی نہ کسی کی اولاد بیان کیئے گئے ہیں جن کو حضرت موسےٰ نے منجملہ ان سو خلیلوں کے بیان کیا ہے جنھوں نے ملک عرب کو یکے بعد دیگرے آباد کیا تھا۔

اس قوم کی ہدایت کے لیئے خدا تعالےٰ نے ایک نبی جن کا نام ہود تھا اور جن کا لقب سفر تکوین باب ۱۱ درس ۱۴ میں عیبر آیا ہے مبعوث کیا تاکہ خدائے برحق کی عبادت کی ترویج اور بتوں کی پرستش کا استیصال کریں۔ لیکن جب کہ ان لوگوں نے ان کے احکام

اور ہدایت سے سرتابی کی تو خدا تعالےٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا قحط اُن پر پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کے احکام سے سرتابی کی یہ سزا ہے۔ اس پریشانی کی حالت میں حضرت ہود ع پھر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی ازسرِ نو ہدایت کی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم ایسا کروگے تو خدائے رحیم باران رحمت نازل کرے گا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اُن پر ایک سخت طوفان آندھی کا جو اُس کے غضب کی نشانی تھی۔ نازل کیا یہ طوفان آندھی کا سات رات اور آٹھ دن تک تمام اُس ملک میں ایسے زور شور سے جاری رہا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے اور تمام قوم کا باستثنائے ان چند اشخاص کے جنہوں نے حضرت ہود کا کہنا مان لیا تھا قریبًا قریبًا استیصال کلی ہو گیا اور جو لوگ بچے آخر کو حضرت ہود پر ایمان لے آئے یہ واقعہ سنہ دنیوی کی اٹھارھویں صدی میں یا بائیسویں صدی قبل حضرت عیسےٰ کی پیدائش کے واقع ہوا تھا ◆

جھوٹی روایتیں جو قوم عاد کی نسبت مشہور ہیں

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تھا یعنے اُس زمانہ کے جو لوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدھا پھیلا دیں تو اُن کی لمبائی سے بارہ گنا زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تھا۔ بعض کتابوں میں اُن کے قد کے لمبان کا اُس سے بھی زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی قوت کا یہ حال تھا کہ چلنے میں اُن کے پاؤں زانو تک زمین میں دھس جاتے تھے ◆

اُنہوں نے جو اُس ریگستان میں کوئی محل بنایا تھا اُس کی نسبت بھی بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور عاد ثانی کی اولاد کے قصہ کو اس قوم کے ساتھ جو عاد اولٰے کی قوم سے خلط ملط کر کے اُس خیالی باغ کو جس کا نام ایشیائی مورخوں نے "ارم" قرار دیا

ہے اسی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محل اور باغ کی زمین میں لعل اور یاقوت بچھے ہوئے تھے اور اُس کی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں اور درخت زمرد اور یاقوت اور نیلم اور ہر قسم کے بیش بہا جواہروں سے بنائے گئے تھے اور زعفران بجائے گھاس اور عنبر بجائے مٹی کے تھا ؛

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص اپنا اونٹ ڈھونڈتا ہوا وہاں چلا گیا اور بے شمار جواہرات وہاں سے رول اپنی جھولی میں بھر لایا اور جب معاویہ ابن ابی سفیان نے اُس جگہ دوبارہ جانے کا اور اُس جگہ کے تلاش کرنے کا حکم دیا تو بہت سی تلاش کرنے کے بعد بھی وہ جگہ پھر نہ ملی خلیفہ نے کہا کہ خدا تعالےٰ نے اُس کو انسان کی آنکھوں سے پوشیدہ کر لیا ہے ؛

بعض کتابوں میں حضرت علی مرتضےٰ کی نسبت اور اور بعض معتبر اشخاص کی نسبت ایک جھوٹا اتہام کیا اور لکھا ہے کہ اُنہوں نے یہ بات کہی کہ خدا تعالےٰ نے اُس باغ اور محل کو جو قوم عاد نے تعمیر کیا تھا دنیا سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے اور قیامت کے دن وہ بھی منجملہ اور آسمانی بہشتوں کے ایک بہشت ہو گی ؛

عاد اولےٰ کی قوم کی بنائی ہوئی عمارات کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس قوم نے کوئی عمارت قابل شہرت نہیں بنائی تھی اُن کی عمارتیں مثل اور معمولی عمارتوں کے بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی تھیں ؛

بہت سے مصنفوں اور مورخوں نے جو قوم عاد اولےٰ کی طرف عمارات عالیشان بنانا منسوب کرتے ہیں غلطی کی ہے اُس کی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُنہوں نے قرآن مجید کی اِس آیت کے جو ذیل میں مندرج ہے معنے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور وہ آیت یہ ہے ؛

الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا

فے البلاد ۔

یعنے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پر کیا تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ جو ارم کی اولاد تھے اور ایسے قدآور تھے کہ ان کی مانند شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے ۔

لفظ "ذات عماد" سے جو ان کا قدآور ہونا مراد لیا گیا ہے اُس کا ثبوت دوسری آیت سے ہوتا ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اور جس میں ان کے مردہ پڑے ہوئے جسموں کو درختوں کے اکھڑے ہوئے تنوں سے مشابہت دی ہے اور وہ آیت یہ ہے ۔

واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویۃ ۔

تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے دو امر کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے ایک یہ کہ "ارم" سے مراد بنی ارم ہے اور ارم عاد کا دادا تھا جس طرح کہ بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم کے نام سے مشہور ہیں اسی طرح قوم عاد اپنے دادا ارم کے نام سے مشہور تھی اور عاد ارم کہلاتی تھی دوسرے یہ کہ لفظ ذات العماد سے اُن کا دراز قد اور قوی ہونا مراد ہے جس طرح کہ بعض ملکوں کے لوگ دراز قد اور قوی ہوتے ہیں کوئی خاص عجیب بات اُن میں نہیں تھی چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں اس طرح پر لکھا ہے ۔

الم تر " تعلم یا محمد "کیف فعل ربک بعاد ارم" ھی عاد الاولی فارم عطف بیان او بدل منع الصرف للعلمیۃ والتانیث "ذات العماد" ای الطوال ..... التی لم یخلق مثلھا فی البلاد فی بطشھم وقوتھم " جلالین "

الم ترکیف فعل ربک بعاد " یعنی اولاد عاد بن عوص بن ارم بن سام

بن نوح قوم هود سموا باسم ابیهم کما سمی بنو هاشم باسمہ "ارم" عطف بیان لعاد علٰی تقدیر مضاف ای سبط ارم . . . "ذات العماد" ای ذات البناء الرفیع القدر والطول او الرفعۃ والثبات (بیضاوی)"

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ اس قسم کے پرانے قصوں کو ایک مذہبی قصہ بنا لیتے ہیں اور اس میں عجیب و غریب باتیں ملا کر اس کو تعجب انگیز اور حیرت خیز کر دیتے ہیں جس طرح کہ ملٹن شاعر نے اپنی کتاب پیرڈائز لاسٹ کو ایک عجیب قسم کا مذہبی قصہ بنا لیا ہے اسی طرح زمانہ جاہلیت کے عربوں نے بھی قوم عاد کا ایک قصہ گھڑ لیا ہے جس میں بیان کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں قوم عاد نے تین شخص مکہ میں اس غرض سے بھیجے تھے کہ خدائے تعالیٰ سے مینہ برسنے کی دعا مانگیں ان تینوں میں سے ایک کا نام لقمان تھا وہ تو مسلمان تھا اور باقی دو کافر تھے لقمان کی عمر سات گدّوں کی عمروں کے مجموعہ کے برابر عمر تھی اور اسی سبب سے لقمان بڑی عمر ہونے میں ضرب المثل ہو گیا ہے علم لوگوں کا خیال ہے کہ گدھ کی عمر ہزار برس کی ہوتی ہے اور اس لئے لقمان کی عمر اس وقت سات ہزار برس کی تھی اس قسم کے اور بہت سے لغو اور بیہودہ قصے عاد کی قوم کی نسبت جاہلوں نے بنا لئے ہیں جن پر اہل علم کو متوجہ ہونا یا مذہبی اعتراضات کی بنا ان قصوں کو قرار دینا نہایت لغو اور بیہودہ بات ہے *

سادمًا ۔ جدیس ۔ سابعًا ۔ ثمود جس کو عاد ثانی کہتے ہیں یہ دونوں گروہ پسر ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھے جن کا بیان ہم ایک ساتھ کرتے ہیں *

جدیس کا حال بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوا کہ بیابان میں آباد ہوا تھا اور اسکی اولاد بعد انقضائے عرصہ دراز کے مثل دیگر اقوام صحرائی کے معدوم ہو گئی *

اولاد ثمود نے بہت بڑا نام پیدا کیا اور جلد ایک زبردست قوم ہو گئی اور اس حصہ ملک پر جو الحجر کے نام سے مشہور ہے اور اس میدان پر جو وادی القرے کہلاتا ہے اور جو ملک

شام کی جنوبی اور عرب کی شمالی صوبوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ قرآن مجید میں اس قوم کا بھی
چند جگہ ذکر آیا ہے۔ اُنہوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُن کے اندر اپنے گھر بنائے تھے اور نقش
ونگار سے مرتب کئے تھے جو اثالیب کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب کے لوگ اور چند غیر قوم کے
لوگ جنہوں نے عرب میں سفر کیا ہے اُن پہاڑی گھروں کی جو پرانے زمانے کی باتوں کی
تلاش کرنے والوں کو تشفی دیتے ہیں۔ اور ان قوموں کے حالات جنہوں نے ان کو بنایا ہے
بتلانے کو موجود ہیں شہادت دے سکتے ہیں۔ اسی طرح ان پہاڑی گھروں سے قوم ثمود
کی تاریخ کے اُس حصہ کی جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ بخوبی صداقت پائی جاتی ہے۔
کچھ زمانے کے بعد یہ قوم بھی بُت پرستی کی طرف مائل ہو گئی اس واسطے اُن کی فہمائش
وہدایت کے واسطے خدا تعالیٰ نے حضرت صالح بن عبید بن آسف بن ماشج بن عبید بن
جادر بن ثمود کو مبعوث کیا بعض لوگ اُن پر ایمان لائے اور بہتوں نے اُن کا یقین نہیں
کیا اُن لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتلا حضرت صالح
نے جواب دیا کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے اُس کو چھوٹا
پھرنے دو تاکہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اُس کو کچھ ایذا مت پہنچاؤ مبادا تم
پر اُس کے عوض عذاب نازل ہو اس فہمائش کے سبب کچھ عرصہ تک اُن لوگوں
نے اونٹنی کو پھرنے دیا اور کچھ ایذا نہیں پہنچائی۔

کچھ عرصے کے بعد وہاں قحط واقع ہوا اور اُس خشک سالی میں پانی کا بھی
قحط ہو گیا پانی نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا بھی پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی
طبعی خاصیت سے جو خدا نے اونٹ میں پیدا کی ہے پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی
لیتی تھی یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ اُس کو روک نہ سکتے تھے حضرت صالح نے کہا
کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پی لینے دیا کرو اور کوئی اس کا مزاحم نہ ہو اور دوسرے
دن تم لوگ پانی لیا کرو اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا

ہے کہ کچھ عرصے کے بعد مختلف فرقوں کے سرداروں نے جو اُس زمانے کے کافروں کے فرقے تھے حضرت صالح کو مار ڈالنے کا منصوبہ کیا مگر جب وہ اپنے اس بد منصوبے پر کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے غصے میں آکر اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اُس وقت حضرت صالح نے اُن سے کہا کہ تین دن تک تم اپنے مکانوں میں چین کر لو۔ بعد اُس کے تم ہلاک ہو گے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونے کو ہوئی۔ تو ہم نے صالح کو اور اُن لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے بسبب اپنے رحم کے اُس روز کی ذلت سے بچا لیا۔ آفت جو اُن پر آئی تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی جو غالباً۔ رعد اور زلزلوں کی اور اُسی قسم کی آفت ارضی و سماوی کی آواز تھی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے ملے گویا کہ اُن مکانوں میں رہتے ہی نہ تھے۔ یہ واقعہ اُسی زمانے میں واقع ہوا تھا جب کہ سدوم اور گمارہ اور راوراب اور زغایئن شہر آسمانی آگ سے جلائے گئے تھے یعنی ۲۱۰۰ دینوی یا ۱۸۹۷ قبل حضرت مسیح کے ✦

جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ہیں

مفسرین اور مورخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے اُن کی رسالت کے ثبوت میں اس معجزے کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور بمجرد پیدا ہونے کے ایک سرخ بالوں کا بچہ جنے اور وہ بچہ اُسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کے برابر ہو کر چرتا پھرے اور ہم اُس اونٹنی کا دودھ پئیں تب ہم ایمان لائیں گے ✦

یہ روایت محض ساختہ اور مصنوعی ہے۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اس وقت ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم امکان معجزے سے انکار کریں۔ اور اس پر بحث

شروع کریں۔ بلکہ ہم اس وقت صرف سادی طرح سے اس روایت کو اس لئے موضوع
کہتے ہیں کہ اس کی صحت پر کوئی سند نہیں ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے
عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اس کا ثبوت پایا
جاتا۔ اسی طرح یہ بھی مصنوعی بات ہے کہ اس اونٹنی سے انسان اور حیوان دونو
ڈرتے تھے اور وہ اونٹنی قوم ثمود کے تمام چشموں اور حوضوں کا پانی ایک گھونٹ
میں پی کر سب کو سکھا دیتی تھی۔ کیونکہ وہ ملک ایسا تھا جہاں کثرت سے پانی میسر
ہی نہیں ہو سکتا تھا؛

اسی طرح یہ ایک لغو روایت ہے کہ اگرچہ قوم ثمود کو بتلا دیا گیا تھا کہ اونٹنی کا
قتل کرنا اُن کی ہلاکت کا باعث ہو گا لیکن حضرت صالح نے اُن سے یہ بھی پیشگوئی
کی تھی کہ تمہاری قوم کا ایک لڑکا جس کا حلیہ ایسا ایسا ہو گا اس اونٹنی کو مار ڈالے گا اور اس
طرح پر تمہاری ساری قوم پر تباہی اور بربادی آوے گی۔ اس تباہی سے بچنے کے
لئے جس کی پیشین گوئی حضرت صالح نے کی تھی لڑکوں کو مار ڈالنا شروع کیا جو لڑکا
پیدا ہوتا تھا۔ اور اُس میں اُس نشانی کا شبہ ہوتا تھا جو حضرت صالح نے بتلائی
تھی تو اس لڑکے کو مار ڈالتے تھے۔ مگر وہ لڑکا جس کے ہاتھ سے اس قوم کا برباد
ہونا مقدر میں تھا کسی نہ کسی طور سے بچ گیا اور مارا نہیں گیا۔ جب کہ وہ جوان ہوا
تو آخرکار اس نے اس اونٹنی کو مار ڈالا؛

اسی طرح حضرت صالح کے مخالفوں کے مارے جانے کی نسبت ایک بیہودہ
روایت آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت صالح کے مخالفوں نے جب اُن کے قتل
کا ارادہ کیا تو وہ اُن پہاڑوں کی گھاٹیوں میں گئے جہاں حضرت صالح آیا جایا کرتے
تھے اس غرض سے کہ کوئی عمدہ کمینگاہ تلاش کر کے اختیار کریں۔ خدا تعالے
نے ایک پہاڑ کو زمین پر سے بہت اونچا اٹھا لیا اور جہاں سے وہ پہاڑ اُٹھا تھا

وہاں ایک غار ہوگیا۔ حضرت صالح کے مخالفوں نے اُس غار کو اپنی کمینگاہ کے لئے پسند کیا اور جب کہ وہ اُس غار کے اندر جاکر چھپے تو خدا تعالےٰ نے اوپر سے اُن کے سروں پر اُس پہاڑ کو چھوڑ دیا اور سب کے سب ایک لمحے میں کچل کر مرگئے +

اگرچہ ہم نے اس مقام پر عرب البایدہ کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے مگر اُن کا ایک شجرہ بھی اس مقام پر لکھتے ہیں جس سے تمام بیانات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی +

دوم

عرب العاربہ یعنے ٹھیٹ عرب
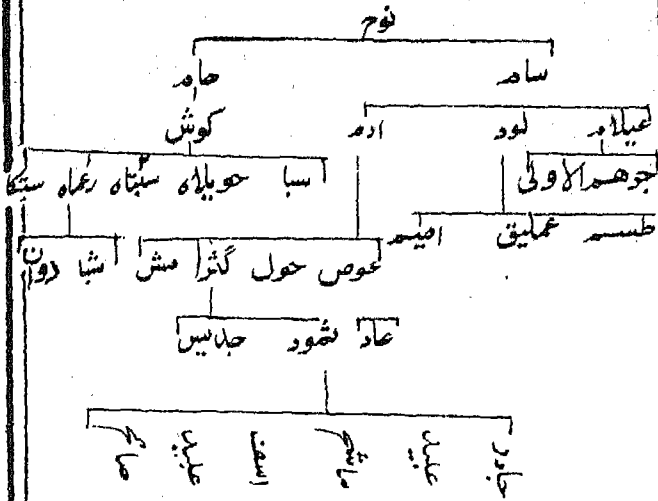
عرب العاربہ یقطان بن عبیر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد میں ہیں۔ بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ عرب البایدہ اور عرب العاربہ دونو یقطان کی اولاد ہیں اور اس لئے عربوں کو وہ بجائے تین قوموں کے صرف دو قوموں پر منقسم کرتے ہیں یعنے عرب العاربہ اور عرب المستعربہ +

قریباً تمام مورخوں کی رائے ہے کہ کتب خمسہ موسےٰ میں جو یقطان نام آیا ہے وہی ایک نام ہے جس کو عرب قحطان کہتے ہیں اور یونانی انجیلوں میں اس کو "جوقطان" کر کے لکھا ہے اور اسی شخص کی اولاد عرب میں آباد ہوئی ہے +

ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت عجیب اور مستحکم دلیلوں سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ان تینوں مذکورہ بالا ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے اور یہ کہ یہی شخص یقطان عرب میں آباد ہوا تھا چنانچہ وہ اپنی کتاب جغرافیہ عرب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "کتاب بطلیموس میں بھی ہم یقطان کا نام اور علانیہ قوم بنی یقطان کو پاتے ہیں جو عربوں کے قحطان اور انجیل کے جوقطان کے بالکل مشابہ ہے" (صفحہ ۸۰) +

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ "اس قومی روایت کا قدیم اور عام ہونا جو عربوں کے قحطان کو انجیل کے جوقطان سے مشابہ کرتے ہیں ہر ایک پڑھنے والے پر روشن ہے" (صفحہ ۸۸) +

ایک اور مقام پر اُنہوں نے لکھا ہے کہ "یہ امر قحطان ایک خاندانی نام کی صرف مختلف شکلیں ہیں خود عرب ہی ہمیشہ سے بیان کرتے آئے ہیں - اور اُن کی عادت سے بھی جس سے وہ حرفوں کو تبدیل کر لیتے ہیں (معرب کر لینے میں) نہایت درجہ میلان رکھتے ہیں - یہ نتیجہ قرار واقعی نکل سکتا ہے" صفحہ ۸۸) +

ایک اور مقام پر یہ لکھا ہے کہ "قدیمی قوم سبا کی دارالسلطنت مشہور بہ مارب ہیں اعراب یقطان سے جس کی مشابہت توریت کے یقطان کے ساتھ ہی یقطانی نام جویلاہ کے وقوع سے از سر نو ثابت اور مسلم ہوگئی ہے" صفحہ ۹۰) +

رورنڈ فارسٹر نے مسعودی کے اس قول پر کہ بنی سعد اور بنی قحطان بہت قدیم زمانے سے عرب کی قوموں ہیں مشہور چلے آتے ہیں یہ لکھا ہے کہ "تاریخ عرب قوم عظیم قحطان کی قدامت کے اب ہیں آواز دے رہی ہے اور یہ ایک ایسی آواز ہے کہ ایک طرف قدیمی عام قومی روایت اُسکی تائید کرتی ہے اور دوسری طرف شائد اس سے بھی زیادہ مضبوط شہادت متوسط اور جنوبی عرب کے موجودہ مقاموں اور آبادیوں کے ناموں سے اس کی حامی ہے" صفحہ (۷۹) +

بہرحال امر مذکورہ سے تو مشہور اور معروف سیاح مسٹر برق ہر وطار ضی اللہ تعالےٰ عنہ[1] جن کا بیان ہے کہ اسی یقطان کی اولاد عرب ہیں آباد ہوئی تھی اور نہ سر ولیم میور انکار کرتے ہیں +

---

[1] اس کتاب کے پڑھنے والے الفاظ "رضی اللہ تعالےٰ عنہ" کو دیکھکر جو مسٹر برق ہر وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱- کے نام کے بعد لائے گئے ہیں بلاشک متحیر ہونگے اور اس حیرت کے رفع کرنے کے واسطے میری دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم و ذی علم گاڈ فری ہیگنس صاحب کی کتاب کی کسی قدر عبارت کا ترجمہ اس جگہ لکھ دیا جاوے " مشہور و معروف سیاح برق ہروط جس نے دارالعلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تھی ایک نہایت پُرغور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں بحالت اسلام انتقال کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو مسائل دین اسلام کی تلقین بمقام حلب ایک آفندی نے کی تھی اور اُسی نے اُس کو مسلمان کیا اور اُس نے وہاں علانیہ اسلام کا اقرار کیا اور جب کہ بحیثیت حج روانہ ہؤا تو مکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت میں اُس کو سخت امتحان دینا پڑا جس کے باعث وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعوے کرتا رہا اُس کی تسلی سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اُس کے عیسائی دوستوں سے علے العموم پوشیدہ تھی*

میں اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوش ہوں کہ میں ایک شریف آدمی سے جو بالفعل (یعنی ۱۸۲۹ء) سے برٹش گورنمنٹ میں ایک معزز عہدے پر مامور ہے واقفیت رکھتا ہوں مگر اس کا نام ظاہر کرنے کا میں مجاز نہیں ہوں ان صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مسٹر برق ہروط کے انتقال سے تھوڑے عرصہ پہلے میں وہاں موجود تھا۔ اور مسٹر برق ہروط نے مجھے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یقین دلایا کہ میں درحقیقت مسلمان ہوں اور اسی حالت میں مرنے کی آرزو ہے۔ اس کا گمنام سوانح عمری لکھنے والا اپنی کتاب میں جو بعد اس کے مشتہر ہوئی اس کی موت کا حال بیان کرتا ہے مگر اس کے مذہب کے بارے میں کوئی لفظ منہ سے نکالنے سے احتیاطاً پرہیز کرتا ہے۔ غالباً اُس کو معلوم ہوگا

آبادی میشاسے ہے کہ جہاں تک کہ تو سفار تک جو مشرق میں ایک پہاڑی ہے چلا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے میری کتابوں کی فروخت میں ہرج واقع ہوگا۔ لیکن ایک فقرہ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے کافی ہے اُس کی زبان سے نکل گیا ہے۔ وہ اُسی شب کو پونے بارہ بجے بغیر افسوس و واویلا کرنے کے مرگیا۔ تجہیز و تکفین اُس کی وصیت کے موافق بطریق اسلام کی گئی اور اُس معزز رتبے کا جو وہ دیسی لوگوں کی آنکھوں میں رکھتا تھا کما حقہ لحاظ کیا گیا۔ اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا تو ضرور اُس نے مسلمانوں کی شرع کے موافق تجہیز و تکفین کی استدعا کی ہوگی اور یقیناً اگر عیسائی اس کی وصیت پر لحاظ نہ کرتے تو حکام بہ مجبوری ان سے کرواتے یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نومسلم کے شرف سے محروم رکھنا گوارا کرتے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے اُس کو بلا تکلف متصل انگریزی کی نگرانی میں اور اُس کے ہم وطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ جن کو کہ پورا پورا موقع اُس کی تجدید مذہب کے واسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنے کا ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تقلید و تائید کرنے میں اس کو کوئی غرض مظنون نہ تھی۔ بلکہ برخلاف اس کے اُن عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ مامور تھا اور جن کی وجہ سے اُس کا گذارہ ہوتا تھا اُس کو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا ؎

"اگر اُس کی سوانح عمری لکھنے والے کا اعتبار کیا جائے تو وہ اعلےٰ اصول اور بہترین چال چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے منجملہ اور پسندیدہ کیفیتوں کے جو اس مرتد کا فر کی بابت جس طرح کہ اُس کو عیسائی لوگ کہیں گے مرقوم ہوئی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنی موروثی جائداد قیمتی دس ہزار روپے کو اپنی ماں کے نان و نفقے کے واسطے دے کر اپنے آپ کو محض مفلس و محتاج بنا دیا تھا" (ہیگیس اپالوجی صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء)

جاوے تو وہاں تک تھی۔ مسٹر برق ہرد ط کے نزدیک بیشا اور موزو ا" جو یقطانی قوم سبا کا خلیج عرب کے دہانے کے نزدیک ایک بندرگاہ تھا ایک ہی مقام ہے۔ اور سفار سے جبلی یعنے پہاڑی حصہ یمن کا جہانکہ بقول بطلیموس شہر سفار اور قوم سفاریہ آباد تھی مراد ہے۔ لیکن رورنڈ فارسٹر اس مقام کو جس کو مسٹر برق ہرڈ صاحب نے بیان کیا ہے اور جو وسعت میں قریب ڈیڑھ سو میل کے ہے۔ ایک نہایت کثیر قدیمی خاندان کی حدود کے ایک نہایت معتدلانہ معقول اندازے کے واسطے محض غیر مکتفی خیال کرتے ہیں اور نہایت ضعیف دلائل سے اُن کو نجد کے پہاڑوں تک پھیلا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ مقدس کاتب توریت نے یقطان کی اولاد کی آبادی کی کچھ حد مقرر نہیں کی ہے بلکہ وہ سمت بتلائی ہے جہاں وہ جاکر آباد ہوئی تھی +

یقطان کے تیرہ بیٹے پیدا ہوئے۔ الموداد۔ شلف حضرماوث یرح۔ ہدورام۔ اوزال۔ دقلاہ۔ عوبال۔ ابیمائیل۔ شبا۔ اوفر۔ حویلاہ۔ یوباب۔ تمام قوم عرب العاربہ کی مع اپنی مختلف شاخوں اور شعبوں کے اشخاص مذکورہ بالا کی اولاد میں ہیں جیساکہ ہم آگے بیان کریں گے +

الموداد۔ اس شخص کا خاندان یمن یا عرب المعمور میں اور اُس ضلع میں جو بحرین تک چلا گیا ہے آباد ہؤا اور اُس الموادئی سے مطابقت رکھتا ہے جس کو بطلیموس نے یمن کی درمیانی قوم لکھا ہے +

شلف۔ یہ شخص کوہ اس کے مغربی حصے میں یا اُس وسیع میدان میں جو کاظم اور مدینے کے مابین واقع ہے آباد ہؤا۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی سالفنی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے۔ عربوں میں یہ قوم بنام بنی سالف مشہور ہے۔ جو عبرانی نام شلف کی یونانی شکل ہے +

حضرماؤٹ۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے واسطے وہ زرخیز قطع جو خلیج عرب کے برابر برابر پھیلا ہوا ہے اور جو اس قوم کے نام (حضرموت) سے آج تک مشہور ہے اختیار کیا۔ اس قوم کے لوگ یونانی اور رومیوں کے ہاں اپنی وسیع تجارت اور فن جہازرانی اور لڑائی میں جرأت اور بہادری کے لئے مشہور تھے +

ہدورام۔ یرح کا حال یہاں چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہم اُس کو اخیر پر پورا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہدورام کی اولاد نے مشرق کی سمت اختیار کی اور اُسی نواح میں آباد ہوئی۔ قصبہ ہدرمہ اس قوم کی بہت سی یادگاروں میں سے موجود ہے۔ ابوالفدا کا بیان ہے کہ صوبہ دارقرامطاب کی بنا اسی قوم سے ہوئی ہے +

اوذال۔ یہ خاندان اوزال میں جس کو اب صنعا کہتے ہیں اور جو سرسبز اور شاداب صوبۂ یمن میں واقع ہے آباد ہوا (حزقیل باب ۲۷ درس ۱۹) +

دقلاہ۔ یہ قوم بھی یمن میں آباد ہوئی اور ذوالخلاعہ جو یمن کی ایک قوم ہے اور جس کا ذکر پوکاک صاحب نے کیا ہے اسی کی اولاد میں سے ہے +

عوبال۔ اس کا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا مگر ورنڈفاسٹر صاحب کا بیان ہے کہ یہ قوم افریقہ کو چلی گئی +

ابیمائیل۔ بہت سے آثار جو مختلف اشخاص نے بیان کئے ہیں اس قوم کے بنی سالف اور حجاز کے قرب و جوار میں متوطن ہونے کے شاہد ہیں +

شبا۔ اگرچہ یہ بھی جنوب کی جانب گیا اور یمن میں سکونت پذیر ہوا مگر یہ وہ شبا نہیں ہے جس نے یمن میں خاندانِ شبا کی سلطنت قائم کی تھی اور شہر مارب اور شہر سبا کو بنایا تھا۔ اکثر مورخ عرصہ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے کیونکہ وہ دوسرا شبا عرف عبدالشمس تھا کہ جس نے سلطنت خاندان شبا قائم کی تھی اور شہرہائے مارب اور سبا کو بنایا تھا اور جس کا ذکر ہم آگے کریں گے +

اوفر۔ یہ قوم صوبہ عمان میں سبا کے مشرق میں آباد ہوئی جہاں کہ شہر اوفر ہیں اُسکے
نشانات اب تک پائے جاتے ہیں (سلوک اول باب ۹ ورس ۲۸) +

حویلاہ۔ یہ شخص مارب کے ٹھیک شمال میں بسا تھا +

یوباب۔ یہ بھی مارب کی جانب روانہ ہو کر اُسی نواح میں آباد ہوا۔ قوم جوبارٹی
جس کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جس کو عرب بنی جوبار کہتے ہیں اُسی کی اولاد ہیں
ہونے کا دعوے کرتے ہیں +

اُن قوموں کے مختلف شعبوں اور شاخوں نے جو عرب میں ایک ہی اصل سے
پیدا ہوئی تھیں صرف دو وجہ سے علیحدہ علیحدہ نام حاصل کئے تھے یا تو بہ ہیئت مجموعی
اپنی بڑی قوت اور تعداد کی وجہ سے یا قوم کے کسی شخص کی شہرت اور کارہائے
نمایاں کے باعث سے۔ پس ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے کسی نے کوئی
کار نمایاں جس سے وہ اپنے لئے کوئی مخصوص نام اختیار کرنے کے مستحق ہوتے نہیں
کیا اور اسی سبب سے شعبوں میں منقسم نہیں ہوئے مگر یرح کا حال ایسا نہیں ہے
جس کا بیان ہم اب کسی قدر طوالت کے ساتھ کرتے ہیں +

عرب کے جغرافیہ دان یقطان کے بے شمار لڑکوں میں سے صرف دو شخص کا
ذکر کرتے ہیں یعنے یعرب اور جرہم کا چند مورخوں کی یہ راے ہے کہ یعرب اور یرح سے
ایک ہی شخص مراد ہے اور اگرچہ یہ قاعدہ ہے کہ (ج) اور (ی) کا باہم تبادلہ ہو جاتا ہے
مگر جرہم کے باب میں رائیں مختلف ہیں بعضے کچھ کہتے ہیں اور بعضے کچھ مگر جمہور کی
یہ راے ہے کہ یعرب اور جرہم دونوں یرح کے بیٹے تھے اور اسٹریبو اور جارج سیل
کی بھی یہی راے ہے۔ لیکن ابو الفدا اپنی کتاب کے ایک مقام میں یعرب اور جرہم کو
دو مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہاں کہ وہ مختلف اقوام عرب
کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے تو جرہم کو تنہا مورث اعلےٰ تمام فرقوں کا بتلاتا ہے جیسے

یہ معنی ہیں کہ یعرب اور جرہم سے ایک ہی شخص مراد ہے اور اولاد یعرب کی مختلف شاخیں بنی جرہم میں شامل ہیں ۔

مشرقی مورخوں نے اس اختلاف کو غیر منفصل چھوڑ دیا ہے مگر رورنڈ فاسٹر صاحب نے نہایت لیاقت سے ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے اور جس جگہ کہ اُنھوں نے اس نام کی چند قدیم و جدید مسلم شکلیں بیان کی ہیں اُس جگہ بیان کیا ہے کہ ستر مترجموں نے اس نام کو جرح لکھا ہے اور سینٹ جیروم نے جیرا اور حال کے عربوں نے جرج اور سرح اور شرح اور زہران لکھا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ ان فرضی مختلف ناموں کی مطابقت حسب قواعد تہجی بیان کر کے صاحب موصوف لکھتے ہیں "کہ علی العموم جو شہادت کہ خود عرب بھی اپنے جرہم کو جرہہ پسر یقطان کے ساتھ مطابقت کرنے میں زمانہ دراز سے دیتے آئے ہیں اُس کی تصحیح و تصدیق کتاب بطلیموس میں غیر مبدل توریتی نام کے واقع ہونے سے ہو گئی ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے جس کا ہم کو بار بار حوالہ دینا پڑا ہے یعنے بطلیموس کے اس جملہ کا السنیبولا جرا چیوری ا جس کا ترجمہ ہے جزیرہ بنی جرہہ جو اسی حصہ حجاز کے کنارے کے پرے ایک جزیرہ ہے"۔

جرہہ یا جرہم کی مطابقت تسلیم کر لینے میں ہمیں کچھ بھی کلام نہیں ہے اور عرب العاربہ کے شجرۂ انساب میں ہم اُن کو ایک شخص قرار دے کر یعنے یرح یا یعرب یا جرہہ یا جرہم اُن کا شجرہ لکھیں گے ۔

تاریخ عرب العاربہ میں اس شخص کی اولاد کا حال بہت مذکور ہے یہ اسی کی اولاد تھی جس نے مختلف فرقوں میں منقسم ہو کر بڑے بڑے کام کئے اور زبردست سلطنتوں کے بانی ہوئے مگر عرب العاربہ کی تاریخ لکھتے وقت اُن کے کاموں اور اُن سلطنتوں کے قائم ہونے کے زمانے کا متعین کرنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ زبانی روایتوں میں جو زمانہ بیان ہوتا ہے وہ کبھی

غلطیوں سے خالی نہیں ہوتا اور اس کو معتبر نہیں مانا جا سکتا۔ دوسرے اس سبب سے کہ مورخان عرب نے ان واقعات کی تاریخیں سپٹواجینٹ یعنے یونانی ترجمہ توریت سے اخذ کی ہیں۔ توریت کے یونانی ترجمے ہیں اور اصل عبرانی توریت میں جو اب موجود ہے زمانوں کا بہت سا اختلاف ہے مگر قریباً قریباً تمام عیسائی ملکوں میں عبرانی توریت کے زمانے تسلیم کئے جاتے ہیں گو اُس کے مندرجہ زمانے بھی نہایت مشتبہ اور ناقابل اعتبار ہیں۔ تیسرے اس باعث سے کہ عرب کے مورخوں نے دو قسم کی تاریخوں کو یعنے اُس کو جو زبانی روایتوں سے عرب میں چلی آتی تھی اور اُس کو جسے یونانی توریت سے اخذ کیا تھا خلط ملط کر دیا ہے اور اس سبب سے بڑی ابتری اُن کی تاریخ میں پڑ گئی ہے بعض واقعات کا زمانہ تو زبانی روایتوں کے بموجب متعین کرتے ہیں اور بعض کا یونانی توریت کے موافق۔ پس ان مشکلات پر غالب آنا۔ جن سے تواریخ عرب بھری پڑی ہے۔ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اس پیچیدہ اور مشکل کام کے حل کرنے کے لئے ہم نے تین ذریعے اختیار کئے ہیں۔

اول۔ اصل عبری توریت جس کو اس زمانے میں قریباً قریباً ہر ایک ذی علم قوم نے تسلیم کر لیا ہے اور علم تواریخ کو اسی کی مندرجہ تاریخ پر مبنی کیا ہے انہوں نے عبری توریت کو اصل اصول فرض کر کے اور اُس کے مندرجہ زمانوں کو تسلیم کر کے بہت سی کتابیں تاریخ کی تصنیف کی ہیں اور ہر قسم کے مباحثوں میں خواہ مذہب سے متعلق ہو خواہ علم تواریخ سے خواہ علم الارض سے خواہ علم حیوانات سے خواہ کسی اور علم سے اُسی کے مندرجہ زمانوں پر استدلال کرتے ہیں اس واسطے ہم نے بھی اپنی اس کتاب میں انہیں کی تقلید کو قرین مصلحت سمجھا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمنے

متعدد واقعات کو جو عرب میں واقع ہوئے اُن کے ہمعصر واقعوں سے جو بنی اسرائیل پر واقع ہوئے اور جن کا حال توریت میں مندرج ہے مقابلہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس طرح پر ہم عرب کے واقعات کا صحیح زمانہ متعین کرنے میں کسی قدر کامیاب ہوئے ہیں تیسرے یہ کہ بعض تواریخی واقعات جو عرب میں واقع ہوئے وہ ایسے ہیں کہ اور ملکوں مثلاً فارس - اطالیہ اور مصر کے واقعات سے علاقہ رکھتے ہیں اور یہ ایسے ملک ہیں جن کی تواریخ اور اُن واقعات کا زمانہ جو وہاں واقع ہوئے دنیا میں بخوبی مشہور ہے - علاوہ اس کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو عرب میں واقع ہوئے ہیں اور اُن کے وقوع کا زمانہ قریب بہ صحت معلوم ہے اس لیئے ہم نے اپنی تحقیقات میں اُن دونو تاریخوں کو بطور رہنما کے اختیار کیا ہے +

قحطان اول شخص تھا جو عرب میں بادشاہ ہوا اور اپنی دارالسلطنت زرخیز اور شاداب صوبہ یمن میں مقرر کی جو کہ قحطان فالغ کا بھائی تھا اس واسطے اسکی تاریخ ولادت فالغ کی تاریخ ولادت سے بہت قریب ہوگی اور اس لیئے وہ تاریخ قریب ۱۷۵۰ دنیوی یا ۲۲۵۴ قبل حضرت مسیح کے قرار پاتی ہے - زبانوں کے اختلاف کے بعد جو بابل میں مینار کی تعمیر کی وجہ سے عارض ہوگئیں نمرود پسر کوش ملک بابل یا اشور کا بادشاہ ہوا اور حام پسر مصریم مصر کا - اُسی زمانے میں قحطان بھی یمن کا بادشاہ ہوا - یعنے ۱۷۵۷ دنیوی یا ۲۲۴۷ قبل مسیح میں +

اول من نزول الیمن قحطان بن عابر بن شالح وقحطان المذکور اول من ملك ارض الیمن ولبس التاج (ابوالفدا) +

اس کے مرنے پر یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اُس کے قبضے میں یمن اور حجاز کے

ثم مات قحطان وملك بعده

ابنه یعرب بن قحطان (ابوالفدا) صوبے تھے جو اُس وقت میں بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے۔ ریورنڈ فارسٹر صاحب اور اور مورخ اس باب میں متفق الرائے ہیں اور اتفاق کی صحت اکثر مقامات کے ناموں کی مطابقت سے جو اُن صوبجات میں پائے جاتے ہیں ہوتی ہے۔ جرہم کے یمن میں آباد ہونے کے باب میں مصنف موصوف نے ایک بہت معقول وجہ ثبوت پیش کی ہے یعنے یہ کہ جرہم ابو یمن کے نام سے ملقب ہوا تھا +

جرہم کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا یشجب تخت پر بیٹھا اور اس کے بعد اسکا بیٹا عبد الشمس

ثم ملك بعده ابنه یشجب بن یعرب ثم ملك بعده ابنه عبد شمس بن یشجب... ویسمی سبا وهو الذی بنا السد بارض مارب... وبنی مدینة مارب وعرفت مدینة سبا... وخلف سبا المذکور عدة اولاد منهم حمیر وعمرو وکهلان واشعر وغیرهم... ولما مات سبا ملك الیمن بعده ابنه حمیر ابن سبا (ابوالفدا) +

ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ہوا یہ شہزادہ یمن میں مشہور سلطنت سبا کا بانی ہوا اور اسی نے شہر سبا اور شہر مارب بنایا اور اس کے بعد اس کے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا +

اب چونکہ حمیر یقطان سے چوتھی پشت میں تھا اور ترح بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھا اسلئے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدائش سے بہت دور نہیں ہوگی یعنے سنہ ۱۸۷۸ دنیوی یا سنہ ۲۱۲۶ قبل حضرت مسیح میں اُسکی ولادت ہوئی ہوگی +

ترح کے تین بیٹے تھے۔ ابرام۔ ناحور۔ حاران اور حمیر کے بیٹے بھی تین تھے۔ وائل۔ عوف۔ مالک۔ اس لئے ترح اور حمیر کی اولاد کو بھی ہمعصر خیال کرنا چاہئے یعنے یہ کہ وہ سنہ ۱۹۴۹ دنیوی یا سنہ ۲۰۵۵ قبل حضرت مسیح کے تھے +

وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا فاران ہوا۔ اب اول اُس مدت پر جو ایک پشت

کے واسطے عموماً دی گئی ہے لحاظ کرکے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط پسر حاران پر غور کرکے سکسک اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہئے جو سنہ ۱۸۷۸ دنیوی یا سنہ ۲۱۲۶ قبل حضرت مسیح میں یعنے تیس برس قبل ولادت حضرت ابراہیم کے قرار پاتی ہے۔

وائل اپنے باپ کا جانشین ہوا اور عوف کسی جگہ حجاز اور نجد کے مابین آباد ہوا۔ اور اس بات سے ثابت ہے کہ پہاڑ جو نجد کی جانب مغرب واقع ہے آج تک جبل عوف کے نام سے مشہور ہے۔ فاران ابن عوف اپنے باپ کے پڑوس میں آباد ہوا یعنے اس وادی غیر ذی زرع میں جہاں بالفعل مکہ معظمہ موجود ہے فاران کا اطلاق صرف اس وسیع شمالی بیابان پر نہیں ہوتا جو قادیش تک چلا گیا ہے بلکہ اُن پہاڑوں پر ہوتا ہے جو اس میں واقع ہیں اور اُن پہاڑوں ہی کے نام کی وجہ سے اس وسیع بیابان کو فاران کا میدان کہہ سکتے ہیں۔ تمام مشرقی مورخ اور نیز وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے معتقد ہیں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور توریت مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح بنام فاران موسوم تھا۔ چونکہ ہم اس مضمون کو زیادہ تر تفصیل سے عرب المستعربہ کے ذکر میں بیان کریں گے اس لئے کچھ حال فاران بن عوف کا بیان کرتے ہیں۔

> سیصیر ثم ملك بعده (یعنی بعد حمیر) ابنه وائل ابن حمیر ثم ملك بعده ابنه السکسك بن وائل ثم ملك بعده یعفر بن السکسك ثم وثب علی ملك الیمن ذو ریاش وهو عامر بن ملوان (فاران) (پاران) (باران) بن عوف بن حمیر (ابوالفدا)
>
> عوف بفتح اوله وسکون ثانیه واخره فاء جبل بنجد ... وعوق بالفتح ارض فی دیار غطفان بین الجناب وخیبر (مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنة والبقاع)

ابو الفدا اپنی تاریخ عرب میں بیان کرتا ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا۔ یہ تاریخ معہ اپنے لاطینی ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۱ء میں از سر نو چھاپی گئی تھی اور اس کا لاطینی زبان میں یہ نام ہے

(ابوالفدا ہسٹوریا انیٹی اسلام کا ارمیں) یعنے تاریخ ابوالفدا درباب عرب ایام جاہلیت اور
اس کا ایڈیٹر ”ہنریکس ارمقوبیس فلیچر“ تھا۔ لفظ فاران اصل کتاب کے صفحہ ۱۱۴
میں اس شکل سے چھپا ہے (ماراں) یعنے حرف اول پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔ اب
ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ پہلا حرف کیا ہے ف ہے یا ب ہے یا پ ہے اور اس موقع
پر یہی تین صورتیں ہونی ممکن ہیں۔ مگر باوجود اس نقطے کی غلطی کے یہ متحقق ہے کہ
یہ لفظ بجز فاران کے اور کچھ نہیں ہو سکتا +

عربی مصنفوں کا دستور ہے کہ جب کسی لفظ کا تلفظ ف سے ہوتا ہے تو اُسکو
ف کے حرف سے لکھتے ہیں۔ بعض یہودی حرف ف کا تلفظ مثل حرف پ کے کرتے
ہیں مگر عربی مصنف پ کی جگہ ب کا تلفظ کرتے ہیں اور ب ہی سے اُس لفظ کو
لکھتے ہیں کیونکہ ان کی الف بے میں پ کا حرف نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ابوالفدا
نے لفظ فاران کو جس کا یہودی تلفظ پاران سے تھا۔ باران ب کے ساتھ لکھا ہے
جس کا نقطہ چھپنے میں رہ گیا ہے اور اس کا ثبوت لاطینی ترجمے سے ہوتا ہے کہ اُس
میں اُس کا ترجمہ ”بارانی“ ب سے کیا گیا ہے۔ پس اب اس بات میں کہ عوف کا بیٹا
فاران تھا کچھ شک باقی نہیں رہا +

جس مقام پر کہ عوف نے سکونت اختیار کی تھی وہاں کوئی ایسا ربانی کرشمہ
واقع نہیں ہوا جس سے اُس کی شہرت کو جو اُس نے عوف کے نام سے حاصل
کی تھی گھٹا دیتی یا مٹا دیتی اور اس لئے وہ مقام اور وہ پہاڑ عوف ہی کے نام
سے مشہور رہا۔ مگر جس جگہ کہ فاران آباد ہوا تھا اُس کا حال ایسا نہیں ہوا کیونکہ
وہاں ایک ربانی کرشمہ کے واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا اور جب وہ ربانی کرشمہ
واقع ہوا جو تمام چیزوں پر جن کی عرب تعظیم اور حرمت کرتے تھے سبقت لے گیا
اور اُن کی شہرت کے چاند کو گہن لگا دیا۔ فاران کی شہرت مدھم پڑ گئی اور اُس کی

جگہ خدائے مقدس کے نام کی شہرت قائم ہوئی۔ فاران کا نام سینا منیا ہو گیا اور بیت اللہ الحرام کے نام سے اس مقام نے شہرت پائی۔ جو امید ہے کہ قیامت تک اسی طرح مشہور اور معزز رہے گا۔

وائل کے بعد اس کا بیٹا سکسک اور اس کے بعد اس کا بیٹا یعفر جانشین ہوا۔

ثم هفن من بنی وائل النعمان بن یعفر بن السکسك بن وائل بن حمیر و اجتمع علیه الناس و طرد عامر بن باران عن الملك و استقل النعمان المذکور بملك الیمن ولقب النعمان المذکور بالمعافر۔

ثم ملك بعده ابنه اشح بن المعافر المذکور ثم ملك بعده شداد بن عاد بن الملطاط بن سبا و اجتمع له الملك و غزا البلاد ان بلغ اقصے المغرب و بنی المدائن و المصانع و ابقے الآثار العظیمہ (ابو الفدا)۔

اس کا چچا زاد بھائی عامر ذو ریاش پسر فاران پیروف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا یعفر کی سلطنت پر حملہ کیا اور فتح کرلیا لیکن نعمان بن یعفر نے اسکو نکال دیا اور وہ حجاز کی طرف چلا گیا اور نعمان نے اپنی سلطنت واپس لی۔ اس کار نمایاں کی وجہ سے اس کا لقب المعافر ہو گیا۔

اسی قاعدے کے بموجب جس سے کہ ہمنے اس قدر اشخاص کی ولادت کی تاریخیں معین کی ہیں ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یعفر بن سکسک اور عامر بن فاران اور حضرت ابراہیم کے تولد کی تاریخ قریب قریب ایک ہی زمانے میں ہے یعنی ۲۰۰۸ دنیوی میں یا ۱۹۹۶ قبل حضرت مسیح میں۔ اب جو قدرتی قاعدہ پشتوں کے توالد وتناسل کا ہے اس کے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدائش کو دریافت کرسکتے ہیں جس کا وقوع ۲۰۳۸ دنیوی میں یا ۱۹۶۶ قبل حضرت مسیح میں واقع ہوا ہے۔

اس پچھلے زمانے کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراہیم مقام "اور" سے جو قوم کالڈی سے متعلق تھا حاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے چلائے گئے تھے اور یہ ایک

ایسا زمانہ ہے جس کے متعلق صحیح واقعات ہم کو اس نتیجے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانے میں ہوئی ہوگی۔اس لئے یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ یہی وقت تھا جب کہ نعمان نے عامر کو بھگا کر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا یعنے ۲۰۸۴ دنیوی یا ۱۹۱۲ قبل حضرت مسیح میں۔نعمان کے بعد اس کا بیٹا اشمح تخت پر بیٹھا اُس کی سلطنت پر شداد نے حملہ کیا اور اشمح کو شکست دے کر جلاوطن کر دیا۔ شداد نے بڑی عظمت اور شہرت حاصل کی اور اپنی حکومت استحکام کے ساتھ قائم کرنے میں کامیاب ہوا اُس نے بہت سی عالیشان عمارتیں[1] بنائیں جن کے نشان اب بھی پائے جاتے ہیں ✤

شداد کا نام ایسا مشہور ہے کہ قریب قریب ہر مشرقی باشندہ اُس سے واقف ہے اور اس کی عظمت و شوکت کی نسبت بہت سے عجیب و غریب قصے اور روایتیں مشہور ہیں۔یہ شخص ملطاط بن عبد الشمس عرف سبا اکبر کی اولاد میں تھا اُس کے باپ کا نام عاد ہے۔مورخوں نے اس عاد کو پہلے عاد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور اس طرح پر مختلف روایتیں جو درحقیقت پہلے عاد سے متعلق تھیں۔اس کی طرف منسوب کی ہیں اور اس عاد کی روایتیں پہلے عاد کی طرف ✤

---

[1] مسٹر ویلسٹڈ کارسٹر صاحب بوقت بیان کتبات قوم عاد کے جو مختلف اقطاع عرب میں ظاہر ہوئے ہیں نقب الحجر کے قدیمی آثار کا جو حضرموت میں ہیں ذکر کرتے ہیں حصن غراب کے آثار بھی کچھ کم مشہور نہیں ہیں۔عدن میں بعض عمارتوں کے آثار بڑی قدامت کا دعوے کرتے ہیں اور لوگوں کو بہت شوق دلاتے ہیں اور قوم عاد سے منسوب ہیں بعض نشانات حوضوں کے جو عموماً تالاب کہلاتے ہیں۔عدن میں اب تک پائے جاتے ہیں اور جن کی قدامت کی وجہ سے ہر سیاح کی توجہ و اشتیاق کو کشش ہوتی ہے۔ان کا بانی شداد کو کہتے ہیں۔علاوہ ان آثار کے جن کا ذکر ہو چکا ہے بہت سے اور بھی دریافت ہوگئے ہیں جو خود ان عمارات اور نیز اُن کے بانی کی قدامت کے شاہد ہیں ✤

ان دونو عادوں کے باہم تمیز کرنے کے لئے ہم نے اس پچھلے عاد کو جس کا ابھی ذکر ہؤا بنام عادِ ثالث موسوم کیا ہے کیونکہ اس نام کا یہ تیسرا شخص ہے۔

مشرقی تاریخوں میں ہم شداد اور سبا اکبر کے مابین صرف دو نام ایک عاد اور دوسرا طاط پاتے ہیں حالانکہ اُن کے مابین کم سے کم پانچ نام ہونے چاہئیں۔ مشرقی تاریخوں میں جو سلسلۂ انساب میں اس طرح ناموں کی کمی پائی جاتی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلۂ انساب کو پُرانے عربی شعرا کے اشعار اور تحریروں سے اخذ کیا ہے اُن شاعروں کا قاعدہ تھا کہ اپنے اشعار میں اُنہیں لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے جنھوں نے کسی بڑے بڑے کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی ہو اور جن لوگوں نے ایسی شہرت نہیں حاصل کی اُن کے نام اُن اشعار میں نہیں پائے جاتے تھے اور یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلہ انساب قائم کیا ہے اُس میں سے وہ نام چھوٹ گئے ہیں۔

عرب العاربہ کا شجرہ انساب ہم اپنے اس مضمون کے اخیر میں شامل کریں گے اُس شجرے میں جہاں کہیں ہم کو اس طرح پر ناموں کے رہ جانے کا شبہ ہؤا ہے یا جہاں کہیں خود مشرقی مورخوں نے ناموں کے رہ جانے کا اقرار کیا ہے۔ وہاں ہم نے ایک نشانی ستارے کی بنا دی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ کس قدر نام ہماری دانست میں اُس سلسلہ میں سے چھوٹ گئے ہیں۔

جس زمانے میں کہ شداد نے یمن والوں پر غلبہ حاصل کیا اور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اُس کا صحت کے ساتھ متعین کرنا کسی قدر غیر ممکن ہے یا ایں ہمہ کہہ سکتے ہیں کہ نعمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اُس کی وفات سے بہت ہی تھوڑے عرصے میں شام کے پانچ بادشاہوں کے باہم لڑائی شروع ہوئی۔ توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی کا اثر عرب میں بھی پہنچا

تھا کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ پس در سال چہاردہم کدرلاعومر و ملوکے کہ بہ ہمراہش بودند آمدہ رفائیان را در عشتروت قرنیم وزوزیان را در ہام وایمیان را در شاوہ قریتایم شکست دادند و نیز حوریان را در کوہ خودشان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحراست و برگشتہ بہ عین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرزوبوم عمالیقیان و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند" (سفر تکوین باب ۱۴ درس ۵ و ۶ و ۷)۔

ظاہر ہے کہ یہ حملہ آور قادیش کے شمال میں سے آئے ہونگے کیونکہ سعیر کے پہاڑ اُس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادیش کے جنوب میں دور جا کر فاران میں چلے گئے جس سے آج تک حجاز مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بیان کے کہ حملہ آور پاران سے قادیش کو لوٹ گئے کچھ بھی معنے نہ ہوتے۔ اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ مغرب کی جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اُس طرف بنی عمالیق رہتے تھے جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیش کو واپس آنے کے بعد جنگ کی تھی۔

اس وقت اشمح کی حکومت اور عملداری صوبہ یمن اور حجاز پر پھیل گئی جو کہ یہ زمانہ اُس کے عہد حکومت کی ابتدا کا تھا اس لئے خیال ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملہ کی وجہ سے اُس کی طاقت میں کسی قدر ضعف آگیا ہو جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت یمن کی اس ضعف اور شکستہ حالت میں شداد نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر رہتا تھا اشمح پر حملہ کیا ہو اور اس کو حکومت سے بے دخل کر کے تخت چھین لیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی ترغیب ہوتی ہے کہ اشمح سنہ ۲۰۹۱ دنیوی یا سنہ ۱۹۱۳ قبل حضرت مسیح میں تخت پر بیٹھا تھا۔ اور شداد نے سنہ ۲۰۹۲ دنیوی یا سنہ ۱۹۱۲ قبل حضرت مسیح میں اُس کی سلطنت کو چھین

لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اُس عام قاعدے سے جو علم انساب میں پشتوں کے پیدا ہونے کے لئے قرار دیا گیا ہے بالکل مطابق ہوتا ہے ،،

شداد کے بعد اُس کے دو بھائی لقمان اور ذوشدد یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ذوشدد کے بعد اُس کا بیٹا الحارث بادشاہ ہوا۔ اُس زمانہ تک اور اُس کے بہت عرصے بعد تک وہاں دو خود مختار سلطنتیں رہیں ایک یمن کی اور دوسری حضرموت کی آخر کو ایک دوسرا شخص مسمی الحارث جس کا لقب رائش ہوا تخت پر بیٹھا اُس نے ان دونو سلطنتوں کو ملا کر ایک کر دیا

ثم ملك بعده اخوه لقمان بن عاد ثم ملك بعده اخوه ذوشدد بن عاد ثم ملك بعده ابنه الحرث بن ذي شدد ويقال له الحارث الرايش (ابوالفدا) ؞

اس لئے بعض مورخوں نے غلطی سے پہلے الحارث اور دوسرے الحارث کو ایک ہی شخص سمجھا اور اُسی کی طرف دونو سلطنتوں کا ملانا منسوب کیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن بادشاہوں کے نام جو اُن دونو الحارثوں کے مابین فرماں روا ہوئے تھے ہر ایک مورخ نے چھوڑ دیئے اور اُن کے نام معدوم ہو گئے۔ اس غلطی کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے کہ جو زمانہ اُن بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی لکھی ہے وہ بہ لحاظ امتداد زمانہ کے بہایت کم ہے ؞

حمزہ اصفہانی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ الحارث الرائش ذوشدد کا بیٹا اور جانشین نہ تھا بلکہ حضرموت کے خاندان میں سے تھا۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ مصنف اُن بادشاہوں کی تعداد بھی نہیں بتلاتا جن کے نام معدوم ہو گئے ہیں لیکن اُس کا یہ بیان کہ حمیر اور الحارث الرائش کے مابین پندرہ پشتیں گذری تھیں ہم کو کسی قدر ٹھیک ٹھیک تت

الحارث الرايش هو الحارث بن قيس بن صيفي بن سبا الاصغر المحميدي وكان الرايش ول غزا منهم فاصاب الغنائم وادخلها ارض اليمن فارتاشت حمير في ايامه وكان هو الذي راشهم

فبذلك سمي الرائش وبين الرائش وبين حمير خمسة عشر اباً رتا ربيعہ سني ملوك الارض والانبياء ـ لحمزة اصفهانی)

کے معین کرنے پر قادر کرتا ہے ٭ اگر ہم بیان صدر پر اعتماد کریں تو ہم کو نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ الحارث ابن شدد کے اور الحارث الرائش کے مابین سات یا آٹھ اور بادشاہ ہوئے ہونگے ٭

الحارث الرائش قیس بن صیفی بن سبا الاصغر کا جو حمیر کی اولاد میں سے بیٹا تھا ـ اور

ثم ملك بعده ابنه ذو القرنين الصعب بن الرائش ثم ملك بعده ابنه ذو المنار ابرهه بن ذی القرنين ثم ملك بعده ابنه افريقيش بن ابرهه ثم ملك بعده ذو الاذعار عمرو بن ذو المنار ثم ملك بعده شرحبيل بن عمرو بن غالب المنتاب بن زيد بن يعفر بن السكسك ابن وائل بن حمير ۔ ۔ ثم ملك بعده ابنه الهدهاد بن شرحبيل ثم ملك بعده ابنته بلقيس بنت الهدهاد وقيت في ملك اليمن عشرين سنة وتزوجها سليمان بن داؤد (ابو الفدا) ٭ وقد نقل ابن سعيد المغربي ان ابن عباس سئل عن ذی القرنين الذی

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا وہ یمن اور حضرموت دونوں سلطنتوں کو ملانے میں کامیاب ہوا اور اسی سبب سے رائیل یا تبع الاول کا لقب پایا تھا ٭ اُس کے بعد صعب ملقب بہ ذو القرنین ـ اور ابرہہ ملقب بہ ذو المنار ـ اور افریقش ـ اور عمرو ملقب بہ ذو الاذعار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے ٭ عمرو ذو الاذعار کی عہد حکومت میں شرحبیل نے اُس پر حملہ کیا اور بے شمار خونریز لڑائیوں کے بعد عمرو ذو الاذعار کو شکست دی اور اُسکی سلطنت پر قابض ہوگیا. شرحبیل کے بعد اُس کا بیٹا الہدہاد جانشین ہوا اور اُسکے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی جس نے بیس برس سلطنت کرکے حضرت سلیمان بادشاہ یہود سے نکاح کر لیا. اس ملکہ کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے سنہ ۹۸۶ یا ۹۸۵ قبل حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے اسلئے سلوک کے پیدا ہونے کے معینہ قاعدے کے مطابق الحارث الرائش

ذكره الله تعالى في كتابه العزيز فقال هو من حمير وهو الصعب المذكور فيكون ذو القرنين المذكور في الكتاب العزيز هو الصعب (ابن الرائش) المذكور لا الاسكندر الرومي (ابو الفداء) +

وكان اول من اسس السد سبا الاكبر واسمه عامر وقيل عبد شمس بن يشجب بن يعرب بن قحطان ثم بناه حمير ابن سبا بعد موت ابيه ثم اتمه بعد ذلك ذو القرنين الحميري هو الصعب ابن ابي مرائد وكان السد من جبل مارب الى جبل الابلق وهما جبلان منيفان على الجبال الشامخة المحدقة بيمين السد وشماله (العقود اللؤلؤية في اخبار دولة الرسولية يمني) +

ثم ملك بعدها عمها ناشر النعم بن شرحبيل ... ثم ملك بعده شمر يرعش بن ناشر النعم ... ثم ملك بعده ابنه ابو مالك بن شمر ثم ملك بعده عمران

اور صعب ذو القرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دنیا کے آخر میں یا انتیسویں صدی کے شروع میں ہوئے ہونگے یعنے [illegible] قبل حضرت مسیح کے +

ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن عباس سے اس ذو القرنین کی نسبت جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے پوچھا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ صعب حمیری تھا۔ اس دلیل پر ابو الفدا نے بیان کیا ہے کہ اسی ذو القرنین کا ذکر قرآن مجید میں ہے نہ کہ سکندر اعظم کا +

ایک مشہور و معروف کام سد کی تعمیر کا اسی ذو القرنین کے عہد میں اختتام کو پہنچا۔ شاہان یمن کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سد کی بنا سبا اکبر نے شروع کی تھی۔ اُس کے بیٹے اور جانشین حمیر نے اسکو جاری رکھا اور ذو القرنین نے اُسے اختتام کو پہنچایا۔ وہ سد دو پہاڑوں کے درمیان میں تھی ایک پہاڑ کا نام مارب اور دوسرے کا نام ابلق تھا۔

بلقیس کے بعد اُس کا چچا زاد بھائی مالک ملقب بہ ناشر النعم تخت نشین ہوا۔ اور اسکے بعد اسکا بیٹا شمر یرعش اور اُس کے بعد اسکا بیٹا ابو مالک تخت پر بیٹھا۔ اس بادشاہ کی سلطنت میں عمران نے جو خاندان ازد سے تھا اُس پر حملہ کیا اور شکست دیکر تخت چھین لیا اور سلطنت حمیری بنی حمیر کے خاندان سے بنی کہلان کے خاندان میں منتقل ہو گئی عمران کے بعد اسکا بھائی عمرو مزیقیا تخت نشین ہوا +

بن عامر الازدی... ثم ملك بعده
اخوه مزيقيا (ابو الفدا) +
ملك الاقرن بن ابی مالك ثم
ملك بعده ذو حبشان بن الاقرن
... ثم ملك بعده اخوه تبع بن الاقرن
ثم ملك بعده ابنه كليكرب بن تبع ثم ملك
بعده ابو كرب اسعد هو تبع الاوسط وقتل
ثم ملك بعده ابنه حسان بن
تبع... ثم قتله اخوه عمرو بن
تبع وملك... فنمى ذا الاعواد
ثم ملك بعده عبد كلال ابن ذی
الاعواد ثم ملك بعده تبع بن
حسان ابن كليكرب وهو تبع الاصغر
ثم ملك بعده ابن اخته الحارث
بن عمرو وهو الحارث المذكور
ثم ملك بعده مرثد ابن كلال...
ثم ملك بعده وكيعه ابن مرثد
(ابو الفدا) +
ثم ملك ابرهه بن الصباح
ثم ملك صهبان بن محرث ثم ملك
عمرو بن تبع ثم ملك بعده ذو نواس

اس کے زمانے میں الاقرن بن ابو مالک نے اپنے
باپ کی سلطنت کا دعوے کیا اور مزیقیا سے لڑکر
اس کو شکست دی اور سلطنت چھین لی اور حمیر کے
خاندان میں دوبارہ سلطنت لوٹ آئی +
اس کے بعد اس کا بیٹا ذو حبشان مالک تاج و تخت
ہوا اسکے بعد اسکا بھائی تبع اکبر اس کے بعد اس کا
بیٹا کلیکرب اور اس کے بعد اس کا بیٹا ابو کرب اسعد تبع
اوسط اسکے بعد اسکا بیٹا حسان اسکے بعد اسکا بھائی عمرو
ذو الاعواد اسکے بعد اسکا بیٹا عبد کلال تخت نشین ہوا تبع اصغر
پسر حسان نے اس بادشاہ سے سلطنت چھین لی اور خود بادشاہ
ہو گیا اسکے بعد اسکا بھتیجا حارث بن عمر تخت پر بیٹھا تمام
مورخوں کا اتفاق ہے کہ حارث نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا
اسکے بعد مرثد بن کلال اور اسکے بعد وکیعہ ابن مرثد تخت نشین ہوئے
ان بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ حارث بن عمر کے
یہودی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے کسیقدر صحت کے
ساتھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جبکہ بخت نصر فلسطین کو فتح کرکے
اور بیت المقدس کو مسمار کرکے حضرت دانیال و ارمیا دونوں
کو قیدی بنا کر بابل لے گیا اس وقت کچھ یہودی بچ کر یمن کو
بھاگ گئے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت یرمیاہ اور دانیال
پیغمبر تھے۔ اس لئے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم ہوتی
ہے کہ ان مفرور یہودیوں کی وجہ سے الحارث نے مذہب یہود کا اقرار کیا

وکان من لا یتهود القاه فی اخدود مضطرمة نارا فقیل له صاحب الاخدود ثم ملك بعده ذو جدن وهو آخر ملوك الحمیر (ابو الفدا)

من کتاب ابن سعید المغربی ان الحبشة استولوا علی الیمن بعد ذی جدن الحمیری المذکور وکان اول من ملك الیمن من الحبشة ارباط ثم ملك بعده ابرهة الاشرم صاحب الفیل الذی قصد مکة ثم ملك بعده یکسوم ثم ملك بعده مسروق بن ابرهه وهو آخر من ملك الیمن من الحبشة ثم عاد ملك الیمن الی حمیر وملکها سیف بن ذی یزن الحمیری (ابو الفدا) +

ہوگا اور یہودی مذہب کو قبول کیا ہوگا اور یہ امر واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اس زمانے میں حکمراں تھے۔ یعنے سنہ ۲۲۴۳ دنیوی میں یا سنہ [illegible] قبل حضرت مسیح ہیں۔ اس امر کا واقعی ہونا زیادہ تر اس لیے قابل اعتبار ہے کہ نسلوں کے پیدا ہونے کے قدرتی قاعدے کے مطابق بھی یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک صحیح آتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مالک ناشر النعم سنہ ۳۰۰۱ دنیوی میں تخت پر بیٹھا تھا۔ مالک اور وکیعہ کے درمیان گیارہ اور بادشاہ گذرے ہیں جن کا زمانہ مجموعاً چار سو برس خیال کرنا قرین عقل ہے وکیعہ کے بعد چھ اور بادشاہ خاندان حمیر میں سے تخت نشین ہوئے یعنے ابرہہ بن الصباح۔ صہبان بن محرث۔ عمرا بن تبع۔ ذو شناتر۔ ذو نواس الملقب بذو اخدود و ذو جدن جوکہ ان بادشاہوں کا خاندانی سلسلہ صاف صاف تحقیق نہیں ہوا اس لئے ہم نے ان کے ناموں کو شجرۂ انساب عرب العاربہ میں شامل کر دینے کی جرأت نہیں کی بلکہ ان کے ناموں کو شجرہ کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔ ان لوگوں کی سلطنت کا ٹھیک زمانہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے +

ذو نواس ایک متعصب یہودی تھا اور یہودی مذہب والوں کے سوا ہر مذہب کے معتقدوں اور پیروؤں کو آگ میں خندق جلوا دیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کرنے کے واسطے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ آرٹا زرکسیز اوکس نے چند یہودیوں کو جو مصر

میں قید ہوئے تھے۔ کیونکہ اُن کا ملک مصر سے ملا ہوا تھا ہرقانیہ (مادمکان) کو بھیج دیا۔ اور چونکہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اُس کی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا اور حبشیوں نے اُس پر غلبہ کر لیا اور اُس کو سلطنت سے خارج کر دیا۔ پس یہ زمانہ اس خاندان کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے اور سنہ ۳۹۵ دنیوی یا سنہ ۲۴۵ قبل حضرت مسیح کے مطابق ہوتا ہے +

اس زمانہ سے ہمارے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک نو سو بیس برس ہوتے ہیں۔ اس درمیان میں افریقہ کے لوگوں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے اور نیز بعض عرب المستعربہ اور ابراہوں کی حکومت رہی +

مشرقی مورخوں نے اس بات سے غلط خیال سے کہ ارباط حبشہ اور ابرہہ دو شخص تھے بیان کیا ہے کہ اُس زمانے میں صرف دو ہی بادشاہ ہوئے حالانکہ ارباط حبشہ اور ابرہہ خاندانی لقب ہیں اور ان خاندانوں کے بادشاہ اپنے اصلی نام کے ساتھ خاندانی نام کو شامل کر لیتے تھے +

اس خاندان ابرہہ میں ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو ابرہہ اشرم صاحب الفیل کہلاتا ہے اور جس نے مکہ معظمہ پر سنہ ۸۵۷ دنیوی یا سنہ ۵۷۰ عیسوی میں چڑھائی کی تھی۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے ہاتھی اس نیت سے لے گیا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر دے۔ اس کے بعد اُسکا بیٹا ابرہہ مسروق تخت نشین ہوا مگر سیف بن ذی یزن حمیری نے اس کو سلطنت سے بے دخل کر دیا جس کو کسرے نوشیروان والی ایران نے بہت مدد دی تھی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اُس کے بعد سے خاندان ابرہہ کی حکومت منقطع ہو گئی +

سیف بن ذی یزن جو حمیر کے شاہی خاندان سے تھا اپنے آپ کو سلطنت یمن کا وارث اور حقدار سمجھتا تھا اُس نے روم کے بادشاہ وقت سے مدد چاہی اور شہر روم میں اسی غرض سے دس برس تک پڑا رہا۔ مگر جب کہ اُس کی اُمید منقطع ہو گئی تو وہاں سے کسرے نوشیروان کے پاس چلا اور اس سے کمک کی استدعا کی +

اس بادشاہ نے اُس کی درخواست کو منظور کیا اور بہت بڑا لشکر اُس کی کمک کو دیا اور اُس نے اُس لشکر کی مدد سے اپنے دشمن کو شکست دی اور خاندان ابرہہ کا خاتمہ ہوگیا اور سیف بن ذی یزن ازسرنو تخت پر بیٹھا ✽

اُس نے اپنی سکونت شاہی محل غمدان میں اختیار کی اور عیش و عشرت میں محو ہوگیا۔

اس بادشاہ کے عہد کے شعرا نے اس کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور چونکہ ان اشعار میں بعض تاریخی واقعات ملتے ہیں اس لئے ہم چند شعر اس جگہ نقل کرتے ہیں ✽

مثل القصد الناس لا کابن ذی یزن	اذ خیم البحر للاعداء احوالا
واتی هرقل وقد شالت نعامته	فلم یجد عنده النصر الذی سالا
ثم انتحی نحو کسری بعد عاشرة	من السنین یهین النفس والمالا
حتی اتی ببنی الاحرار یقدمهم	تخالهم فوق متن الارض اجبالا
لله درهم من فتیه صبر	ما ان رایت لهم فی الناس امثالا
بیض مرازبة غلب اساورة	اسد تربت فی الغیضات اشبالا
فاشرب هنیا علیک التاج مرتفقا	براس غمدان دارا منک محلالا
تلک المکارم لا قعبان من لبن	شیبا بماء فعادا بعد ابوالا

سیف بن ذی یزن کو ایک اس کے درباری حبشی مصاحب نے قتل کیا اس کے بعد اس صوبہ کو نوشیرواں نے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور اپنی جانب سے وہاں عامل مقرر کر دیا۔ اُن عاملوں میں سے آخری عامل باذان تھا۔ اس کا زمانہ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ متحد تھا چنانچہ وہ آنحضرت پر ایمان لایا اور مسلمان ہوگیا ✽

وکان سیف بن ذی یزن الملک قد اصطفی جماعة من الحبشان جعلهم من خاصته فاغتالوه وقتلوه فارسل کسری عاملاً علی الیمن وتتابعت عمال کسری علی الیمن الی ان کان اخرهم باذان الذی کان علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم واسلم (ابو الفداء) ۱۲ ✽

عرب العاربہ میں خاندان قحطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی اور صوبہ حیرہ میں ایک بڑی زبردست سلطنت قائم کی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم تھا اس کے بعد اس کے بھائی عمرو کو تخت ملا۔ اس کے بعد جذیمہ بن مالک تخت پر بیٹھا۔ یہ جری گر طامع بادشاہ تھا اس نے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا ایک طرف تو دریائے فرات اس کی سلطنت کی حد تھی اور دوسری طرف حدود شام تک پھیل گئی تھی۔ شام تک سلطنت پھیلانے میں اسکو عملیق سے لڑنا پڑا۔ اور ایک سخت اور خونریز لڑائی کے بعد ان کو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن جس کا نام رقاش تھا ایک شخص مسمے عدی سے جو بنی لخم میں سے تھا شادی کی تھی۔

جذیمہ کے بعد اس کا بھانجا عمرو بن عدی تخت نشین ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا امرؤ القیس اور اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بادشاہ ہوا مگر اسکو "اوس" بن قلام عملیقی نے تخت سے اتار دیا۔ اس کے بعد ایک یا دو اور بادشاہ اس خاندان کے فرمانروا ہوئے جن کے نام معلوم نہیں لیکن اس قدر تحقیق ہے کہ امرؤ القیس ثانی بن عمرو نے

اول من ملک علی العرب بارض الحیرۃ مالک بن فهم... ثم ملک بعده اخوه عمرو بن فهم ثم ملک بعده ابن اخیه جذیمة بن مالک بن فهم... وکانت له اخت تسمی رقاش (ابو الفدا) لما قتل جذیمة ملک بعده ابن اخته عمرو بن عدی بن نصر بن ربیعة... ثم مات وملک بعده ابنه امرؤ القیس... وکان یقال لامرؤ القیس البدا الاول ثم ملک بعده امرؤ القیس ابنه عمرو بن امرؤ القیس... ثم ملک بعده اوس بن قلام العملیقی ثم ملک اخر من العمالیق ثم رجع الملک الی بنی عمرو بن عدی بن نصر بن ربیعة اللخمیین المذکورین وملک منهم امرؤ القیس بن عمرو ولد عمرو بن امرؤ القیس المذکور ولیعرف هذا امرؤ القیس المذکور ولیعرف هذا امرؤ القیس الثانی بالمحرق لانه اول من عاقب النار ثم ملک بعده ابنه النعمان

الاعور بن امرؤ القیس... ثم تزهد
وخرج من الملک... ملک بعدہ ابنہ
المنذر بن نعمان... ثم ملک بعدہ
ابنہ الاسود بن المنذر (ابو الفدا) +
ثم ملک بعدہ اخوہ المنذر بن
المنذر بن نعمان الاعور ثم ملک
بعدہ علقمۃ الذمیلی ذومیل بطن
من لخم ثم ملک بعدہ امرؤ القیس
بن النعمان بن امرؤ القیس المحرق...
ثم ملک بعدہ ابنہ المنذر بن
امرؤ القیس.. لقب بماء السماء...
وطرد کسری قباد المنذر المذکور عن
ملک الحیرۃ وملک موضعہ الحرث بن عمرو بن حجر الکندی
فلما تمکن کسری نوشیروان بن قباد
المذکور فی الملک طرد الحارث واعاد
المنذر بن ماء السماء الی ملک الحیرۃ
(ابو الفدا) +
ثم ملک بعد المنذر عمرو مضرط
الحجارۃ... ثم ملک بعدہ اخوہ قابوس
... ثم ملک بعدہ اخوہما المنذر
بن المنذر ثم ملک بعدہ ابنہ

بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی ہوئی سلطنت کو
لے لیا اور دوبارہ سلطنت کو اپنے خاندان میں منتقل
کر لیا۔ یہ اول شخص تھا جس نے کہ انسانوں کو زندہ
جلانے کی وحشیانہ رسم کو رواج دیا تھا اور اس سبب
سے اس نے المحرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اس کے
بعد نعمان جانشین ہوا مگر دنیا کے تردوات اور جھگڑوں
سے کبیدہ خاطر ہو کر تیس برس سلطنت کرنے کے
بعد بادشاہت کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مصروف ہوا
اس کے بعد اس کا بیٹا المنذر الاول تخت پر بیٹھا جسکے
بعد اس کا بیٹا اسود تخت نشین ہوا جس کو غسانی
بادشاہوں سے چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس کے
بعد اس کا بھائی المنذر ثانی تاج و تخت کا مالک
ہوا۔ اس کے بعد علقمہ ذمیلی اور اس کے بعد امرؤ القیس
ثالث بن نعمان نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔
اس کے بعد اس کا بیٹا المنذر الثالث ملقب بہ
ماء السماء جانشین ہوا۔ مگر اس بادشاہ کو کسرے قباد
نے سلطنت سے خارج کر کے الحرث کو جو کندی
خاندان میں سے تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ
کا مذہب اختیار کر لیا تھا مقرر کیا۔ جبکہ کسرے نوشیروان
تخت پر بیٹھا اس نے الحرث کو حکومت سے علیحدہ
کر دیا اور المنذر ثالث کو پھر حکومت دی۔ آگے

النعمان بن المنذر بن المنذر بن ماء السماء
وكنيته ابو قابوس وهو الذی تنصر...
ثم انتقل الی ایاس بن قبیصة الطائی
... ثم ملک بعد ایاس زادویه بن
ماهان الهمذانی ثم عاد الملک الی
اللخمیین فملک بعد زادویه المنذر بن
النعمان بن المنذر بن ماء السماء سمته
العرب المغرور واستمر مالکا للحیرة
الی ان قدم لها خالد بن الولید
واستولی علی الحیرة (ابو الفدا)۔
اول من ملک غسان جفنة بن
عمرو بن ثعلبة بن عمرو بن مزیقیا...
ثم هلک وملک بعده ابنه عمرو بن
جفنة ... ثم ملک بعده ابنه ثعلبة
بن عمرو... ثم ملک بعده ابنه الحارث
بن ثعلبة ثم ملک ابنه جبلة بن الحارث
ثم ملک ابنه الحرث ... ثم ملک بعده
ابنه المنذر الاکبر (ابو الفدا)۔
ثم هلک المنذر الاکبر المذکور
وملک بعده اخوه النعمان بن الحرث
ثم ملک بعده اخوه جبلة بن الحارث

بعد اس کا بیٹا عمرو اور اس کے بعد اس کا بھائی
قابوس اور اس کے بعد اس کا بھائی المنذر الرابع
اور اس کے بعد اس کا بیٹا نعمان ابو قابوس تخت
پر بیٹھا۔ اس نعمان نے عیسائی مذہب اختیار
کرلیا اور خسرو پرویز کے زمانے میں ایک مشہور
لڑائی میں جو ایرانیوں کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا
اس کے بعد ایاس ابن قبیصۃ الطائی اور اس کے
بعد زادویہ اور اس کے بعد المنذر الخامس بن
نعمان ابو قابوس بادشاہ ہوا اس بادشاہ کو خالد
بن ولید سردار لشکر اسلام نے شکست دے کر
سلطنت کو چھین لیا۔
جس زمانے میں یہ سب بادشاہ حکمراں ہوئے
اس زمانے کا ٹھیک ٹھیک معین کرنا اگر غیر
ممکن نہیں تو مشکل تو بیشک ہے مگر اخیر بادشاہوں
میں سے کم سے کم دو بادشاہوں کی فرمانروائی
کا زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے اور
اگر نسلوں کے ہونے کے معمولی قاعدے پر غور
کیا جاوے تو بعض اور بادشاہوں کے عہد
سلطنت کے زمانے کے محقق ہونے کے لئے
کافی پتہ لگ جاویگا۔
عمرو بن المنذر ماء السماء کی حکومت کے

ثم ملك بعده اخوه عمرو بن الحارث ثم ملك جفنة الاصغر... ثم ملك بعده اخوه النعمان الاصغر ثم ملك نعمان بن عمرو بن المنذر ثم ملك بعده نعمان المذكور ابنه جبلة بن النعمان... ثم ملك بعده النعمان بن الايهم...

ثم ملك اخوه الحرث ابن الايهم

ثم ملك ابنه النعمان ابن الحرث

... ثم ملك بعده ابنه المنذر بن النعمان ثم ملك اخوه عمرو بن النعمان ثم ملك اخوهما حجر ابن النعمان

ثم ملك ابنه الحارث بن حجر ثم ملك ابنه جبلة بن الحرث ثم ملك ابنه الحارث ابن جبلة ثم ملك ابنه النعمان بن الحرث وكنيته ابو كرب ولقبه قطام ثم ملك بعده الايهم بن جبلة... ثم ملك بعده اخوه المنذر بن جبلة ثم ملك اخوهما شراحيل بن جبلة ثم ملك اخوهم عمرو بن جبلة ثم ملك بعده ابن اخيه جبلة بن الحرث بن جبلة ثم ملك بعده جبلة بن الايهم بن جبلة وهو اخر ملوك الغسان و

آٹھویں سال میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزمان پیدا ہوئے تھے اسواسطے یہ بادشاہ سنہ ۵۶۲ھ دنیوی یا سنہ ۵۶۲ عیسوی میں تخت پر بیٹھا ہوگا۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل وحی ایاس کی حکومت کے چھٹے مہینے میں نازل ہوئی تھی اس واسطے ایاس سنہ ۶۱۰ دنیوی یا سنہ ۶۱۰ عیسوی میں تخت نشین ہوا ہوگا عمرو کی تخت نشینی سے پہلے آٹھ بادشاہ ہوچکے تھے اور ان کی سلطنتوں کے زمانوں کے مجموعہ کا بطرز معقول پانسو پچاس برس خیال کیا جاسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلا بادشاہ مالک بن فہم اکانیویں صدی دنیوی کے آغاز میں یا حضرت مسیح کے زمانہ ولادت کے قریب تخت پر بیٹھا ہوگا۔

عرب العاربہ نے ایک اور سلطنت صوبہ غسان میں قائم کی تھی اور اس سلطنت کے حاکم عرب الشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح طور پر غور کیا جاوے تو یہ حاکم قیصر روم کی [illegible] سے بطور عمال کے تھے مگر شاہی لقب اختیار کرنے کی وجہ سے تاریخ

وهو الذی اسلم فی خلافة عمر ثم عاد
الی الروم وتنصر (ابو الفدا) +

فلما ملك حجر سد امورهم
وساسهم احسن سیاسة وانتزع
من الحجیین ما کان بایدیهم من ارض
بکر ابن وایل ... وملك بعد الحجر
المذکور ابنه عمرو بن حجر .. ثم ملك
بعده ابنه الحرث بن عمرو (ابو الفدا) +

وملك اخوه (ای اخا یعرب)
جرهم الحجاز ثم ملك بعد جرهم ابنه
عبد یالیل بن جرهم ثم ابنه جرشم
بن عبد یالیل ثم ابنه عبد المدان
بن جرشم ثم ابنه ثعلبة بن عبد المدان
ثم ابنه عبد المسیح بن ثعلبه
ثم ابنه مضاض بن عبد المسیح ثم
ابنه عمرو بن مضاض ثم اخوه الحرث
بن مضاض ثم ابنه عمرو بن الحارث
ثم اخوه بشر بن الحارث ثم مضاض
بن عمرو بن مضاض (ابو الفدا) +

من ملوك العرب زهیر بن جناب
بن حبل ... وکان زهیر المذکور قد

عرب میں بادشاہوں کے ذیل میں بیان ہوتے
ہیں۔ چونکہ بعض امور اِن لوگوں سے ایسے متعلق
ہیں جن سے ہم کو بعض امور کی تحقیقات اور
تجسس میں آسانی ہوگی اس لئے اُن سلطنتوں
کا ایک مختصر حال اس مقام پر لکھتے ہیں +

اس سلطنت کی بنا چارسو برس قبل ظہور اسلام
کے ہوئی اور یہ زمانہ تینتالیسویں صدی دنیوی یا
تیسری صدی عیسوی سے مطابقت رکھتا ہے

جفنہ بن عمر اس اس خاندان کا پہلا شخص
تھا جس نے لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص "ازد"
کی اولاد میں سے تھا جو خاندان "کہلان" سے
علاقہ رکھتا تھا۔ وہ عرب جو اس سے پیشتر
غسان میں رہتے تھے ضجاعمہ کہلاتے تھے۔
اُن لوگوں نے عرصہ دراز تک ستقدی کے ساتھ
اُس کا مقابلہ کیا مگر آخرکار جفنہ نے اُن پر فتح
پائی اور اُن کو مطیع کر لیا +

اُس کے بعد اُس کا بیٹا عمرو تخت پر بیٹھا اور
اُس کے بعد اُس کا بیٹا ثعلبہ تخت نشین ہوا۔
ایک عرصے تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے
الحارث۔ جبلہ۔ الحرث۔ المنذر الاکبر کے ہاتھوں
میں رہے۔ اس اخیر بادشاہ کا جانشین اُس کا

اجتمع بابرھۃ الاشرم صاحب الفیل ـ بھائی نعمان ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بھائی
(ابوالفدا) ـ جبلہ اور اُس کے بعد اُس کا بھائی ایہم اور
اُس کے بعد اُس کا بھائی عمرو تخت نشین

ہوا۔ اُس کے بعد حنظلۃ الاصغر بن المنذر الاکبر کی باری آئی اُس کے بعد نعمان الاصغر اور اُس کے بعد اس کا بھتیجا نعمان ثالث بن عمرو بادشاہ ہوا۔ اُس کے بعد جبلہ بن نعمان ثالث کے ہاتھ سلطنت لگی۔ یہ بادشاہ خاندان حیرہ کے بادشاہ المنذر بن السمار کا معاصر تھا اور اس سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔ اُس کے بعد نعمان رابع بن الایہم اور اُس کے بعد الحرث الثانی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا نعمان الخامس اور اس کے بعد اُس کا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا اس کے بعد عمرو برادر المنذر اور حجر برادر عمرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اس کے بعد الحارث بن حجر اور جبلہ بن الحارث اور الحارث بن جبلہ باری باری سے بادشاہ ہوئے۔ پھر نعمان ابوکرب بن الحارث اور ایہم عم نعمان تخت پر بیٹھے۔ الایہم کے بعد اُس کے تین بھائی۔ المنذر۔ سراحیل۔ عمرو۔ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے عمرو کے بعد اس کے بھتیجے جبلہ بن الایہم بن جبلہ کو سلطنت نصیب ہوئی۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانے تک زندہ تھا۔ پہلے مسلمان ہو گیا اور اُس کے بعد روم کو بھاگ کر عیسائی ہو گیا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ قریب سنہ [illegible] دنیوی یا سنہ [illegible] عیسوی میں ہو گیا۔

عرب العاربہ کی ایک اور چھوٹی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد "کندہ" کی اولاد نے جو خاندان کہلان سے تھا ڈالی تھی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر بن عمرو ہوا۔ جس نے کہ مملکت حیرہ کے ایک حصے کو دبا کر ایک نئی سلطنت قائم کی تھی اُس کے بعد اُس کا بیٹا عمرو اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا الحرث تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے کسرے قباد کا مذہب اختیار کر کے اُس کی اعانت سے سلطنت حیرہ کو فتح کیا تھا۔ مگر جب نوشیروان نے اُس سے المنذر کو سلطنت واپس دلا دی تب الحارث دیار کلب کو

بھاگ گیا۔ مگر اس کے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے۔ حجر بنی اسد پر حکمران رہا۔ سراحیل بکر ابن وائل پر۔ معدی کرب قیس عیلان پر۔ سلمہ تغلب اور نمر پر حاکم رہا۔

حجر کے بعد جو مارا گیا تھا اس کے بیٹے امرؤالقیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع کر لیا۔ یہ امرؤالقیس وہی بہت بڑا مشہور شاعر عرب کا ہے۔ جبکہ منذر ماء السماء از سر نو تخت سلطنت پر بیٹھا تو امرؤالقیس اس کے خوف سے بھاگا اور کہیں روپوش ہو گیا۔ ان سب بادشاہوں نے پینتالیسویں یا چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی۔

ایک اور سلطنت حجاز میں قائم ہوئی تھی۔ جس زمانے میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہو گئی تھیں اس زمانے میں اولاد یعرب یا جرہم نے ایک نئی اور خود مختار سلطنت حجاز میں قائم کی تھی۔ ابوالفدا کے نزدیک اس سلطنت کا پہلا بادشاہ جرہم تھا جس کا بھائی یعرب یمن میں حکمراں تھا۔ مگر یہ غلطی ہے اور اس وجہ سے عارض ہوئی ہے کہ ابوالفدا نے غلطی سے یعرب اور جرہم کو دو شخص خیال کیا تھا حالانکہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں اور یہی ایک شخص یمن اور حجاز دونوں پر حاکم تھا۔ ابوالفدا نے مندرجہ ذیل نام بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ لوگ بھی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے اور وہ نام یہ ہیں۔ یالیل۔ جرسشم بن یالیل۔ عبدالمدان بن جرسشم۔ ثعلبہ بن عبدالمدان۔ عبدالمسیح بن ثعلبہ۔ مضاض بن عبدالمسیح۔ عمرو بن مضاض۔ الحرث برادر مضاض۔ عمرو بن الحرث۔ بشر بن الحرث۔ مضاض بن عمرو بن مضاض۔

اگر ابوالفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم سے پیشتر گذرے ہیں تو وہ بڑی غلطی پر ہے۔ کیونکہ عبدالمسیح کے نام سے بلاریب ثابت ہوا ہے کہ وہ عیسائی تھا اور اس لئے ممکن نہیں کہ وہ حضرت اسمٰعیل سے پیشتر گذرا ہو یا ان کا ہمعصر ہو۔ کچھ شک

نہیں کہ یہ سلطنت اُس وقت قائم ہوئی تھی جب کہ یمن اور حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں تھیں اور اس لئے ہم کو یقین ہے کہ اس سلطنت کے بادشاہ پنتالیسویں اور چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں گذرے ہیں ❊

یہ بھی واضح ہو کہ عمرو بن لاحی سنہ ۲۸۲۲ دنیوی یا تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں اسی سلطنت پر حکمراں تھا۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو عرب حجاز میں رواج دیا تھا اور کعبے میں تین بت۔ ھبل کعبے کی چھت پر اور اساف اور نائلہ اور مقاموں پر رکھے تھے ❊

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوئے اور پھر وہیں کے بادشاہ ہوئے زہیر ابن حباب نے بھی لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ بات اُس وقت کی ہے جب کہ ابرہہ اشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ زہیر بھی ابرہہ اشرم کے ساتھ اُس مہم میں شریک تھا۔ اس لئے بہ آسانی محقق ہو سکتا ہے کہ اُس کا عہد حکومت چھیالیسویں صدی دنیوی یا چھٹی صدی عیسوی کے آخری حصے میں ہوگا۔ سب سے مشہور واقعہ اُس کے عہد حکومت کا یہ تھا کہ اُس نے بنی غطفان کے اُس مقدس معبد کو جو اُنہوں نے کعبے کے مقابلے کے لئے بنایا تھا بالکل برباد کر دیا تھا ❊

اب ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے انساب کا شجرہ لکھتے ہیں۔ تمام قوم کا شجرہ لکھنا تو محالات سے ہے مگر یہ شجرہ اُنہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر ہم نے اس مقام پر کیا ہے اس شجرے سے اُن مطالب کے سمجھنے میں جو اس جگہ بیان ہوئے ہیں آسانی ہو گی ❊

تمام عرب العاربہ جن کا ہم نے اوپر مفصل ذکر کیا ہے بنی جرہم کے خاندان سے علاقہ رکھتے ہیں مگر وقتاً فوقتاً بلحاظ اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہوتے گئے ہیں۔ اُن قبیلوں میں سے جو نامی قبیلے گذرے ہیں اور جن کا ذکر اکثر کتابوں میں آتا ہے اُن کا بیان ہم اس مقام پر کرتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قائم کرنے میں ہم نے ابو الفدا اور معارف ابن قتیبہ

سے استفادہ کیا ہے ۔

۱۔ یعرب یا جرہم سے ۔ بنو جرہم ۔ ۲۔ عبدالشمس بن یشجب سے ۔ بنو سبا ۔

۳۔ حمیر ابن سبا سے ۔ بنو حمیر ۔ ۴۔ کہلان ابن سبا سے ۔ بنو کہلان ۔

۵۔ اشعر ابن سبا سے ۔ اشعری ۔ ۶۔ انمار ابن سبا سے ۔ بنو انمار ۔

۷۔ عاملہ بن سبا سے ۔ عاملی ۔ ۸۔ عدی بن انمار بن سبا سے ۔ بنو عدی ۔

۹۔ لخم بن عدی سے ۔ لخمی ۔ ۱۰۔ جذام ابن عدی سے ۔ بنو جذام ۔

۱۱۔ حدس ابن لخم سے ۔ بنو حدس ۔ ۱۲۔ غنم ابن لخم سے ۔ بنو غنم ۔

۱۳۔ بنو الدار بن ہانی بن لخم سے ۔ داری ۔ ۱۴۔ غطفان ابن حیرام ابن جذام سے ۔ بنو غطفان ۔

قبائل ذیل بنو غطفان کی نسل میں ہیں

۱۵۔ بنو فضلة ۔ ۱۶۔ بنو الخفث ۔ ۱۷۔ بنو النصیب ۔ ۱۸۔ بنو ہالہ ۔

۱۹۔ بنو ثعلبہ ۔ ۲۰۔ بنو ضایع ۔ ۲۱۔ بنو عایذہ ۔ ۲۲۔ بنو شیرہ ۔

۲۳۔ بنو عبداللہ ۔ ۲۴۔ بنو الخفرہ ۔ ۲۵۔ بنو سلیم ۔ ۲۶۔ بنو بجالہ ۔

۲۷۔ بنو غنم ۔ ۲۸۔ بنو الغالہ ۔

۲۹۔ سعد بن مالک بن حیرام سے ۔ بنو سعد ۔ ۳۰۔ وائل بن مالک سے ۔ بنو وائل ۔

قبائل ذیل بنو سعد کی نسل میں ہیں ۔

۳۱۔ بنو عوف ۔ ۳۲۔ بنو عایذہ ۔ ۳۳۔ بنو فہیرہ ۔ ۳۴۔ بنو صبرہ ۔

۳۵۔ بنو الاخنس ۔ ۳۶۔ بنو تیمی ۔

۳۷۔ حشم بن جذام سے ۔ حشمی ۔ ۳۸۔ حطمہ بن جذام سے ۔ بنو حطمہ ۔

قبائل ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

۳۹۔ خثعمی۔ ۴۰۔ بجیلی +

۴۱۔ قسری۔ ۴۲۔ بنو احمس +

۴۳۔ دہمان بن عامر بن حمیر سے۔ دہمانی +

۴۴۔ یحصب بن دہمان سے یحصبی +

۴۵۔ اسلف بن سعد بن حمیر سے۔ سلفی +

۴۶۔ اسلم بن سعد سے۔ اسلمی +

۴۷۔ رعین بن حرث بن عمرو بن حمیر سے۔ آل ذی رعین +

۴۸۔ قضاعہ بن مالک بن حمیر سے۔ بنو قضاعہ +

قبائل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

۴۹۔ کلب ابن دبرہ سے۔ بنو کلب +

۵۰۔ عدی ابن جباب سے۔ بنو عدی +

۵۱۔ علیم ابن جباب سے۔ بنو علیم +

۵۲۔ بنو العبید۔ ۵۳۔ بنو رفیدہ +

۵۴۔ بنو مصر۔ ۵۵۔ بنو القین +

۵۶۔ بنو سلیح۔ ۵۷۔ بنو تنوخ +

۵۸۔ جرم ابن ربان سے۔ بنو جرم +

۵۹۔ راسب ابن جرم سے۔ راسبی +

۶۰۔ بنو بہراء۔ ۶۱۔ بنو ابلی +

۶۲۔ بنو مہرہ۔ ۶۳۔ بنو عذرہ +

۶۴۔ بنو سعد۔ ۶۵۔ بنو فریم عبد حبشی +

۶۶۔ خنہ ابن سعد سے۔ خنی +

۶۷۔ سلامان ابن سعد سے۔ سلامانی +

۶۸۔ بنو آہلیۃ۔ ۶۹۔ بنو ہند۔ ۷۰۔ التبابعہ +

قبائل ذیل التبابعہ کی نسل میں ہیں

۷۱۔ ذو قلاع۔ ۷۲۔ ذو نواس +

۷۳۔ ذو اصبح۔ ۷۴۔ ذو جدن۔ ۷۵۔ ذو قایش

۷۶۔ ذو یزن۔ ۷۷۔ ذو جوشش +

۷۸۔ بنو اشحول +

۷۹۔ دالمہ ابن حمیر سے۔ بنو دایل +

۸۰۔ سکاسک بن وائل سے۔ بنو سکاسک +

۸۱- عوف بن حمیر سے - بنو عوف +

۸۲- فاران بن عوف سے - بنو فاران +

۸۳- طے بن ادو کہلانی سے - طائی +

۸۴- غوث بن ادو سے - غوثی +

قبائل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

۸۵- بنو نبہان - ۸۶- بنو ثعل - ۸۷- حاتمی +

۸۸- بنو السنبس - ۸۹- بنو الہتیم +

۹۰- ثور بن مالک ابن مرتع کہلانی سے - ثوری +

۹۱- کندہ بن ثور سے - کندی +

۹۲- سکون بن کندہ سے - سکونی +

۹۳- او سلہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک کہلانی سے - او سلی +

۹۴- ہمدانی - ۹۵- سبیعی - ۹۶- وداعہ +

۹۷- مذحج بن یحابر بن مالک کہلانی سے - مذحج -

۹۸- مراد بن مذحج سے - مرادی +

۹۹- سعد بن مذحج سے - سعدی یا سعد العشیرہ +

۱۰۰- خالد بن مذحج سے - بنو خالد +

۱۰۱- عنس بن مذحج سے - عنسی +

۱۰۲- جعفی بن سعد سے - جعفی +

۱۰۳- جنب بن سعد سے - جنبی +

۱۰۴- حکم بن سعد سے - حکمی +

۱۰۵- عایذ اللہ بن سعد سے - عایذی +

۱۰۶- جمل بن سعد سے - جملی +

۱۰۷- مران بن جعفی سے - مرانی +

۱۰۸- حریم بن جعفی سے - حریمی +

۱۰۹- زبید بن سعد سے - زبیدی +

۱۱۰- جدیلہ بن جارجہ بن سعد سے - جدیلی +

۱۱۱- ابو خولان بن عمرو بن سعد سے - خولانی +

۱۱۲- انعم بن مراد بن مذحج سے - انعمی +

۱۱۳- نخع بن جسر بن وله بن خالد بن مذحج سے نخعی +

۱۱۴- کعب بن عمرو سے - بنو النار +

۱۱۵- کعب بن عمرو سے - بنو لحماس +

۱۱۶- بنو قتان +

۱۱۷- الازد بن غوث کہلانی سے - ازدی +

۱۱۸- مازد بن ازد سے - مازنی یا غسانی +

۱۱۹- دوس بن ازد سے - دوسی +

۱۲۰- ہنو بن ازد سے - ہنوقی +

۱۲۱- جفنہ بن ازد مازنی سے - جفنی +

۱۲۲- آل عنقا - ۱۲۳- آل محرق +

۱۲۴- جبلی +

۱۲۵- سلامان ابن مید عن بن ازد سے - سلامانی +
۱۲۶- دوس بن عثمان بن ہران الله ازدی سے - دوسی عدثی +

۱۲۷- جذیمہ بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس سے جذیمی +
۱۲۸- جاصم بن مالک سے - جاصمی +

۱۲۹- سلیمہ بن مالک سے - سلیمی +
۱۳۰- ہنابہ بن مالک سے - بنو ہنابہ +

۱۳۱- معین بن مالک سے - معینی +
۱۳۲- یحمد بن معلبن سے - بنو یحمد +

قبائل ذیل ازد کی نسل میں ہیں

۱۳۳- العظر لیفہ ۱۳۴- بنو یشکر +
۱۳۵- بنو الجدرد +

۱۳۶- لہب بن عامر سے - بنو لہب +
۱۳۷- غابد بن عامر سے - غامدی +

قبائل ذیل عبد اللہ بن ازد کی نسل میں ہیں

۱۳۸- قسامل - ۱۳۹- بنو عتیک +
۱۴۰- بنو بارق - ۱۴۱- بنو عوف +

۱۴۲- شہران بن عوف سے - بنو شہران +
۱۴۳- طاحیہ بن سود سے - بنو طاحیہ +

۱۴۴- بنو ہداد - ۱۴۵- خزاعی +
۱۴۶- قیری - ۱۴۷- بنو جلیل +

۱۴۸- بنو المصطلق - ۱۴۹- بنو الکعب +
۱۵۰- بنو الملیح - ۱۵۱- بنو عدی +

۱۵۲- بنو سعد - ۱۵۳- اسلمی +
۱۵۴- حبشی +

۱۵۵- خزرج بن سالبتہ العنقا سے - خزرجی +

قبائل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

۱۵۶- جشمی - ۱۵۷- بنو زید - ۱۵۸- سلمی +
۱۵۹- بنو بیاضہ - ۱۶۰- بنو سالم +

۱۶۱- بنو ابیحبلی - ۱۶۲- القراحل ۔ ۱۶۳- بنو النجار - ۱۶۴- بنو ساعدہ ۔

قبائل قریل اوس کی نسل میں ہیں

۱۶۵- اشہلی - ۱۶۶- بنو ظفر - ۱۶۷- بنو الحارثہ ۱۶۸- اہل قبا - ۱۶۹- جحبی ۔

۱۷۰- جبادرہ - ۱۷۱- بنو واقف ۔ ۱۷۲- سلمی - ۱۷۳- بنو خطمہ ۔

ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے قبائل کا ایک شجرہ لکھتے ہیں جس سے مذکورہ بالا بیان کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاوے گا کہ کون سا قبیلہ کس قبیلہ سے نکلا ہے ۔

سوم

عرب المستعربہ یعنی پردیسی عرب

عرب المستعربہ کے تمام قبیلے ایک ہی اصل سے نکلے ہیں اُن کا نسب تارح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن سام تک پہنچتا ہے - تارح کی اولاد جو عرب میں آباد ہوئی پانچ شاخوں میں منقسم تھی اور اسی وجہ سے عرب المستعربہ بھی پانچ شاخوں میں منقسم ہیں ۔

اول - اسمٰعیلی یا بنی اسماعیل بن ابراہیم بن تارح (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۱۶ ورس ۱۵)

دوم - ابراہیمی یا بنی قطورہ یعنے ابراہیم بن تارح کی اولاد قطورہ کے سلسلہ سے - (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۵ ورس ۱) ۔

سوم - ادومی یا بنی علیسو یعنے اولاد ادوم بن اسحاق بن ابراہیم بن تزح - (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۱ ورس ۳ و باب ۲۵ ورس ۲۵) ؀

چہارم ناحوری یا بنی ناحور یعنی اولاد ناحور برادر ابراہیم بن تزح - (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و ۲۹) ؀

پنجم ہارانی یا بنی ہاران یعنے اولاد مواب وعمان بن لوط بن ہاران بن تزح - یہ اخیر قبیلہ کبھی تو موابی کہا جاتا ہے اور کبھی عمانی مگر ہم نے اس کو ہارانی اس واسطے لکھا ہے کہ ہاران اُن دونوں کے مورث کا نام ہے اور دونوں پر حاوی ہے (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و ۲۹ - و باب ۱۹ ورس ۳۰ و ۳۸) ؀

اب ہم اس مقام پر ہر ایک مذکورہ بالا قبیلہ کا علحدہ علحدہ بیان کریں گے اور اسی درمیان میں یہ بھی ثابت کریں گے کہ "فاران" جہاں سے ربانی ہدایت کے چمکنے کی توریت مقدس میں پیشین گوئی کی گئی تھی وہ جگہ حجاز اور بالخصوص مکہ کے متصل کے پہاڑ ہیں - اور اس خطبے میں اسی امر کا ثابت کرنا مقصود اصلی ہے ؀

اول اسمٰعیلی یا بنی اسمٰعیل

تمام مورخ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد عرب میں آباد ہوئی اور ملک عرب کا ایک بڑا حصہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کی نسل سے معمور ہوگیا - اُن میں جو کچھ اختلاف ہے وہ اُن کے مقام سکونت میں ہے اس لئے ہم اُن کے مقام سکونت کی اس مقام پر تحقیقات کریں گے ؀

توریت مقدس میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے نکالے جانے کے واقعہ کو اس طرح پر بیان کیا ہے " وسارہ پسر ہاجر مصری را کہ بجہت ابراہیم زائیدہ شدہ بود دید کہ استہزا میے نماید - وبا ابراہیم گفت کہ ایں کنیزک و پسر او را اخراج نما زیرا کہ پسر ایں کنیزک با پسر من اسحٰق

وارث نخواہد شد۔ واین سخن در نظر ابراہیم بسیار ناخوش آمد بسبب پسرش۔ وخدا با ابراہیم گفت بجہت این جوان وکنیزکت در نظرت ناخوش نیاید ہر چہ کہ سارہ بتو گفتہ باشد قولش را استماع نما زیرا کہ ذریعہ تو از اسحق خواندہ مے شود واز پسر کنیزک نیز اُمتے خواہم گردانید زیرا کہ از نسل تست وابراہیم در صبحدم سحرخیزی نمودہ نان ومطہرۂ آب را گرفتہ بہاجر دادہ بر دوشش گذاشت وہم پسرش را (با وے دادہ) اورا روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیرشبع سرگردان شد۔ وآبے کہ در مطہرہ بود تمام شد وپسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت۔ وروانہ شدہ در برابرش بمسافت یک تیر پرتاب نشست گفت کہ مرگ پسر را نہ بینم ودر برابرش نشستہ آواز خود را بلند کردہ گریست۔ وخدا آواز پسر را شنید وملک خدا ہاجر را از آسمان آواز دادہ باو گفت کہ اے ہاجر ترا چہ واقع شد مترس زیرا کہ خدا آواز پسر را در جائے بودنش شنیدہ است۔ برخیز وپسر را بردار وبدستت اورا بگیر زیرا کہ اورا امت عظیمے خواہم کرد۔ وخدا چشمان اورا کشادہ کرد وچاہ آبے دید وروانہ شدہ مطہرہ را از آب پر کردہ بہ پسر نوشانید۔ وخدا با پسر بود کہ نشو ونما نمود ودر بیابان ساکن شدہ تیرانداز گردید۔ ودر بیابان پاران ساکن شد ومادرش از برایش از دیار مصر زنے گرفت (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۹ لغایت ۲۱) ✤

اس عبرانی لفظ کا انگریزی میں بوتل ترجمہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ قدیم عربی ترجمے میں "سقاء" ترجمہ کیا گیا ہے اور فارسی ترجمہ میں "مطہرہ" اردو میں اس کا ترجمہ "مشکیزہ" یا "چھاگل" صحیح ترجمہ ہے جو مشرقی ملکوں میں مروج ہے اور جس میں چند روز کے پینے کے لائق پانی سما سکتا ہے ✤

اس واقعہ کی نسبت مسلمانوں کی متبرک کتابوں میں بھی چند روایتیں آئی ہیں۔ اور چونکہ صحیح بخاری مسلمانوں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے اس میں دو روایتیں اس واقعہ کی نسبت آئی ہیں اس لئے ان دو کو اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے ✤

ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔ ایک میں ایک مضمون ہے اور ایک میں نہیں۔

ایک میں کچھ بیان ہوا ہے اور ایک میں کچھ۔ اس لئے ہم دونو روایتوں کو دو مقابل کے کالموں میں اس طرح پر لکھیں گے جو اختلاف ان دونو میں ہے وہ بمجرد دیکھنے کے معلوم ہو جاوے ✤

یہ بات کہنی کہ یہ حدیثیں بخاری میں ہیں اور ضرور ہے کہ ان کو صحیح مانا جاوے صرف ایک فرضی بات ہے ورنہ جو اصول کہ حدیث کے ثبوت کے لئے قرار پائے ہیں اُن کے مطابق اُس روایت کا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا جانا ثابت نہیں ہے یہ دونو روایتیں ابن عباس نے بیان کی ہیں اور یہ نہیں بیان کیا کہ اُنہوں نے کس سے سُنیں اور اس لئے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تھا بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو باتیں بیویوں میں مشہور تھیں اُنہیں کو ابن عباس نے بیان کیا ہے پس وہ روایتیں ایک مقامی روایتوں سے زیادہ معتبر ہونے کا درجہ نہیں رکھتی ہیں ۔ بخاری میں اس طرح پر روایتیں مندرج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت وہ پیغمبر کی حدیث ہے بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے جس شخص سے اُس کو سُنا اُس نے اسی طرح بیان کیا تھا ✤

دوسری روایت	پہلی روایت
۱۔ قال ابن عباس اول ما اتخذ النساء المنطق من قبل ام اسمٰعیل اتخذت منطقا لتعفی اثرها علی سارة ثم جاء بها ابراهیم وبابنها اسمٰعیل ✤	۱۔ عن ابن عباس قال لما کان بین ابراهیم وبین اهله ما کان خرج باسمٰعیل وام اسمٰعیل ✤
۲۔	۲۔ ومعهم شنة فیها ماء ✤
۳۔ وهی ترضعه ✤	۳۔ فجعلت ام اسمٰعیل تشرب من الشنة فیدر لبنها علی صبیها ✤

٤- حتى قدم مكة فوضعها تحت دوحة	٤- حتى وضعها عند البيت عند دوحة
٥-	٥- فوق زمزم في اعلى المسجد وليس بمكة يومئذ احد وليس بها ماء فوضعهما هناك
٦-	٦- ووضع عندهما جرابا فيه تمر
٧-	٧- وسقاء فيه ماء
٨- ثم رجع ابراهيم الى اهله فاتبعته ام اسمعيل	٨- ثم قفا ابراهيم منطلقا فتبعته ام اسمعيل
٩- حتى لما بلغوا كداء	٩- . . . . . .
١٠- نادته من ورائه يا ابراهيم الى من تتركنا	١٠- فقالت يا ابراهيم اين تذهب وتتركنا
١١-	١١- في هذا الوادي الذي ليس فيه انيس ولا شيء فقالت له ذلك او جعل لا يلتفت اليها فقالت الله امرك بهذا
١٢- قال الى الله	١٢- قال نعم
١٣- قالت رضيت بالله	١٣- قالت اذن لا يضيعنا
١٤- قال فرجعت	١٤- ثم رجعت
١٥-	١٥- فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه

	استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم حتی بلغ یشکرون +
١٦- فجعلت تشرب من الشنة ويدر لبنها على صبيها حتى لما فنى الماء +	١٦- وجعلت ام اسمٰعيل ترضع اسمٰعيل وتشرب من ذلك الماء حتى اذا نفد ما في السقاء +
١٧-	١٧- عطشت وعطش ابنها وجعلت تنظر اليه يتلوى او قال يتلبط فانطلقت كراهية ان تنظر اليه +
١٨- قالت لو ذهبت فنظرت لعلى احس احدا قال فذهبت +	١٨ . . . . .
١٩- فصعدت الصفا فنظرت ونظرت هل تحس احدا +	١٩- فوجدت الصفا اقرب جبل في الارض يليها فقامت عليه ثم استقبلت الوادي تنظر هل ترى احدا فلم تر احدا فهبطت من الصفا
٢٠- فلما بلغت الوادي سعت اتت المروة وفعلت ذلك اشواطا +	٢٠- حتى اذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها ثم سعت سعي الانسان المجهود حتى جاوزت الوادي ثم اتت المروة فقامت عليها +

٢١-	٢١- فنظرت هل ترى احدا فلم تر احدا ÷
٢٢- ثم قالت لو ذهبت فنظرت ما فعل تعنى الصبى فذهبت فنظرت فاذا هو على حاله كانه ينشغ للموت فلم تقرها نفسها فقالت لو ذهبت فنظرت لعلى احس احدا فذهبت فصعدت الصفا فنظرت ونظرت فلم تحس احدا ÷	٢٢- . . . .
٢٣- حتى اتممت سبعاً ÷	٢٣- فعلت ذالك سبع مرات ÷
٢٤-	٢٤- قال ابن عباس قال النبى صلى الله عليه وسلم فذالك سعى الناس بينهما ÷
٢٥- ثم قالت لو ذهبت فنظرت ما فعل فاذا هى بصوت ÷	٢٥- فلما اشرفت على المروة سمعت صوتا ÷
٢٦-	٢٦- فقالت صه تريد نفسها ثم سمعت ايضا فقالت قد اسمعت ÷
٢٧- فقالت اغث ان كان عندك خير ÷	٢٧- ان كان عندك غواث ÷
٢٨- فاذا هو جبريل ÷	٢٨- فاذا هى بالملك عند موضع زمزم ÷

۲۹۔ قال فقال بعقبه هكذا او غمز عقبه على الارض قال فانبثق الماء فدهشت ام اسمعيل فجعلت تحفن	۲۹۔ فبحث بعقبه او قال بجناحه حتى ظهر الماء فجعلت تحوضه وتقول بيدها هكذا ؛
۳۰۔	۳۰۔ وجعلت تغرف من الماء في سقائها وهو يفور بعد ما تغرف ؛
۳۱۔ قال فقال ابو القاسم صلى الله عليه وسلم لو تركته كان الماء ظاهرا ؛	۳۱۔ قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم يرحم الله ام اسمعيل لو تركت زمزم او قال لو لم تغرف من الماء لكانت زمزم عينا معينا ؛
۳۲۔ قال فجعلت تشرب من الماء ويدر لبنها على صبيها الى آخر الحديث (بخاری کتاب الانبیاء) ؛	۳۲۔ قال فشربت وارضعت الى آخر الحديث (بخاری کتاب الانبیاء) ؛

مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنے حضرت ابن عباس نے اُس کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند نہیں کیا۔ پس معلوم نہیں کہ ابن عباس نے وہ روایت کس سے سُنی اور کس بنیاد پر اُنہوں نے اُس کو بیان کیا۔ بخاری کا ادب اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ ابن عباس نے سعید ابن جبیر سے یہ روایت بیان کی اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے جن سے بخاری تک یہ روایت پہنچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے درحقیقت اُس کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا ؛

ان روایتوں میں دو فقرے (۲۹ و ۳۱) ایسے ہیں جن سے کہ بادی النظر میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباس نے یہ روایتیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی

پہونچی۔ لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ اُن دونوں فقروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں فقرے
ان روایتوں کے نہیں ہیں اور کسی مقام کے ہیں کیونکہ خود راوی نے اُن دونوں
فقروں کو سلسلہ بیان روایت سے علیحدہ کر کے اور بالتخصیص اُنہیں دونوں
فقروں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے اور یہ ثبوت
اس بات کا ہے کہ راوی نے باقی مضمون کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب
نہیں سمجھا ہے ۔

ایک اور امر جو ان روایتوں کی صحت پر شبہ ڈالتا ہے یہ ہے کہ اس روایت میں
حضرت ابراہیم کی یہ دعا "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند
بیتک المحرم" بیان ہوئی ہے اور راوی نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت
ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو نکالا تھا اُسی زمانہ میں وہ خود
مکہ میں اُن کے بسانے کو آئے تھے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے نہ اُس زمانہ میں
حضرت ابراہیم اُن کو یہاں بسانے کے لئے آئے اور نہ اُس زمانہ میں بیت اللہ
الحرام بنایا گیا تھا۔ راوی نے دو مختلف زمانوں کے واقعہ کو ملا دیا ہے ایک اُس زمانہ
کے واقعہ کو جب کہ حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو بیابان بر شبع
میں بے سہارے چھوڑ دیا تھا اور دوسرے اُس زمانہ کے واقعہ کو جبکہ حضرت ہاجرہ
اور حضرت اسمٰعیل نے زمزم کے پاس سکونت اختیار کر لی تھی اور دوبارہ حضرت ابراہیم
اُن کے پاس آئے تھے اور بیت اللہ الحرام بنایا تھا اور جاتے وقت یہ دعا مانگی تھی
کہ "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم"
قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل کی عمر کا جب کہ اُن کو حضرت ابراہیم نے نکال
دیا کچھ ذکر نہیں۔ بخاری کی ان روایتوں سے جن کا مشتبہ ہونا بخوبی ثابت ہو گیا ہے
اگر حضرت اسمٰعیل کی عمر کا کچھ اندازہ ظاہر بھی ہوتا ہو تو بھی مذہب اسلام پر کوئی الزام

جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ روایتیں اگر مشتبہ ثابت نہ ہوتیں تو بھی بمنزلہ وحی کے متصور نہیں ہو سکتیں ✤

اصل یہ ہے کہ خود توریت مقدس میں حضرت اسمعیل کی عمر کی نسبت جبکہ وہ نکالے گئے نہایت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ورسوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہایت بچے تھے اور بعض سے پایا جاتا ہے کہ وہ سولہ سترہ برس کے تھے۔ اس اختلاف کی بنا پر عرب کے یہودیوں میں اُن کا بچہ ہونا مشہور تھا اُسی یہودی روایت کو ابن عباس نے بیان کیا ہوگا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو منسوب نہیں کیا ✤

توریت مقدس میں جو حضرت اسمعیل کی عمر کے باب میں اختلاف ہے وہ اس طرح پایا جاتا ہے سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ کا فارسی ترجمہ جو ہم نے اوپر لکھا ہے وہ یہ ہے "وابراہیم در صبح دم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ دادہ بدوشش گذاشت وہم پسرش را (باو دادہ) او را روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیرشبع سرگرداں شد" اس ترجمے میں لفظ "باو دادہ" ہلالی خطوط میں لکھا ہے جس کا یہ اشارہ ہے کہ یہ لفظ اصل عبری توریت میں نہیں ہے درحقیقت یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ عبری لفظوں کا یہ ہے کہ "پانی کے مشکیزے اور اُس کے بیٹے کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھ کر اُس کو روانہ کر دیا" اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُنکی عمر بہت چھوٹی تھی۔ اور اسی وجہ سے لوگوں نے دودھ پیتا ہوا خیال کیا تھا۔ حالانکہ اسی باب کی چودھویں آیت اس کے برخلاف ہے ✤

عیسائی عالموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس چودھویں آیت سے بلاشبہ حضرت اسمٰعیل کی اس زمانے میں بہت چھوٹی عمر ہونا پایا جاتا ہے جو توریت کی بہت سی آیتوں کے برخلاف ہے اس لئے اُنھوں نے اُس کی نسبت بہت کچھ بحث کی ہے ✤

مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ "اگر ہم حضرت اسمٰعیل کی عمر پر غور کریں تو رنج آگیں شوق اور بھی دوبالا ہوتا ہے۔ یہ لڑکا اب کچھ بچہ نہیں تھا بلکہ کم از کم پندرھویں برس میں تھا مگر تکلیف کی وجہ سے بچہ کی طرح مضمحل سا ہو رہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں اس کی بیچاری ماں جب تک کہ اس کو طاقت رہی ہوگی اُس کو ہاتھوں میں اُٹھائے رہی ہوگی اور جب تھک گئی ہوگی تو اس کو ایک جھاڑی کے پیچھے ڈال دیا ہوگا۔ مگر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تاویل کیسی لغو اور بیہودہ ہے۔ اس کے بعد مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک عمر حضرت اسمٰعیل کی بآسانی معلوم ہوسکتی ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں اُن کا ختنہ ہوا تھا۔ حضرت اسحاق اُس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اُس کے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے کے بیابان میں بھیجے جانے سے پیشتر اُن کا یعنے حضرت اسحاق کا دودھ چھوٹ چکا تھا (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۷۶)۔

توریت اور انجیل کے اکثر محققین اور علے الخصوص "جیروم لی کلوک" اور "معروزن لر" خیال کرتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہاجرہ نے اُن کو اپنے کندھے پر رکھ لیا ہو۔

جیسی بیہودہ تاویل مسٹر فارسٹر نے کی ہے اُس سے زیادہ عجیب تاویل "بشپ ہارسلی" نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "عبرانی توریت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کو اُس کی ماں نے معہ روٹی اور پانی کے اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ یہی معنے یونانی ترجمے میں بھی سمجھے گئے ہیں اور یہ جملہ بھی کہ بچہ کو جھاڑی میں ڈال دیا۔ جو پندرھویں آیت میں ہے اسی معنے کی تائید کرتا ہے۔ حضرت اسحٰق ؑ کی ولادت کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر چودہ برس سے کم نہ تھی۔ اس واسطے اُن کی ولادت کے وقت کم سے کم وہ پندرہ سال کے ہونگے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیات انسانی گو اس زمانے میں بہت مختصر

رہ گئی ہے تاہم زمانہ حال کی مدت عمر سے زیادہ دراز ہوتی ہوگی۔ اور چونکہ طفولیت اور ہر ایک درمیانی زمانہ عمر کی حالت تمام عمر کے مجموعہ کے ساتھ جب کہ آدمی ڈیڑھ سو برس یا زیادہ عمر کے ہوتے تھے ہمیشہ کوئی معین مناسبت رکھتی ہوگی اس لئے قرین قیاس ہے کہ اس زمانہ میں چودہ یا سولہ برس کی عمر تک ضعیف اور ناتوان رہتے ہونگے اور میرے نزدیک اس قصے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور اُن کے بیٹوں کے زمانے میں یہی صورت ہوگی۔ جو شخص کے ذہن میں بھی یہی بات آئی تھی کیونکہ اُس کا مرتج بیان ہے کہ حضرت اسمٰعیل اُس وقت تنہا نہیں جاسکتے تھے۔ مگر یہ دلیل کیسی بیہودہ ہے کیونکہ تین ہی پشتوں کے بعد یہ سب باتیں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس لئے کہ حضرت یوسف حضرت ابراہیم کے پوتے کے بیٹے سترہ برس کی عمر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ باپ کے مویشی چرایا کرتے تھے اور تیس برس کی عمر میں عزیز مصر کے خواب کی تعبیر بیان کی تھی اور اُس کے وزیر ہوگئے تھے۔

اسی مضمون پر ایک اور مصنف یہ لکھتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل گو بچہ کہلاتے تھے مگر سولہ سترہ برس کے ہونگے اور اس لئے اپنی والدہ کی اعانت اور مدد کرنے کے قابل ہونگے جس طرح کہ اُنہوں نے بعد کو کی۔

ایک اور مصنف کہتا ہے کہ اس جملہ کو "کندھے پر رکھ دیا" خطوط ہلالی کے اندر رکھ دیا جاتا جیسا کہ بشپ کڈیر اور اسٹیک ہوس اور بایل نے کیا ہے (جس سے اشارہ ہوتا کہ یہ لفظ توریت میں نہیں ہیں) تو یہ آیت مشتبہ نہ ہوتی۔

اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی پہلی بی بی سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بی بی ہاجرہ اور اُن کے بیٹے اسمٰعیل کو جو ہوشیار اور بڑے ہوگئے تھے گھر سے نکال دیا اور وہ دونو بیابان بیرسبع میں چلے گئے۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے ہوئے وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں اب مکہ ہے۔ پیاس کی شدت سے

حضرت اسمٰعیل کی حالت خراب ہو گئی اور مرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ حضرت ہاجرہ جوان کو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا کر پانی کی تلاش کو اِدھر اُدھر دوڑتی پھریں۔ آخرش اُن کو پانی ملا اور جہاں پانی ملا تھا اُسی جگہ اُنھوں نے سکونت اختیار کر لی کیونکہ عرب میں اُسی جگہ لوگ سکونت اختیار کرتے تھے جہاں پانی دستیاب ہوتا تھا۔

قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اُس میں یہ آیت ہے "ربّ انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم"۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل اُس مقام کے پاس سکونت پذیر ہوئے تھے جہاں کہ بالفعل خانہ کعبہ واقع ہے اور جہاں کہ اب شہر مکہ آباد ہے۔ عبرانی لفظ مدبر اور عربی لفظ وادی اور الفاظ "غیر ذی زرع" جو قرآن مجید میں آئے ہیں ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ لفظ فاران۔ اور لفظ ایل فاران۔ جو سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۱ اور باب ۱۴ ورس ۶ میں آیا ہے اُن دونو سے ایک ہی مقام مراد ہے اور لفظ ایل پاران سے بالتخصیص وہ پہاڑ مراد ہیں جو کعبے کے گرد واقع ہیں اور صفا اور مروہ اور ابو قبیس اور حرا وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ عبرانی زبان میں "ایل" کے معنے خدا کے ہیں۔ فاران کے پہلے "ایل" کا لفظ لگانے سے انسان کا دل اُس کی وجہ کی تفتیش پر متوجہ ہوتا ہے اور اس پر قرار پاتا ہے کہ اُس جگہ ضرور کوئی ربانی کرشمہ ظاہر ہوا ہے یا ظاہر ہونے والا ہے۔ خانہ کعبہ کے گرد جو پہاڑ ہیں اور جہاں کہ مسلمان حج ادا کرتے ہیں علی العموم بنام "الال" مشہور ہیں۔ بعض صرف و نحو کے عالموں نے "الال" کو واحد لکھا ہے اور بعضوں کے نزدیک جمع کا صیغہ ہے۔ اس لفظ کے صحیح اشتقاق کی نسبت بہت بحث ہے بعض کچھ کہتے ہیں اور بعض کچھ مگر کوئی بات اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ ہماری رائے میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اسی لفظ "ایل" سے مشتق ہوا ہے۔ ابتدا میں پہاڑ کے نام کے ساتھ اس کا استعمال تھا جس کے معنے خدا۔ پھر جو کہ ایل فاران خاص حجاز میں تھا عربوں نے

اُس نواح کے تمام پہاڑوں کے لئے "ایل" کی جمع "الال" بنالی اور مکہ کے پہاڑوں پر اُس کا اطلاق کرنے لگے +

اگرچہ واقعات مندرجہ توریت مقدس اور قرآن مجید جن کا ہم نے اوپر بیان کیا۔ آپس میں مطابقت رکھتے ہیں تاہم تین بڑے بڑے سوالات ہیں جو حضرت اسمٰعیل کی سکونت سے علاقہ رکھتے ہیں +

اول یہ کہ۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل اور اُن کی والدہ کو گھر سے نکال دینے کے بعد کہاں چھوڑا تھا +

دوم یہ کہ۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ نے بیابان میں آوارگی کے بعد کس جگہ سکونت اختیار کی +

سوم یہ کہ۔ آیا وہ اسی جگہ متوطن ہوئیں جہاں کہ پہلے پہل ٹھیری تھیں یا کسی اور جگہ +

قرآن مجید میں ان امور کی بابت کچھ تذکرہ نہیں ہے لیکن بعض ملکی روایتوں اور چند حدیثوں میں اس کا بیان ہے۔ وہ حدیثیں غیر مسند ہیں اور اس وجہ سے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا اور چونکہ مقامی روایتوں میں اُن واقعات کو جو مختلف موقعوں پر واقع ہوئے تھے خلط ملط کر دیا ہے اس لئے اُن پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے نزدیک اول سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اُس سے زیادہ بحث کرنی فضول ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ "اُس نے یعنی ابراہیم نے اُس کو یعنے ہاجرہ کو روانہ کر دیا اور وہ چلی گئی اور بیابان بیرشبع میں پھرتی رہی" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴) +

دو باقیماندہ سوالوں کے باب میں توریت مقدس کی عبارت اس طرح پر ہے کہ ایک جگہ لکھا ہے "اور وہ یعنی اسمٰعیل بڑا ہوا اور بیابان میں سکونت پذیر ہوا اور

ایک تیرانداز ہوگیا" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۰) اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ "اُس نے یعنے اسمٰعیل نے بیابان فاران میں سکونت اختیار کی" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۲۱) - توریت کا کوئی مفسر بیان نہیں کرتا اور نہ ملکی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل پہلے کسی ملک میں آباد ہوئے ہوں اور پھر کسی اور ملک میں چلے گئے ہوں اس لئے یہ بات تسلیم کرنی ضرور ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور اُن کی والدہ جس حصہ ملک میں آباد ہوئی تھیں اُسی میں آباد رہیں پس توریت میں جہاں صرف بیابان میں آباد ہونے کا ذکر ہے اُس سے بیابان فاران ہی مراد ہے جس کی تصریح دوسرے ورس میں کی گئی ہے - پس ان سوالوں کا حل کرنا اِس بات کی تحقیق پر منحصر ہے کہ بیابان فاران جہاں کہ حضرت اسمٰعیل کا سکونت پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے - کونسی جگہ ہے ؁

مشرقی جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ تین مقام بنام فاران موسوم ہیں - اول وہ مقام اور اُس کے گرد ونواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے کیونکہ اُس زمانے میں وہ بیابان تھا - دوم وہ پہاڑ اور گاؤں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہے - سوم ایک ضلع جو سمرقند کی نواح میں واقع ہے ؁

مشرقی جغرافیہ دانوں نے جو کچھ کہ فاران کی نسبت لکھا ہے اُس کو ذیل میں مندرج کرتے ہیں ؁

فاران المذکور فی التوراة فی قوله جاء الله من سینا و اشرق من ساعیر واستعلن من فاران فساعیر جبال فلسطین وهو انزاله الانجیل علی عیسیٰ وفاران مکة اوجبالها علی ما تشهد به التوراة واستعلائه منها انزاله القرآن علی رسوله محمد صلعم وفاران قریة من نواحی سغد من اعمال سمرقند وقیل فاران والطور کورتان من کور مصر قبلیه ؁ مراصد الاطلاع علی الاسماء الامکنة والبقاع - ومعجم البلدان یاقوت حموی ؁

والطور جبل بارض مصر عند کورة تشتمل علی عدة قوی قبلیها وبالقرب منها جبل فاران ◆ مراصد الاطلاع و معجم البلدان ◆

فاران ثلثة مواضع فاران اسم جبال مكة وقيل لها اسم جبال الحجاز ولها ذكر فی التوراة يجي فی اعلام نبوة النبی صلعم قال الامیر ابو نصر ابن ماکولا ابو بکر نصر بن القاسم بن قضاعة القضاعی الفارانی الاسکندری سمعت ان ذلك نسبة الی جبال فاران وهی الحجاز و فاران قال ابو عبد الله القضاعی فی کتاب خطط مصر فاران والطور کورتان من کور مصر القبلیة و فاران من قری سمرقند ◆ مشترك یاقوت الحموی ◆

الطور سبعة مواضع والطور ایضا علم لجبل بعینه عند کورة تشتمل علی عدة قری بارض مصر من جهته القبلیة بینها و بین جبل فاران ◆ مشترك ◆

وطریق اخر علی ساحل البحر القلزمی . . من مصر الی عین شمس . . . ثم الی بطن مغیرہ . . . ثم الی جرن فاران . . . و بالقرب من فاران موضع صعب اذا سلك والروم ایضا مغربا والدبور مشرقا و یسمی جبلان من جبلان الی جبل الطور الی ایله الخ ◆

نزهة المشتاق لشریف الادریسی ◆

مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی غیر ملک اور مذہب کے مورخ نے فاران اور حجاز کو جہاں اب مکہ معظمہ واقع ہے ایک ہی قرار دیا ہو۔ لیکن عربی ترجمہ توریت سامری میں جس کو ارکوئن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگڈنی بٹاورم چھپوایا ہے اُس میں فاران اور حجاز سے ایک ہی جگہ مراد لی ہے۔

اور فاران کے لفظ کے آگے خطوط ہلالی میں حجاز کا لفظ لکھ دیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے ◆

"وسكن في برية فران (الحجاز) واخذت له امه امراة
من ارض مصر" (عربی ترجمہ توراۃ سامری)

عموماً عیسائی مورخ اس بات کو کہ فاران اور حجاز ایک ہی جگہ سے مراد ہے تسلیم
نہیں کرتے اس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو اس بات
کی تسلیم بھی لازم آتی ہے۔ کہ جو پیشین گوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے
بلاشبہ اُس سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا مراد ہے ✣

بہرحال اُن مصنفوں کا فاران کی نسبت مختلف طرح کا بیان ہے ✣

اول۔ یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ فاران وہ وسیع قطعہ زمین ہے جو بیرسشبع کی شمالی
حد سے لے کر کوہ سینا تک چلا گیا ہے اور فاران کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کی حدود اربعہ
عموماً یہ بتلاتے ہیں۔ شمال میں کنعان۔ جنوب میں کوہ سینا۔ مغرب میں مصر۔ اور مشرق
میں کوہ سعیر۔ اُس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں جن کو ملا کر کل بیابان بنا
ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے بیابان علٰحدہ علٰحدہ ناموں سے معروف ہیں مثلاً شور۔ بیرسشبع
ایتام۔ سین۔ زین۔ عیدام وغیرہ ✣

دوم۔ بعض مصنفوں کا گمان ہے کہ قادیش جہاں کہ حضرت ابراہیم نے ایک
کنواں موسوم بہ بیرسشبع کھدوایا تھا اور فاران ایک ہی مقام ہے ✣

سوم۔ بعضوں کی یہ رائے ہے کہ فاران اُس بیابان کا نام ہے جو کوہ سینا کے
مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ بیشمار عمارتوں اور پرانی قبروں اور میناروں وغیرہ کے آثار

لے یہ ایک ایسا نام ہے جس کا اطلاق توریت میں اُس سارے صحرا پر معلوم ہوتا ہے جو کہ یہودیہ کی سرحد
سے لے کر حوالی سینا تک پھیلتا ہے۔ چونکہ ہم فاران کو حوالی سینا کے جنوب کے قطع میں (سفر اعداد
باب ۱۰ درس ۱۲) اور شمالی جانب قادیش سے (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۲۶) ملحق اور اور جگہ بھی

وہاں اب بھی پائے جاتے ہیں مسٹر روپر کا بیان ہے کہ میں نے ایک کلیسا کے نشانات
جو پانچویں صدی عیسوی میں بنایا گیا ہوگا دریافت کئے۔ اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ
چوتھی صدی میں اس مقام پر عیسائی آباد تھے اور ایک بطریق بھی وہاں رہتا تھا۔ ان
بیانات کی تصدیق کرنے میں اس بات کے خیال میں کہ یہ شہر اُس شہر سے مطابقت
رکھتا ہے۔ جس کا مشرقی مورخوں نے مشرقی کنارے مصر پہ موجود ہونا بیان کیا ہے
ہمیں کچھ بھی کلام نہیں ہے +

مگر یہ سب بیانات درست نہیں ہیں جن کی غلطی ہم ثابت کریں گے۔ اگرچہ پہلے
دو بیانات کی تائید میں کسی قسم کی شہادت موجود نہیں ہے۔ اور اس لئے اُن کی نسبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳) پاتے ہیں۔ اس لئے اس بات کا فرض کر لینا کہ فاران اس تمام قطعہ کا نام
تھا جو ان حدود سے محدود ہے آسان معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ مقابل کے دو قطعوں کا
ایک ہی نام قرار دیں۔ اس لحاظ سے وہ دقت جو اس نام کی صحیح صحیح تطبیق میں عارض ہوتی تھی
ظاہر ہو گئی ہے جبکہ یہ دیکھا جائے کہ سب جداگانہ مقامات جو مختلف مصنفوں نے اُس کے واسطے
قرار دیئے ہیں۔ اُس قدر سے وسیع قطعہ میں مجتمع ہو سکتے ہیں جو کہ ہمارے نزدیک اس کا مصداق
ہے۔ یہ نام وادی فاران میں بھی بخوبی موجود ہے جو سینا سے اسفل کا ایک وادی ہے اور جس میں ہو کر
بنی اسرائیل ہنگام کوچ بجانب ممالک اعلےٰ گذرتے تھے (کنٹوز سائکلوپیڈیا آف بائیبل) +

ایک بیابان فلسطین کے جنوب کی جانب جہاں کہ حضرت اسمٰعیل سکونت پذیر ہوئے تھے
(سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱) جس کے مغرب میں ہلال اور شمال میں یہودیہ کے جنوبی پہاڑ
اور مشرق میں قادیش کا بیابان اور اس کے پہاڑ یہ ایل پاران یا بیابان پاران ہے (سفر تکوین
باب ۱۴ درس ۶) نیز وہ ملک جس کے بعض اقطاع میں موسم برشکال میں گھاس اور سبزہ بہت
ہوتا ہے جہاں کہ حضرت ابراہیم نے بودو باش اختیار کی تھی قادیش اور شور کے مابین اور جہاں کہ

صرف یہ کہہ دینا کہ وہ ثابت نہیں ہیں۔ کافی تھا لیکن ہم اس غرض سے کہ اُن کے غلط ہونے میں کچھ شبہ باقی نہ رہے ہم اُن کی تردید کرتے ہیں +

اول بیان کی تردید کے لیے یعنے اس بیان کی تردید کے لیے جس میں فاران کو ایک وسیع بیابان قرار دیا ہے اور اُس میں اور چھوٹے چھوٹے بیابان مثل صنور اور سینا وغیرہ کے شامل کئے ہیں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ اُس کی تردید میں توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کردیں کیونکہ اُن سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ فاران خود ایک جداگانہ بیابان ہے اور گرد نواح کے بیابان اُس میں شامل نہیں +

(الف) "بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و در بیابان پاران ساکن شد" (سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اس عبارت سے جس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں مقام کیا قرار واقعی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونو بیابان ایک دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ بیابان تھے +

(ب) "پس در سال چہاردہم کدر لاعومر و ملوکے کہ ہمراہش بودند آمدہ رفائیاں را کہ در عشترہ قرنیم و زوزیاں را در ہام و ایمیاں را در شادہ قریاتایم شکست دادند و نیز حوریاں را در کوہ خود شاں سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحرا است" (سفر

(بقیہ حاشیہ ۱۱۳) بنی اسرائیل کا قادیش کو جاتے وقت گذر ہوا تھا (سفر اعداد باب ۱۲ ورس ۱۶ و باب ۱۳ ورس ۲۸) بیابان فاران سے مراد اُن پہاڑوں سے بھی ہو سکتی ہے جو اُس میدان کے مشرق کی جانب اور بیابان قادیش کے جنوب کی طرف واقع ہیں یا بیابان قادیش یا بیابان فاران بھی میدان ملحق کی وجہ سے کہلاتا تھا۔ جس طرح وہ بھی قادیش کے نام سے بوجہ چشمہ قادیش کے مشہور تھا۔ (بیلینز بائیبل ڈکشنری) +

تکوین باب ۱۴ ورس ۵ و ۶) +

پس جب تک کہ بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاوے اُس ورس کی عبارت مہمل ہو جاتی ہے +

(ج) "وخداوند موسے را خطاب کردہ گفت۔ کہ مردمانے بہ سفر است تا آنکہ زمین کنعن را کہ بہ بنی اسرائیل مے دہم تجسس نمایند از ہر سبط آبائے ایشاں یک نفرے کہ در میان ایشاں سرور باشد بفرستید۔ پس موسی ایشاں را بہ فرمان خداوند از بیابان پاران فرستاد و آں مردمان ہمگی رؤسائے بنی اسرائیل بودند" (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۱ و ۲ و ۳) +

(د) "وروانہ شدہ پیش موسے و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشاں و ہم بہ تمامی جماعت خبر رسانند و ہم بہ ایشاں میوۂ زمین را نمودند" (سفر اعداد باب ۱۳۔ ورس ۱۲۶) +

(ہ) "کہ گفت خداوند از سینی برآمد و از سعیر بہ ایشاں تجلی کرد و از کوہ پاران درخشندہ شد و با ہزار ہزار ان مقدساں ورود نمود و از دست راستش بہ ایشاں شریعت آتشیں رسید" (سفر توریہ مثنے باب ۳۳ ورس ۲) +

(و) "خداوند از تیمان و قدوس از کوہ پاران آمد سلاہ۔ جلالش آسمان ہا را مستور کرد و زمین از حمد مسش پر شد" (کتاب حبوق باب ۳ ورس ۲) +

(ذ) "و از مدیان برخاستند و بہ پاران آمدند و مردمان چندے از پاران بہ ہمراہ خود شاں گرفتند و بہ مصر بہ خدمت فرعون بادشاہ مصر آمدند" (کتاب اوّل ملوک باب ۱۱ ورس ۱۸) +

اور دوسرے بیان کی یعنی اس کی کہ قادیش اور فاران ایک ہی مقام ہے توریت مقدس کے مندرجہ ذیل ورسوں سے تکذیب ہوتی ہے +

(الف) "و نیز حوریاں را در کوہ خود شاں سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحراست دیگر گشتند بہ عین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرز و بوم عمالیقان و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند" (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۶ و ۷) +

یہ ظاہر ہے کہ جب تک قادیش اور فاران دو جداگانہ اور مختلف بیابان نہ قرار دیئے جاویں۔ ورس مذکورہ بالا کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے +

(ب) "روانہ شدہ پیش موسٰے و ہارون و تمام جماعت بنی اسرائیل <u>در بیابان پاران بہ قادیش</u> رسیدند و بہ ایشاں و ہم بہ تمامی جماعت خبر رسانند و ہم بہ ایشان میوہ زمین را نمودند" (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) +

اس ورس میں جن لفظوں کے نیچے ہم نے لکیر کر دی ہے۔ اُن کے ترجمے میں ہم کو شبہ ہے اسلئے ہم اصل عبری عبارت اور اُس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ عربی کا جو ۱۶۵۷ عیسوی میں معہ لیٹن ترجمے کے چھپا ہے اس مقام پر نقل کرتے ہیں +

وقد مو الی موسیٰ وھارون وجماعۃ بنی اسرائیل الی بریۃ فاران الی قادس سفر العدد الاصحاح ۱۳-۲۶ +

اصل عبری عبارت میں صرف یہ لفظ ہیں "ال مدبر فاران قادیش" عربی زبان میں جو قاعدہ بدل اور مبدل منہ کا ہے وہ عبری زبان میں نہیں ہے اور اس لیئے فاران اور قادیش بدل اور مبدل منہ نہیں ہو سکتے اور ضرور ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لفظ مقدر مانا جاوے فارسی مترجم نے حروف "بہ" کو مقدر مانا ہے اور "بہ قادیش" ترجمہ کیا ہے اور عربی مترجم نے "الی" مقدر مانا ہے اور "الی قادیش" ترجمہ کیا ہے۔ اور لیٹن کے مترجم نے جو لفظ مقدر مانا ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے "جو کہ ہے بیچ قادیش کے" مگر عربی قدیم ترجمہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ فاران کے ماقبل بھی "ال" یعنے "تلے" کا لفظ آیا ہے اور وہی لفظ قادیش پر سے محذوف

کردیا ہے پس اس ترجمے کے مطابق معنے یہ ہوتے ہیں کہ آئیے بیابان فاران کی طرف قادیش کی طرف سے یعنی قادیش کے رستے سے" اس صورت میں صریح ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش دو مختلف مقاموں کے نام ہیں اور اسی کی تائید سفر تکوین کے درسوں سے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں +

اب ہم کو تیسرے فاران پر غور کرنا چاہیئے جس کا کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہونا بیان ہوا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہاں ایک مقام ہے جو فاران کے نام سے مشہور ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا وہ وہی بیابان ہے جس کا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل صحرائے بیر شبع میں سرگردانی کے بعد یہاں آکر ٹھیرے تھے اور کیا وہ وہی مقام ہے جہاں حضرت اسمٰعیل فی الحقیقت متوطن ہوئے تھے۔ اس لئے کہ اگر از روئے تجسس اور تفتیش کے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسمٰعیل وہاں متوطن نہیں ہوئے تھے تو اس سے لازم آوے گا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے جس کا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے +

کوئی ملکی روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضرت اسمٰعیل نے اس جگہ سکونت اختیار کی تھی۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر جو اسی مقام کو حضرت اسمٰعیل کی سکونت کی جگہ خیال کرتے ہیں اور جس قدر دلائل اُس کی تائید میں لاتے ہیں وہ کسی قسم کی شہادت پر مبنی نہیں ہیں۔ مگر ہم اس غرض سے کہ اُن کے غلط ہونے میں کچھ شبہ باقی نہ رہے اُن دلیلوں کی غلطی بیان کرتے ہیں +

مصنف موصوف نے سفر تکوین باب ۲۵ درس ۱۸ پر جس کی یہ عبارت ہے۔ "و ایشاں از حویلاۃ تا شور کہ ہنگام رفتن تو بہ اشور در برابر مصر است ساکن بودند و مسکن او در حضور تمامی برادرانش افتاد" استدلال کر کے بیان کیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے وعدے اسی میں ایفا ہو گئے تھے جبکہ اسماعیلیوں کی آبادی شور سے

حویلاہ تک انتہائے عرب میں یعنے سرحد مصر سے لے کر دہانہائے فرات تک پھیل گئی تھی۔"

اول غلطی صاحب موصوف کی یہ ہے کہ حویلاہ کو دہانہائے فرات پر قرار دیا ہے۔ دراصل حویلاہ جس کے بانی کا نام سفر تکوین باب ۱۰ درس ۲۹ میں مذکور ہے نواح یمن میں عرض بلد شمالی ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ اور طول بلد شرقی ۴۲ درجہ ۳۶ دقیقہ پر واقع ہے اور اس کی کامل تصدیق عرب کے اُس نقشے کے معائنے سے ہوسکتی ہے جو عرب کے جغرافیے کی شکل کے مطابق ہے۔ واکر صاحب کے نقشہ کلاں سے چھوٹا کر کے بنایا گیا ہے اور اُسی کے ساتھ شام اور مصر کے اُن اقطاع کو بھی زیر نظر رکھنا چاہیئے جن کا نقشہ ریورنڈ کارٹرٹ پی کیرے۔ ایم۔ اے نے مرتب کیا

ؔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب حویلاہ کی سکونت کی نسبت لکھتے ہیں کہ "ارض حویلاہ سے جو حضرت موسےٰ کے پہلے صحیفے میں مذکور ہے۔ وہ حصہ عرب کا مراد ہے جو دہانہائے فرات سے ملحق ہے اور جنوب کی جانب ساحل خلیج فارس کے برابر چلا گیا ہے۔" یہ بیان اس بنا پر ہے (اگرچہ ہمارے نزدیک قابل وقعت نہیں ہے) کہ جزائر بحرین میں سب سے مشہور جزیرے "اوال" کے نام میں اصلی نام حویلاہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس دلیل کے استحکام میں صاحب موصوف یہ بیان کرتے ہیں کہ آگے آنے والی مثالوں سے عربی زبان کے استعمال میں جو مختلف تصرفات اس نام میں ہوتے ہیں معلوم ہونگے۔ جیسے اوال۔ اوال۔ حوبل۔ حویلاہ۔ خرخط۔ حولان۔ چول۔ چولان ان لفظوں میں سے بعضے لفظ ایک ہی جگہ یا ضلع کے مختلف نام ہیں" ایسے عظیم سوالات کا اس طرح پر حل کرنا اور اُن سے نتائج کا استنباط کرنا کامل اور ناطرف دارانہ تحقیقات کے قواعد معینہ کے مطابق صحیح نہیں ہے اور اسی لیئے وہ قابل وقعت نہیں ہیں اور اسی باعث سے ہم نے کہا ہے کہ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بارہ میں غلطی کی ہے علے الخصوص اس وجہ سے کہ یہی نام پورا پورا عرب کے دوسرے حصے میں موجود ہے۔"

ہے +

دوسری غلطی یہ ہے کہ مصنف موصوف نے اور عیسائی مورخوں اور جغرافیہ دانوں کی تقلید اختیار کر کے "شور" کو عرب البحر کے مغرب میں قرار دیا ہے جہاں کہ صحراے ایتام واقع ہے اور یہ قطعی غلطی ہے کیونکہ صحراے "شور" سے توریت مقدس میں مراد تمام اُس وسیع میدان سے ہے جو شام سے لے کر جانب جنوب ملک مصر تک منتہی ہوتا ہے +

اصل عبری توریت میں صرف دو نام ہیں شور اور اشورہ بغیر الحاق لفظ صحرا کے موجود ہیں۔ ان دونو ناموں میں سے شور سے مراد شام اور اشورہ سے مراد اسریا ہے +

اس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسمعیل اُس وسیع قطعے میں آباد ہوئے تھے جو شمالی حدود یمن سے جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے۔ یہ جگہ اب بنام حجاز معروف ہے اور فاران سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہمارے اس نتیجے کی اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہی سرزمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتی ہے اگر کوئی شخص وہاں سے اسریا کی جانب عزیمت کرے اور توریت مقدس کی اس آیت کی کماحقہ تصدیق ہوتی ہے جہاں لکھا ہے "جو کہ سامنے مصر کے ہے اگر تو اسریا کی طرف روانہ ہو" یعنے مصر کے سامنے ہے اگر تم ایک خط مستقیم وہاں سے اسریا تک کھینچو +

فاران کی حدود اربعہ جو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے بہ حوالہ ڈاکٹر ولز کے قرار دی ہیا کہ اُس کے مغرب میں بیابان شور ہے اور مشرق میں کوہ سیعیر اور شمال میں ارض کنعان اور جنوب میں بحر احمر یہ حدود بھی بالکل غلط ہیں +

سنٹ پال حواری نے جو خط گلاٹیوں کے نام لکھا ہے اُس کے چوتھے باب میں بائیسویں درس سے چھبیسویں درس تک یہ عبارت مندرج ہے "یہ لکھا ہے کہ

ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے۔ وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہؤا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر پیدا ہؤا۔ اس کے یہ معنے ظاہر ہیں کہ یہ عورتیں دو عہد نامے ہیں ایک تو کوہ سینی کی جو صرف غلام جنتی ہے ہاجرہ ہے کہ وہ ہاجرہ عرب کو ہ سینی ہے اور یہاں کے یروشلم کی ہمجنس ہے اور اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے۔ پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے سو ہم سبھوں کی ماں ہے" اس پر ریورنڈ مسٹر فارسٹر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجرہ ایک ہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود مصنف موصوف کا ہی قول ہے کیونکہ جہاں تک ہم کو واقفیت ہے ہم کسی عیسائی مصنّف کا قول اس کے مطابق نہیں پاتے ہیں۔ کوئی مشرقی مورخ یا جغرافیہ دان ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے کوہ سینا اور ہاجرہ کو ایک ہی سمجھا ہو۔ اور نہ انجیل مقدس کی کسی آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کوہ سینا اور ہاجرہ سے ایک شے مراد ہے۔ سنٹ پال حواری کا اصلی منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کوہ سینا پر دو معاہدے کیئے گئے تھے ایک حضرت اسحاق کے ساتھ دوسرا حضرت اسمٰعیل پسر ہاجرہ کے ساتھ سنٹ پال حواری نے کنایتًا فرمایا کہ "یہ ہاجرہ کوہ سینا ملک عرب میں ہے" یعنے یہ ہاجرہ یعنے بنی ہاجرہ وہ معاہدہ ہے جو کوہ سینا پر بھی کیا گیا تھا۔ اور شلیم کا ہمپایہ ہے جو بالفعل موجود ہے اور اُس کی اولاد کے ساتھ غلامی میں ہے۔ عبارت مذکورہ بالا کو اس طرح پر پھیرنا کہ اُس کے معنے سے ہاجرہ اور سینا کا مقام واحد ہونا ثابت ہو جاوے بالکل غیر ممکن ہے ؏

کتاب اول تواریخ ایام باب ۵ ورس ۹ اور ۱۰ میں بعض اقوام بنی اسرائیل کے آباد ہونے کے ذکر کے ساتھ یہ عبارت مندرج ہے "و بہ طرف شرقی تا مدخل بیابان کہ بہ کنارۂ نہر فرات باشد ساکن مے شدند زیرا کہ در زمین گلعاد گلہ ہائے ایشان زیادہ مے شدند۔ و در زمان شاول ایشان با ہگریان دعوے کردند کہ آنہا بہ دست ایشان

افتادند و در جا ور ا سے اینشاں ور تمامی مرزو بوسے کہ بہ طرف گاماد باشد ساکن شدند"
ان ورسوں پر استدلال کر کے ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ گلعاد کے شرقی نواح جو رود
فرات اور خلیج فارس کی سمت میں ہے حضرت اسمٰعیل کے ابتدائی مقام سکونت سے مطابق ہوتا ہے
ایک عرصے کے بعد حضرت اسمٰعیل کی اولاد قریب قریب سارے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل
گئی اور اُنہیں سے بعض لوگ مقام متذکرہ بالا قدیمی باشندوں سے چھین کر وہاں جا بسے +

مگر ان ورسوں سے جو مقصد ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا
کیونکہ اُن سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بنی ہاجرہ نے سواحل خلیج فارس پر
شکست کھائی اور یہ شکست آٹھ سو برس بعد حضرت اسمٰعیل کے واقع ہوئی تھی
اُن ورسوں سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وہی جگہ تھی جہاں خود
حضرت اسمٰعیل متوطن ہوئے تھے +

ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت اسمٰعیل
کی اولاد نے خلیج فارس کے شمالی سمت سے لے کر یمن تک تمام ملک پر قبضہ کر لیا تھا
مختلف مقامات کے ناموں کی بنی ہاجرہ کے ناموں کے ساتھ مطابقت کرنے میں
از حد کوشش کی ہے بعض مطابقتیں اس طرح پر کی ہیں جن پر اعتبار نہیں
ہو سکتا اور بعض میں اپنے معمولی قاعدے کے مطابق صرف ایک حرف کے مطابق
ہو جانے کو کافی سمجھا ہے اور بعض ناموں کے مطابق کرنے میں اُن کو کامیابی
بھی ہوئی ہے لیکن جس امر کے قائم کرنے میں ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس قدر
جاں فشانی سے ناکام کوشش کی ہے وہ دو وجہ سے قابل التفات اور لائق توجہ
نہیں ہے +

اول اس لئے کہ ہمارے نزدیک بھی حضرت اسمٰعیل کی اولاد یعنے اُن کے
بارہ نامور بیٹے اور اُن بیٹیوں کی اولاد صرف اُس تنگ قطعہ زمین میں محصور نہیں

رہی جو مکہ معظمہ کے گرداگرد ہے۔ بلکہ امتداد زمانہ میں اُن کی اولاد قریب تمام جزیرہ نماے عرب میں پھیل گئی تھی مشرقی مورخ بھی اس کے قائل ہیں جیسا کہ عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے پس یہ امر متنازعہ فیہ نہیں ہے ٭

ولما کثر ولد اسمٰعیل صلے اللہ علیہ وسلم ضاقت علیہم مکۃ فانتشروا فے البلاد فکانوا لا یدخلون بلداً الا اظہرہم اللہ علے اہلہ وہم نفوا العمالیق ٭

معارف ابن قطیبہ ٭

دوم اس لئے کہ اس معارف پر یہ امر بحث طلب نہیں ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد حضرت اسمٰعیل کی اولاد کہاں کہاں پھیل گئی تھی۔ بلکہ اس بات پر بحث ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور اُن کی اولاد ابتدا میں کس جگہ آباد ہوئی تھی۔ پس جو کچھ کہ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے لکھا ہے اُس سے امر بحث طلب کچھ علاقہ نہیں ہے ٭

اب ہم اس امر کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کتب خمسہ حضرت موسے میں اُس فاران کا جو مشرقی مصر میں کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہے کچھ بھی ذکر نہیں ہے اور یہ امر اُس وقت بخوبی واضح ہو جاتا ہے جبکہ حضرت موسے اور اُن کے ہمراہیان بنی اسرائیل کی صحرا نوردیوں کے مقامات پر لحاظ کیا جاوے سفر خروج باب ۱۵ درس ۲۲ میں لکھا ہے "پس موسے اسرائیلیاں را از دریاے احمر کوچانید وبہ بیابان شور رفتند وسہ روز در بیابان راہی شدہ آب نیافتند" اور جب کہ انہوں نے بیابان سین کو طے کیا تب عمالیق کی قوم آئی اور رفیدیم میں بنی اسرائیل سے لڑی۔ دیکھو (سفر خروج باب ۱۷ ورس ۸) ٭

بنی عملیق قدیم رہنے والے رفیدیم کے نہیں تھے۔ بلکہ اُس وادی کے رہنے والے تھے جس کا ذکر سفر اعداد باب ۱۴ ورس ۲۵ میں ہے اور اس درس

میں بھی جو لفظ "آئے" کا استعمال ہوا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رفیدیم کے رہنے والے نہ تھے +

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ رفیدیم سینا کے جانب مغرب یعنے مشرقی مصر میں واقع ہے۔ اور یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسےٰ نے اپنے اعجاز سے ایک چٹان میں سے پانی کا چشمہ نکالا تھا اور اُس کا نام "مساہ" اور "مریبا" رکھا تھا (دیکھو سفر خروج باب ۱۷ ورس ۶ و ۷) اور اسی جگہ حضرت موسےٰ نے ایک قربان گاہ بنائی تھی اور اُس کا نام "یہوہ نسی" رکھا تھا۔ (دیکھو سفر خروج باب ۱۷ ورس ۱۵) +

حضرت موسےٰ اب آگے کو مشرق کی طرف بڑھے اور صحراے سینا میں پہنچ کر کوہ خدا کے پاس ڈیرے ڈالے اور اسی مقام پر اُن کے خسر یترو کاہن اُن سے ملنے کو آئے (دیکھو سفر خروج باب ۱۸ ورس ۵ و باب ۱۹ ورس ۲) +

اس میں کچھ شک نہیں کہ یترو کاہن حضرت موسےٰ کے خسر کوہ سینا کے مشرق کی جانب سے آئے تھے۔ کیونکہ مدیان جہاںکہ وہ کاہن تھے اُسکے مشرق کی سمت میں واقع ہے۔ اس تمام سفر میں جو حضرت موسےٰ نے مصر سے سینا تک کیا فاران کا کچھ ذکر نہیں آیا +

سینا سے بنی اسرائیل کا کوچ شمالی مشرق کی سمت میں تھا۔ اس سفر کے باب میں سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲ میں یہ لکھا ہے "و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند وابر در بیابان پاران ساکن شد"۔ حضرت موسےٰ نے اس سفر میں پہلی منزل اس مقام پر کی تھی جس کا نام "تبعیراہ" تھا۔ (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳) +۔ پھر وہاں سے "قبروت ہتاواہ" کو روانہ ہوئے اور

وہاں سے حصیروث کو کوچ کیا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳۴ و ۳۵) اور اس اخیر مقام سے کوچ کر کے بیابان پاران میں داخل ہوئے (دیکھو سفر اعداد باب ۱۲ ورس ۱۶) چونکہ یہ پاران وہی جگہ ہے جہاں ابر کا ٹھیرنا بیان کیا گیا ہے اس لئے کچھ شک نہیں کہ حضرت موسےٰ کا کوچ شمالی اور مشرقی سمت میں تھا یعنے قادیش کی طرف (دیکھو سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) اور اس لئے وہ فاران جس کا ذکر حضرت موسےٰ نے کیا ہے سینا کے مغرب کی جانب نہیں ہوسکتا +

پس بہ آسانی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ شہر فاران جس کو روبیر صاحب نے بیان کیا ہے اور جس کے آثار اُنہوں نے پائے ہیں اور جو مشرقی مورخوں کی نظر سے چھپا ہوا نہ تھا حضرت موسےٰ کے زمانے میں موجود نہ تھا۔ اور یہ کب خیال میں آسکتا ہے کہ ایسے بیابان میں جس کی نسبت حضرت موسےٰ نے بیان کیا ہے کہ "بیابان وسیع و ہولناک کہ دراں مار سوزندہ و عقرب و زمین خشک بے آب بود" اُس زمانے میں کوئی شہر موجود ہو (دیکھو سفر توریہ مثنیٰ باب ۸ ورس ۱۵) +

عیسائی مصنفوں نے بیابان فاران کا جو مقام قرار دیا ہے۔ اُس پر اعتبار کرنا حضرت موسےٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کے بیان کی صحت پر منحصر ہے اور اس امر کی نسبت کہ حضرت موسےٰ اور بنی اسرائیل صحرا نوردی کی حالت میں کن کن مقاموں پر ہو کر گذرے تھے خود عیسائی علما اور فضلا میں اسقدر اختلاف ہے کہ اس قدر اختلاف شاید ہی کسی اَور امر کی نسبت ہو۔ ہم اس مقام پر حضرت موسےٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں اُس سے ظاہر ہوگا کہ خود علماء عیسائی نے پانچ مختلف رستے صحرا نوردی کے بیان کئے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی نسبت بطور یقین کے بیان کیا جاسکے کہ درحقیقت ان پانچوں میں سے صحرا نوردی کا کونسا صحیح رستہ ہے +

فاران پسر عوف کی اولاد بنی فارن کے نام سے مشہور تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ کے زمانے کے بعد کسی وقت میں کچھ لوگ اس قبیلے کے یمن والوں اور قریب وجوار کی قوموں کے ساتھ دائمی جھگڑوں اور قصوں کے سبب سے شمالی اور مشرقی سمت کو چلے گئے ہونگے اور کوہ سینا کی مغرب کی جانب مشرقی مصر میں قیام کیا ہوگا جہاں رفتہ رفتہ ایک گاؤں یا قصبہ اُسی قوم فاران کے نام سے آباد ہو گیا ہوگا جس کا ذکر روبرصاحب اور مشرقی مورخوں نے کیا ہے۔ مگر حضرت موسےٰ کے وقت میں اُس کا کچھ وجود نہ تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے ہمنام بیابان یا پہاڑ سے جس کا ذکر توریت میں ہے بالکل علیحدہ ہے +

اگر بیابان فاران سے وہ سارا وسیع میدان مراد لیا جاوے جو شام سے یمن تک چلا گیا ہے جیسا کہ خود کتاب مقدس میں مذکور ہے۔ اور صرف ملکی روائتیں ہی اُس کی تائید نہیں کرتیں بلکہ مشرقی مؤرخ بھی اُس کے موید ہیں تب حضرت موسےٰ کے کوچ کے تمام بیان کی تطبیق ہو جاتی ہے اور اُس کی صحت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا +

اُس تمام وسیع میدان پر جو شام کے جنوب میں واقع ہے کاتبین مقدس عموماً ارض شور کا اطلاق کرتے ہیں مگر بعض مقام میں اُس کو صرف "بیابان" سے تعبیر کیا ہے (دیکھو سفر خروج باب ۱۳ ورس ۱۸) اور بعض جگہ "بیابان عظیم" سے (دیکھو سفر توریہ مثنیٰ باب ۸ ورس ۱۵) اور اس بیابان میں ایتام سیین سینا سن۔ قادیش عیدام جو چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں اور نیز ایک حصہ فاران کا شامل ہے +

جو کچھ کہ ہم نے اوپر بیان کیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے شور اور شام کو ایک ہی ملک قرار دیا ہے سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں دو نام آئے ہیں ایک شور اور دوسرا اشورہ۔ تمام عیسائی مصنف اشورہ کو "اسریا" سے تعبیر کرتے ہیں لیکن

کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شور سے شام مراد ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اُس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس تطبیق کا تسلیم کرنا اسلام کے مفید مطلب ہے کیونکہ سفر توریہ مثنیٰ باب ۳۳ ورس ۲ اور کتاب حبقوق باب ۳ ورس ۳ میں جو پیشین گوئی ہے وہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادق آتی ہے۔

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاران کی شمالی حد پر قادیش اور مغربی حد پر صحرائے سن اور خلیج عرب واقعہ ہے جبکہ حضرت موسےٰ سینا سے روانہ ہوئے تو ابر قادیش کے نزدیک فاران میں ٹھیرا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اور حضرت موسےٰ سے "تجیرہ" قبروس ہتاداہ۔ اور "حصیروث" ہو کر فاران میں آئے جو قادیش کے نواح میں ہے۔ اس جگہ سے انہوں نے ایلچی روانہ کئے جو واپس آتے وقت اوّل قادیش میں پہنچے اور اُس کے بعد فاران میں یہ ایک سیدھا اور صاف بیان ہے جس سے حضرت موسےٰ کے فاران میں سفر کرنے کا معما بخوبی حل ہو جاتا ہے +

اب ہم توریت مقدس کے اُن ورسوں پر غور کریں گے جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے نکال دینے کے باب میں ہیں۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ و ۱۵ میں لکھا ہے کہ "ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ دادہ بر دوشش گذاشت و ہم پسرش را (با رو دادہ) او را روانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگرداں شدہ۔ و آبے کہ در مطہرہ بود تمام شد و پسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت"۔ جس عبارت کے نیچے ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ اُس کے خواہ نخواہ یہ معنے نہیں ہیں کہ حضرت ہاجرہ بیابان بیر شبع ہی میں پھرتی رہیں اور اُسی مقام پر صرف وہی پانی جو حضرت ابراہیم نے اُن کو دیا تھا اُن کے پاس تھا اور وہی ختم ہو گیا تھا۔ بلکہ دو وجہ سے اس ورس کے ایسے معنے لینے صحیح نہیں ہیں۔ اول اس وجہ سے کہ بیر شبع جو حضرت ابراہیم نے قادیش کے نزدیک کھودا تھا۔ اور جس کے

نواح میں وہ خود ایک عرصہ دراز تک رہے تھے ایک ایسا مقام تھا جس کے حالات اور جس کے قریب پانی کے کنوؤں کا ہونا حضرت ہاجرہ سے پوشیدہ نہ تھا۔ دوم اس وجہ سے کہ بیابان بیر شبع میں پانی کا اس قدر نایاب ہونا ناممکن تھا کیونکہ وہاں صرف حضرت ابراہیم ہی کے بنائے ہوئے کنوئیں نہیں تھے۔ بلکہ قوم فلسطین کے تعمیر کئے ہوئے بھی موجود تھے (دیکھو سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱۸ لغایت ۲۲) ہمارے نزدیک اُس عبارت کے معنے جو عیسائی مصنفوں نے قرار دیئے ہیں اُس سے زیادہ تر صحیح اور صاف یہ ہیں کہ مکان سے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ بیابان بیر شبع میں پھرتی رہیں۔ مگر ملک کا وہ حصہ سکونت کے قابل نہ تھا۔ کیونکہ بیر شبع کے اردگرد ایسی قومیں رہتی تھیں جو لڑاکا اور جھگڑالو تھیں اور ذرا سا رحم بھی اُن کے دل میں نہ تھا۔ اس لئے حضرت ہاجرہ نے ایسے مقام پر جانے کا خیال کیا ہوگا جہاں اُن کو امن ملے اور آسایش سے رہ سکیں۔ اور ایسا مقام بلاشبہ وہ تھا جہاں عرب العاربہ کی قومیں رہتی تھیں اور اس لئے کچھ شک نہیں رہتا کہ حضرت ہاجرہ نے اُس نواح میں جانے کا قصد کیا +

جو ایک چھاگل پانی حضرت ابراہیم نے اُن کے ساتھ کر دیا تھا۔ وہ ختم ہو گیا ہوگا اور رستے میں متعدد جگہ سے جہاں کہیں پانی دستیاب ہؤا ہوگا۔ حضرت ہاجرہ نے بھر لیا ہوگا لیکن جب وہ بیابان فاران میں پہنچی ہوں گی۔ تو پانی ملنے کی مشکل پیش آئی ہوگی۔ کیونکہ اُس بیابان میں پانی نہایت کم یاب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ اُس مقام پر پہنچیں جہاں اب مکہ معظمہ ہے تو اُن کے پاس پانی باقی نہیں رہا تھا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی کے سبب سے

ضعیف اور قریب مرگ ہوگئے ہونگے اور حضرت ہاجرہ نہایت تشویش اور اضطراب کی حالت میں ادھر اُدھر پانی تلاش کرنے کو دوڑتی پھرتی ہونگی۔ یہ بیان ایسا صاف ہے جس میں کوئی امر خلاف قیاس یا خلاف فطرت انسانی نہیں ہے +

خانہ بدوش عرب پانی کے چشمے کو جو اُن کو جنگل میں ملتا تھا چھا لکڑ وغیرہ ڈال کر مٹی سے چھپا دیتے تھے تاکہ اُن کے سوا اَور کسی کو اس کا پتہ نہ ملے اور یہ رسم پانی کے کمیاب ہونے سے اُن میں جاری تھی اور اب تک جاری ہے +

یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کہ اسی طرح عربوں نے اُس چشمے کو جو اُس مقام پر تھا جہاں اب چاہ زمزم واقع ہے چھپا دیا ہوگا۔ کیونکہ لفظ "بیر" عبری میں چشمہ آب کے معنی میں بھی آیا ہے +

ان تمام حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت ہاجرہ مضطربانہ اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں تو اُن کو وہ چشمہ مل گیا۔ توریت مقدس کی عبارت سے بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جہاں لکھا ہے "وخدا چشمان اورا کشادہ کرد وچاہ آبے دید و روانہ شد۔ مطہرہ را از آب پُر کرد و بہ پسر نوشانید" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۹) عربی روایتوں میں اس واقعہ کو اس طرح پر تعبیر کیا ہے کہ ایک فرشتہ نے اُس مقام پر اپنے بازو یا پاؤں سے ایک گڑھا کر دیا جس میں سے پانی نکل آیا۔ یہ بیان اُسی قسم کا ہے جیسا کہ مذہبی روایتوں کو ایک عظمت دینے کے لئے ہوتا ہے مگر جو اصلی واقعہ ہے وہ اس سے صاف پایا جاتا ہے +

بخاری کی حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اور اُس کو بجائے پیغمبر کی حدیث ہونے کے ایک قومی اور ملکی روایت کا درجہ دیا ہے اُس سے بھی اُتنی بات کہ حضرت ہاجرہ جب اس مقام پر پہنچیں جہاں اب مکہ ہے تو پانی ہوچکا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی سے

قریب اترگ ہوگئے تو وہاں ان کو چشمہ مل گیا سچ بھی ثابت ہوتی ہے - پس یہ ایک ایسی روایت ہے جس کو ایام جاہلیت کے عربوں نے ہمیشہ مستند تسلیم کیا ہے اور باوجودیکہ وہ لوگ بے شمار قوموں اور فرقوں میں جو ایک دوسرے کے مخالف تھے اور ہر ایک کا مذہب اور اعتقاد بھی جدا گانہ تھا منقسم ہوگئے تھے - اس پر بھی مذکورہ بالا امر میں سب متفق تھے - اس لئے ہم اس روایت کو جھوٹی اور موضوع نہیں خیال کرتے خصوصاً اس صورت میں کہ توریت مقدس کے متعدد مقامات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ؛

بہرحال حضرت ہاجرہ نے اس مقام پر جہاں ان کو پانی کا چشمہ ملا تھا رہنا شروع کیا جب اور لوگوں کو اس چشمے کی خبر ہوئی تو بنی جرہم کے بہت سے لوگ اس کے قرب و جوار میں آکر آباد ہوگئے ؛

بخاری نے حضرت اسمعیل کے نکاح کرنے کی بابت ایک روایت لکھی ہے جس کو ہم بجنسہ ذیل میں لکھتے ہیں ؛

قال (ای ابن عباس) فمر ناس من جرهم ببطن الوادی فاذا هم بطیر کانهم انکروا ذلك وقالوا ما یکون الطیر الا علی ماء فبعثوا رسولهم فنظر فاذا هو بالماء فاخبرهم فاتوا الیها فقالوا یا ام اسمعیل اتاذنین لنا ان نکون معك اونسکن معك فبلغ ابنها فنکح فیهم امراة قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی قال فجاء فسلم فقال این اسمعیل فقالت امراته ذهب یصید قال قولی له اذا جاء غیر عتبة بیتك فلما جاء اخبرته فقال انت ذلك فاذهبی الی اهلك قال ثم انه بدا لابراهیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فقال این اسمعیل فقالت امرته ذهب یصید فقالت الا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامکم وما شرابکم قالت طعامنا

اللحم وشر ابنا الماء قال اللھم بارك لھم فی طعامھم وشرابھم قال
فقال ابو القاسم بركة بدعوة ابراھیم صلے اللہ علیھما وسلم، قال ثم
انه بدا لابراھیم فقال لاھله انی مطلع ترکتی فجاء فوافق اسمعیل من وراء
زمزم یصلح نبلا له فقال یا اسمعیل ان ربك امرنی ان ابنی له بیتاً قال اطع
ربك قال امرنی ان تعیننی علیه قال اذا افعل او کما قال فقاما فجعل ابراھیم
یبنی واسمعیل یناوله الحجارة ویقولان ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم
قال حتی ارتفع البناء وضعف الشیخ عن نقل الحجارة فقام علے حجر المقام فجعل
یناوله الحجارة ویقولان ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم + بخاری
کتاب الانبیاء +

یہ روایت بھی انہیں وجوہات سے جو ہم نے بخاری کی پہلی حدیث کی نسبت بیان
کی ہیں ایک ملکی روایت کی مانند ہے نہ کہ پیغمبر صاحب کی فرمائی ہوئی حدیث کی مانند اِس
روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے
بعد جب حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل سے ملنے کو آئے تو اس عورت سے نکاح کرنے
کو ناپسند کیا اور طلاق دے دینے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل نے اس کو طلاق
دے دی اور وہاں کے نو آباد لوگوں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کر لیا اس کے
بعد جب دوسری دفعہ حضرت ابراہیم اُن سے ملنے کو آئے تو اس عورت سے نکاح
کرنے کو پسند کیا +

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی دونو بیبیاں بنی جرہم
کی قوم سے تھیں مگر توریت مقدس سے پایا جاتا ہے کہ انہوں نے پہلی دفعہ ایک مصری
عورت سے نکاح کیا تھا +

ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں جو پہلی

بیوی کا بنی جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے۔ غالباً پہلی بیوی ایک مصری عورت تھی اور یہی وجہ ہوگی۔ کہ حضرت ابراہیم نے اُس عورت سے نکاح کرنا پسند کیا ہوگا۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا کیونکہ وہ حضرت اسمٰعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہونگے۔ مگر باہم سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اس لئے یقین ہوتا ہے کہ اُن کی دوسری بیوی بنی جرہم کی قوم سے تھیں ؛

قرآن مجید میں نسبت تعمیر خانہ کعبہ کے یہ آیت موجود ہے۔ "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم" (سورہ البقرہ آیت ۱۲۱) اور اس سے ثابت ہوتا ہے اور تمام قومی روایتوں سے یقیناً تحقق ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے خانہ کعبہ کو بنایا تھا ؛

قرآن مجید کی رو سے بغیر کسی شک کے ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل پیغمبر تھے اور خدا نے اُن کو مثل حضرت ابراہیم اُن کے باپ کے وحی بھیجنے اور اپنی رضی ظاہر کرنے کے لئے مبعوث کیا تھا تاکہ لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی عظمت اور وحدانیت کی طرف ہدایت کریں۔ توریت مقدس میں جو وعدہ کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت کیا تھا وہ اس طرح پر مندرج ہے "و در حق اسمٰعیل ترا شنیدم اینک اورا برکت دادہ ام و اورا بارور گردانیدہ بہ غایت زیاد خواہم نمود و دوازدہ سرور تولید خواہد نمود و اورا امت عظیم خواہم نمود" (سفر تکوین باب ۱۷ درس ۲۰) یہ وعدہ پورا ہوا اور اخیر تک پورا ہوتا چلا آیا ؛

عیسائی مصنف اس وعدے کے ہونے کی نسبت تو کچھ کلام نہیں کرسکتے۔

مگر از راہ مکابرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ جسمانی یعنے دنیوی طرز کا وعدہ تھا نہ روحانی طرز کا۔ اگرچہ یہ اُن کا کہنا صریح غلط ہے مگر اس مقام پر ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنے کے بلکہ آئندہ خطبہ میں جس میں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارات کا توریت اور انجیل میں موجود ہونا بیان کریں گے اُسی خطبے میں اس امر پر بھی بحث کریں گے ✤

ایک اور روایت عموماً لوگوں میں مشہور ہے کہ خدا تعالے نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسمٰعیل کی قربانی کرڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے۔ زیادہ تر تقویت اُس روایت کو ہوتی ہے جس میں حضرت اسحاق کی قربانی کرنے کے حکم ہونے کا ذکر ہے اور اس اختلاف کا جو سبب ہے وہ ہم آگے بیان کریں گے ✤

حضرت ابراہیم نے جو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا ارادہ کیا اُس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے ”قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ٭ فلما اسلما وتلہ للجبین ونادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین ٭ ان ھذا لھو البلاء المبین ٭ وفدیناہ بذبح عظیم۔ سورہ الصافات آیت ۱۰۱ لغایت ۱۰۷) ✤

قرآن مجید میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا یا حضرت اسمٰعیل کی نسبت اور نہ کسی معتبر اور مستند حدیث سے اس کی تفصیل پائی جاتی ہے ✤

بعض مسلمان مورخوں کا قول ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی نسبت تھا۔ یہ اختلاف توریت مقدس کی اُمہا

آیت کے مبہم اور غیر مصرح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اُس مقام کا ذکر ہے جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے "خدا ابراہیم را امتحان نمود وبا وگفت اے ابراہیم وا وگفت اینک حاضرم و خداوند گفت کہ حال پسر یگانۂ خود اسحٰق راکہ دوست می داری بگیر وبرزمین موریا[1] برو (عربی ترجمہ میں بجائے لفظ

---

[1] موریا کے معنے ہیں تلخئے خدا یا حکم خدا یا خوف خدا اور نیز اورشلیم کے اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس تعمیر ہوا تھا اور جس پر بالفعل حضرت عمر کی بنائی ہوئی مسجد واقع ہے۔ اسی مقام کو عموماً وہ مقام خیال کرتے ہیں جہاں کہ حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسحٰق کی قربانی کرنے کا حکم ہوا تھا گو کہ اس بات کے فرض کرنے میں بعض مشکلات پیش آتی ہیں۔ توریت ساماری سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲ میں بجائے موریا کے سرزمین مرہ لکھا ہے جیساکہ انگریزی ترجمہ میں ہے اور مرہ کی نسبت لوگوں کو اطمینان ہوگیا تھا کہ یہ وہی مرہ ہے جو "شکم" کے قریب تھا اور جہاں حضرت ابراہیم پہلے رہا کرتے تھے (سفر تکوین باب ۱۲ ورس ۶) اور وہ پہاڑ جس پر اُن کا معبد بنا تھا "جوزیم" تھا اور یہ اخیر رائے کسی قدر لحاظ کے قابل ہے اگر یہ متحقق ہو جاوے کہ قوم ساماری نے اس مقام کو اپنی حدود کے اندر لانے کے واسطے اس ورس میں کچھ تحریف نہیں کی ہے۔ بیر شبع سے اس مقام کا فاصلہ ترجمہ ساماری کا کسی قدر موئد ہے کیونکہ بیر شبع مرہ تک پورا تین روز کا رستہ ہے مگر بیر شبع اور بیت المقدس کے درمیان فاصلہ بہت قلیل ہے بشرطیکہ راستے میں کوئی امر حارج نہ ہوگیا ہو۔ مسلمان راوی ہیں کہ اس واقعہ کا موقع وہ ہے جہاں کہ زمانہ مابعد میں اُن کا مشہور و معروف معبد بمقام مکہ بنایا گیا تھا اور اس معاملہ میں اور نیز دیگر معاملات میں وہ حضرت اسحٰق کی جگہ حضرت اسمٰعیل کو بتلاتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہودی۔ ساماری۔ مسلمان سب اپنے اپنے معبدوں کے موقعوں کو حضرت ابراہیم کے ایمان کی آزمائش یا امتحان کے مقام ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ (بائیبل سائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)*

"موریاہ" کے "ارض الرؤیا" لکھا ہے اور توریت ساری کے عربی ترجمے میں "ارض
الختارہ والموشاۃ" لکھا ہے۔ (وراں جا ادراو رسیے از کوہا سے کہ بہ تو مے گویم از برائے
قربانی وسوختنی تقریب نما" (سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲) بعض مسلمان مصنفوں
نے اس گمنام جگہ کو بیت المقدس اور اس کے پہاڑ قرار دئے ہیں اور بعض نے مکہ معظمہ
کے قریب کے پہاڑ۔ جو لوگ اس مقام کو مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیتے ہیں وہ اپنی رائے
کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ عبری لفظ "ہریم" جس کے معنے جبال کے ہیں۔
تثنیہ اور جمع دونو صیغوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس لئے وہ استدلال کرتے
ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد
ہے ❖

توریت مقدس میں اسی باب کی چودھویں آیت میں یہ لکھا ہے "و ابراہیم اسم
آں مکان را یہواہ یراہ گذاشت کہ تا امروزش چنیں ہم مے خوانند در کوہ خداوند
نمایاں است" مسلمان مورخوں کے نزدیک یہ مقام وہ ہے جو مکہ معظمہ کے پاس واقع
ہے اور آج تک عرفات کے نام سے مشہور ہے پس جو لوگ اس قربان گاہ کو مکہ
معظمہ میں قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسمٰعیل کی نسبت ہوا
تھا۔ اور جو لوگ اس قربان گاہ کو بیت المقدس میں قرار دیتے ہیں وہ حضرت
اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم ہونا کہتے ہیں جیسے کہ مسعودی نے لکھا ہے جسکی
عبارت یہ ہے ❖

وقد تنازع الناس فی الذبیح فمنهم من ذهب الی انه اسحق ومنهم من رای
انه اسمعیل فان کان الامر بالذبح وقع بمنی فالذبیح اسمعیل لان اسحق لم
یدخل الحجاز وان کان الامر بالذبح وقع بالشام فالذبیح اسحق لان اسمعیل
لم یدخل الشام بعد ان حمل منه ❖ مروج الذهب مسعودی ❖

مگر وہی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اسحاق کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ کہ حضرت اسمعیل کی نسبت اور یہی امر مندرجہ ذیل حدیث سے بھی پایا جاتا ہے۔

عن محمد ابن المنتشر قال ان رجلا نذر ان ینحر نفسہ ... (فقال لہ مسروق) لا تنحر ... واشترکبشا فاذبحہ للمساکین فان اسحاق خیر منک وفدی بکبش ... (رواہ ابن رزین مشکوۃ)۔

اس حدیث میں مسروق کا صاف قول ہے کہ حضرت اسحاق قربان ہونے والے تھے۔

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹے تھے۔ نبایوث۔ قیدار۔ ادبیل۔ مبسام۔ مشماع۔ دوماہ۔ مسا۔ حدر۔ تیما۔ یطور۔ نافیش۔ قیدماہ۔

نبایوث۔ یہ شخص شمالی مغربی حصۂ عرب میں آباد ہوا۔ ٹھیک مقام اس قوم کے آباد ہونے کا نقشہ مرتبہ رورنڈ کاپٹری پی کیری۔ ایم۔ اے میں مابین ۲۸ و ۳۰ درجات عرض بلد شمالی و ۳۶ و ۳۸ درجات طول بلد مشرقی میں واقع ہے۔ رورنڈ فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم عرب الحجر کے وسط سے لے کر مشرق کی جانب اور وادی الفرت کے اندر تک اور جنوب کی طرف کم از کم منتہائے خلیج عیلام اور حدود حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسطرابو اس سے بھی زیادہ وسیع قطعہ ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کیونکہ وہ دو مقاموں کا ذکر کرتا ہے جو خلیج عرب پر واقع ہیں اور جن سے صریح ظاہر ہے کہ ان کی مملکت کی وسعت جنوبی اور غربی سمت میں مدینے کی عرض بلد پر منتہی ہوتی تھی اور یہ دو مقام مشہور بندرگاہ، حورت یعنے بندرگاہ سفید جو ینبوع کی شمال میں ہے اور خود بندرگاہ ینبوع ہیں۔ رورنڈ فارسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم صرف پتھریلے بیابان عرب ہی میں نہیں بلکہ

صوبہ جات عظیم حجاز اور نجد کے اندر تک بھی پھیلی ہوئی تھی۔
ممکن ہے کہ یہ قوم وقتاً فوقتاً اس وسیع ملک میں پھیل گئی ہو جس کا اوپر ذکر ہوا کتاب اشعیاہ نبی کے مندرجہ ذیل ورس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نامی اور زبردست قوم تھی اور وہ ورس یہ ہے "تمامی گوسفندان قیدار نزد تو گرد آمدہ قوچہاے نبایوث بکارت خواہند آمد و بر مذبحم بہ رضا مندی برخواہند آمد و خانۂ جلال خود را جلیل خواہم کرد" (کتاب اشعیاہ باب ۶۰ ورس ۷)۔
قیدار۔ یہ شخص نبی بنت کی جنوب کی طرف گیا اور حجاز میں آباد ہوا۔ زبور داؤد۔ کتاب اشعیاہ۔ ارمیاہ۔ حزقیل وغیرہ میں اس قوم کی عظمت و شوکت کی بے شمار شہادتیں ہیں۔ اسی قوم میں سے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اُن کی بعثت سے خدا تعالےٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ظاہر ہوئی۔ اُن کی ذات پاک کے سود مند اثروں سے رفتہ رفتہ دنیا کے ایک بڑے حصے پر خدا کی برکت اور خداے واحد کی عبادت پھیل گئی اور اب تک پھیلتی جاتی ہے۔ عربوں اور مشرقی اقوام کے ہاں بے شمار روایتیں اس قوم کے باب میں موجود ہیں مگر اس مقام پر اُس روایت کا بیان کرنا چاہتے ہیں جس کو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے مستند تسلیم کیا ہے۔
مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ "اشعیاہ نبی کے کلام سے (جو اوپر مذکور ہے) جو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ قیدار کی خیمہ گاہ اس اخیر حصہ ملک میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اُس کی کماحقہ تصدیق اسی نبی کے کلام کے ایک اَور مقام سے بھی ہوتی ہے یعنے ارض قیدار کے بیان سے جس کو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہوگا۔ پہچان لے گا کہ اُس قطعہ حجاز کا نہایت صحیح بیان ہے جس میں نامی شہر مکہ اور مدینہ واقع ہیں۔ جس شخص کو زیادہ ثبوت اس مشابہت کا درکار ہو تو اُس کو حجاز کا جغرافیہ جدیدہ معائنہ کرنا چاہیئے۔ جہاں کہ ینبوع کے قریب شہرہاے الحضیر اور

بنت جو اسماے معرفہ قیدار اور نبایوث کی باقاعدہ عربی شکلیں ہیں خط کہنندہ آج تک چلا آتا ہے اور کسی قدر معنے رکھتا ہے ٭

اس کے بعد ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ یہاں تک تو ہم نے قیدار کے آثار جغرافیۂ قدیمہ کی استعانت سے دریافت کئے ہیں اب یہ دیکھنا ہے کہ یونانی اور رومی بیانات کا عربی روایتوں سے مقابلہ کرنے میں کس قدر ثبوت کی زیادتی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ محققین یورپ کی رائے میں عربی روایتوں کی غیر مویدہ شہادت کیسی ہی قابل اعتراض اور مشکوک کیوں نہ ہو مگر منصفانہ بحث کے مسلمہ قواعد کی رو سے اُن کا قطعی اتفاق تواریخ دینی اور دنیوی سے انکار کرنا صریح غیر ممکن ہے۔ خود عربوں کے ہاں زمانۂ نامعلوم سے یہ ایک روایت چلی آتی ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتدا ئً حجاز میں آباد ہوئے تھے۔ اس شخص کی اولاد میں ہونے کا بالتخصیص قوم قریش جو مکہ کے والی اور کعبے کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد (صلعم) نے قرآن میں اپنی قوم کی ریاست اور اعزاز کے دعووں کی اسی بنا پر تائید کی ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد میں قیدار کے سلسلے سے تھے۔ ایسی قومی روایت کا اعتبار جیسے کہ یہ ہے تاریخی روایت کے پائے کو پہنچ جاتا ہے جب کہ اُس کی تائید ایک طرف تو کتب مقدسہ کے اُن بیانات سے ہوتی ہے جن سے قیدار کا اسی حصہ جزیرہ نما میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری جانب۔ اریانوس۔ بطلیموس۔ پلینی اکبر کے زمانوں میں ملک حجاز میں قوم کیڈری۔ دراقی۔ کدرون نائی۔ پاکدیتی کی موجودگی کی غیر مشتبہ اور ناقابل اشتباہ امر سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے (جغرافیہ تاریخی جلد اول صفحہ ۲۴۸) ٭

اوبیل مشرقی مورخوں نے اس شخص کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا بیان ہے کہ کتب مقدسہ میں صرف ایک مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے۔ اور اُنہوں نے

جو شخص کی سند پر بیان کیا ہے کہ اوتمیل کا ابتدائی مقام سکونت اس کے
بھائیوں کے قرب وجوار میں تھا۔ اس قدر بیان کے صحیح ہونے میں کچھ شبہ
نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب وہ اس کے آثار دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں اور
مقاموں کے ناموں میں صرف چند حرف کی مشابہت ہونے سے اس کے آثار
قرار دیتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا ٭

مبسام۔ حال کے جغرافیہ اور عرب کی تاریخ میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔
رورنڈ مسٹر فارسٹر کا بھی بیان ہے کہ اس اسمعیلی کے نام و نسل کے آثار بہ نسبت
اس کے اور بھائیوں کے کمتر اور ضعیف تر ہیں۔ یہ نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں
پایا جاتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں ٭

مشماع۔ مشرقی تاریخوں میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اگر رورنڈ
مسٹر فارسٹر کی یہ بات تسلیم کی جاوے کہ سفر تکوین اور تواریخ الایام کا مشماع اور
یونانی توریت کا مسما اور جو شخص نے جس کو مسماوس اور بطلیموس نے مسمی
مانیں اور عربوں نے بنی مسما لکھا ہے اس سے ایک ہی شخص مشماع مراد ہے۔
تو یہ کسی قدر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت نواح
نجد میں تھا ٭

دوماہ۔ اس شخص کی اولاد اول تیما کے جنوب میں مدینے کے قرب وجوار
میں آباد ہوئی مگر جب کہ اس کی اولاد بڑھ گئی تو نقل مکان کرنے کے لئے مجبور ہوئی
اور اس مقام پر آباد ہوئی۔ جہاں کہ بالفعل دومۃ الجندل واقع ہے۔ شام اور مدینے کے
درمیان اور بہت سے مقامات ہیں جن کے نام اس شخص کے نام پر ہیں۔ رورنڈ مسٹر
فارسٹر بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور مشرقی مورخوں کا بھی یہی قول ہے جس کی
سند ذیل میں درج ہے ٭

دومة الجندل... وقد جاء فی حدیث الواقدی دوماء الجندل وعدّها ابن الفقیہ من اعمال المدینة سمیت بدوم ابن اسمٰعیل بن ابراہیم وقال الزجاجی دومات ابن اسمٰعیل وقیل کان لاسمٰعیل ولد اسمہ دما لعلہ مغیر منہ وقال ابن الکلبی دوماء بن اسمٰعیل قال ولما کثر ولد اسمٰعیل عمد بالتہامة خرج دوماء بن اسمٰعیل حتی نزل موضع دومة وبنی لہ حصناً فقیل دوماء ونسب الحصن الیہ... قال ابوعبید السکونی دومة جندل حصن وقری بین الشام والمدینة قرب جبلی طی . . . . . . ودومة من القریات من وادی القری ۔ معجم البلدان۔

مسا۔ رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے کہنے میں کہ اس شخص کی اولاد عراق عرب (الجزیرہ) میں آباد ہوئی تھی بلاشبہ غلطی کی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قوم یمن میں آباد ہوئی اور اس امر کی تائید "موسا" کے نام سے ہوتی ہے جو اب تک یمن میں موجود ہے۔ یہ مقام پی کیری صاحب کے نقشے کے بموجب ۱۳ درجے ۳۰ دقیقہ عرض بلد شمالی اور ۴۳ درجے ۳۰ دقیقہ عرض بلد شرقی میں واقع ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ابتدا میں نواح حجاز میں متوطن ہوئی تھی مگر اس مقام کی تنگی کے باعث بعد کو یمن میں چلی گئی جو بوجہ اپنی بے انتہا شادابی اور بکثرت پیداوار کے ملک حجاز پر بدرجہا فوقیت رکھتا تھا۔

حدد۔ تواریخ الایام میں اس کو "حدد" لکھا ہے۔ اس شخص نے جنوبی سمت اختیار کی اور حجاز میں آبسا۔ اس امر کی تصدیق بے شمار بیرونی اور اندرونی شہادتوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان مورخ "الزہیری" "حدد" کو منجملہ اُن بے شمار قوموں کے جن میں عرب کے باشندے منقسم تھے بالتصریح بیان

کرتا ہے یمن میں شہر صدیدہ اور بنی صدد کا موجود ہونا صریح ہمارے بیان کی صحت پر دلالت کرتا ہے ◆

تیما۔ حضرت اسمٰعیل کے پہلے دو بیٹوں کے بعد باعتبار شہرت کے تیما کا درجہ ہے۔ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت صوبہ حجاز تھا لیکن کسی نہ کسی زمانے میں اُس کی اولاد تمام وسط نجد میں پھیل گئی اور بعض اُن میں سے خلیج فارس کے ساحل کے برابر برابر منتشر ہو گئے مگر ہم کو حضرت موسےٰ کے کلام کی تصدیق جس سے حضرت اسمٰعیل کے بیٹوں کی ابتدائی آبادی کی جگہ پائی جاتی ہے منظور ہے تو ہم کو اسی مقام کی تحقیق اور تدقیق پر جہاں کہ اُن میں سے ہر ایک شخص نے ابتداءً سکونت اختیار کی تھی زیادہ تر توجہ مبذول کرنی چاہیئے نہ اُس جگہ کی نسبت جہاں کہ اُن کی اولاد بعد کو جا بسی ◆

یطور۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس بات پر یقین کرنے کے واسطے کامل دلیل ہے کہ اس قوم کا ابتدائی مقام سکونت ضلع "جدور" تھا۔ جبل قاسیون کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق اور شاہ راہ حجاج کے مغرب میں ◆

نافیش۔ مشرقی مورخ کچھ نہیں بیان کرتے کہ اس شخص نے کہاں سکونت اختیار کی تھی مگر ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس کی اولاد سے ایک قوم عرب کا وادی القرےٰ میں موجود ہونا حضرت موسےٰ اور مصنف تواریخ الایام اور جوسفس کی سہ گانہ شہادت سے بلا شک و اشتباہ متحقق ہے ◆

قیدماہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ملک یمن کی نواح میں آباد ہوا۔ کیونکہ مسعودی کا قول ہے۔ کہ ایک قوم موسوم بہ "قدمان" یمن میں تھی۔ چنانچہ اُس نے لکھا ہے ◆"

اصحاب الراس کانوا من ولد اسمٰعیل وھم قبیلتان یقال لاحدھما

فدمان ولاخری یامین وقیل دعویل وذلك بالیمن ٭ مروج الذہب مسعودی ٭

ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال کرنے میں عجیب غلطی کی ہے کہ "کاظمہ" جو خلیج فارس پر واقع ہے اور جس کا ذکر ابوالفدا نے کیا ہے اسی قیدماہ سے مطابقت رکھتا ہے ٭

تمام تلاش اور تفتیش کے بعد جو ہم نے حضرت اسمعیل کی اولاد سے ابتدائی مقام سکونت کے باب میں کی اُس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اُن کے آثار بن دحویلا (؟) سے لے کر شام (شور) تک پائے جاتے ہیں اور اس طرح پر حضرت موسےٰ کے اُس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جو سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں مندرج ہے کہ "وہ حویلاہ سے شور تک آباد ہوئے جو سامنے مصر کے ہے جبکہ تو اسریا کو روانہ ہو ٭"

حضرت اسمٰعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل حضرت مسیح کے پیدا ہوئے تھے اور گھر سے نکالے جانے کے وقت اُن کی عمر سولہ برس کی تھی۔ اگر اس مدت عمر پر بیس برس اور اضافہ کئے جاویں تو ہمارے نزدیک حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں کی ولادت کے واسطے کافی مدت ہوگی۔ پس ہم اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۲۱۳۰ دنیوی یا سنہ ۱۸۷۴ قبل حضرت مسیح تک اُن کا کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا ٭

ان بارہ بیٹوں نے کوئی اور بڑی شہرت حاصل نہیں کی بجز اس کے کہ عرب کی بارہ مختلف قوموں کے مورث ہوئے اور اسی باعث سے یہ قومیں مختلف شعبوں اور فرقوں میں منقسم نہیں ہوئیں بلکہ یکساں حالت میں رہیں۔ مگر ایک مدت مدید کے بعد عدنان کی اولاد جو قیدار ابن اسمعیل کی نسل میں تھا۔ مختلف شعبوں میں متفرق ہوگئی اور کارہائے نمایاں سے شہرت حاصل کی ٭

مشرقی مورخ متفق الرائے ہیں عدنان کے دو بیٹے تھے "معد" اور "عک" عک کی نسبت اُن کا صرف اس قدر بیان ہے کہ وہ یمن کو چلا گیا۔ مگر ان کتبوں سے جن کو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے عاد کی قوم کے کتبوں سے موسوم کیا ہے اور جو حضرموت میں بمقام "حصن غراب" دریافت ہوئے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کچھ عرصے تک اُس ملک میں بادشاہی کی تھی۔ یہ کتبے مذکورۃ الصدر مقام میں ۱۸۳۴ء میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز مسمے "پالی نورس" کے افسروں نے دریافت کئے تھے۔ ان کتبوں کا پورا پورا بیان مع کتبوں کی نقل کے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل کی تیسری جلد میں ملے گا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں "عک" وہاں کا فرماں روا تھا۔

اس شاعرانہ کتبے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ قائم کرنے کی غرض سے ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ "عک" عدنان کا بیٹا تھا اور بموجب حدیث حضرت اُم سلمہ کے جو آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات میں سے تھیں عدنان حضرت اسمٰعیل سے چوتھا پشت میں تھا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ کتبہ سنہ مسیح کے شروع سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے لکھا گیا ہوگا۔ لیکن ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس میں بڑی غلطی کی ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کے ثبوت میں کوئی کافی سند پیش نہیں کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے عدنان کا حضرت اسمٰعیل کی چوتھی پشت میں ہونا کبھی بیان کیا تھا۔ انساب کی معتبر روایتوں کے بموجب عدنان آنحضرت صلعم سے بائیس پشت پہلے تھا اب ایک پشت کی قدرتی میعاد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عک اٹھائیسویں صدی دنیوی میں یا دوسری صدی قبل حضرت مسیح میں ہوگا۔

وائل الملقب بہ کلیب ابن ربیعہ بھی جو عدنان کی اولاد میں تھا بادشاہ ہوا تھا اور یمن والوں سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔

زہیر ابن جذیمہ اور نیز قیس ابن زہیر بھی باری باری سے حجاز کے بادشاہ ہوئے تھے مگر ان لوگوں کی تاریخیں معین کرنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی معتبر سند نہیں ہے اس لئے ہم کسی قدر تیقن کے ساتھ تاریخیں قرار نہیں دے سکتے لیکن خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی زمانہ ہوگا جب کہ سلطنت یمن اور آور سلطنتیں حالت زوال میں تھیں +

عدنان کی نسل میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۵۷۰ء دنیوی یا ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے اور تمام جزیرہ نمائے عرب پر دینی اور دنیوی حکومت حاصل کی۔ عیسائی مصنفوں نے آنحضرت صلعم کے نسب نامہ کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے اور اس کو غیر ثبت قرار دینے کے لئے سعی بے حاصل کی ہے اور یہ مناسب موقع تھا کہ ہم بھی اس بحث میں شامل ہوتے اور عیسائی مصنفوں کے ہر ایک اعتراض کی تردید کرتے لیکن چونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ اس مضمون پر ایک جداگانہ خطبہ لکھیں گے اس لئے بالفعل اس بحث کا ملتوی کردینا مناسب ہے +

دوم - ابراہیمی یا بنی قطورہ

توریت مقدس میں لکھا ہے "دیگر ابراہیم زنے گرفت کہ اسمش قطورا بود وبرایش زمران ویقشان ومدان ومدیان ویشباق وشوح عازائید ویقشان شبا و ددان راتولید نمود وپسران ددان اشوریم ولطوشیم ولومیم بودند وپسران مدیان عیفاہ وعیفر وحنوک وابیداع والداعاہ بودند تمامی ایشاں پسران قطوراہ بودند۔ پس ابراہیم تمامی مایملک خود را بہ اسحٰق داد" (سفر تکوین باب ۲۵ درس الغایت ۵) +

یہ سب لوگ عرب کو چلے گئے اور اس قطعہ میں آباد ہوئے جو حدود حجاز سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے اور ان کے نشانات اب تک جو اس ملک میں واقع ہیں بہ

پائے جاتے ہیں +

انہی ابراہیمیوں میں سے حضرت شعیب نبی کو خدا تعالے نے اقوام عاکہ اور مدیان کو اپنی خالص عبادت کی تلقین اور ہدایت کرنے کے واسطے مبعوث کیا تھا +

مگر ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نبی کس زمانے میں ہوئے تھے۔ لیکن اگر ہم یثرو کاہن مدیان کو جن کا ذکر سفر خروج باب ۱۸ اور س ۲ و ۳ میں ہے اور شعیب کو ایک ہی شخص خیال کریں جیسا کہ عرصہ دراز سے لوگوں کو گمان ہے تو البتہ یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ یہ نبی اس وقت میں تھے۔ جب کہ حضرت موسےٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے تھے +

سوم اَدُومی۔ یا بنی عیسو

عیسو یعنے ادوم کی تین بیویاں تھیں۔ عاداہ۔ اہلیاباہ۔ باسمت۔ دختر حضرت اسمٰعیل و خواہر نبایوث۔ پہلی بیوی سے "الی فز" پیدا ہوا۔ دوسری بیوی سے یعوش اور یعلام اور قورح پیدا ہوئے۔ تیسری سے رعوئیل پیدا ہوا۔ الی فز کے بیٹے تیمان۔ اومر۔ صفو۔ گعتم۔ قنز۔ عمالیق تھے۔ رعوئیل کے بیٹے۔ نحت۔ زرح۔ شماہ۔ مزاہ پیدا ہوئے (سفر تکوین باب ۳۶) +

عیسو کی تمام اولاد قریباً قریباً کوہ سعیر کے قرب و جوار میں آباد ہوئی تھی۔ بعض نے ان میں سے اپنی سکونت عرب الحجر میں اور حجاز کی شمالی سرحد پر اختیار کی تھی۔ مگر ان لوگوں کی تعداد اس قدر کم تھی کہ اسی وجہ سے بعض مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسو کی اولاد کبھی عرب میں آباد نہیں ہوئی +

چہارم ۔ بنی ناحور

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "عوص" اور "بوز" (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲۱) پسران ناحور برادر ابراہیم شمالی عرب کی بے شمار قوموں کے مورث تھے اور اسکی سند میں کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱ اور بنا حالت یرمیاہ باب ۴ ورس ۱۲ یرمیاہ باب ۲۵ ورس ۲۰ کا حوالہ دیتے ہیں*

پنجم ۔ بنی ہاران

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "یہ قوم بہ نسبت دیگر اقوام متذکرہ بالا کے سب سے زیادہ شمال کی جانب رہتی تھی ۔ اُن کے نہایت جنوبی مقامات بحر لوط (ڈیڈسی) کے مشرق میں واقع تھے اور انہیں عمد، سبزہ زار، "بابکا" اور "کرک" سے شامل تھے"

ہاران کے بیٹے حضرت لوط تھے ۔ حضرت لوط کے بیٹے مواب اور بن عمی تھے ۔ توریت مقدس میں اُن کے پیدا ہونے کا نہایت ناپاک واقعہ اس طرح پر لکھا ہے "

"و لوط از صوعر برآمده در کوه ساکن شده و دو دخترانش به ہمراہش زیرا که از سکون در صوعر ترسید و او و دو دخترانش در مغاره ساکن شدند ۔ و دختر بزرگ به دختر کوچک گفت که پدر ما پیر شد و کسے در زمین نیست که موافق عادت کل زمین بما در آید ۔ بیا پدر خود را شراب بنوشانیم و با او بخوابیم و از پدر خود نسلے را زنده نگاه داریم ۔ پس دراں شب پدر خویشتن را شراب نوشانیدند و دختر بزرگ داخل شده با پدر خود خوابید و او نه بوقت خوابیدنش و نه بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید ۔ و روز دیگر واقع شد که دختر بزرگ به دختر کوچک گفت که اینک دی شب با پدر خود خوابیدم امشب نیز او را شراب بنوشانیم و تو داخل شده با او بخوابی و از پدر خود نسلے را زنده نگاه داریم ۔ و آں شب نیز پدر خود

راشراب نوشانیدند و دختر کوچک برخاسته با او خوابید که او نیز بوقت خوابیدنش و نیز بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید۔ و دو دختر لوط از پدر خود شان حاملہ شدند۔ و دختر بزرگ پسرے بزاد ائید و اسمش را موآب نامید کہ تا بحال پدر موابیان اوست۔ و دختر کوچک او نیز پسرے بزاد ائید و اسمش را بن عمی نامید کہ تا بحال پدر بنی عمون اوست" (سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۰ لغایت ۳۸)

حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں کی نسبت جو کچھ اس مقام میں لکھا ہے عیسائی اس سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی۔ مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تضحیک کے قابل ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور متانت کے متناقض نہیں ہے؟ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے۔

مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن مجید میں اگرچہ لوط کا قصہ ہے مگر اس میں یہ بات کہ اُنہوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مذکور نہیں ہے۔

توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اُس کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفوں نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ آٹھویں ورس میں لوط کا قول لکھا ہے کہ "مرا دو دختر است کہ مردے را ندانستہ اند تمنا اینکہ ایشاں را بہ شما بیروں آورم و با ایشاں آنچہ در نظر شما پسند است بکنید"۔

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ جمع کا ہے جیسا کہ سورۂ ہود میں ہے۔ "هؤلاء بناتي هن اطهر لكم" اور سورۂ حجر میں ہے "قال هؤلاء بناتي ان كنتم فاعلين"۔ مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ "بنات" سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی جیسے کہ وہ ہمیشہ اُن کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی

خراب عادت فعل خلاف فطرت انسانی کو چھوڑ دو اور عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے ✤

توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوث آیا ہے جو معنے بنت کے ہے مگر جس طرح عربی زبان میں بنت کا استعمال سوائے اصلی بیٹیوں کے اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر ہوتا ہے ڈاکٹر ولیم اسمتھ کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ "بث" اور "بنوث" کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ درس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں عورتیں مراد ہیں بلکہ غالباً لونڈیاں کیونکہ حضرت لوط کی جو بیٹیاں تھیں جیسیکہ سفر تکوین باب ۱۹ درس ۱۲ میں لکھا ہے ان کی شادیاں ہو چکی تھیں اور انکے شوہر موجود تھے۔

جب حضرت لوط سدوم سے فرار ہوئے تو ان کے داماد اور ان کی بیٹیاں آنکے ساتھ نہیں گئے صرف حضرت لوط کی بیوی اور وہی دو عورتیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں ساتھ گئی تھیں۔ رستے میں ان کی بیوی زندہ نہیں رہی صرف دو چھوکریاں ان کے ساتھ تھیں ✤

قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو مغارہ کوہ میں ان دونو چھوکریوں نے حضرت لوط کے ساتھ کیا کچھ ذکر نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو بھی ان دونو چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہونا اسی وجہ سے جو ہم نے اوپر بیان کی قابل یقین نہیں ہے۔ اور جبکہ وہ لونڈیاں تھیں تو ان کے ساتھ مقاربت گو کہ وہ دھوکے ہی سے ہو بموجب اس زمانے کی شریعت کے ناجائز نہ تھی ✤

سفر تکوین باب ۱۹ درس ۳۲ و ۳۴ میں لکھا ہے کہ ان دونو چھوکریوں نے حضرت لوط کو باپ کہکر تعبیر کیا ہے اس کہنے سے بھی ان چھوکریوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے اور اس کا اطلاق مالک اور

بزرگ شخص پر عموماً ہوتا ہے ✤

سر ولیم میور کے اس بیان کو کہ بنی عمان عرب کے کسی حصے میں آباد نہیں ہوئے بلکہ شمال ہی میں رہے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک بنی عمان خلیج فارس کے برابر برابر بستے تھے اور اُنکا نام اب تک اس حصہ عمان میں پایا جاتا ہے جو تمام قطعہ کے درمیان موجود ہے۔ اگر بنی عمان عرب میں آباد نہیں ہوئے تھے جیسے کہ سر ولیم میور کی رائے ہے تو اُن کو اقوام عرب میں شمار کرنا مناسب نہ تھا ✤

تمام عرب المستعربہ میں جو تارح کی نسل سے ہیں صرف بنی اسمٰعیل ہی کی کثرت ہوئی اور کچھ عرصے کے بعد مختلف قوموں اور شعبوں میں منقسم ہو گئے۔ مگر اُن کے مقابل کی قومیں ایک سکون اور غیر متبدل حالت میں رہیں ✤

جبکہ ہم ان قوموں کے شعبوں کا شمار اور حال بیان کریں گے تو یہ بات ظاہر ہو گی کہ ایک قوم کے کسی شخص کو اپنی قوم چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا اگر بالکل ممکن نہ تھا تو حد سے زیادہ دشوار تو ضرور تھا خصوصاً اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں تمدنی حالت نہایت محدود تھی اور لوگ اپنے مورثوں کے کارہائے نمایاں کی بڑی عظمت کرتے تھے اور اُن کو فخریہ یاد رکھتے تھے اور ہر ایک شریف قوم کا آدمی خودسرائی کا بندہ تھا۔ اور بالتخصیص عرب کی مختلف قومیں اپنی قوم کی امتیاز موجودہ کو قائم اور برقرار رکھنے اور اپنی قوم کو اَور قوموں کی ملاوٹ سے علٰحدہ رکھنے میں نہایت درجہ محتاط تھیں ✤

مندرجہ ذیل فہرست اُن قوموں کی ہے جو سکون اور غیر متبدل حالت میں رہیں ✤

۱۔ بنی ناحور ابن تارح سے۔ بنو ناحور ✤ ۲۔ اران ابن تارح سے۔ بنو ہاران ✤

۳۔ مواب ابن لوط ابن ہاران ابن تارح سے ۔ بنو مواب ✤

۴۔ عمان ابن لوط سے۔ بنو عمان ✤ ۵۔ اولاد ابراہیم سوائے اولاد اسمٰعیل سے ۔

بنو ابراہیم +

۶۔ اولاد ابراہیم بطن قطورہ سے۔ بنو قطورہ +

۷۔ عیسو عرف ادوم ابن اسحٰق ابن ابراہیم سے۔ بنو ادوم +

مندرجہ ذیل قومیں اسمٰعیل کی اولاد میں ہیں جو بمقابل اور قوموں کے بہت جلد بڑھ گئیں اور عرب کے تمام ملک میں پھیل گئیں +

۸۔ اسمٰعیل ابن ابراہیم سے۔ بنو اسمٰعیل۔ مگر اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ بارہ قومیں چلیں +

۹۔ بنایوت سے۔ بنو بنایوت +
۱۰۔ قیدار سے۔ بنو قیدار +
۱۱۔ ادبئیل سے۔ بنو ادبئیل +
۱۲۔ مبسام سے۔ بنو مبسام +
۱۳۔ مشماع سے۔ بنو مشماع +
۱۴۔ دوماہ سے۔ بنو دوماہ +
۱۵۔ مسا سے۔ بنو مسا +
۱۶۔ حدر سے۔ بنو حدر +
۱۷۔ تیما سے۔ بنو تیما +
۱۸۔ یطور سے۔ بنو یطور +
۱۹۔ نافش سے۔ بنو نافش +
۲۰۔ قیدماہ سے۔ بنو قیدماہ +

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد نے ایک عرصے کے بعد شہرت حاصل کی اور مختلف شاخوں میں متفرع ہوگئی۔ مگر بہت صدیوں تک یہ بھی اپنی اصلی حالت پر رہی اور مدت تک اُن میں ایسے لیئق اور نامی اشخاص جنہوں نے اپنی لیاقتوں اور عجیب وغریب قابلیتوں کی وجہ سے نامور ہونے کا استحقاق حاصل کیا ہو یا سلطنتوں اور قوموں کے بانی ہوئے ہوں پیدا نہیں ہوئے۔ اور اسی وجہ سے قیدار کی اولاد کی تاریخ کے سلسلے کو مرتب کرنے میں بہت سی صدیوں کا فصل واقع ہوجاتا ہے۔ مگر یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عرب کی قومی اور ملکی روایت کی جو حضرت اسمٰعیل کی نسبت چلی آتی ہے کما حقہٗ تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک جلاوطن ماں اور بیٹے کی اولاد کی کثرت اور ترقی کے

واسطے جو ایسی بے کس اور مصیبت زدہ حالت میں خانہ بدر کی گئی تھی ضرور بلکہ یقیناً ایک عرصہ درکار ہؤا ہوگا۔ خصوصاً ایسی ترقی کے واسطے جس نے انجام کار اُن کو دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت نامور اور ممتاز جگہ پر پہنچایا اور اُن کی اولاد نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں کئے جن کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی +

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ہم عرب کی تاریخ میں قیدار کی اولاد میں اُس قوم کی ابتدا سے اُس وقت تک کہ اُس کو شہرت ہوئی آٹھ نام پاتے ہیں یعنے حمل۔ نابت۔ سلامان۔ الہمیسع البیسع۔ ادو۔ آو۔ عدنان +

یہ وہی عدنان ہے جس کا بیٹا عک یمن کا بادشاہ ہؤا تھا اور جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں +

مندرجہ ذیل قبائل عدنان کی اولاد میں ہیں

۲۱۔ ایاد ابن معد ابن عدنان سے۔ ایادی +
۲۲۔ قنص ابن معد سے۔ قنصی +
۲۳۔ معز ابن نفز ابن معد سے۔ بنو معز +
۲۴۔ ربیع ابن نفز ابن معد سے۔ بنو ربیعہ +
۲۵۔ اسد ابن ربیع سے۔ بنو اسد +
۲۶۔ ضبیعہ ابن ربیعہ سے۔ بنو ضبیعہ +

قبائل ذیل ضبیعہ کی اولاد میں ہیں

۲۷۔ بنو ابو الکلب + ۲۸۔ بنو شخنہ +
۲۹۔ جدیلہ ابن اسد ابن ربیعہ سے۔ بنو جدیلہ +
۳۰۔ عنزہ ابن اسد سے۔ بنو عنزہ +
۳۱۔ عمیر ابن اسد سے۔ بنو عمیر +
۳۲۔ عبد القیس ابن افصے ابن دومی ابن جدیلہ سے۔ بنو عبد القیس +
۳۳۔ الدیل ابن شن ابن افصے ابن عبد القیس سے۔ بنو۔ الدیل شنی +

قبائل ذیل الدیل کی اولاد میں ہیں

۳۴۔ بنو نجشہ +

۳۵۔ صنوحان ابن وادیہ ابن نکیر ابن افصے ابن عبد القیس وائلہ سے۔ بنو وائلہ +

۳۶- انمار ابن عمرو ابن وادیہ سے - بنو انمار ۔ ۳۷- عجل ابن عمرو سے - بنو عجل قیسی ۔

۳۸- محارب ابن عمرو سے - بنو المحارب ۔ ۳۹- الدیل ابن عمرو سے - بنو الدیل ۔

قبائل ذیل الدیل کی شاخ ہیں :-

۴۰- بنو صوحان ۔ ۴۱- العوق ابن عمرو ابن وادیہ سے - بنو العوق یا عوتی ۔

۴۲- اولاد بکر ابن حبیب ابن عمرو ابن غنم ابن تغلب ۴۳- بکر ابن وائل ابن قاسط ابن اوائل بن قاسط ابن جنب ابن اقصے ابن سے بنو بکر ۔

دومی ابن جدیلہ سے - الاراقم ۔ ۴۴- ثعلب ابن وائل ابن قاسط سے بنو ثعلب ۔

قبایل ذیل ثعلب کی اولاد میں ہیں :-

۴۵- بنو عکب ۔ ۴۶- بنو عدی ۔ ۴۷- بنو کنانہ یا قریش ثعلب ۔

۴۸- بنو ازہیر ۔ ۴۹- بنو عتاب ۔ ۵۰- غنم ابن حبیب ابن کعب ابن

۵۱- لجیم ابن صعب ابن علی بن بکر سے - شیکر ابن اوایل سے - بنو غنم ۔
بنو لجیم ۔

قبائل ذیل لجیم کی اولاد میں ہیں :-

۵۲- بنو ہقان ۔ ۵۳- بنو عجل ۔ ۵۴- اولاد مالک ابن صعب سے - بنو ازمان ۔

۵۵- ذہل ابن ثعلبہ ابن عقبہ ابن صعب سے ۵۶- شیبان ابن ثعلبہ سے - بنو شیبان ۔
بنو ذہل ۔

قبائل ذیل شیبان کی اولاد میں ہیں :-

۵۷۔ بنو الرشر + ۵۸۔ بنو الجدرہ + ۵۹۔ بنو الشقیقہ +

۶۰۔ اولاد تیم اللات ابن ثعلبہ سے۔ اللہازم + ۶۱۔ سدوس ابن شیبان ابن ذہل سے۔
سدوسی +

۶۲۔ قیس۔ عرف قیس عیلان ابن الیاس ابن مضر سے قیس عیلانی یا بنو قیس + ۶۳۔ عمرو ابن قیس عیلان سے۔ بنو عمرو +

قبائل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں :-

۶۴۔ بنو اخارجہ + ۶۵۔ بنو اداسش + ۶۶۔ بنو یشکر + ۶۷۔ بنو عوف +

۶۸۔ بنو سہم + ۶۹۔ بنو ریاح + ۷۰۔ سعد ابن قیس عیلان سے۔ بنو سعد +

۷۱۔ غطفان ابن سعد سے۔ بنو غطفان + ۷۲۔ معن ابن عصر ابن سعد سے۔ بنو معن +

۷۳۔ غنی ابن عصر سے۔ بنو غنی +

قبائل ذیل غنی کی اولاد میں ہیں

۷۴۔ بنو ضبینہ + ۷۵۔ بنو بہثہ + ۷۶۔ بنو عبید +

۷۷۔ منبہ ابن عصر سے۔ بنو منبہ +

قبائل ذیل منبہ کی اولاد میں ہیں۔

۷۸۔ بنو حمر + ۷۹۔ بنو سنان + ۸۰۔ اشجع ابن غطفان ابن صعب سے۔
بنو اشجع +

قبائل ذیل اشجع کی شاخ ہیں

۸۱- بنو دہمان ۸۲- ذبیان ابن بغیض ابن ریس ابن غطفان سے۔ بنو ذبیان

قبائل ذیل ذبیان کی اولاد میں ہیں

۸۳- بنو فزارہ ۸۴- بنو العشراء
۸۵- عبس ابن بغیض سے۔ بنو عبس ۸۶- سعد ابن ذبیان ابن بغیض سے۔ بنو سعد

قبائل ذیل سعد کی اولاد میں ہیں

۸۷- بنو جحاش ۸۸- بنو سبیع
۸۹- بنو خشور ۹۰- خصفہ ابن قیس عیلان سے۔ بنو خصفہ

قبائل ذیل خصفہ کی شاخ ہیں

۹۱- بنو جسر ۹۲- ابو مالک بن عکرمہ ابن خصفہ سے۔ بنو ابو مالک
۹۳- منصور ابن عکرمہ سے۔ بنو سلیم

قبائل ذیل منصور کی اولاد میں ہیں

۹۴- بنو حرام ۹۵- بنو حفافہ ۹۶- بنو سمان ۹۷- بنو رعل

۹۸- بنو ذکوان + ۹۹- بنو مطرود + ۱۰۰- بنو بہز + ۱۰۱- بنو قنفذ +

۱۰۲- بنو رفاعہ + ۱۰۳- بنو شرید + ۱۰۴- بنو قبیتہ +

۱۰۵- سلامان ابن عکرمہ سے - سلامانی + ۱۰۶- ہوازن ابن منصور سے - بنو ہوازن +

۱۰۷- مازن ابن منصور سے - بنو مازن + ۱۰۸- سعد ابن بکر ابن ہوازن سے - بنو سعد +

۱۰۹- نصر ابن معاویہ ابن بکر سے - بنو نصر + ۱۱۰- مرہ ابن صعصعہ ابن معاویہ سے - بنو مرہ یا بنو اسلول +

۱۱۱- نمیر ابن عامر ابن صعصعہ سے نمیری + ۱۱۲- ہلال ابن عامر سے - بنو ہلال +

۱۱۳- ربیعہ ابن عامر سے - بنو مجد + ۱۱۴- اولاد عمرو ابن عامر سے - بنو البکا +

۱۱۵- معاویہ ابن کلاب ابن ربیعہ سے بنو معاویہ + ۱۱۶- جعفر ابن کلاب سے - بنو جعفر +

۱۱۷- اولاد عمرو ابن کلاب سے - بنو دوان + ۱۱۸- اولاد عبداللہ ابن کعب ابن ربیعہ سے بنو العجلان +

۱۱۹- اولاد قشیر ابن کعب سے - بنو ضمرہ + ۱۲۰- اولاد منبہ ابن ہوازن سے - ابو ثقیف +

قبائل ذیل ابو ثقیف کی اولاد میں ہیں

۱۲۱- بنو مالک + ۱۲۲- بنو احلاف +

۱۲۳- طابخہ ابن الیاس ابن مضر سے - بنو طابخہ یا بنو خندف + ۱۲۴- تیم ابن عبد منات ابن علا ابن طابخہ سے - بنو تیم +

۱۲۵- عدی ابن عبد مناف سے - بنو عدی ۱۲۶- ثور ابن عبد منات سے - ثوری +

قبائل ذیل عبد مناۃ کی اولاد میں ہیں

۱۲۷- الرباب + ۱۲۸- بنو نصر + ۱۲۹- بنو مازن + ۱۳۰- بنو ابیسل +

۱۳۱- بنو عایدہ + ۱۳۲- بنو تیم اللات + ۱۳۳- بنو زبان + ۱۳۴- بنو عوف +

۱۳۵- بنو شیثم + ۱۳۶- بنو الزحل + ۱۳۷- بنو بجالہ +

۱۳۸- مزینہ ابن عد ابن طابخہ سے- مزنی + ۱۳۹- مر ابن عد سے- بنو طاعنہ +

قبائل ذیل طاعنہ کی شاخ ہیں +

۱۴۰- بنو صوفہ + ۱۴۱- تیم ابن مر سے- بنو تیم +

قبائل ذیل تیم کی اولاد میں ہیں

۱۴۲- حبطات + ۱۴۳- بنو عصیہ + ۱۴۴- البراجم + ۱۴۵- بنو کلیب +

۱۴۶- بنو رباح + ۱۴۷- بنو مرہ + ۱۴۸- بنو مفزہ + ۱۴۹- بنو حمان +

۱۵۰- بنو حنظلہ + ۱۵۱- بنو دارم + ۱۵۲- بنو عدویہ + ۱۵۳- بنو لطہیہ +

۱۵۴- آل صعفوان + ۱۵۵- آل عطارد + ۱۵۶- بنو عوف +

۱۵۷- مدرکہ ابن الیاس ابن معز سے- بنو مدرکہ یا بنو خندف + ۱۵۸- حذیل ابن مدرکہ سے- بنو حذیل یا حذیلی +

۱۵۹- تمیم ابن سعد ابن حذیل سے- بنو تیم + ۱۶۰- جریب ابن سعد سے- بنو جریب +

۱۶۱- مناعہ ابن سعد سے- بنو مناعہ + ۱۶۲- خناعہ ابن سعد سے- بنو خناعہ +

۱۶۳- جہم ابن سعد سے- جہمی + ۱۶۴- غنم ابن سعد سے- غنمی +

۱۶۵۔ حرث ابن سعد سے ۔ حرثی ✦ ۱۶۶۔ خزیمہ ابن مدرکہ سے ۔ بنو خزیمہ ✦

۱۶۷۔ الہون ابن خزیمہ سے ۔ بنو الہون ✦

قبائل ذیل الہون کی اولاد میں ہیں

۱۶۸۔ بنو القارہ ✦ ۱۶۹۔ عضلی ✦ ۱۷۰۔ الدیشی ✦

۱۷۱۔ اسد ابن خزیمہ سے ۔ بنو اسد ✦ ۱۷۲۔ دودان ابن اسد سے ۔ دودانی ✦

۱۷۳۔ کاہل ابن اسد سے ۔ کاہلی ✦ ۱۷۴۔ حملہ ابن اسد سے ۔ حملی ✦

۱۷۵۔ عمرو ابن اسد سے ۔ عمری ✦

قبائل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

۱۷۶۔ بنو قفقس ✦ ۱۷۷۔ بنو الصیدا ✦ ۱۷۸۔ بنو نصر ✦ ۱۷۹۔ بنو الزنیہ ✦

۱۸۰۔ بنو عاضرہ ✦ ۱۸۱۔ بنو لغامہ ✦ ۱۸۲۔ کنانہ ابن خزیمہ سے ۔ بنو کنانہ ✦

۱۸۳۔ مالک ابن کنانہ سے ۔ ابو مالک ✦

قبائل ذیل مالک کی اولاد میں ہیں

۱۸۴۔ بنو فقتین ✦ ۱۸۵۔ بنو فراس ✦ ۱۸۶۔ بنو بجر ✦

۱۸۷۔ ملکان ابن کنانہ سے ۔ بنو ملکان ✦ ۱۸۸۔ عبد منات ابن کنانہ سے ۔ بنو عبد منات ✦

قبائل ذیل عبد منات کی اولاد میں ہیں

۱۸۹۔ بنو مدلج ✦ ۱۹۰۔ بنو جذیمہ ✦ ۱۹۱۔ بنو لیث ✦ ۱۹۲۔ بنو الدیل ✦

۱۹۳- بنو ضمرہ + ۱۹۴- بنو غفار + ۱۹۵- بنو عریج +

۱۹۶- عمرو ابن کنانہ سے - عمریون + ۱۹۷- عامر ابن کنانہ سے - عامریوں +

قبائل ذیل کنانہ کی شاخ ہیں

۱۹۸- الاحابیش + ۱۹۹- نضر ابن کنانہ سے - بنو النضر +

۲۰۰- مالک ابن نضر سے - بنو مالک + ۲۰۱- الحرث ابن مالک سے - بطیبین +

قبائل ذیل الحرث کی شاخ ہیں

۲۰۲- بنو الخلج + ۲۰۳- فہر ابن مالک سے - بنو فہر یا قریش +

۲۰۴- محارب ابن فہر سے - بنو محارب + ۲۰۵- غالب ابن فہر سے - بنو غالب +

۲۰۶- تیم ابن غالب سے - بنو تیم یا بنو الادرم + ۲۰۷- لوی ابن غالب سے - بنو لوی +

۲۰۸- عامر ابن لوی سے - بنو عامر +

قبائل ذیل عامر کی اولاد میں ہیں

۲۰۹- حسل + ۲۱۰- معیص + ۲۱۱- سامہ ابن لوی سے - بنو سامہ +

۲۱۲- سعد ابن لوی سے - بنو سعد +

قبائل ذیل سعد کی شاخ ہیں

۲۱۳- بنانہ + ۲۱۴- خزیمہ ابن لوی سے - بنو خزیمہ +

قبائل ذیل خزیمہ کی شاخ ہیں

۲۱۵- بنو عایذہ ۔ ۲۱۶- حرث ابن لوی سے - بنو الحرث ۔

۲۱۷- عوف ابن لوی سے - بنو الوف ۔ ۲۱۸- کعب ابن لوی سے - بنو کعب ۔

۲۱۹- عدی ابن کعب سے - بنو عدی ۔ ۲۲۰- مصیص ابن کعب سے - بنو مصیص ۔

قبائل ذیل مصیص کی اولاد میں ہیں

۲۲۱- بنو سہم ۔ ۲۲۲- بنو جمح ۔ ۲۲۳- مرہ ابن کعب سے - بنو مرہ ۔

۲۲۴- تیم ابن مرہ سے - بنو مرہ ۔ ۲۲۵- مخزوم ابن مرہ سے - بنو مخزوم ۔

۲۲۶- کلاب ابن مرہ سے - بنو کلاب ۔ ۲۲۷- زہرہ ابن کلاب سے - بنو زہرہ ۔

۲۲۸- قصی ابن کلاب سے - بنو قصی یا مجمع ۔

قبائل ذیل کلاب کی اولاد میں ہیں

۲۲۹- ترفلییون ۔ ۲۳۰- عبدالدار ابن قصی سے - داری ۔

قبائل ذیل عبدالدار کی شاخ ہیں

۲۳۱- شیبی ۔ ۲۳۲- امیہ ابن عبدالشمس ابن عبدمناف ابن قصی سے - بنو امیہ ۔

۲۳۳- ہاشم ابن عبدمناف سے - بنو ہاشم ۔ ۲۳۴- عبدالمطلب ابن ہاشم سے - بنو مطلب ۔

۲۳۵- عباس ابن عبدالمطلب سے - عباسی ۔ ۲۳۶- علی ابن ابو طالب ابن عبدالمطلب سے - علوی ۔

۲۳- فاطمہ بنت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ۔ سادات بنی فاطمہ علیہا السلام +
اس مطلب سے کہ اقوام مذکورہ بالا کا سلسلہ بخوبی ذہن نشین ہو جائے اور آسانی سے سمجھ میں آ جائے ۔ اس مقام پر ایک شجرہ عرب مستعربہ کی قوموں کا شامل کیا جاتا ہے ۔

عرب کی قوموں کے بیان کو ختم کرتے وقت اس بات کا بیان کرنا مناسب ہے کہ عرب میں ایک دستور تھا کہ ایک ضعیف قوم یا وہ قوم جو زوال کی حالت میں پڑ جاتی تھی اکثر اپنے آپ کو کسی زبردست قوم میں ملا دیتی تھی اس اختلاط کے مقصد کو نہ سمجھنے سے غیر ملک کے مورخ بڑی غلطی میں پڑے ہیں ۔ کیونکہ اُن میں سے بعضوں نے یہ خیال کیا ہے اور بعض مورخ اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ ایسا اختلاط نسب کے اختلاط سے علاقہ رکھتا ہے اور اُس کے بعد وہ دونوں قومیں ایک ہی لقب یعنے زبردست قوم کے لقب نسبی سے ملقب ہو جاتی تھیں اور اسی بنا پر اُن کا مقولہ ہے کہ عرب کی قومیں انقلابات اجتماع کے ہمیشہ زیر مشق رہی ہیں ۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ وہ دونوں قومیں اس طرح پر مخلوط نہیں ہوتی تھیں کہ ایک ہی مورث اعلے کی نسل سے خیال کی جاتی ہوں بلکہ اُس اختلاط کے یہ معنی تھے کہ زبردست قوم زبردست قوم کے تابع اور اُس قوم کے قوانین اور رسم و رواج کی پابند ہو جاتی تھی اور ضرورت کے وقت اور ہر ایک امر میں اُس قوم کی ساتھی اور مددگار ہوتی تھی ۔ دونوں قوموں کے آدمی ایک ہی نامی سردار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے اور اگر ان دونوں قوموں کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا جس کے عوض تمام قوم سے تاوان لئے جانے کا دستور تھا تو وہ تاوان برابر دونوں قوموں پر عاید ہوتا تھا +

لفظ سراسین کی تحقیق

اس خطبہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ "سراسین" کی بابت جو یونانیوں نے زمانۂ جاہلیت کے بعض عربوں کی نسبت استعمال کیا ہے اور جس کا اطلاق انجام کار تمام جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں پر قبل ظہورِ اسلام اور نیز بعد ظہورِ اسلام ہو گیا ہے کچھ گفتگو کی جاوے۔ متعدد مورخوں نے اپنی ذہانت کو اس لفظ کے ماخذ کے بیان کرنے کی کوشش میں صرف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک نیا ڈھنگ اُس کے ماخذ تلاش کرنے کا اختیار کیا ہے جس نے بارہا پُرانے تعصبات کو ظاہر کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ بات کافی ہے کہ رورنڈ پوکاک صاحب نے اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں جو کچھ اُس کی نسبت لکھا ہے بعینہٖ اُس کو اس مقام پر ترجمہ کر دیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ اُس مضمون پر ہمارے مصنفوں نے اب تک جو کچھ چھاپا ہے اُس میں کسی جگہ میں اس امر کی قابل اطمینان دلیل نہیں پاتا ہوں کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے۔ آخر میں "سراسین" کے نام سے کیوں موسوم ہوئے۔ جن لوگوں نے کہ اس نام کو "سرح" سے مشتق کیا ہے اُن کی رائے کی کما حقہٗ تردید ہو گئی ہے۔ اب عموماً یہ گمان ہے کہ یہ نام "سرق" (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم سے صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام اُن کو کہاں سے ملا؟ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ نام خود اُنھیں کے ہاں سے نہیں شروع ہوا ہوگا بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ دیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لئے کب گوارا کرتے۔ اب عالموں کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا اُن لوگوں کے نام کو جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لئے مشہور ہیں لفظ "سرق" سے مشتق کرنا جائز ہو سکتا ہے جس کے معنے خفیہ چوری کرنے کے ہیں یا نہیں۔ اب اگر کوئی "سراسین" کی تحقیق میں میری تبعیت کرنا چاہے تو اُسکو

اپنی آنکھیں شرق کی جانب کھولنی چاہئیں کس واسطے کہ "سراسینس" اور "سراسی" نام کی آواز میں "مشرقی" اور اُس کی جمع "شرقیون" اور "شرقیین" کی نسبت کیا فرق ہوگا جسکے معنے اہل الشرق یعنے باشندگان شرقی کے ہیں جسطرح کہ سابق میں عربوں کو علے الخصوص یہودی خیال کرتے تھے کیونکہ اُس کی سرزمین کا شرقی حصہ (حسب قول رطاسیطوس) عرب سے محدود ہے۔ اسیطرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰ ورس ۳۰) یقطان کی اولاد کو جو عرب تھی مشرق میں بیان کرتی ہے یعنے ساحل کے اُس حصے پر جو مابین "میشا" اور "سفار" کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے واقع ہے۔ یعنے اگر "آرساڈیاس" قابل اعتبار ہو "من مكة الى مدينة الجبل الشرقی" یعنے مکہ سے وہاں تک کہ تم اس مشرقی پہاڑ کے شہر تک آؤ جیسا کہ مسودہ کوڈیکین میں مرقوم ہے "الی المدینة الشرقی" یعنے مشرقی شہر تک (جس سے میری اسقی میں مدینہ (منورہ) مراد ہے) جو جانب شرق واقع ہے۔ حضرت سلیمان کی عقل تمام اہل الشرق کی عقل سے بڑھکر خیال کی گئی ہے یعنے (حسب بیان اُس یہودی کے گو وہ کوئی ہو۔ جس نے کہ صحف ملوک کا عربی میں ترجمہ کیا ہے) "سراسین" یا عربوں کی عقل سے اسی طرح یرمیاہ نبی (باب ۴۹ ورس ۲۸) میں اعراب بنی قیدار کو "اہل الشرق" کہا ہے علامہ "ہیوگو گروشیس" بیان کرتا ہے کہ عیسائیان سابق کی یہ رائے تھی کہ وہ عقلا جو حسب بیان متی حواری (باب ۲) پرستش کو آئے تھے ملک عرب سے آئے تھے اور اُس کا خود بھی یہی عقیدہ تھا۔ ناسوس (فولیس مین) لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کی جو بجانب بنی عشوغیہ۔ بنی حمیر۔ اور سراسین اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کی تھی تعمیل کردی۔ اسلئے "سراسینس" کا اور مشرقی اقوام کے زمرے میں شامل ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ وہ مشرق میں آباد تھے۔ محمد ابن فیروز آبادی۔ صفی الدین اور اور لوگوں کا بیان ہے کہ مشرق کے چند اور مقامات بھی بدیں وجہ کہ وہ مشرق کے

اور حصوں میں واقع تھے بنام "شرقہ و شرقیہ" موسوم تھے اور اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ
ہم نے سُنا ہے کہ ایسے مقامات کے باشندے اہل الشرق کہلاتے ہیں۔ ایسی ہی دلیل
سے اُن لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں بستے ہوں کہ بہ لحاظ اور ملکوں کے "الشرق" یعنے
پورب کہلاتا ہو اُسی نام سے ملقب کیوں نہیں کرنا چاہئے ورنہ وہ اپنے اور اُن لوگوں کے
درمیان جو اپنی ہی بولی میں اپنے آپ کو مغربی یعنے باشندۂ جزیرۂ سوریٰ تانیا کہتے ہیں۔
کس طرح پوری پوری تمیز کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے جیسے کہ باشندہ ہائے ملک مغرب
"المغاربہ" کہلاتے ہیں وہ لوگ بھی جو عرب میں متوطن ہیں "مشارقہ" یا "سراسینس"
کہے جا سکتے ہیں اور یہ نام اُن کی عادات و اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ
باعتبار اُنکی جائے سکونت کے رکھا گیا ہے۔ اُسی طرح سے تم اُس مشہور و معروف حکیم بوعلی سینا
کی اُس نامی کتاب کا نام "سراسینک فلاسفی" یعنے "الفلسفۃ المشرقیہ" کچھ اُس کی
جاہلیت کی وجہ سے نہیں کہتے ہو بلکہ اُس کے مشرقی ہونے کے سبب سے۔ رہی یہ بات
کہ عربی حرف ش کا یونانی کی مانند تلفظ ہوا ہے اس سے کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ
وہ عبرانی حرف کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے تھے۔ لفظ "سراسینس" کا ایک مادہ بھی
ہو سکتا ہے یعنے "شرک" اس واسطے کہ وہ خدائے واحد کے شریک قرار دیتے تھے۔
لیکن یہ نام جو قدیمی عربوں کی نسبت اس قدر موزوں ہے مسلمان لوگ اُن کا اطلاق
ازراہ بے انصافی و ناحق اندیشی عیسائیوں پر کرتے ہیں۔ اور عیسائی اُس سے استغفار
بھیجتے ہیں مگر یہ امر ہمارے مضمون سے علاقہ نہیں رکھتا۔

ہمارے اس خطبے کے ساتھ ملک عرب کا ایک نقشہ بھی ہوگا جس سے اُمید
ہے کہ اکثر متنازعہ فیہ مقامات مختلف قوموں کی سکونت گزینی کا ٹھیک مقام بہت سے
بیابانوں کا صحیح صحیح موقع۔ پہاڑوں شہروں وغیرہ کی کیفیت و اصلیت دریافت ہو جاوے گی۔
شاید اس کے پڑھنے والے کو توقع ہو کہ نامی گرامی شہر مکہ معظمہ کا مفصل حال

اس کی بناء کی کیفیت - سنگ اسود کی اصلیت - اور اُن رسوم کی ابتدا اور اُن کی حقیقت جو بیت اللہ میں کی جاتی ہیں یہ سب باتیں اس خطبے میں دریافت ہونگی - لیکن چونکہ اُن عظیم الشان اور دلچسپ مضامین کی کامل تشریح کی اس خطبے میں گنجائش نہ ہوتی اس لیے ہم اُن کا بیان ایک اور خطبے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ کریں گے ؛

نقشہ مندکرہ بالا میں ہم نے اُن مقامات کو بھی درج کیا ہے جن کا حوالہ توریت مقدس سے دیا ہے اور اُن کے ساتھ اُس پاک کتاب کے مخصوص بابوں اور آیتوں کا بھی حوالہ دیدیا ہے +

ان مقامات کی ٹھیک ٹھیک جگہوں کے متعین کرنے میں ہم نے اُس بے بہا نقشۂ عرب سے فائدہ اُٹھایا ہے جس کو رورنڈ کار ٹرٹ - پی - کیری - ایم - اے نے مرتب کیا ہے ؛

النصوص الباهرة فی حریة الهاجرة

ما یستفاد من کتب الیهود

افادها

المولوی عنایت رسول چڑیاکوٹی سلمہ اللہ تعالیٰ

اسم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام عبری زبان میں رھاغان اور عربی میں دماجرا

یہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں ✤

سفر الیشار میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے لکھا ہے کہ "شہر بابل دارالسلطنت نمرود میں جہاں تارح یعنے آذر اور ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے تمام خاندان کے لوگ رہتے تھے ایک شخص حکیم ہنرمند ذکی الطبع فطین جو اکثر علوم و صنائع میں کمال رکھتا تھا رہتا تھا اس کا نام رفیوّن تھا مگر وہ بہت مفلس و محتاج و مفلوک تھا تنگ دستی و سختی سے وطن میں رہنا مناسب سمجھ کر مصر کی راہ لی جب وہ وہاں پہنچا اور اُسکی لیاقت و دانشمندی باشندگان مصر پر ظاہر ہو گئی تو بادشاہ مصر نے اس کو براہ قدردانی اعیان سلطنت میں داخل کیا رفتہ رفتہ بالکل حاوی ہوا بالآخر وہاں کا بادشاہ ہو گیا یہ پہلا شخص ہے جس کا لقب فرعون ہوا اسی فرعون کے زمانہ بادشاہت میں بوجہ قحط سالی کے حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مع اپنے اہل بیت کے مصر میں تشریف لے گئے ✤

رفیوّن اور دھاغار دو عبری لفظ ہیں اور اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ وہ دونو عبرانی یعنے بنی عبیر تھے اور کیا عجب ہے کہ اُسی قبیلے کے ہوں جس قبیلے کے حضرت ابراہیم تھے اور ظاہراً اسی خیال سے کہ بادشاہ مصر اُنکا ہموطن یا ہم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جانے کا قصد کیا ہو جیسا کہ ہر ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہو سکتا ہے ✤

جب حضرت ابراہیم مصر میں پہنچے اور اُنہوں نے حضرت سارہ کا اپنی بی بی ہونا ظاہر نہ کیا بلکہ بہن ہونے کا جو رشتہ تھا وہ ظاہر کیا تو فرعون نے حضرت سارہ سے شادی کرنی چاہی اور حضرت ابراہیم کو بہت کچھ دے کر حضرت سارہ کو بہ قصد شادی اپنے گھر لے گیا ✤

اس واقعہ سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بہ سبب ہم قوم

ہونے کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنے کی رغبت ہوئی تھی +

غرضکہ ہنوز شادی نہ ہونے پائی تھی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع ہوئے اور اُس کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بیوی بھی ہیں اُسی وقت فرعون نے اُن کو حضرت ابراہیم کے پاس بھیج دیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بھی اُن کے سپرد کر دیا +

فرعون نے جو اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت سارہ کے ساتھ کر دیا ظاہراً اس کے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں۔ ابراہیم اور سارہ کی نیکی اور بزرگی اور اُن کا اور فرعون و ہاجرہ کا ہم قوم ہونا اس بات کے لئے بڑی رغبت ہوئی ہو گی کہ فرعون اپنی بیٹی کو اُن کی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے کیونکہ مصری اُس کے قوم و قبیلہ سے نہ تھے۔ علاوہ اس کے اُس زمانے میں اور اُس خاندان میں شادی بیاہ میں ہم کفو ہونے کا بہت خیال تھا مصر میں رقیبون فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص نہ تھا اور یہ بہت بڑی ترغیب اس بات کی تھی کہ ہاجر سارہ کے سپرد کیجاوے تاکہ اُن کی تربیت میں رہے اور کہیں کفو میں اُس کی شادی ہو جاوے۔ رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹی ہاجر کو سمجھایا کہ تیرا رہنا اُن کے ساتھ تیرے لئے میرے پاس رہنے سے بہتر ہے۔ اس سمجھانے سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی اُن کے سپرد کی تھی +

بعد اس کے جب حضرت ابراہیم معہ ہاجر فرعون کی بیٹی کے وہاں سے چلے۔ تو فرعون نے اُن کے ساتھ پیادے مامور کئے تاکہ بحفاظت پہنچ جاویں چنانچہ یہ سب لوگ بآرام تمام معہ اجمال و اثقال و لونڈی و غلام وغیرہ کے جو بادشاہ مصر نے اُن کو دیئے تھے اپنے ملک میں جہاں اُنھوں نے سکونت اختیار کی تھی بخیر و خوبی پہنچ گئے۔ اُس وقت ابراہیم ہاجر کی بدولت بہت دولتمند اور مالدار ہو گئے چنانچہ توریت

ہیں لکھا ہے۔

ان لفظوں کو اس مقام پر عربی خط کے حرفوں میں لکھتے ہیں۔

وَیَعَلْ اَبْرَام مِمِصرَایِم هُوَ وَ اشْتُو وخَلْ اَشرلوو لُوط عِمُّو هَنِغْبا وابرام کَابِید مِئُود بِمِقْنَه وبَکِسِف وَبَزاهاب

ترجمہ عربی "فصعد ابرام من مصر هو وزوجته وكل ماله ولوط معه الى النقب وابرام عظيم جدا بالماشية والفضة والذهب"

ترجمہ اردو۔ اور کوچ کیا ابراہیم نے مصر سے اُس نے اور اس کی بی بی نے معہ اپنے کل مال کے اور لوط کے شمال طرف کو۔ کتاب پیدائش باب ۱۳ آیت ۱ و ۲ +

غرض اس مورخ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہاجر بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں تعلیم تہذیب کے لئے سارہ کے سپرد کی گئی تھیں اور ان کا ہم وطن ہونا بلکہ اونچا تال سے اہل خاندان سے ہونا پایا جاتا ہے +

مفسرین توریت بھی حضرت ہاجر کو بادشاہ مصر کی بیٹی لکھتے ہیں چنانچہ (دبی شلومو اسحاق) نے کتاب پیدائش کے سولھویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے اُس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں +

اس عبارت کو عربی خط کے حرفوں میں لکھا جاتا ہے +

"بَت بَرْعُه هَایِثا کشِرآ نِسِیم شِنَعِسُو اَسارَه اَمَر موطاب شِتَهَا بِتِّی شِفْحَه بِبلیث زِه وَلُو کِبِیره بِبَیت آحِیر"

(ترجمہ عربی) هی كانت بنت فرعون لما رأى الآيات التي اخرجت بسارة قال ما اطيب ان تكون بنتي خادمة في بيت واولا ان تكون

سیدۃ فی بیت اخر +

(ترجمہ اردو) وہ فرعون کی بیٹی تھی جب دیکھا اُن کرامات کو جو بوجہ سارہ واقع ہوئیں تو کہا بہتر ہے کہ رہے میری بیٹی اُس کے گھر میں خادمہ ہو کر اس سے کہ ہو دوسرے کے گھر میں ملکہ +

اس عبارت کا ترجمہ اس طرح پر بھی ہو سکتا ہے کہ "میری بیٹی کا رہنا اس کے خاندان میں خادمہ ہو کر بہتر ہے دوسرے خاندان میں ملکہ ہو کے رہنے سے" +

سنہ ۱۸۵۵ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ حضرت ہاجر لونڈی نہیں تھیں بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں +

توریت مقدس سے کسی طرح حضرت ہاجر کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہے نہایت صاف اور روشن بات ہے کہ اُس وقت کے حالات پر جو ہم نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں لونڈی و غلام دو طرح پر ہوتے تھے شرا سے اور غنیمت سے یعنے یا تو وہ لونڈی و غلام ہوتے تھے جو لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تھے اور وہ (شیبوث حرب) کہلاتے تھے یعنے غنیمت جنگ صیفت یا وہ لونڈی اور غلام کہلاتے تھے جو خریدے جاتے تھے اور اُن کو مقنت کسف کہتے تھے یا اُن کی اولاد لونڈی و غلام ہوتے تھے یلید بایت ولید البیت یعنے خانہ زاد مگر حضرت ہاجرہ اُن باتوں سے پاک تھیں۔ پھر وہ کیونکر لونڈی ہو سکتی تھیں اُنکو لونڈی کہنا محض بہتان ہے +

اب رہی یہ بات کہ یہودی اُن کو کیوں لونڈی کہتے تھے اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ یہودی بنی اسمٰعیل کی ہمیشہ حقارت کرتے ہیں اور ضد و عداوت سے ایسی باتیں جن سے بنی اسمٰعیل بہ نسبت بنی اسرائیل کے حقیر سمجھے جاویں منسوب کرتے ہیں اور اسی خیال سے اُن لوگوں نے غلط طور پر توریت مقدس سے بھی حضرت

ہاجرہ کے لونڈی ہونے پر استدلال کیا ہے مگر وہ استدلال سر تا پا غلط اور بالکل تحریف ہے جس کو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں ۔

حضرت سارہ ادھیڑ ہو گئی تھیں اور اُن کے اولاد نہ ہوئی تھی ۔ اس لئے اُنہوں نے حضرت ہاجرہ کو زوجہ بنانے کی اجازت دی کہ اُنھیں سے کچھ اولاد پیدا ہو چنانچہ ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اس کے چند روز بعد حضرت سارہ بھی حاملہ ہو گئیں اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے حضرت اسحاق کئی برس کے ہو گئے تھے اُن کا دودھ بھی چھٹ چکا تھا اور حضرت اسمٰعیل اُن سے عمر میں کچھ بڑے تھے دونوں میں آپس میں کچھ تکرار ہو گئی جیسا کہ دو بچوں میں ہو جاتی ہے حضرت سارہ کو یہ بات بُری معلوم ہوئی ۔ اور اُس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اِس لونڈی کو اور اُس کے لڑکے کو نکال دو اس مقام پر جو حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہا اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لونڈی تھیں بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی غصّے میں خصوصاً جب کہ وہ عورتیں بلکہ دو سوکنوں میں بچوں پر تکرار ہو جائے ایک دوسری کو تہتک اور حقارت کے کلمے کہہ اُٹھتی ہیں اسی طرح حضرت سارہ نے بھی یہ لفظ امۃ یعنے لونڈی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ درحقیقت لونڈی تھیں مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں ان کو ایک موقع حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہنے کا مل گیا ۔

حضرت سارہ کی اس بات سے حضرت ابراہیم نہایت ناراض ہوئے مگر خدا نے اُن کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچے کی طرف سے رنج مت کر تو ان کو نکال دے میں اُس لونڈی کے بچے سے ایک قوم پیدا کرونگا ۔

اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کو کہا وہ بعینہٖ نقل سارہ کے قول کی ہے یعنے

سارہ نے جس کو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچہ کہا ہے اُسی سے میں ایک قوم پیدا کروں گا یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لائق آدمی کو کہے کہ یہ نالائق کیا کام کرتا ہے پس اس دوسرے شخص کا بھی اُس کو نالائق کہنا اسبات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ درحقیقت وہ شخص نالائق ہے۔ اور جب کہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حضرت ہاجر بیٹی رقیون بادشاہ مصر کی بلکہ ہم قوم وہم وطن ابراہیم کی تھیں اور جو وجوہ رقیبت کی اُس زمانے میں تھیں اُن سے بھی حضرت ہاجر بری تھیں تو ان الفاظ سے جو لڑائی وجھگڑے وغصّے میں بولے گئے ہیں کسی طرح اُن کا واقعی لونڈی ہونا مراد نہیں ہوسکتا ٭

علاوہ اس کے لفظ امہ مجازاً محاورے میں زوجہ پر بھی بولا جاتا ہے یہودیوں میں دستور تھا کہ دختر کا باپ بروقت شادی کے بعوض دختر کے پسر کے باپ سے کچھ روپئے لیتے تھے تب بیٹی دیتے تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تھے مگر وہ لونڈی نہ ہوتی تھی بلکہ زوجہ شرعی ہوتی تھی اور تمام حقوق زوجیت کے اُس کو حاصل ہوتے تھے۔ ایسی زوجہ پر بھی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے چنانچہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱۔ آیت ساتویں میں لکھا ہے کہ " خدا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے (امہ) ہونے کے لئے تو وہ لونڈیاں کی طرح نکل نہ جائے گی اگر وہ اپنے مالک کی نظر میں ناپسند ہو جس نے اُس سے رفاقت نہیں کیا تو فدیہ دے گا بوجہ ناپسند ہونیکے اجنبی قوم کے پاس بیچ نہیں سکتا۔ اور اگر اپنے پسر کی خلوت میں دیا تو لڑکیوں کے دستور کے موافق برتاؤ ہوگا اور اگر اس کے اوپر دوسری کر لی تو حقوق زوجیت یعنے کھانا کپڑا خلوت کم نہ کرے گا اور اگر یہ تینوں امر اس کے ساتھ نہ کئے جائیں تو بلا نزد وچھوٹ جائے گی ٭

جو کہ ان آیتوں سے مسائل فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں اس لئے علماے یہود نے اس میں بہت غور کی ہے کل مباحثہ لکھنا طول ہے مگر جس قدر کہ اس مقام کے مناسب ہے مختصراً لکھا جاتا ہے ؀

ان تینوں آیتوں میں لفظ امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی اول تو انھی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے بیوی یعنے زوجہ شرعی مراد ہے دوسرے یہ کہ یہ سب آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے اور بموجب توریت مقدس کے لونڈیوں کی طرح بنی اسرائیل کی بیع و شرا جائز نہیں ہے چنانچہ اسکی تفصیل توریت مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵- آیت ۴۲ اور دوسری کتاب باب ۲۲- آیت ۳ میں مندرج ہے- بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کی قید میں سے چھڑانے کے لئے خریدے جاسکتے تھے اور صرف سات برس تک مالک کی بطور غلام کے خدمت کرتے تھے حضرت یوسف کے بھائی بھی چوری کے جرم میں بطور غلام کہ لئے گئے تھے مگر وہ غلام نہ تھے ؀

اور اگر فرض کریں کہ اس آیت میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کیلئے ہیں تو بھی آیت کے معنے درست نہ ہوں گے کیونکہ غیر بنی اسرائیل لونڈی غلام پچاسویں برس از خود آزاد ہو جاتے تھے- اور آیت میں حکم ہے کہ وہ آزاد ہو گی اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے ۔ صورت اس کی عربی خط میں تورات ؀

رام داعه بعيني ادونيها شلا ناسه حيق بعينا

وخنسا: آشه لا يعاداه: بشها بالو ليعاداه ليحنيساه

وَلَا شَاوِ کِیسِف تِمَّتِینَاہ هُو کِیسِف قِی تُوشِیحَا وَکَانَ رَامَز

لَاخَ هَکَّا تُوب شِمِّصْلُوہ بِیعُود وِ دَامَزلَاخ شِابِیَا صِرِیحَلَه

رِقَدَّوشِیم آحِرِیم

(ترجمہ عربی) وان قبحت لعین بعلها بلا له لخلوتها ماهو الذی لم یزفها: ولوکان له ان یزفها ویتخلی بها للتزویج وثمن شرابها هو ثمن نکاحها وفی الآیۃ کنایۃ بامر النکاح وبانہ لایجوز مع الغیر عرسها*

(اردو ترجمہ توریت) اگر بُری ہے اپنے خاوند کی نظروں میں (تفسیر) کہ اُسے رغبت ہوئی اُس کے ساتھ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف نہ کیا (تفسیر) کہ اسکو مناسب تھا اُس سے زفاف اُس کے ساتھ خلوت کرنا جورو کرنے کے لئے اور قیمت اُس خرید کی قیمت ہے اُس کی شادی کی اور یہاں کنایہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے اور کنایہ ہے کہ وہ دوسرے سے شادی کرنے کی مجاز نہیں*

اسی موقع پر اس بات کا بھی خیال کرنا چاہئے کہ جس طرح ایسی جورو پر جسکی بابت بعوض شادی روپیہ دیا گیا ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا اسی طرح ایسی جورو پر بھی جو بطور ڈولہ کے آئی ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا ہے جیسے کہ ابی غایل حضرت داؤد کی بیوی پر لونڈی اور خادمہ کا اطلاق ہوا ہے جس کا ذکر عنقریب آتا ہے اور چونکہ یہ امر حضرت ہاجرہ کے حال سے بھی نہایت مناسب تھا اس لئے مجازاً اُن کی نسبت بھی امہ یعنے لونڈی بولا گیا۔ مگر جب کہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ہے تو اس لفظ سے حقیقی لونڈی مراد نہیں ہو سکتی*

اگر یہ کہا جاوے کہ ان مقاموں میں بھی امہ سے جورو مراد ہے مگر سریہ تو یہ کہنا بھی

صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈیاں ہو ہی نہیں سکتی تھیں تو سریہ کیونکر ہو سکتی ہیں ۔

اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان ہوا وہاں قرینہ ہے جس سے امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی مگر جہاں حضرت ہاجر کی نسبت امہ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنے چھوڑکر مجازی معنے لئے جاویں اس شبہ کے رفع کرنے کو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دی جاتی ہے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بلکہ اس کے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی چنانچہ اسی وجہ سے لیاہ اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے ان سے کہا کہ "کیا اب ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث ہے ۔ کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں کیونکہ بیچ ڈالا ہم کو اور قیمت بھی کھا گیا" پیدایش باب ۳۱ ۔ آیت ۱۴ و ۱۵ ۔

اور لونڈی کی اولاد جو دوسری سے ہو وہ بھی لونڈی اور غلام ہوتی تھی اس لئے میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسےٰ کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بیوی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ ان کو باپ اپنی زندگی میں دے دیوے وہی اُن کو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قطورہ کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دے کر الگ کر دیا تھا جیسا کہ کتاب پیدایش باب ۲۵ میں مندرج ہے ۔ جب کہ یہ قاعدہ شرعی معلوم ہو گیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کہ جب سارہ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اس کے لڑکے کو نکال تو اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اندیشہ یہی تھا کہ اسمٰعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاویں گے ۔ پس اگر ہاجر لونڈی ہوتیں یا اسمٰعیل لونڈی بچہ

ہوتے تو میراث پانے کا خیال کیونکر ہوتا۔ بلکہ اُس وقت کی شریعت میں یہ حکم تھا۔ کہ زوجہ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو باپ عاق یعنے ساقط المیراث کر دیتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہوجاتا تھا اُس لئے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ ہاجر کو اور اس کے لڑکے کو نکال دے یعنے ایک کو طلاق دے اور ایک کو عاق کرے تاکہ دونو مستحق میراث نہ رہیں یہ قرینہ ہے۔ کہ ان آیتوں میں امہ کا لفظ جو خلاف محل واقع ہوا ہے اُس سے اُس کے مجازی معنے مراد ہیں اور حقیقی مراد نہیں ہوسکتے علاوہ اس کے اور بھی قرینے قویہ ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے ؛

ان مقامات کے سوا کسی مقام میں حضرت ہاجر کی نسبت لونڈی کا لفظ توریت میں نہیں آیا ہے۔ بلکہ شِفْحَہ کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنے لونڈی کے نہیں ہیں انقلوس یہودی نے جسنے توریت کا ترجمہ کالڈی زبان میں کیا ہے شفحہ کا ترجمہ امتا جو بمعنے امۃ لکھا ہے اور اس سبب سے اکثر مترجموں نے توریت کے ترجموں میں جو اور زبانوں میں کئے اُس لفظ کا لونڈی ترجمہ کیا حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں (امہ) کہتے ہیں جو عربی لفظ امۃ کا مرادف ہے اور شفحہ کے معنے خادمہ کے ہیں ہم تفرقہ بتانے کے لئے سموئیل باب ۲۵ کی ۴۱ آیت نقل کرتے ہیں اُس سے امہ اور شفحہ کا فرق ظاہر ہو جاوے گا ؛

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے ؛

وَتُومِرْ هِنّه آمَاتِخَا لِشِفْحَہ لِرْحُوص رَغْلِي عَبْدِي

آدُونی ؛

(ترجمہ عربی) وقالت نعم انا امۃ له خادمۃ تغسل رجل عبید

سیلی :۔
(ترجمہ اردو) اور کہا ہاں اُس کی لونڈی خادمہ ہے اپنے سردار کے خادموں کا پاؤں دھونے کے لئے ؛

یہ قول ابی غائل حضرت داؤد کی بی بی کا ہے جب کہ حضرت داؤد نے اُسکے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور وہ بطور ڈولہ کے حضرت داؤد کے ہاں آئی تھی پس شِفْحہ کے اصلی معنے جیساکہ اہل لغت لکھتے ہیں قبیلہ کی عورت کے ہیں اور وہ اس لفظ کا اور (مشیاحہ) کا جس کے معنے قبیلے کے ہیں ایک ہے لیکن عرف میں اس کے معنے خادمہ کے ہیں پھر اس لفظ سے لونڈی سمجھنا یا غلطی ہے یا تعصب ہے ؛

تیسرا مقام جہاں سے اُن کے لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں پیدائش باب ۲۵ پہلی آیت سے ۶ آیت تک جس کا ترجمہ یہ ہے اور ابراہیم نے پھر عورت کی جس کا نام قطورہ تھا اور اُس سے زمران - یقشان - مدان - مدیان یشباق - شوحہ - پیدا ہوئے - اور یقشان کے شبا اور ددان پیدا ہوئے - ددان کی اولاد اشوریم - لطوشیم لامیم - مدیان کی اولاد عیفا عیفر حنوخ ابی دع اور الداعا یہ سب قطورہ کی اولاد ہیں : اور دیا ابراہیم نے جو کچھ اُن کے تھا اسحاق کو : - اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھ دے کر اسحاق کے پاس سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں : یہاں چھٹی آیت میں واقع ہے - لِبْنِي هَپِّلَغْشِيم جس سے استدلال کرتے ہیں پیلغش پلغش جسے کلڈی میں پیلقتا یا ملقتا کہتے ہیں یا لحینا بولتے ہیں اسکے معنے بے شبہ سریہ ہیں اور اس کی جمع موافق قاعدے کے پیلغشیم آتی ہے ربی سلیمان ابن اسحاق نے لکھا ہے اس کے معنے ہیں کہ جس کیلئے لئے کتبہ صدق یعنے نکاحین نامہ ہو اُسے اشیم کہتے ہیں اور جسکے

لئے کا بین نامہ نہ ہوا سے پلیغشیم کہتے ہیں بہر نوع یہ امر ثابت ہے کہ پلیغش تہ
ہے استدلال یہ ہے کہ آیت میں پلیغشیم یہ لفظ جمع ہے اور اس سے مراد قطورہ اور
ہاجرہ ہیں کیونکہ سارہ کے سوا یہی دو بیویاں ابراہیم کی ثابت ہیں اسلئے یہ سریہ
ہونگی فقط یہ شبہ پلیغشیم کے لفظ سے پیدا ہوا حال یہ ہے کہ عبری میں جمع یے
اور یم سے آتی ہے لہذا جمع پلیغشیم ہونا چاہئے لیکن توریت میں اس مقام میں
پلیغشم بدون یے کے وارد ہے پلیغشیم نہیں ہے اس لفظ پر مفسرین نے
بحث کی ہے بعض نے اس کو جمع مانا ہے اور یے کے نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے
کہ ابراہیم کے ایک ہی سریہ تھی اسواسطے یے کو گرا دیا۔ رشی مقصور لکھا گیا کیونکہ
ایک ہی سریہ تھی۔ ساتھ ہی اس کے اس مفسر نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ سریہ ہاجر
تھیں اور وہی قطورہ ہیں یعنے ہاجر اور قطورہ ایک ہی کا نام ہے یہ بات صحیح
نہیں معلوم ہوتی جس کا بیان ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ اور اسی طرح اکثر مفسرین
نے تسلیم کیا ہے کہ سریہ ابراہیم کی ایک ہی تھی لہذا پلیغشیم سے جمع مقصود نہیں اور
نہ بصورت جمع ہے تو اسی وجہ سے اونقلوس نے جو قدیم مترجم ہے اس لفظ کے
ترجمے میں لحینتا ثنا لفظ واحد اختیار کیا ہے ایسی حالت میں اس سے استدلال
کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مدار حجت جمعیت تھی اور وہ غیر مسلم ہے باقی رہی یہ بات کہ
وہ سریہ جس کے شان میں یہ آیت وارد ہے ہاجرہ ہیں اس بیان سے کہ ہاجر
ہی کا نام قطورہ ہے دعوے بلا دلیل ہے سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ اس باب
میں قطورہ اور ان کی اولاد کا ذکر ہے اور انہیں کو آیت سریہ تباتی ہے۔
علاوہ اس کے سفر التواریخ اول کے پہلے باب کی ۳۲ آیت میں جہاں سب کے
نسب نامے لکھے ہیں جو اہل کتاب میں معتبر ہے لکھا ہے۔ ترجمہ۔ اور بنی قطورہ سریہ
ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی شخص ہیں جنہیں پیدائش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد

گنایا ہے اور فلسطین کے پورب سکونت کی اجازت دی ہے یہاں سے قطورہ
کا سریہ ہونا بخوبی ثابت ہے اور اسی مقام پر ۳۴ آیت کے اخیر میں لکھا
ہے۔ یہی سب قطورہ کی اولاد ہیں اس سے ثابت ہے کہ قطورہ ہاجرہ نہیں ورنہ
اسمٰعیل کو بھی اُن میں شمار کرتا بلکہ اس باب کی ۲۶ آیت میں گنایا ہے۔ ابراہیم
کے بیٹے اسحاق اور اسمٰعیل اُس وقت یہ دستور تھا یعنے اکثر یہ محاورہ تھا کہ
بیان نسب میں سریہ کی اولاد کو ما کی طرف نسبت کرتے تھے۔ اور بیوی کی اولاد
کو باپ کی طرف۔ اسی لئے نسب نامہ اسمٰعیل کو ابراہیم کی طرف منسوب
کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کی طرف نہیں بلکہ قطورہ کی
طرف کی۔ علاوہ اس کے ہاجر کی اولاد پاران میں بسی اور قطورہ
کی اولاد فلسطین کے پورب جیسا توریت میں بیان ہوا ہے باوجود
ان سب تباین اور تغایر کے دونو کو ایک کہنا بناوٹ ہے علاوہ اس کے
ابراہیم نے ہاجر کو طلاق دی تھی اور ائمہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ موسے
کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی شریعت ابراہیم کے وقت میں بھی تھی جیسا کہ یہودی
دعوے کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ ہاجر ایک ہیں بالکل خلاف ہے اور اگر ابراہیم کے وقت میں یہ
شریعت نہ تھی تب بھی یہ ہو تو خلاف دستور انبیا کے ہے کسی نبی کا سوائے پیغمبر آخر الزمان کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں

اب ہم رجوع کرتے ہیں ملفیشم کے لفظ اور اس آیت کے معنے کی طرف اگر
تسلیم کیا جاوے کہ یہ لفظ جمع ہے جیسا اب جو نسخے موجودہ مطبوعہ لندن و امسٹردام
وغیرہ دیکھے گئے اُن میں پیلغشیم ہے اور میم کے ساتھ لکھا ہوا خلاف بیان مفسرین کے
پایا جاتا ہے تو بھی مدعا مستدل کا ثابت نہ ہوگا کیونکہ جائز ہے کہ یہ جمع
پیلغشی اسم منسوب کی ہو۔ جیسا کہ اسم منسوب کی جمع اس وزن پر متعارف
ہے امثلہ ذیل سے واضح ہوگا وغیرہ بہت لفظ ہیں پیلغشی کے معنے سریہ زادیاں

جیسے اس ملک میں پرستار زادہ کہتے ہیں معنے آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے سریہ زادہ لڑکوں کو
کچھ دے کر وہاں سے رخصت کر دیا اور اُن کو فلسطین کے پورب بسنے کی اجازت دی ۔
لیکن اُن میں اسمٰعیل نہ تھے بلکہ اُسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمٰعیل
اور اسحاق اُن کے لڑکوں نے ۔ توریت اور اُس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح
ہو جاوے گا کہ ہاجر کا لونڈی ہونا کتب مقدسہ سے ثابت نہیں ؛
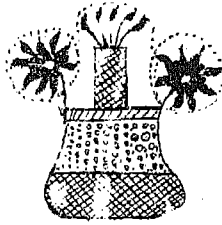
الخطبۃ الثانیۃ

فی

مراسم العرب وعاداتھم قبل الاسلام

أفحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون

ایام جاہلیت کے عرب بلکہ بالعموم سب عرب بغیر کسی استثنا کے دکیونکہ زمانۂ حال کے بدو عرب بھی اپنے مورثوں سے بہت کم اختلاف رکھتے ہیں) ایک نہایت سادہ مزاج قوم تھی اُن کی معاشرت کا سادہ اور بے تکلف طریقہ قوانین قدرت کے قریب قریب تھا یا اُس سے بالکل مطابقت رکھتا تھا۔ وجود انسانی کا سلسلہ ابتدائی اور ادنےٰ درجے کی حالت سے رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتا گیا اور مویشی کا گلہ بانی کے رتبے پر پہنچ گیا۔ جو بمقابلہ اُس کی پہلی حالت کے نہایت عمدہ اور افضل تھا۔ اس حالت کے تبدیل ہونے سے انسانوں کو آپس میں امن اور صلح سے رہنے اور اپنی معدود اور سادہ احتیاجوں کے رفع کرنے کو بہت سا سرمایہ مل گیا۔ بھیڑوں کی اُون سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنانا سیکھ لیا جس کو بذریعہ میخوں کے زمین پر خیمے کی طرح کھڑا کر کے اُس کے اندر رہا کرتے تھے اور جب اُن کو اپنے گلے کو کسی دوسری عمدہ چراگاہ پر لے جانے

کی ضرورت ہوتی تھی تو اپنے ڈیروں کو اس جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جا
کھڑا کرتے تھے اور وہیں رہنے لگتے تھے۔ اُن کی پوشاک صرف ایک لمبی
بن سِلی ہوئی چادر ہوتی تھی جس کو بطور تہمد کے اپنی کمر سے لپیٹ لیتے تھے۔ اُن کا
کھانا نیم برشت گوشت اور اونٹ کا دودھ اور کھجوریں ہوتا تھا اُن کی تمام ملکیت اور
جائداد مویشی گھوڑے اور وہ عرب کا بیش بہا جانور یعنے اونٹ اور لونڈی اور غلام
ہوتی تھی اور تمام ملکیت میں لونڈی اور غلام سب سے گراں بہا خیال کئے جاتے
تھے۔

بدو عرب کی معاشرت جس کو خانہ بدوش عرب کا نمونہ خیال کرنا چاہئے ایک
چرواہے کے طریقہ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمے میں رہا کرتا تھا پانی اور چراگاہ
کی جستجو میں پھرا کرتا تھا۔ مگر بعض جو زیادہ تمدن پسند تھے باہم مجتمع ہو کر اپنے
خیموں کی باقاعدہ ترتیب اور انتظام سے دیہات بنا لیتے تھے اور اگر اُن کی تعداد
اور بھی بڑھ جاتی تھی تو قصبے اور شہر پیدا ہو جاتے تھے اور وہاں کے باشندے کسی
قدر مہذب زندگانی کے فوائد سے جلد متمتع ہوتے تھے۔ اُن کا وقت کاشتکاری
میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہوا اور
مختلف انواع کی دستکاری اور ہر قسم کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا
تھا۔ وہ ان اشیا کی سوداگری کیا کرتے تھے۔ گرم مصالح - لُبان - مُر - لوبان -
دارچینی - سنا - لیڈن - سونا - جواہرات - موتی - ہاتھی دانت - آبنوس اور لونڈی
اور غلام۔

بہت پرانے زمانے سے یہ لوگ مصر اور شام اور اور قرب و جوار کے ملکوں
سے بذریعہ کاروان کے تجارت کرتے تھے۔ توریت سے بھی پایا جاتا ہے کہ یہ
لوگ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے وقت میں بھی یہی پیشہ رکھتے تھے۔

مگر ان دونو قوموں یعنے خانہ بدوش اور تجارت پیشہ کا قومی چال چلن ایک ہی سا تھا
کھانے پینے میں کم خرچ اور کفایت شعار ہونا اور اُس پر راضی اور قانع رہنا
ایک عمدہ اور بیش بہا وصف خیال کیا جاتا تھا۔ باہلی ایک نامی شاعر اپنے بھائی
کے ایک مرثیے میں جس میں اُس نے اُس کی موت کا حال لکھا تھا اس طرح پر اپنے
بھائی کی تعریف کرتا ہے :۔

تکفیہ فلذۃ کبد ان الم بھا　　من الشواء ویکفی شربہ الغمر

معتدل نیند کی بھی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ ہذلی ایک نامی شاعر اس عادت کی یوں
تعریف کرتا ہے۔

قلیل غرار النوم اکبر ھمہ　　دم الثار او یلقی کمیا مسفعا

علے الصباح اُٹھنا بھی ایک عمدہ صفت شمار ہوتی تھی اور اُس آدمی کی قوت اور مستعدی
پر دلالت سمجھی جاتی تھی۔ امرء القیس خود اپنی تعریف اس طرح کرتا ہے :۔

وقد اغتدی والطیر فی وکناتھا

نہایت فیاضی سے مہمان نوازی اُن کا قومی خاصہ تھا اور اُس کو جملہ حسنات اور اوصاف
میں اعلے اور افضل سمجھتے تھے۔ مسافروں اور مہمانوں کی خاطرداری بے انتہا فیاضی سے
کرنا اور مہربانی اور اخلاق اور تعظیم کے ساتھ پیش آنا ایک پاک فرض خیال کیا جاتا
تھا اور اگر کوئی اُس کو ترک کر دیتا یا غفلت کرتا تو تمام لوگ اُس کو دل سے بُرا جانتے
تھے اور اُس کی حقارت کرتے تھے۔ ہذلی شاعر خود اپنے پر اس شعر میں بددعا کرتا ہے
اگر وہ مہمان نوازی کے طریقے میں کچھ قصور کرے۔

لا ادر دری ان اطعمت نازلکم　　قرف الحتی وعندی البر مکنوز

ہمسائے کے حال پر مہربانی اور اُس کی خبرگیری کرنا اور اُس کے مکان اور خاندان
اور مال کی نگرانی اور حفاظت کرنا نیک آدمیوں کے اوصاف میں سے تھا اور اگر

کوئی اس باب میں ذرا بھی بے پرواہی یا سستی کرتا تھا تو اس کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور اس کا کوئی معیوب لقب رکھ دیتے تھے بجری شاعر علقمہ کی اس طرح پر ہجو کرتا ہے۔

تبیتون فی المشتا ملاء بطونکم — وجاراتکم غرثی یبتن خماصا

اور ایک اور شاعر زبیدی اس صفت میں ایک شخص کی اس طرح پر تعریف کرتا ہے۔

وجارهم احمی اذا ضیم غیرهم

قیدیوں کو چھوڑانا اور محتاجوں اور بے کسوں کی مدد کرنا تمام نیکیوں میں افضل اور جمیع اوصاف میں سب سے زیادہ قابل ستائش خیال کیا جاتا تھا۔ ایک شاعر اپنی تعریف اس طرح پر کرتا ہے۔

وفککنا غل امرء القیس منه — بعدما طال حبسه والعناء

ایک اور شاعر طرفہ اس صفت کا بیان اس طرح پر کرتا ہے۔

ولکن متی یسترفد القوم ارفد

ہذلی شاعر ایک صفت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

واحمی المصاب اذا ما دعی

ایک شریف عرب کو اپنی عزت کا لحاظ اور اپنے وعدہ کا خیال ایسا ضروری سمجھا جاتا تھا جیسے کہ مذکورہ بالا اوصاف ضروری سمجھے جاتے تھے۔ عمرو ایک مشہور شاعر اس طرح پر کہتا ہے:-

ونوجد نحن امنعهم ذمارا — واوفاهم اذا عقدوا یمینا

صاف اور ستھری پوشاک اور خوشبودار چیزیں عمدہ اور پسندیدہ اشیا میں سمجھی جاتی تھیں۔ عدوانی کی بیٹی اپنے شوہر کی تعریف میں اس طرح پر کہتی ہے۔

حدیث الشباب طیب الثوب والعطر

بالوں کو مشک سے معطر کرنا اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننی امارت کی نشانیاں تھیں ایک شاعر اپنی ممدوحہ کی اس طرح پر مدح کرتا ہے:۔

اذا التاجر الداری جاء بفارة   من المسک راحت فی مفارقہا تجری

پرہیزگاری بھی اوصاف حسنہ میں شمار کی جاتی تھی۔ حاتم طائی اس طرح پر کہتا ہے۔

واغفر عوراء الکریم ادخارہ   واعرض عن شتم اللئیم تکرما

فصاحت وبلاغت لطافت ظرافت بھی فضیلت کے دائرے کی تکمیل کے لئے ضروری تھیں۔ عمرو شاعر اپنے بیٹے غرار کی تعریف میں کہتا ہے۔

وان غرارا ان یکن غیر واضح   فانی احب الجون ذا المنطق الدائم

نابغہ شاعر کند زبان ہونے سے اس طرح خدا سے پناہ مانگتا ہے۔

اعذنی رب من حصر وعی

گھوڑے کی سواری کی اگر بچپن ہی سے مشق کی جاتی تھی تو نہایت تعریف اور توصیف ہوتی تھی اور اگر کوئی بڑا ہوکر گھوڑے کی سواری سیکھتا تھا تو ہجو اور طعنہ کا نشانہ بنتا تھا ایک شاعر نے ایک قوم کی ہجو اس طرح پر کی ہے:

لم یرکبوا الا بعد ما کبروا   فہم ثقال علی اکنافہم میل

بھیڑیے کا شکار کرنا بہادر ہونے کا عمدہ ترین ثبوت تھا۔ شامخ شاعر اس طرح پر کہتا ہے:۔

وما قد دفعت الذئب عنہ

ریگستان کے طول و عرض کا اندازہ اس کی ریت کی ایک مٹھی بھر کر سونگھنے سے دریافت کرتے تھے۔ امرء القیس شاعر اس طرح پر بیان کرتا ہے:۔

اذا الناقة العوذ الدیافی غرعذرا

زمانۂ جاہلیت کے عرب میں شعر و شاعری نہایت اعلےٰ درجے پر پہنچ گئی تھی۔

جہاں یہ خوبیاں اُن میں تھیں اُسی کے ساتھ نہایت بداخلاقی اور فحش عرب جاہلیت میں پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں وہ نامی اور امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا نام لے لے کر بیان کرتے تھے اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسی قدر زبردست جن اُس کے زیر حکم رہتا ہے۔ حسن نامی شاعر اپنی تعلی میں اس طرح کہتا ہے:۔

ومانفرت جنی ومافل مبردی

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بے شرمی اُس کو مشتہر کرتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے۔

سب لوگ شراب اور نہایت قوی نشئی عرقوں کے پینے سے بدرجۂ غایت انس رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے نہایت خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں۔

قماربازی سب لوگوں کا بلا استثنار ایک ہر دل عزیز کھیل تھا اور اگر کوئی خاص مقام قماربازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت سے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروّج تھی۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرام کاری کرنے کی مجاز تھیں اور اُس حرام کاری کی آمدنی اُن کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے۔

رہزنی اور غارت گری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلاخوف اور بغیر تاسف کے ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں۔ اُن کو فتحمند لونڈیاں بنا لیتے تھے۔ حارث شاعر اس طرح پر کہتا ہے:۔

نشدمدنا علی تمیم فاحرمتا　　وفینا بنات مرا ماء

ٹونکوں میں اور شگون لینے میں اُن کو نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت یا تباہی اُن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے اور اُن کو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اُس مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے بھی نیک اور بدشگون لیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُس کو نیک شگون سمجھتے تھے اور "سانح" کہتے تھے لیکن اگر دائیں جانب سے بائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُس کو بدشگونی سمجھتے تھے اور "جارح" کہتے تھے۔ اس قسم کی تفاؤل کا عام نام "طیرہ" تھا +

لبید ابن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقع پر جب کہ اُس کا بھائی بجلی کے صدمے سے مارا گیا یہ شعر کہا تھا۔

لعمرك ما تدری الضوارب بالحصی　　ولا زاجرات الطیر ما الله صانع

جاہلیت کے عرب کسی کام کے ہو جانے پر بھیڑ کی قربانی کرنے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہو جاتا تھا تو بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دیتے تھے اور اُس ہرن کو عتیرہ کہتے تھے مگر بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دینا ایک معیوب کام خیال کیا جاتا تھا۔ کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے۔

وما عتر الظباء بحی کعب

اگر کوئی کسی کو مار ڈالتا تھا تو خون کے عوض خون ہی معزز بدلا گنا جاتا تھا۔ جو لوگ خون کے بدلے دیت لے لیتے تھے اُن کو اُن کے ہم جنس اور ہم وطن حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ عمرو ابن معدیکرب کی بہن اپنے بھائی کے خون کا کسی شرط پر تصفیہ کرنے سے منع کرتی ہے +

ولا تاخذ وا منهم اقالا وابکوا

اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے اس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے۔ لبید شاعر ایک نوحہ میں اس طرح کہتا ہے:۔

فلیس الناس بعدك فی نقیر وما هم غیر اصداء وهام

ہر شخص کے مرنے کے بعد یہ دستور تھا کہ اُس کے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندھ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مرجاتا تھا اور اُس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔ لبید شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔

تاوی لمه الاطناب کل ذریة مثل البلیة قالص اهدامها

جب کوئی مرجاتا تھا تو برس روز تک اُس کا سوگ رکھتے تھے اور اُس کو رویا کرتے تھے۔ لبید شاعر اپنے وارثوں کو یوں وصیت کرتا ہے۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما ومن یبك حولاً کاملاً فقد اعتذر

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں جبکہ اُن کے شوہر لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں۔ آگے بڑھو آگے بڑھو اے ہمارے جری اور بہادر خاوندو اگر تم کوتاہی کروگے تو ہم کو دشمن سے نہ بچاؤگے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہونگی:۔

قحط اور گرانی کے زمانے میں اپنے اونٹوں کو مجروح کرکے اُن کا خون پیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں مینہ برسنے کا ٹوٹکا اس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لے جاتے تھے اور اُس کی دُم میں سوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور جھاڑیاں باندھ کر اُس میں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے:۔

گھوڑدوڑ اور اُس پر بازی لگانا جس کو وہ "رہان" کہتے تھے اُن میں مروج تھی۔ دو قوموں اور فریقوں کے باہم جنگ وجدل ایک تھوڑی سی غلط فہمی کی وجہ سے قائم ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ لڑائیاں ایک مدت مدید تک جاری رہتی تھیں جیسے کہ عیس اور ذبیان کے باہم پورے سو برس تک لڑائی جاری رہی۔

باوجودے کہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کر دیتا تھا تو بھی اُس کی ملکیت کا استحقاق اُس کو باقی رہتا تھا اور اُس استحقاق کو فروخت کر دینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اُن غلاموں پر اپنی ملکیت قائم کرتا تھا۔ اور اس طرح سے یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے دیکھ پاتے تھے تو اُس خاندان کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتًہ حقیر ہو جاتا تھا۔

مجرم کو فوجداری کی سزا میں جلتی ہوئی ریت پر بٹھا دیتے تھے۔ مردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور اُس کو بہت لذیذ غذا سمجھتے تھے۔ جو اونٹنی یا بھیڑ یا بکری دس دفعہ بچہ جن لیتی تھی اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور وہ چھوٹی پھرا کرتی تھی اور جب وہ مر جاتی تھی تو اُس کا گوشت مرد کھاتے تھے اور عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی۔ اگر اونٹنی یا بھیڑ یا بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تھی تو اُس کے کان کاٹ کر اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور اُس کو "بحیرہ" کہتے تھے اور اُس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا۔

کسی کام کے ہو جانے پر اونٹوں کو بطور سانڈ کے چھوڑ دینے کی منت مانتے تھے اور جب کام ہو جاتا تھا تو اونٹ کو بطور سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے اور وہ جہاں چاہتا تھا پھرا کرتا تھا۔

اگر کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی تھی اور بکری سات بچے تو عورتوں کو اس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور صرف مرد ہی اس کا گوشت کھا سکتے تھے ۔

اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تھا تو مالک اس کو اپنے لئے رہنے دیتا تھا اور اگر نر پیدا ہوتا تھا تو بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تھے تو مالک دونو کو اپنے لئے رکھتا تھا اور وہ "وصیلہ" کہلاتی تھی ۔

جو اونٹ کہ دس بچوں کا باپ ہو چکتا تھا وہ چھوڑ دیا جاتا تھا اور جہاں وہ چاہتا تھا چرا کرتا تھا اور بنام "حامی" موسوم ہوتا تھا ۔

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اس میں نمک اور گندھک پیس کر ڈالتے تھے یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تھی اور اس کا جلانے والا "مہول" کہلاتا تھا۔ عوص شاعر اس طرح پر کہتا ہے :-

اذا استقبلتہ الشمس صدّ بوجھہ کما صدّ عن نار المہول حالف

قسم کے مستحکم کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی ۔

اقرار اور وعدے کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں کی اور بتوں کی قسم کھایا کرتے تھے ۔

بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت پانے کے مستحق ہوتے تھے۔ نابالغ لڑکے اور عورتیں حصہ نہیں پاتی تھیں ۔

قرضے پر سود لیتے تھے۔ ایک قاعدہ یہ تھا کہ اگر قرضہ وقت معینہ پر ادا نہ ہوتا تھا تو اس کی تعداد کو دو چند کر دیتے تھے اور میعاد کو بڑھا دیتے تھے ۔

عرب جاہلیت انتقام لینا واجب سمجھتے تھے لیکن مختلف قوموں میں باہم حقوق کی برابری کو نہیں مانتے تھے ۔

اگر کسی شخص کے قاتل کا سراغ نہ لگتا تھا تو جس قوم کے شخص پر قتل کا شبہ ہوتا تھا پچاس معزز شخص فرداً فرداً اپنی بے گناہی کی قسم کھاتے تھے۔

ہر شخص گو وہ اجنبی ہی ہو دوسرے شخص کے گھر میں درانہ چلے آنے کا مجاز تھا اور اندر آنے سے پہلے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کرتے تھے۔

کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

دس آدمی بہ شراکت ایک جانور کو خریدتے تھے اور ہر ایک شخص کے حصے کو متعین کرنے کے واسطے دس پانسے (جس میں ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو پر حصوں کے اندازہ کا نشان بنا ہوتا تھا) پھینکے جاتے تھے اور جو پانسا جس کے نام پڑتا تھا وہی اُس کا حصہ ہوتا تھا۔

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔ بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس کام کرنے سے منع کرنے کی علامت تھی ہر شخص پیشتر اس سے کہ کوئی کام شروع کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تھا اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا ان تیروں کو "ازلام" کہتے تھے۔

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا اور جن بتوں کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اُن کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) ھبل - ایک بہت بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

(۲) ود - قبیلہ بنی کلب کا یہ بت تھا اور وہ قبیلہ اُس کی پرستش کرتا تھا۔

(۳) سواع - قبیلہ بنی مذحج کا یہ بت تھا اور وہ اُس کی پرستش کرتے تھے۔

(۴) یغوث - قبیلہ بنی مراد کا یہ بت تھا اور وہ اُس کی عبادت کرتے

تھے ۔

(۵) یعوق ۔ بنی ہمدان کے قبیلہ کا یہ بت تھا اور وہ اُس کو معبود سمجھتے تھے اور عبادت کرتے تھے ۔

(۶) نسر ۔ بنی ہمدان کے قبیلے کا یہ بت تھا اور یمن کے لوگ اُس کی پرستش کرتے تھے ۔

(۷) عزیٰ ۔ قبیلہ بنی غطفان کا یہ بت تھا اور اُس کی پرستش وہ قبیلہ کیا کرتا تھا ۔

(۸) لات (۹) منات ۔ یہ بت کسی خاص قبیلے سے علاقہ نہیں رکھتے تھے بلکہ عرب کی تمام قومیں اُن کی پرستش کیا کرتی تھیں ۔

(۱۰) دوار ۔ یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا تھا وہ چند دفعہ اُس کے گرد طواف کرتی تھیں اور پھر اُس کو پوجتی تھیں ۔

(۱۱) اساف ۔ جو کوہ صفا پر تھا اور (۱۲) نائلہ ۔ جو کوہ مروہ پر تھا ۔ ان دونو بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تھی اور سفر کو جانے اور سفر سے واپس آنے کے وقت اُن کو بوسہ دیا کرتے تھے ۔

(۱۳) سعبعب ۔ ایک بڑا پتھر تھا جس پر اونٹوں کی قربانی کرتے تھے اور ذبیحہ کے خون کا اُس پر بہنا نہایت ناموری کی بات خیال کی جاتی تھی ۔

کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی مورت بنی ہوئی تھی اور اُن کے ہاتھ میں وہ ہی استخارہ کے تیر تھے جو "ازلام" کہلاتے تھے اور ایک بھیڑ کا بچہ اُن کے قریب کھڑا تھا اور حضرت ابراہیم کی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کی تصویریں خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھینچی ہوئی تھیں ۔

حضرت مریم کی بھی ایک مورت تھی اس طرح پر کہ حضرت عیسےٰ اُن کی گود میں ہیں

یا اُن کی تصویر اسی طرح خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھینچی ہوئی تھی +

عرب کی دیسی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ود" اور "یغوث" اور "یعوق" اور "نسر" مشہور لوگوں کے جو ایام جاہلیت میں گذرے ہیں نام ہیں اُن کی تصویریں پتھروں پر منقش کرکے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دی تھیں - ایک مدت مدید کے بعد اُن کو بتبہ معبودیت دے کر پرستش کرنے لگے - اس میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم وحشی باشندے ان مورتوں پر خدا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور نہ اُن لوگوں کو جن کی یہ مورتیں تھیں معبود سمجھتے تھے بلکہ اُن کو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں +

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا - عرب جاہلیت اُن مورتوں کو اُن شخصوں اور اُن کی ارواحوں کی یادگار سمجھتے تھے اور اُن کی تعظیم اور تکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ اُن مورتوں میں کوئی شان الوہیت موجود ہے بلکہ محض اس وجہ سے اُن کی عزت اور تعظیم کرتے تھے کہ وہ اُن مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہے جن میں بموجب اُن کے اعتقاد کے جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود ہے - اُن کے نزدیک اُن مورتوں کی پرستش سے اُن لوگوں کی ارواحیں خوش ہوتی تھیں جن کی وہ یادگاریں تھیں +

ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا تعالے کی جملہ قدرتیں بیماروں کو شفا بخشنا - بیٹا بیٹی عطا کرنا - قحط و وبا اور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا اُن مشہور و معروف لوگوں کے اختیار میں بھی تھا جن کی طرف انہوں نے صفات الوہیت منسوب کی تھیں اور وہ خیال کرتے تھے کہ اگر مورتوں کی تعظیم اور پرستش کی جاوے گی تو اُن کی دعائیں اور منتیں قبول ہونگی +

اُن کا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خدا تعالے کے محبوب تھے اور اپنی

مورتوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش کرنے والوں کو خدا تعالےٰ کے قرب حاصل کرانے کا ذریعہ ہوں گے اور اُن کو تمام روحانی خوشی عطا کریں گے اور اُن کی مغفرت کی شفاعت کریں گے ؛

اُن کا قاعدہ بتوں کی پرستش کا یہ تھا کہ بتوں کو سجدہ کرتے تھے اُن کے گرد طواف کرتے تھے اور نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ اونٹوں کی قربانی اُن پر کرتے تھے۔ مویشیوں کا پہلا بچہ بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا۔ اپنے کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا حصہ بتوں کے واسطے اُٹھا رکھتے تھے اور اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو خدا کے حصہ میں سے اُس کو پورا کر دیتے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے اُس کو پورا نہیں کرتے تھے ؛

حجراسود اور خانہ کعبہ کی تعظیم تاریخ عرب کے ابتدائی زمانے سے ہوتی چلی آتی ہے اُس کی بناء کو خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر برخلاف اُن مقدس چیزوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا خانہ کعبہ کو کسی شخص کی یادگار نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تمام عمارت ہی بہ لقب بیت اللہ ممیز اور ممتاز تھی اور اللہ تعالےٰ ہی کی عبادت کے واسطے مخصوص تھی درحقیقت اس کو ایسا سمجھتے تھے جیسے کہ یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی گرجا کو اور مسلمان مسجد کو خدا کی عبادت کرنے کے لیئے اس زمانے میں سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو متعدد جگہ مسجد کے نام سے تعبیر کیا ہے ؛

حجراسود کو بھی مثل ایک مجسّت کے یا کسی مشہور و معروف شخص کی یادگار کے نہیں سمجھتے تھے عام خیال یہ تھا کہ یہ ایک بہشت کا پتھر ہے مگر تحقیق نہیں ہے کہ

کہ شروع زمانے سے یہ خیال تھایا بعد کو پیدا ہوا۔ جو بات کہ محقق ہے وہ یہ ہے کہ
خانہ کعبہ کی بنا ہونے سے پہلے یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا کوئی
عرب کی روایت ایسی نہیں ملی جس سے یہ بات تحقیق ہو کہ یہ پتھر اس میدان میں
کیوں پڑا ہوا تھا اور جس زمانے میں کہ وہ وہاں پڑا ہوا تھا اس کے ساتھ کیا
رسمیں متعلق تھیں۔ مگر یہودیوں کی تاریخ سے ہم کسی قدر صحت کے ساتھ بیان کر سکتے
ہیں کہ اگر حجر اسود کے ساتھ کچھ رسمیں ادا ہوتی ہونگی تو وہ انھیں کے مشابہ ہونگی۔
جن کا برتاؤ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اس قسم کے پتھروں
کے ساتھ کیا کرتے تھے دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۸ ورس ۷ و ۸ و باب ۳۱ ورس
۱۸ و باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ +

خانہ کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے خانہ کعبہ کے ایک کونہ میں نصب ہونے کے بعد
بھی کسی رسم کا اسی کے ساتھ بالتحقیق ہونا پایا نہیں جاتا جو رسم کہ اب تسلیم
کی جاتی ہے اور جو حجر اسود کے ساتھ مخصوص خیال ہوتی ہے وہ بوسہ دینا ہے مگر
یہ رسم بھی کچھ اُس کے واسطے مخصوص نہ تھی خانہ کعبہ کے اور حصہ بھی اسی طرح
چومے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ کا حال یہ تھا کہ سب لوگ اُس کے اندر بیٹھا کرتے
تھے اور خدا تعالے کی عبادت کرتے تھے اور اُس کے گرد طواف بھی کرتے تھے۔
لیکن عجیب ترین رسم یہ تھی کہ یہ عبادت و پرستش مطلق برہنگی کی حالت میں ہوتی
تھی۔ عرب جاہلیت اس بات کو برا سمجھتے تھے کہ خدا تعالے کی عبادت کپڑے پہن کر
کریں جو ہر قسم کے گناہوں سے ملوث ہوتے ہیں +

خانہ کعبہ کی ہمسری کے واسطے دو معبد اور پیچھے بعد دیگرے بنائے گئے تھے
ایک تو قبیلہ غطفان نے اور دوسرا یمن میں قبائل خثعم اور بجیلہ نے بہ اشتراک
بنایا تھا۔ ان دونو معبدوں میں بتّ نادر رکھے ہوئے تھے جن کو اُن قبیلوں کے لوگ

بطور معبود کے پوجتے تھے ان نقلی کعبوں میں سے اول کو تو زہیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یعنے اُن کے پیدا ہونے کے بعد منہدم کر دیا تھا۔

حج کی رسم کو عرب کے باشندے زمانہ دراز سے مانتے چلے آتے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے زمانے تک اُس کا پتہ چلتا ہے۔

وقت ادائے حج کے احرام باندھنے کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور اگر کوئی شخص احرام باندھے ہوئے اپنے گھر میں آنا چاہتا تھا تو دروازے کی راہ سے نہیں آتا تھا بلکہ پچھواڑے کی دیوار پھلانگ کر اندر آتا تھا۔

صفا اور مروہ کے پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کی رسم بھی زمانۂ جاہلیت سے عرب میں رائج تھی جیسے کہ اب بھی مروّج ہے۔

جو لوگ حج کرنے کو آتے تھے اُس مقدس میدان میں جمع ہوتے تھے جو عرفات کے نام سے مشہور ہے لیکن قوم قریش جملہ اقوام عرب میں ذی اختیار تھی اس لئے قریش معہ اپنے دوستوں کے مقام مزدلفہ پر جو گرد و نواح کی زمین کی نسبت زیادہ بلند اور مرتفع ہے ٹھیرتے تھے اور باقی گروہ عرفات میں مقیم ہوتے تھے۔ جہاں کہ حج کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

حج کی رسم ختم ہونے کے بعد یہ مجمع ایک مقام کو جو منا کہلاتا ہے چلا جاتا تھا اور وہاں اپنے بزرگوں کے نام آور بہادرانہ کاموں کا فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور اُن بہادری کے حالات کو اشعار میں پڑھنے سے اور بھی جلا دیتے تھے۔

سال کے چار مہینے متبرک سمجھے جاتے تھے اور حج کی رسم جیسا کہ بالفعل دستور ہے انہیں مہینوں میں سے ایک مہینہ یعنے ذوالحج میں ادا کی جاتی تھی۔ مگر اُن مہینوں کی حرمت بعض اوقات مبدل اور ملتوی ہو جاتی تھی کس واسطے کہ اگر کوئی لڑائی

ان مہینوں میں سے کسی میں واقع ہوتی تھی تو لوگ اُن کی قدرتی ترتیب کو بدل دینے سے گناہ سے بری الذمہ ہوجاتے تھے یعنے موجودہ مہینے کو غیر حرام فرض کر لیتے تھے اور ماہ آیندہ کو حرام کا مہینا سمجھ لیتے تھے ؂

عرب جاہلیت ایک میعاد معینہ تک لڑائی کے موقوف رکھنے کا عہد کر لیتے تھے اور اُس رسم کو حج کا ہم پایہ سمجھتے تھے ؂

باشندگان عرب کی ایک تعداد کثیر بت پرست تھی مگر وہاں ایک فرقہ موسوم "صابئی" بھی تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا۔ اُنہوں نے بے شمار ہیاکل اپنے ستاروں کی پرستش کے معبد تمام ملک میں تعمیر کئے تھے اور اُن کو اُن مقدس ستاروں کی پرستش کے واسطے مخصوص کیا تھا۔ اس وجہ سے عرب کے لوگ علے العموم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اجرام فلکی انسان کی قسمت پر فرداً فرداً اور نیز بہیئت مجموعی نیک یا بد اثر رکھتے ہیں اور باقی مخلوقات پر بھی مؤثر ہیں۔ اور بالخصوص اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ مینہ کا برسنا یا امساک باراں کا ہونا انہیں اجرام فلکی کی نیک یا بد تاثیر پر بالکل منحصر ہے۔ اس کے علاوہ اور مذاہب بھی عرب میں شائع تھے لیکن ہم اس جگہ اُن کی بحث نہیں کریں گے کیونکہ یہ مضمون ہمارے اُس خطبے سے جو اُس کے بعد آوے گا علاقہ رکھتا ہے ؂

عورتیں حقیقت میں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ مردوں کو بالکل اختیار تھا کہ جتنی چاہیں اُتنی عورتیں کریں۔ اگرچہ اس بات کے تعین کرنے کے لئے کوئی قانون منضبط نہ تھا کہ مرد کو کون سی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور کون سے ناجائز مگر بااین ہمہ یہ رسم شائع تھی کہ اُس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو ازدواج نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی ہے ؂

ازدواج کی رسم ادا کرتے تھے اور مہر بھی باندھتے تھے۔ طلاق بھی دیتے تھے ہر شخص اپنی زوجہ کو جس طرح ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر اپنی زوجیت میں لے سکتا تھا اسی طرح ہزار بار طلاق دینے کے بعد بھی پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا کیونکہ تعداد طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی +

طلاق کے بعد ایک میعاد مقرر تھی جس کے اندر عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ ازدواج کرنے کی ممانعت تھی اور اس میعاد کے اندر اگر فریقین میں آشتی ہو جاتی تو پھر اپنی زوجیت میں لے لیتے تھے۔ مرد اس رسم سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ طور سے مستفید ہوتے تھے۔ وہ اپنی جورو کو کسی بہانہ سے طلاق دے دیتے تھے۔ بیچاری عورت میعاد معینہ تک منتظر رہتی تھی اور اس میعاد میں کسی دوسرے سے ازدواج نہ کر سکتی تھی لیکن جب میعاد قریب الانقضا ہوتی تھی تو اس کا شوہر پھر اپنی زوجیت میں لے لیتا تھا اور تھوڑے عرصے بعد پھر اس کو طلاق دے دیتا تھا اور میعاد معینہ کے اختتام کے قریب پھر اپنے ازدواج میں لے لیتا تھا اور اسی طرح بار بار کیا کرتا تھا۔ عربوں میں ایک یہ بے رحم رسم رائج تھی کہ ہر شخص اس بات کو ایک قسم کی ذلت خیال کرتا تھا کہ وہ عورت جو ایک مرتبہ اس کی زوجہ تھی دوسرے شخص کے ازدواج میں آوے +

ایک اور قسم کی طلاق بھی زمانہ جاہلیت کے عربوں میں جاری تھی جو "ظہار" کہلاتی تھی اور وہ اس طرح پر ہوتی تھی کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے باز رہتا تھا یہ کہہ کر کہ مجھ کو اپنی زوجہ کے جسم کے فلاں عضو کا چھونا ایسا حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں یا کسی اور قریب رشتہ والی عورت کے جس کے ساتھ ازدواج ناجائز ہے عضو کا چھونا۔ اس کہنے سے طلاق ہو جاتی تھی +

عرب جاہلیت کی رسموں میں سب سے زیادہ خراب رسم اور سب سے زیادہ بے رحم

لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اُن کو زندہ دفن کر دینا تھا۔

تبنیت کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور پسر متبنے اپنے والدین کی جائداد کا حقدار اور وارث خیال کیا جاتا تھا۔

لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنا کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اُس کے خلاف عمل کرنا نہایت معیوب اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔

شوہر کے مرنے کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

عورتیں متوفی شوہروں کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند خشک مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا کندھے پر سے خود اپنے ہی پیٹھ پر پھینک دیتی تھی جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ کو اپنے متوفی شوہر کا کچھ بھی خیال نہیں رہا۔

عورتوں میں اپنے گھر سے نکلنے اور عام مجمع میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا اور اپنے جسم کے کسی حصے کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔

عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں۔

خاندان کے تمام اشخاص ذکور تمام قسم کی عورتوں کو چھونے سے جب کہ وہ اپنے معمولی ایام میں ہوں پرہیز کرتے تھے اور اُن عورتوں کو باقی اشخاص خاندان کے ساتھ ملنے جلنے کی ممانعت تھی۔

مُردوں کو قبروں میں دفن کرنے کا اعراب جاہلیت میں رواج تھا اور جس کسی جنازے کو دفن کرنے کے لئے جاتے ہوئے دیکھتے تھے تو اور آدمی مردہ کی تعظیم اور اس پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے سروقد اُٹھ کھڑے ہوتے تھے ✦

ان کا عقیدہ تھا کہ انسان کا خون بجز انسان کی سانس کے اور کچھ نہیں ہے اور روح محض ایک ہوا انسان کے جسم کے اندر ہے مگر بعض لوگ جو کہ بہ نسبت ان کے زیادہ تعلیم یافتہ تھے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا رہتا ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد چیختا پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک اُلّو کے برابر ہو جاتا ہے ✦

زمانۂ جاہلیت کے عرب دیوں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے۔ تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار اور منہدم عمارتوں میں ان کو نظر آتیں اور جن کی کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بن جاتی ہے ان سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے ✦

بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف بروح کی تاثیر کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کی رائے اوروں کے رائے کے مقابلے میں افضل تر معلوم ہوتی تھی ✦

زمانۂ جاہلیت کے عرب نیک اور بد جنات میں عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں اور مختلف نام رکھے تھے۔ ان کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اور قوتوں اور وجودوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ جو انسان کی نظر سے غائب تھے مگر آئندہ کی خبروں کو بہ آواز بلند ظاہر کر دیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو اور اور ارواحوں کو بھی جو دکھائی نہیں دیتیں مانتے

تھے اور مختلف شکلیں اُن کی طرف منسوب کرتے تھے ۔

عرب کے زمانۂ جاہلیت کی رسم رواج کو اس مقام پر ہم نے نہایت سرسری طور پر بیان کیا ہے مگر ہم کو امید ہے کہ اُن نیم وحشی لیکن عالی دماغ اور آزاد منش باشندگان عرب کے خانگی اور سوشیل عام حالات معلوم ہونے سے ایک منصف مزاج شخص اگر ایسا شخص دنیا میں پایا جاتا ہے اس بات کا فیصلہ کر سکے گا کہ اسلام کے قبل عربوں کا کیا حال تھا اور بعد اسلام کے اُن کا کیا حال ہو گیا اور بالعموم اُن کے اخلاق کس طرح پر تبدیل ہو گئے۔ اُن کی اگلی اور پچھلی حالت کے مقابلہ کرنے میں ہمارا یہ سرسری بیان اُس منصف مزاج شخص کو کافی مدد دے گا اور ایسے نتائج مستنبط کرنے کے قابل کریگا۔ جن کی جانب اُس کی انصاف پسندی اُس کو ہدایت کرے گی ۔

الخطبة الثالثة

فی

الادیان المختلفة التی کانت فی العرب

قبل الاسلام

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرة

من الخاسرین

اس خطبے میں ہم اس امر کی تحقیقات بھی کریں گے کہ اُن ادیان میں سے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھے اسلام کون سے دین سے مشابہ تر ہے اور آیا اس مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے اسلام ایک دین حق ثابت ہوتا ہے یا ایک عیارانہ بنایا ہوا قصہ ہے۔

توریت مقدس میں جو بیان انسان کے پیدا ہونے کا اور اُس کے بعد بابل میں زبانوں کے مختلف ہو جانے اور روے زمین پر پراگندہ ہونے کا ذکر ہے۔ اُسی کو ہم اپنی اُس بحث کا جو اس خطبے میں ہے ابتدائی مقام فرض کرتے ہیں

اور اسی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ عبادت اور پرستش کی سادگی اور یک رنگی خود بخود اُس وقت تک جاری رہی ہو گی جب کہ انسان تعداد میں کم اور ایک محدود مقام میں تھے۔ مگر جب کہ وہ زیادہ وسیع ملکوں میں پھیل گئے جن کی آب وہوا اور ملک کی بناوٹ مختلف تھی تو اُس وقت اُن کے دلوں کو نئے اور عجیب خیالات نے قریباً ہر ایک بات کی نسبت گھیر لیا۔ خصوصاً اس وجود کی ماہیت کی نسبت جس کی عظمت کے جلوے نیک یا بد خوف و ہراس سے ان کو تسلیم کرنے پڑے ⁂

وہ لوگ اُن قدرتی ظہور کے طبعی اسباب سے جن کے دیکھنے سے ایک تربیت یافتہ آدمی کے دل میں بھی خوف وہراس پیدا ہوتا ہے جیسے کہ بھونچالوں کا آنا زمین کا دھنس جانا اور پھٹ جانا۔ دریاؤں کا جوش۔ سمندروں کا تلاطم۔ پہاڑوں کے عجائبات۔ درختوں کی کرامات۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ۔ بجلی کی کڑک اور چمک۔ اور اُس کے گرنے سے بربادی۔ اور خوفناک طوفانوں کی تباہی۔ کے اسباب سے محض ناواقف تھے۔ اس لئے انہوں نے ان سب کاموں کو کسی ایسے وجود کے کام تصور کئے ہوں گے جس کو وہ اپنے آپ سے بدرجہا اعلےٰ اور اور زبردست اور بوجہ غیر حاضر ہونے اُس وجود کے اور بھی زیادہ خوفناک تصور کرتے ہونگے۔ یہی اسباب ہیں جن کے سبب ابتدا میں انسان کے دل میں عبادت کرنے اور قربانیاں چڑھانے اور پوجا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر ان دیوتاؤں کو ان تین طریقوں سے خوش کرنے یا اُن کا غصہ مٹانے میں بوجہ ملک کی خاصیت اور ملک کی آب وہوا کے اور اُس کے باشندوں کے عام مزاج اور چال چلن کے ہر ایک ملک کے باشندوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہم کو امید ہے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اُس سے اس کتاب کے پڑھنے والے سمجھ جائیں گے۔ کہ عرب میں عموماً مذہبوں کی ابتدا کس طرح پر شروع ہوئی ⁂

عرب میں جو قومیں قبل اسلام کے موجود تھیں ان کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں باعتبار مذہب کے چار مختلف فرقوں میں منقسم تھیں۔ بت پرست۔ خدا پرست۔ لامذہب اور معتقدین مذہب الہامی ⁂

بت پرستی

انسان کی جبلت میں جو ہر ایک چیز کے سمجھنے کی طاقت ہے اور جس کو ہم عقل یا سمجھ سے تعبیر کرسکتے ہیں اس کا یہ نتیجہ تھا وہ اپنے وجود کی نہایت ابتدائی منزل میں اولاً بتوں کی پرستش کا اپنے ذہن میں خیال پیدا کرے۔ اسی سبب سے اولاً اس کے ذہن میں بتوں کی پرستش کا خیال پیدا ہوا۔ اور پھر رفتہ رفتہ قائم و مستحکم ہوگیا ⁂

ایک مصنف کا قول ہے کہ " آدمی از روے خلقت اور جبلت کے مذہب کو ماننے والا پیدا ہوا ہے " اگر وہ معبود حقیقی سے ناواقف ہوگا تو مجازی معبود اپنے لئے بنائے گا۔ وہ خطروں اور مشکلوں سے گھرا ہوا ہے وہ قدرت کی عظیم الشان طاقتوں کو ہر طرف اپنے اپنے کام میں مشغول دیکھتا ہے جن کے سبب سے اسکو خوف و رجا پیدا ہوتی ہے اور باوصف اس کے ان کے کام اس کے حیز ادراک اور قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ اس واسطے اس کے دل میں اپنے سے کسی زیادہ طاقتور شے سے ایک تعلق پیدا کرنے کا جس پر وہ تکیہ اور بھروسا کرکے خیال پیدا ہوتا ہے . . . . قدرت کے ان کاموں کو ذہن نشین کرنے اور ان کے سمجھ میں آنے کے لئے اب اس کے واسطے صرف ایک طریقہ ہے۔ طبعی اسباب کا تصور تو بہت تھوڑے عرصے سے پیدا ہوا ہے۔ ابتدائی انسان صرف ایک قسم کی علت کا گمان کرسکتا ہے یعنے مثل اپنے ایک باارادہ طبیعت کا۔ اس لئے وہ تمام

چیزوں کو جنہیں متحرک اور عمل کنندہ پاتا ہے ذی روح اور ذی فہم وجود ٹھیرا لیتا ہے اور اُن کی طرف مثل انسانوں کے خیالات اور طبائع منسوب کرتا ہے اور اس سے زیادہ کیا قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ بذریعہ نذروں اور التجاؤں کے اُن کے مہربان کرنے یا اُن کی بدمزاجی یا غصّے کے دور کرنے کے واسطے کوشش کرے +

جب کہ انسان ہنوز وحشیانہ حالت میں تھا اُس نے قدرت کی بڑی بڑی اشیا کو اپنی فرحت یا مصیبت کے اسباب کی نظر سے دیکھا اور اسی واسطے اُن کو بہ نسبت اپنے زیادہ طاقت ور سمجھا۔ اور اس نیت سے کہ اپنی دعائیں اور التجائیں اُن سے ایک ظاہری شکل میں کرے اس کو اپنی خیالی چیزوں کے مجسم کرنے کے واسطے جو آب اُس کے معبود ہو گئے نقاشی یا مصوری گو کیسی ہی ناقص ہو عمل میں لانی پڑی۔ بت پرستی کی ایک اور بنا کسی قوم کے کسی شخص کی خدمت کی جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مشہور و معروف ہوا ممنونیت کی خواہش تھی۔ یعنے ایسے کارہائے نمایاں جو شاعروں کے وحشیانہ گیتوں اور نغموں میں مشہور ہوئے اور مرنے کے بعد اُس شخص کو معبود ہونے کے رتبے کا صلہ دلایا۔ یہی امر عرب پر بھی صادق آتا ہے۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ ستارے اور بروج ملائک اور ارواح جو بقول اُن کے انسانوں کی زندگانی کے واقعات پر حاوی اور قادر تھے۔ اُن سب کو رتبۂ الوہیت دے رکھا تھا اور اُن کی پرستش کرتے تھے اسی طرح اُن آدمیوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ جنہوں نے اپنے شکر گذار ملک کی خدمتیں بجا لاکر نام حاصل کیا تھا +

اس طریقۂ پرستش کے اختیار کرنے میں انسانوں کا منشاء محض عقل بہ دنیا

تھا۔ اُن بتوں یا اُن اشیار اور اشخاص کی پرستش کا باعث جن کے وہ قایم مقام ہیں یہ اعتقاد تھا کہ اپنے پرستش کنندہ کو ہر قسم کی دنیوی خوشی اور آسایش عطا کرنا اور اُن مصیبتوں اور خرابیوں کو جو اُس پر نازل ہونے والی ہوں رد کر دینا اُن کے اختیار میں ہے۔ اور اُن کی پرستش کو ترک کر دینے کی سزا اُسکے اعتقاد میں افلاس۔ بیماری۔ لاولدی۔ اور عبرت انگیز موت ہوتی تھی*

جب کہ زمانہ بڑھتا گیا جب کہ تہذیب اور شائستگی کو ترقی ہوتی گئی جب کہ باہمی راہ ورسم کے ذریعے زیادہ شائع اور پُرامن ہوتے گئے جب کہ آدمیوں کو ایک دوسرے سے ملاقی ہونے کا زیادہ اتفاق ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے خیالات اور اپنی رایوں اور اپنے عقائد کا تبادلہ کرنے کے قابل ہوئے اور اُن کے دماغ عالی ہوتے گئے اور اُن کی خوشیاں زیادہ شائستہ اور پاک ہوتی گئیں*

یہی غیر محسوس خیالات کی ترقی عرب میں بھی واقع ہوئی اور اُس ملک کے باشندوں نے اپنے معبودوں کو ہر جسمانی آسایش اور روحانی خوشی کے عطا کرنے کا اُس شخص کی نسبت جس سے وہ راضی ہوں اختیار کلی دے دیا*

قدیمی باشندگان عرب کی نسبت یعنے قوم عاد۔ ثمود۔ جدیس۔ جرہم الاولے اور عملیق اول وغیرہ کی اس قدر محقق ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے مگر ہمارے پاس کوئی ایسی مقامی روایت عرب کی نہیں ہے جو ہمکو اُن کی پرستش اصنام کے طریقوں کی تعیین اور جو تدبیریں کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے اُن کی تصریح اور جن اغراض اور ارادوں سے کہ وہ مورتوں کو پوجتے تھے اُن کے بیان کرنے میں مطمئن کرے۔ قریب قریب تمام حال جو ہم کو عرب کے بتوں کی نسبت معلوم ہوتا ہے صرف یقطان اور اسمٰعیل کی اولاد کے بتوں کی نسبت معلوم ہے جو عرب العاربہ اور عرب المستعربہ کے نام سے مشہور ہیں اُن کے بت دو قسم

کے تھے۔ ایک قسم کے تو وہ تھے جو ملائک اور ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے جن پر کہ وہ اعتقاد رکھتے تھے اور جن کو مونث خیال کرتے تھے نسبت رکھتے تھے اور دوسری قسم کے وہ تھے جو نامی اشخاص کی طرف جنہوں نے اپنے عمدہ کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی تھی منسوب تھے۔

وہ قدرتی سادگی اور بے تکلفی جو ابتدائی درجہ تمدن میں آدمیوں کی نشانیاں ہیں اُن کی پرستش کے طریقوں میں قابل تمیز نہیں رہی تھیں۔ علاوہ اس کے انہوں نے بہت سے خیالات غیر ملکوں کے اور نیز اپنے ہی وطن اصلی کے الہامی مذہبوں سے اخذ کر لئے تھے اور ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کر کے اپنے معبودوں کو دنیا اور عقبے دونو کے اختیارات دے دئے تھے لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیوی اختیارات بالکل اُن کے معبودوں کے ہاتھ میں ہیں اور عقبے کے اختیارات کی نسبت اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ اُن کے بت یعنے وہ جن کی پرستش کے لئے وہ بت بنائے گئے ہیں اُن کے گناہوں کی معافی کی خدا تعالےٰ سے شفاعت کریں گے اُن کی طرز معاشرت اور اُن کی خانگی سوشیل اور مذہبی اطوار اور رسوم نے بھی اسی طرح سے گرد نواح کے ملکوں سے جنکے باشندے الہامی مذہب رکھتے تھے اثر حاصل کیا تھا۔ غرضکہ قبل ظہور اسلام کے ملک عرب میں بت پرستی کی یہ کیفیت تھی۔

لامذہبی

زمانۂ جاہلیت میں ملک عرب میں ایک فرقہ تھا جو کسی چیز کو نہیں مانتا تھا نہ تو بت پرستی کو اور نہ کسی الہامی مذہب کو۔ اُن کو خدا کے وجود سے انکار تھا اور حشر کے بھی منکر تھے اور چونکہ وہ گناہ کے وجود کے قائل نہ تھے اسی لئے عقبے میں بھی

روح کی جزا یا سزا کے قائل نہ تھے۔ وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ رسمی سے مبرا تصور کرتے تھے اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی پر پہنچ کر تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنےٰ جانور مرجاتا ہے اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہوجاتا ہے۔

خدا پرستی

زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں بھی خدا پرست عرب تھے اور وہ دو قسم کے تھے۔ ایک تو ایک غیر معلوم اور پوشیدہ قدرت کو جس کو وہ اپنے وجود کا خالق قرار دیتے تھے مانتے تھے۔ لیکن باقی امور میں اُن کا عقیدہ لامذہبوں کے عقیدے کی مانند تھا۔ دوسری قسم کے فرقے کے لوگ خدا کو برحق مانتے تھے اور قیامت اور نجات اور حشر اور بقائے روح اور اس کی جزا اور سزا کے جو حسب اعمال انسانوں کو ملے گی قائل تھے مگر انبیاء اور وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

اس اخیر فرقے کا عقیدہ تھا کہ غیر فانی روح کی جزا اور سزا دوسرے جہان میں محض آدمیوں کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں کئے ہوں منحصر ہے۔ اسلئے ضرور ہوا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو اور اُن کو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے لیکن خود اُن کے پاس کوئی ایسا اصول جس پر وہ کاربند ہوں موجود نہ تھا اس لئے اُنہوں نے اُن قواعد کی طرف توجہ کی جن کو اُن کے گرد نواح کی قومیں مانتی تھیں اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے کچھ کچھ باتیں اخذ کرکے اختیار کیں۔ یہی اسباب تھے جن کے سبب سے عرب کے کچھ لوگ بت پرست ہوگئے اور بعض نے کسی مذہب معینہ کی پابندی نہیں کی بلکہ

اپنی ہی عقل اور سمجھ کے بموجب کاربند ہوئے ✦

الہامی مذہب

اسلام سے پہلے چار الہامی مذہب عرب میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے۔

(۱) مذہب صابئی (۲) مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیاء عرب کا (۳) مذہب یہود۔ (۴) مذہب عیسوی ✦

مذہب صابئی

اس مذہب کو عرب میں قوم ساری نے رواج دیا تھا جو اپنے آپ کو قدیم مذہب کے پیرو سمجھتے تھے۔ وہ حضرت شیث اور حضرت اخنوخ یعنے ادریس کو اپنے نبی کہتے تھے اور اپنے مذہب کو اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جس کو وہ صحیفۂ شیث کہتے تھے۔ ہماری رائے میں کوئی یہودی یا عیسائی یا مسلمان صابئیوں کے اس عقیدے پر جو وہ حضرت ادریس کے ساتھ رکھتے تھے کسی قسم کا اعتراض نہیں کرسکتا ہے۔ توریت میں حضرت ادریس کو ایک مقدس اور باخدا شخص لکھا ہے اور وہ آیت یہ ہے "و اخنوخ با خدا سلوک نمودہ بعد ازاں ناپدید شد چہ خدا اور اگرفتہ بود" (کتاب پیدائش باب ۵ ورس ۲۴) وہ شخص جس کو مسلمان ادریس یا الیاس کہتے ہیں اور توریت کا اخنوخ ایک شخص ہیں۔ صابئیوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں اور وہ اُن کو اسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح کہ مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ مردے کی بھی وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایک قمری مہینے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ گو برائی کہ آہستہ آہستہ اُن کے مذہب میں پھیل گئی تھی وہ یہ تھی کہ ستاروں کی پرستش

کرنے لگے تھے۔ اُنہوں نے سات ہیاکل یعنے معبد سبع سیاروں کے لئے بنائے تھے اور جس ستارے کا جو معبد تھا اسی معبد میں اُس ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ حرّان کے معبد میں سب لوگ بہ نیت حج جمع ہوا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اُن کا سب سے بڑا مذہبی تیوہار اُس روز ہوا کرتا تھا جب کہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اول برج ہے داخل ہوتا تھا اور چھوٹے چھوٹے تیوہار اُس وقت ہوتے تھے جب کہ پانچ سیارے یعنے زحل۔ مشتری۔ مریخ۔ زہرہ۔ عطارد بعض برجوں میں یکے بعد دیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ ان سیاروں کا سعد اور نحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دنیا کے اور امور پر ہوتا ہے۔ وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا مینہ کی کشش انہیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے یہ خیال اور اسی قسم کے اور خیالات اور عقائد صابیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہوگئے تھے۔ اُن میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا اور غاروں یا پہاڑوں میں چند روز مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے ؛

ابراہیمی یا دیگر انبیاء عرب کا مذہب

اسلام سے پہلے پانچ انبیاء عرب میں مبعوث ہوئے تھے (۱) ہود (۲) صالح۔ (۳) ابراہیم (۴) اسمٰعیل۔ (۵) شعیب۔ یہ سب نبی حضرت موسےٰ سے اور بنی اسرائیل کو احکام عشرہ کے عطا ہونے سے پیشتر گذرے ہیں ؛

اصل اصول ان جمیع انبیاء کے مذاہب کا خدائے واحد کی عبادت تھا۔ اور دیگر احکام و مسائل جن کو انبیائے مذکور نے بتایا تھا باستثناء احکام و مسائل حضرت

ابراہیم اور حضرت اسمعیل کے سب فراموش ہو گئے تھے اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو ہم کو اس بات سے واقف کرے۔ کہ وہ احکام کیا تھے اور کتنے تھے ؞

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کے مذہب کے احکام و مسائل کے لئے بھی اسی طرح کوئی ایسی کافی سند نہیں ہے جس سے کہ ہم اُن کو تفصیل وار بیان کرسکیں اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنھوں نے باستعانت روایت مذہبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اُس کے حوالہ دینے کے لائق ہوں ؞

حضرت ابراہیم کے تقوے اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا اور خدائے برحق پر یقین کرکے صدق دل سے اُس کی پرستش کرنا تھا ؞

ختنہ اور ڈاڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیم نے مروج اور معین کی تھیں۔ خدائے پاک کی پرستش کے واسطے قربان گاہوں کے بنانے کی رسم بھی حضرت ابراہیم نے جاری کی تھی اور منجملہ بے شمار قربان گاہوں کے جو حضرت ابراہیم نے بنائیں ایک قربان گاہ اُس مقام پر بھی بنائی تھی جہانکہ حجراسود قبل اس کے کہ دیوار کعبہ میں اور پتھروں کے ساتھ نصب ہو کھڑا ہوا تھا ؞

خدا تعالےٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیم نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم آج تک اُن کی اولاد میں اور انکی اولاد کے پیروؤں میں بجنسہ مروج ہے ؞

خدائے تعالےٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی

تمام مقامی روایتیں اور تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تھا +

سینٹ پال حواری نے جو گلیشیا والوں کے نام خط لکھا ہے ہماری رائے میں اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو" جو بیت المقدس کا ہم پایہ ہے" حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تھا +

خانہ کعبہ میں اول خدا کی عبادت اس کے اندر اور باہر کیا کرتے تھے اور اس کے بعد اس کے گرد طواف کیا کرتے تھے اور طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی جاتی تھی +

اس مقام پر خود بخود ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا فرق ہے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے اور اس کو اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور قربان گاہوں کے بنانے اور ان کی تعظیم کرنے اور حضرت یعقوب کے پتھر کھڑا کرنے اور اس پر تیل ڈالنے اور نماز میں بیت المقدس یا کعبے کی طرف سجدہ کرنے - غرض کہ اشیاے مجسم کی تعظیم اور حرمت کرنے میں اور بت پرستوں کی ان رسوم میں جو کہ وہ اپنے بتوں کی نسبت عمل میں لاتے ہیں اور جس کی وجہ سے ان کو ہر شخص حقارت اور غصے کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی دیکھتا ہے +

بلاشبہ ان دونو کاموں میں بڑا فرق ہے مگر جو امر کہ لوگوں کو ان دونوں کاموں میں صاف صاف تمیز کرنے سے روکتا ہے وہ لفظ "بت پرستی" ہے جس سے یہ مراد سمجھی جاتی ہے کہ آدمی کسی مجسم اور مصنوعی شے کی تعظیم اور پرستش کرنے میں گنہ گار ہوتے ہیں +

مگر یہ غلطی ہے - بت پرستوں کے مشرک اور گنہ گار ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ مجسم اور مصنوعی اشیا کی تعظیم اور پرستش کرتے ہیں بلکہ اسکی

وجہ یہ ہے کہ وہ چند روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیا کو ان سب قدرتوں کا مالک سمجھتے ہیں جو درحقیقت صرف اللہ تعالے ہی کی ذات سے علاقہ رکھتے ہیں اور اُن اشیاء وغیرہ کی اس طرح بندگی بجا لاتے ہیں جو صرف خدا تعالے اہی کو سزاوار ہے۔ اُن کے بُت اُن وجودوں کے جو غیر خدا ہیں۔ قایم مقام اور یادگار ہوتے ہیں نہ کہ خدا تعالے کے۔ اس اعتقاد کی وجہ سے وہ مشرک اور گنہ گار ہو جاتے ہیں خواہ وہ اُن روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کے ناموں پر کوئی مورت یا بُت قایم کرکے پوجتے ہوں خواہ وہ صرف اپنے دل ہی میں یہ اعتقاد رکھ کر اُن کی پرستش کرتے ہوں اور ظاہر میں اُن کا کوئی بُت نہ بناتے ہوں۔ اُن کو بت پرست اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ اکثر اُن روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیاء کی جن کو وہ صفات الٰہی کا مخزن اور معدن سمجھتے تھے اپنے خیال کے موافق بُت اور مورتیں بنا کر اُن کے توسل سے اُن کو پوجتے تھے۔ اگر وہ اِن ظاہری وسائل پرستش کو اختیار نہ کرتے لیکن باطن میں ہی اعتقاد رکھتے تب بھی اُن کو بت پرست کہنا ناموزوں نہ ہوتا *

حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی قربان گاہیں جن میں کہ حجر اسود بھی شامل ہے اور حضرت یعقوبؑ کا کھڑا کیا ہوا پتھر اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی مشہور و معروف اشخاص کی یادگار کے طور پر نہیں بنائی گئی تھیں اور نہ وہ کسی فرشتہ یا عظیم الشان قدرتی شے کے نام پر قائم کی گئی تھیں بلکہ بالتخصیص قادر مطلق کے نام پر جو تمام چیزوں کا خالق ہے اور اُسی کی پرستش کی غرض سے بنائی گئی تھیں جملہ رسوم اور تکلفات جو ان مقاموں پر برتے جاتے تھے صرف خدا تعالے کی عبادت اور پرستش کے مختلف طریقے

ہے اور خدا تعالےٰ کی بندگی گو کسی طور پر بجا لائی جاوے جس کو خدا تعالےٰ نے منظور اور مقبول کر لیا ہو ہرگز گناہ یا شرک یا بت پرستی نہیں ہوسکتی ؛

تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ نہ حضرت ابراہیم کا حجراسود ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ قربان گاہ اور نہ حضرت اسمٰعیل کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے۔ اُن لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لے کر پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے جس کا نام مسلمانوں نے حج رکھا ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اس طرح پر عبادت کرنے کے بانی ہوئے تھے۔ پس کون شبہ کر سکتا ہے کہ حج اُس واجب الوجود لاشریک لہٗ کی خاص الخاص عبادت ہے ؛

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا۔ مگر باایں ہمہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص ایسے بھی تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب کے متبع تھے اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔ اُنہیں لوگوں میں سے متعدد نے مجدد مذہب ہونے کا دعوےٰ کیا اور اللہ تعالےٰ کے معبود حقیقی ہونے کا مجمع عام میں وعظ کہا اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے پر ترغیب دی۔ وہ لوگ جنھوں نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہرت دی تھی اُن کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ۔ ابن صفوان۔ خالد ابن سنان۔ اسد ابوکرب۔ قیس ابن صیداہ وغیرہ اور بعضوں نے عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے ؛

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اُس شخص کی اولاد جس نے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا اور اُن کی پرستش سے منہ موڑا اور خدائے برحق کی پرستش کے لئے متوجہ ہوا اور کہا انی وجہت وجہی للذی فطر السموات

والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ رفتہ رفتہ اُس بت پرستی کی حالت میں ڈوب جائے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب انگیز اور حیرت آمیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسی کی اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے پھر اپنے موروثوں کے بتوں کو بلکہ تمام عرب کے بتوں کو غارت کردیا اور جس نے خدائے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزوں کا مبداء اور مرجع ہے رواج دیا اور اعلےٰ ترین درجے پر پہنچا دیا۔ اور جس نے کہ جہالت اور کفر کی اُس گہری تاریکی کو جس میں کہ اُس کے ہم وطن مبتلا تھے دین حق کے پاک اور شفاف نور سے منور کردیا۔

یہودی مذہب

یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب کے ملک میں شائع کیا تھا جو اُس ملک میں جاکر آباد ہوئے تھے۔ بعض مصنف ناواجب جرأت کرکے یہ رائے دیتے ہیں کہ ایک قوم بنی اسرائیل کی اپنے جتھے سے علیحدہ ہو کر ملک عرب میں جا بسی تھی اور وہاں اکثر قوموں کو اپنا مذہب تلقین کیا۔ مگر یہ رائے صحت سے بالکل معرا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب اُن یہودیوں کے ساتھ آیا تھا۔ جو پینتیسویں صدی دنیوی میں یا پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے جو ان کے ملک اور قوم کی تخریب کے درپے ہوا تھا بھاگ گئے تھے اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تھوڑے عرصے بعد جب کہ اُنکی مضطرب حالت نے کسی قدر سکون اور قرار پکڑا اُنھوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ اور حارث ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے۔ جب کہ سنہ ۳۶۰ دنیوی میں سنہ ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا تب اُس نے اور لوگوں کو بھی بالجبر اس مذہب

میں داخل کر کے اُس کو بہت ترقی دی۔ اُس زمانے میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے اُن کے قبضے میں تھے۔

اس بات کے یقین کرنے کا قوی قرینہ یہ ہے کہ یہودی بت پرستی کو غصہ اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ مگر عرب کی کوئی مقامی روایت اس مضمون کی نہیں پائی جاتی کہ خانہ کعبہ کی نسبت اُن یہودیوں کی رائے عربوں کی رائے سے برخلاف تھی۔ مگر یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک تصویر یا مورت حضرت ابراہیم کی جنکے پاس ایک مینڈھا قربانی کے واسطے موجود کھڑا تھا یہودیوں کے ذریعے سے خانہ کعبہ میں اُس بیان کے مطابق جو توریت میں ہے کھینچی گئی ہوگی یا رکھی گئی ہوگی کیونکہ یہودی اِس قسم کی تصویروں یا مورتوں کے بنانے اور رکھنے کو گناہ نہیں سمجھتے تھے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودیوں کے رہنے سے ملک عرب میں خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم جیسا کہ قبائل عرب میں بالعموم پیشتر تھا اُس سے بھی دو چند ہو گیا۔ وہ عرب جنہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا اور وہ لوگ بھی جو اُن سے راہ و رسم رکھتے تھے اُس سے فائدہ مند ہوئے تھے۔ کیونکہ یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت اور سوشیل اور پولیٹکل کا موجود تھا۔ اور اُس زمانے کے عرب اس قسم کی چیزسے بالکل بے بہرہ تھے۔ اس سے ایک معقول طور پر استنباط ہوتا ہے کہ بہت سے خانگی اور سوشیل آئین اور رسوم کو جو اس قانون میں مذکور ہیں عربوں نے اختیار کر لیا ہوگا خصوصاً یمن کے رہنے والوں نے جہاں کہ اُن کے بادشاہ ذُونواس نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا اور اُس نے یہودی مذہب کی ترویج میں کوشش کی ہوگی۔

ہم کو اس مقام پر مذہب یہود کے مسائل اور عقائد اور اُن کی رسموں اور طریقوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہ سب باتیں توریت میں موجود

ہیں اور ہر شخص اُن سے کسی نہ کسی قدر واقف ہے۔ اور وہ امور جن کا بیان کرنا ہم کو بالتخصیص مدنظر ہے اُس مقام پر بیان ہونگے جہانکہ ہم مذہب یہود اور اسلام کے تعلق باہمی پر بحث کریں گے۔

عیسوی مذہب

یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا۔ جب کہ اُن خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے جو آہستہ آہستہ مشرقی کلیسا میں شائع ہوگئی تھیں قدیم عیسائیوں کی تباہی ہوئی تھی اور وہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے تاکہ اور کسی جگہ جاکر پناہ لیں اکثر مشرقی اور نیز یورپین مورخ جنھوں نے اس مضمون کو مشرقی مصنفوں سے اخذ کیا ہے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ وہ زمانہ ذو نواس کی سلطنت کا زمانہ تھا۔ مگر ہم اس راے سے کسی طرح اتفاق نہیں کرسکتے کیونکہ ہمارے حساب کے موافق جس کا بیان ہم نے خطبہ اول میں کیا ہے ذونواس کا زمانہ قریباً چھ سو برس پیشتر اس واقع کے گذرچکا تھا اور اسی وجہ سے ہم اُن مصنفوں کی اس راے کو بھی تسلیم نہیں کرتے جن کا بیان ہے کہ ذونواس نے عیسائیوں کی تخریب کی تھی۔

اول مقام جہانکہ یہ بھاگے ہوئے عیسائی آباد ہوئے تھے نجران تھا اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے معتدبہ لوگوں نے عیسوی مذہب قبول کرلیا تھا۔ یہ عیسائی فرقہ جیکوبائٹ یعنے یعقوبی فرقہ تھا۔ اور اس لقب سے مشرقی فرقہ "مانوفیزٹیز" کا موسوم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام اور عراق اور بابل کے فرقہ "مانوفیزٹیز" پر اطلاق ہوسکتا ہے۔ جیکوبائٹ کا لقب ایک شام کے راہب کے سبب سے جس کا نام جیکوبس براڈیس تھا اس فرقے کا پڑگیا تھا اور جس نے

کہ یونان کے بادشاہ جسٹنین کے عہد میں اپنے ملک سے نکلے ہوئے "مافوفزٹیز" کا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا تھا۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسےٰ صرف ایک صفت رکھتے ہیں جس نے ایک انسانی صفت نے اُن میں تقدیس کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

عیسائی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسوی مذہب نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی تھی مگر ہم اس باب میں اُن سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باستثنائے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا قبائل حمیر۔ غسان۔ ربیعہ۔ تغلب۔ بہرہ۔ تونخ۔ طے۔ قودیہ اور حیرہ میں معدود اشخاص نے ان کی تقلید کی تھی اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی۔ جس طرح کہ یہودی مذہب میں آگئی تھی۔ اغلب ہے کہ ان متفرق اعراب متنصرہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر خواہ مورت حضرت عیسےٰ کو گود میں لئے ہوئے خانہ کعبہ کی اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ہو یا اُس کے اندر رکھی گئی ہو۔

خانہ کعبہ میں متعدد قوموں کے معبودوں کی یا بزرگوں کی تصویریں یا مورتیں رکھی ہوئی تھیں اور جس فرقے سے وہ تصویر یا مورت علاقہ رکھتی تھی وہی فرقہ اُس کی پرستش کرتا تھا۔ جب کہ عرب کے لوگوں نے یہودی اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا تو اُسی مذہب کے لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویر یا مورت خانہ کعبہ میں رکھی یا کھینچی ہوگی۔ کیونکہ جس طرح عرب کے اور فرقوں کو اپنے معبودوں یا بزرگوں کی مورتیں رکھنے یا کھینچنے کا کعبے میں حق تھا اُسی طرح اُن عربوں کو بھی حق تھا جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے۔ اور کسی کو اس کی ممانعت کا حق نہ تھا۔

اسلام سے پیشتر ملک عرب کی یہ مذہبی حالت تھی اور ایسے مختلف مذہب

جزیرۂ واحد میں مروج ہو گئے تھے اُس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہو گا کہ اُن مذہبوں
کے احکام اور مسائل اور رسوم باہم خلط ملط اور اہل عرب میں بالعموم مروّج ہو گئے
ہونگے۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اُن نیم وحشی اور جاہل لوگوں کو اسقدر
شعور ہو کہ اتنے مذاہب مختلفہ کے باہمی تفرق کو جانچ سکتے ہوں اور ایک کو
دوسرے سے علیحدہ کر کے دقیق تفاوت کی تمیز کرتے ہوں +

ان مذاہب کے بھاری بوجھ کے نیچے ملک عرب ایک مذبوحی حرکت کر رہا
تھا کہ دفعتہً اسلام منودار ہوا اور اُس کو حیرت آمیز سرور میں ڈال کر اُس کا غیر متحمل
بوجھ دور کر دیا اور دفعتہً جزیرہ عرب کے چاروں کونوں کو صدق کے نور سے بھرپور
کر دیا اس لئے اگر یہ کہنا جائز ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام عرب کے حق میں
رحمت ایزدی سے کچھ زیادہ تھا۔ اسلام از روے اصول کے بت پرستی کے بالکل
متناقض تھا کیونکہ وہ حقائق قدرتی اور ابدی کی تعلیم و تلقین کر کے انسان کو اعلےٰ
درجے پر پہنچانا چاہتا تھا اور بت پرستی انسان کو جہالت کی حالت میں رکھکر از روے
تمدن اور اخلاق کے دونو طرح سے غلام بنانا چاہتی تھی۔ اسلام لامذہبی سے
بھی کچھ موافقت نہ رکھتا تھا کیونکہ اُس کا ابتدائی اور خاص اصول یہ ہے کہ
خدا تعالےٰ کی وحدانیت پر اور اُس کے وجود پر بے چون وچرا اعتقاد رکھنا چاہئے
جس کے وجود سے لامذہبوں کو انکار تھا۔ مذہب اسلام میں اور عرب کے خداپرستوں
کے مذہب کے دونو فرقوں میں سے دوسرے فرقے سے کوئی سخت مخالفت نہ تھی
کیونکہ اگر اس فرقے کے عقاید میں وحی کے عقیدے کو اضافہ کیا جاوے تو مذہب
اسلام کے اصلی اصول کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ مذہب صابئی کے
عقائد الہام سے اسلام بالکل مماثل تھا۔ لیکن اس مذہب میں اجرام فلکی کی
پرستش کو رد کرتا تھا اور سیاروں کے نام پر مورتیں بنانے اور معابد قائم کرنے

کو بھی جو ایک قسم کی بت پرستی ہے اور جس میں قوم صابئی بوجہ استداد زمانہ کے آہستہ آہستہ آپڑی تھی ناروا ٹھیراتا تھا۔

ابراہیمی مذہب اور عرب کے اور نبیوں کے مذہب اور یہودی مذہب کے اصول اور احکام اور عقاید اسلام کے اصول اور احکام اور عقاید کے کچھ بھی متناقض نہ تھے۔ بلکہ درحقیقت اسلام کے اصول اور احکام ابراہیمی مذہب اور دیگر انبیاے عرب کے مذہب اور یہود کے مذہب کے اصول اور احکام کو مکمل کرتے تھے۔ اسلام میں اور یہودی مذہب میں صرف فرق یہ تھا کہ اسلام حضرت عیسیٰ کو تسلیم کرتا تھا مگر یہودیوں اور عیسائیوں کی بعض غلط تفاسیر کو جو وہ توریت اور انجیل کی آیتوں کی کرتے تھے نہیں مانتا تھا۔ اصول اسلام اُن عمدہ اصول سے جن کی درحقیقت حضرت عیسیٰ نے تلقین کی تھی مطابقت تامہ رکھتا تھا۔ لیکن زمانۂ اسلام میں جو عیسائی تھے اُن کے اصول اور عقائد اور مسائل اور رسوم مذہبی اور اُن برتاؤ سے بالکل مخالف تھا اور بجز چند متفرق اور متعدد مسائل اخلاق کے کسی اور چیز میں ان دونو مذہبوں میں مشابہت نہ تھی۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کیا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ مذہب اسلام صابئی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ابراہیمی مذہب اور عرب کے دیگر الہامی مذہبوں کے اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ترتیب اور یہودی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی قرار واقعی تکمیل اور اللہ جل شانہ کی وحدانیت کی ایسے اعلےٰ درجے پر توضیح جو کسی اور مذہب میں اس تکمیل سے نہیں تھی اور جس کو ہم وحدت فی الذات اور وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں اور اخلاق کے اُن اصولوں کی جن کی حضرت عیسیٰ نے دراصل تلقین کی تھی تکمیل ہے۔ اور اُن تمام مذاہب

کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور اجتماع کا نام اسلام ہے۔ ہم اپنے اس جواب کو بعض مثالوں کے حوالے سے مشرح کرتے ہیں ۔

مذہب اسلام میں دوسرے معبود کی پرستش کا امتناع اور بت پرستی کا استیصال یہودیوں کے مذہب کے اصول کے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ "در حضور من ترا خدایان غیر نہ باشند" (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۳) "بہر چہ شما را مامور داشتم رعایت نمائید و اسم خدایان غیر را ذکر ننمودہ از دہانت شنیدہ نشود" (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۱۳) "در بجہت خود صورت تراشیدہ و ہیچ شکل از چیزہائے کہ در آسمان است در بالا و یا در زمین است در پائین و یا در آبہائے کہ در زیر زمین است مساز۔ آنہا را سجدہ منمودہ ایشان را عبادت منما زیرا کہ من خداوند خدائے توام (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۴ و ۵) "بہ بتہا توجہ منمائید و خدایان ریختہ شدہ از برائے خود مسازید خداوند خدائے شما منم" (سفر لویان باب ۱۹ ورس ۴) "از برائے خودتان بتان و اصنام تراشیدہ شدہ مسازید و نصب شدہ از برائے خودتان برپا منمائید و در زمین خودتان تصویرہائے سنگی جہت سجدہ نمودنش مگذارید زیرا کہ خداوند خدائے شما منم" (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۱) "خدایان ایشان را سجدہ منمودہ آنہا عبادت مکن و موافق اعمال ایشان عمل منما بلکہ ایشان را بالکل منہدم ساختہ و بت ہائے ایشان بالتمام بشکن" (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۲۴) ۔

سب سے بہتر اور اعلیٰ احکام یہودی مذہب میں یہ ہیں جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں اسلام میں یہی احکام بجنسہٖ موجود ہیں "پدر و مادر خود را احترام نما۔ قتل مکن۔ زنا منما۔ دزدی مکن۔ بر ہمسایہ ات شہادت دروغ مدہ۔ بخانہ ہمسایہ ات طمع مورز" (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۱۲-۱۷) ۔

اوقات نماز جو اسلام میں مقرر ہیں اور جن کی تعداد

ساتھ یا پانچ یا تین ہیں مذہب صابئی اور مذہب یہود کی اوقات نماز سے بہت مشابہ ہیں ✤

اسلام میں نماز پڑھنے کا جو طریقہ ہے وہ صابئی مذہب اور یہود کے مذہب کے طریقے سے نہایت مماثل ہے۔ نماز دل کی صفائی کے لئے تھی اور یہی اصلی منشاء نماز کے مقرر کرنے کا تھا اور جسم اور پوشاک وغیرہ کی صفائی جس کے واسطے شرع اسلام میں حکم ہے صابئیوں اور یہودیوں کی اس قسم کی رسومات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ توریت میں خدا تعالیٰ نے موسےٰ سے کہا کہ "نزد قوم روانہ شدہ ایشاں را امروز و فردا تقدیس نما ۔ تا کہ جامہ ہائے خود را شست و شو نمایند" (سفر خروج باب ۱۹ ورس ۱۰) "و پس موسےٰ ہارون و پسرانش را نزدیک آوردہ ایشاں را بہ آب شست و شو داد" (سفر لویان باب ۸ ورس ۶) ✤

مذہبی امور میں صرف ایک یہی بات اسلام میں نئی ہے۔ جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ یعنے نماز کے بلانے کے لئے یہودیوں کی قرنائے بجانے اور عیسائیوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کی گئی ہے اس نرالے پن کی نسبت ایک عیسائی مصنف اس طرح پر لکھتا ہے کہ " مختلف اوقات نماز کی اطلاع مؤذن مسجدوں کی میناروں یا ماذنوں پر کھڑے ہو کر اذان دینے سے کرتے ہیں۔ اس کا لحن جو ایک بہت سادہ مگر سنجیدہ لہجہ میں بلند ہوتا ہے شہروں

لہ یعنے فجر۔ ضحیٰ۔ یعنے چاشت۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ تہجد۔ دوسری اور ساتویں نماز مسلمانوں میں فرض نہیں ہے۔ اور باقی پانچ نمازیں فرض ہیں۔ دوسری اور تیسری کو اور چوتھی اور پانچویں کو ایک وقت میں پڑھ لینے کا اختیار ہے اس صورت میں پانچ نمازیں اور تین وقت رہ گئے ✤

کی دوپہر کی وونڈ پکار میں مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آواز معلوم ہوتا ہے لیکن سنسان رات میں اُس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ اکثر فرنگیوں کی زبان سے بھی پیغمبر صاحب کی تعریف نکل گئی ہے کہ یہودیوں کے معبد کی قرناے اور کلیساے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلے میں انسانی آواز کو پسند کیا ✤

تمام قربانیاں جو مذہب اسلام میں جائز ہیں مذہب یہود کی قربانیوں کے مشابہ ہیں گویا یہ قربانیاں شارع اسلام نے مذہب یہود کی بے شمار قربانیوں سے منتخب کرلی ہیں اور جو تاکیدی حکم مذہب یہود میں اُن قربانیوں کے کرنے کی نسبت تھا اس کو نہایت خفیف بلکہ اختیاری کردیا ہے ✤

مذہب اسلام میں جو روزے مقرر ہیں وہ بھی مذہب یہود اور مذہب صابئی کے روزوں سے مشابہ ہیں بلکہ صابئی مذہب کے روزوں سے بہ نسبت یہودی مذہب کے روزوں کے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں ✤

ہفتے کے ایک معینہ دن میں نماز اور دیگر رسوم مذہبی کے مقررہ وقت پر لوگوں کو کار ہاے دنیوی سے منع کرنا یہودیوں کی اسی قسم کی رسم سے مطابقت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم کے زمانے سے اہل عرب جمعے کو متبرک دن سمجھتے آئے ہیں ✤

ختنہ بھی وہی ہے جس کا یہود اور پیروان حضرت ابراہیم کے ہاں دستور تھا۔

نکاح اور طلاق کا بھی قریب قریب ویسا ہی قاعدہ ہے جیسا کہ اور مذاہب الہامی میں تھا۔ توریت میں لکھا ہے کہ «اگر کسے زنے را گرفتہ بہ نکاح خود در آورد و واقع شود کہ بسبب چیزے کہ در وے یافت شد در نظرش التفات نیابد آنگاہ طلاق نامہ نوشتہ بدستش بدہد و اورا از خانہ اش رخصت دہد» (سفر توریۃ مثنیٰ باب ۲۴ درس ۱) ✤

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ اکثر باتوں میں یہودیوں کے مذہب کے احکام سے مشابہ ہیں ٭

جنب مرد اور عورت کو مسجد میں جانے یا قرآن مجید کے چھونے کا امتناع انہیں دستوروں سے مشابہت رکھتا ہے جو مذہب یہود میں جاری ہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مذہب اسلام میں بہ نسبت مذہب یہود کے یہ امتناع کم سختی سے ہے ٭

سوئر کے گوشت کے کھانے کی ممانعت مذہب اسلام میں ویسی ہی ہے جیسے کہ بنی اسرائیل کے مذہب میں تھی۔ توریت میں لکھا ہے "وخوک باوجودے کہ ذی سم چاک و تمام شگافت است اما نشخوار نمے کند آں برائے شما ناپاک است" (سفر لویان باب ۱۱ ورس ۷) ٭

جانوروں کے حلال یا حرام ہونے اور مرے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھانے کی نسبت جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ موسوی شریعت کے نہایت ہی مشابہ ہیں بلکہ علمائے اسلام نے وہ تمام مسائل موسوی شریعت سے مستنبط کئے ہیں ٭

شراب خواری اور دیگر مسکرات کا امتناع بھی موسوی شریعت کے مشابہ ہے توریت میں ہے کہ "ہنگام درآمدن شما بہ خیمہ شراب و مسکرات را نخورید" (سفر لویان باب ۱۰ ورس ۹) مگر مذہب اسلام نے اس خرابی کی جو شراب سے ہوتی ہے پوری بندش کر دی ہے یعنے شراب کو بالکل حرام کر دیا ہے اور کسی وقت پینے کی اجازت نہیں ہے ٭

مذہب اسلام میں مختلف جرائم اور تقصیرات کی نسبت جو سزائیں مقرر ہیں وہ بھی ان سزاؤں سے جو موسوی شریعت میں ہیں نہایت درجہ مشابہت رکھتی ہیں۔ زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مذہب اسلام میں ہے۔ یہ سزا یہودیوں کے قانون سے مختلف ہے۔ لیکن جو علمائے اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بھی زنا

کی سزا سنگسار کرنا ہے تو یہ سزا یہودیوں کے مذہب سے بالکل مماثلت رکھتی ہے ✤

مسلمان فقہانے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہے۔ اگر درحقیقت مذہب اسلام میں ارتداد کی یہی سزا ہو وہ بھی موسوی شریعت سے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکھا ہے "۔ و ہر کسیکہ اسم خداوند را کفر بگوید البتہ بایدکشتہ شود تمامی جماعت باید او را بیتامل سنگسار نمایند خواہ غریب و خواہ متوطن چونکہ اسم خداوند را کفر گفتہ است کشتہ شود" (سفر لیویان باب ۲۴ ورس ۱۶ ✤)

بعض عیسائی مورخوں نے کہا ہے کہ اسلام میں ملائک کا تصور اور اعتقاد یہودیوں کی کتاب تالمد سے اور جنات اور شیاطین کا اعتقاد یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد دونوں سے اور مرنے کے بعد جسم اور روح کی حالت کا بیان یہودیوں سے اور بہشت اور دوزخ کی کیفیت یہودیوں اور عیسائیوں سے اور قیامت اور روز حشر کے حالات کا یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد سے اخذ کیا ہے۔ مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اول تو وہ حالات جس طرح پر کہ لوگ خیال کرتے ہیں اس طرح پر مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اُن امور میں سے جس قدر کہ مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں وہ اُن ذریعوں سے اخذ نہیں کئے گئے کیونکہ بجز اتحاد نام کے اور جو کچھ کہ اسلام میں بیان کیا گیا ہے وہ کتب مذکورہ بالا کے بیان سے بالکل اختلاف رکھتا ہے ✤

اس خطبے میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ ہم اُن امور پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں اور اُن امور میں سے جو امور کہ متعلق اسلام ہیں اور جو امور کہ متعلق اسلام نہیں ہیں اُن میں تمیز کریں اور امور متعلقہ اسلام کی کامل تشریح کریں اسلئے ہم اس مضمون کو یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ اگر بالفرض امور مذکورہ بالا مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ بالعموم مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کا اعتقاد ہے تو وہ

امور بھی مذہب اسلام میں اسی قسم کے تصور کئے جاویں گے جیسے کہ مذہب اسلام کے اور احکام یہودی مذہب سے مشابہ ہیں +

اسلام نے عیسائی مذہب سے بجز مندرجہ ذیل دو عقیدوں کے اور کوئی عقیدہ اخذ نہیں کیا ہے۔ ایک یہ کہ (۱) اللہ کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے پیار کر (انجیل متی باب ۲۲ ورس ۳۷) دوسرا یہ کہ (۲) اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں تم بھی اُن سے ویسا ہی کرو (انجیل لوک باب ۶ ورس ۳۱) +

اس مقام پر اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقاید متفرقہ اور منتشرہ مذاہب سابق کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر ادھر سے جمع کر لئے ہیں اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو لیکن ہر ذی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقاید مذہب اسلام کی دیگر مذاہب الہامی کے اصول و عقاید سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام چیزیں جن کا مبدا ایک ہی غیر منتہی اور کامل ذات ہو ضرور ہے کہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی کامل اصول پر ہونگی۔ جس طرح کہ خدا تعالے سے اپنا مثل پیدا کرنا غیر ممکن ہے جس طرح کہ اس کی ذات سے کسی پیدا کی ہوئی چیز کو اپنی مرضی اور اپنی حکومت کے احاطہ سے خارج کر دینا محال ہے اسیطرح سے یہ بھی نا ممکن ہے کہ ایک ہی غرض کے انجام دینے کے لئے دو متناقض اصول اور احکام اسکی ذات سے صادر ہوں مسلمانوں کو بلکہ تمام دنیا کو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ممنون رہنا چاہئے جنہوں نے ابتدائے دنیا سے اپنے زمانے تک کے تمام نبیوں کی رسالت کو برحق ٹھیرایا جنہوں نے دنیا کے تمام الہامی مذہبوں کی تکمیل کی اور جنہوں نے اپنے باایمان متبعین کے لئے بہا اور لازوال نور کے دروازے کھولدیئے

الخطبۃ الرابعۃ

فی

ان الاسلام رحمۃ للانسان وحجۃ لادیان الانبیاء باوضح البرہان

قال اللّٰہ تعالیٰ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

مذہب اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے اور موسوی اور عیسوی مذہب کو اس سے نہایت فائدے پہنچے ہیں ✣

یہ مضمون جس کو اب ہم لکھنا چاہتے ہیں ایک ایسا مضمون ہے کہ ہم کو اسکا لکھنا یا پڑھنا شروع کرنے سے پہلے نہایت بے تعصب دل پیدا کرنا چاہئے۔ کیونکہ طرفدار دل سچے اور صحیح نتیجے تک نہیں پہنچتا۔ اس الزام کے رفع کرنے سے تو ہم مجبور ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانی مذہب میں جو فی الواقع خوبی ہے اُس کو ظاہر کرتے ہیں مگر جہاں تک ہم سے ہو سکا ہے ہم نے نہایت ٹھنڈی طبیعت اور ناطرفدار دل اور سیدھی سادی سچی نیت سے یہ مضمون لکھا ہے اور اسی لئے ہم کو یقین ہے کہ اگر ہم اپنی اس رائے پر دوسرے کو یقین نہ دلا سکینگے

تو اس کو رنجیدہ بھی نہیں کریں گے۔ ہمارا یہ مضمون چار حصوں پر منقسم ہے +

پہلے حصے میں اُن فائدوں کا بیان ہے جو مذہب اسلام سے عموماً انسان کی معاشرت کو پہنچے ہیں +

گو ہم کیسے ہی سچے دل اور نیک نیت سے ناطرف دارانہ اس مضمون کو لکھیں مگر ہم کو نہایت افسوس ہے کہ جو بات مذہب اسلام کے متعلق ہوتی ہے اُس کو عیسائی مصنف ہمیشہ بدظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نیکی کو چھوڑ بدی پر حمل کرتے ہیں اس لئے ہم کو توقع نہیں ہوتی کہ جو خاص ہماری رائے اس باب میں ہو وہ اُسی بدگمانی اور بدظنی کی نگاہ سے نہ دیکھی جائے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر ہم اُنہیں رائوں کا بیان کریں جن کو خود بعض عیسائی مصنفوں نے انسان کے حق میں مذہب اسلام کے مفید ہونے کی نسبت لکھی ہیں +

سر ولیم میور جو ایک نہایت دین دار عیسائی ہیں اور جب تک کہ علانیہ اور نہایت روشن بات نہ ہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے۔ اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں جس کے لئے ہم مسلمانوں کو اُن کا شکر کرنا چاہئے ارقام فرماتے ہیں کہ "ہم بلاتامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُس نے (یعنی مذہب اسلام نے) ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے عرب کے ملک جزیرہ نما پر چھا رہی تھی کالعدم کر دیا۔ اسلام کی صدا سے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہو گئی اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا مسئلہ حضرت محمدؐ کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے جیسے کہ خاص محمدؐ کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام میں سب سے پہلی بات جو خاص اسلام

کے معنے ہیں یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہئے۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں۔ یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہئے۔ غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت برتنی چاہئے۔ نشے کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اُس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا"

سر ولیم کی اس تحریر میں کچھ حاشیہ لکھنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صداے جنگ نے بت پرستی کو معدوم نہیں کیا بلکہ اُس سچے مسئلہ وحدانیت کے وعظ نے بت پرستی کو معدوم کیا ہے جس کا اثر قرآن مجید کے نہایت فصیح اور پرتاثیر فقروں سے لوگوں کے دلوں پر ہوتا تھا اور نہ صرف عرب سے بت پرستی کو نیست و نابود کیا بلکہ تمام مذہبوں میں جو اُس وقت دنیا میں رائج تھے اور وہاں تک وعظوں کی آواز پہنچتی تھی اس خیال کو پیدا کر دیا کہ بت پرستی نہایت کمینہ خصلت اور ایک سخت گناہ ہے ✝

برادرانہ دینی محبت کا برتاؤ آپس میں مسلمانوں کے ایک خدا کے ماننے والے ہونے کی وجہ سے بتایا جو ایک قدرتی رشتہ دینی بھائی ہونے کا ہے مگر انسانی محبت کا برتاؤ تمام انسانوں سے بلکہ ہر ایک سے جو جگر تر رکھتا ہو برتنے کو فرمایا ✝

غلاموں کی نسبت اگر صحیح تسلیم کیا جاوے تو اسلام نے غلامی کو بالکل نیست و نابود کر دیا ہے اسیران جنگ کے سوا کوئی غلام نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ بھی زمانۂ جاہلیت کی رسم کے موافق مگر قرآن نے "اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً"

کہ اس کو بھی نابود کر دیا۔ جو لوگ اسیران جنگ کو احساناً چھوڑ دیتے ہیں۔
نہایت اعلیٰ درجہ پاتے ہیں۔ اور جو کچھ لے کر چھوڑ دیتے ہیں وہ ان سے کمتر
گنے جاتے ہیں۔ اس حکم کے پہلے سے جو لوگ غلام رکھتے تھے ان کی پرورش
کا اسی طرح اُن کو حکم دیا جس طرح کہ وہ آپ اپنی جان کی پرورش کرتے
ہیں ؛

ان سب باتوں کی نسبت سر ولیم میور نے مذکورہ بالا فقرے میں اشارہ
کیا ہے مگر اتنی بات اور زیادہ کرنی چاہئے تھی کہ مذہب اسلام نے قمار بازی
کو منع کرنے اور ناشائستہ کلمات کے منہ سے نکالنے کی ممانعت سے والدین
کے ساتھ محبت اور تعظیم سے پیش آنے کی تاکید سے ایک مناسب اندازہ
سے خیرات دینے کی رغبت دلانے سے لوگوں کو اُن کی حاجت میں قرض حسنہ
دینے سے وعدے کے وفا کرنے کی تاکید سے جانوروں کے ساتھ رحم اور مہربانی
برتنے کے حکم سے انسانوں کے اخلاق اور اُن کے حسن معاشرت میں بہت
کچھ ترقی دی ہے ؛

مشہور اور نہایت لائق اور قابل مورخ گبن اپنی کتاب میں جہاں یہ
بحث کرتا ہے کہ حضرت محمد اپنے ملک کی نسبت کیسے تھے اس طرح پر لکھتا
ہے کہ در حضرت محمدؐ کی سیرت میں سب سے اخیر جو بات غور کرنے کے لائق ہے
وہ یہ ہے کہ اُن کا عظم و شان لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے حق میں مفید
ہوا یا مضر۔ جو لوگ آں حضرت کے سخت دشمن ہیں وہ بھی اور نہایت متعصب
عیسائی اور یہودی بھی باوجود پیغمبر برحق نہ ماننے کے اس بات کو ضرور تسلیم
کریں گے کہ آنحضرت نے دعوے رسالت ایک نہایت مفید مسئلے کی تلقین کے
لئے اختیار کیا۔ گو وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ اس سے اچھا

ہے (گویا وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے مذہب کے اور تمام دنیا کے مذہبوں سے مذہب اسلام اچھا ہے) آنحضرت یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب سماویہ قدیمہ کی سچائی اور پاکیزگی اور اُن کے بانیوں یعنے اگلے پیغمبروں اور معجزوں اور ایمان واری کو مذہب اسلام کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ عرب کے بت خدا کے تخت کے روبرو توڑ دئے گئے اور انسان کے خون کے کفارے کو نماز روزہ خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدھے سادھے طریقے کی عبادت ہے یعنے جو انسان کی قربانی بتوں پر ہوتی تھی اس کو معدوم کیا اور بعوض اُس کے نماز روزہ و خیرات کو بطور کفارہ قرار دیا) اُن کے عقبےٰ کی جزا و سزا ایسی تمثیلوں میں بیان کی جو ایک جاہل اور ہوا پرست قوم کی طبیعت کے نہایت موافق تھیں۔ شاید وہ اپنے ملک کا اخلاقی اور ملکی انتظام درستی سے نہ کر سکتے ہوں مگر آنحضرت نے مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک رُوح ڈال دی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونے کو روک دیا۔ قومیں جو کہ مخالف تھیں اعتقاد میں فرماں برداری میں متفق ہو گئیں۔ خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے ایک غیر ملک کے دشمن کے مقابلے پر مائل ہو گئی ‏

مسٹر گبن کی یہ رائے بھی کسی قدر حاشیہ لکھنے کے لائق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ مسٹر گبن ایک نہایت غیر متعصب مورخ ہے اور مسلمانوں کی تاریخ بھی اُس نے نہایت سچائی اور دیانت داری سے لکھی ہے۔ مگر بعض مذہبی مسائل جو اس کو تحقیق نہیں ہوئے یا غلط طور سے اس تک پہنچے یا جہاں اصلی مسئلہ اور علما کی رائے اور اجتہاد میں اُس نے تمیز نہیں کی اُن مقاموں میں

اُس نے نسبت آنحضرت صلعم کے یا مذہب اسلام کے غلط رائے قائم کی ہے
اور ہم کو اُس نامی مورخ کے نہایت بے تعصب ہونے کی وجہ سے یقین ہے
کہ اگر صحیح مسئلہ اُس تک پہنچتا تو کبھی وہ رائے قائم نہ کرتا جو اُس نے کی +

اُنہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ عقبے کی سزا اور جزا کا بیان غیر ممکن ہے۔
اَن دیکھی اَن چھوئی اَن چکھی اَن سمجھی چیز کیونکر سمجھ میں آسکتی ہے جس
چیز کے لئے لفظ ہی انسان کی زبان میں نہ ہوں وہ کیونکر بیان ہوسکتی ہے۔
کیفیت جو ایک ذاتی وجدانی چیز ہے وہ دوسرے کو کیونکر تبلائی جاسکتی ہے
یہ تمام امور محالات سے ہیں پس وحی یا الہام اُن کو کیونکر بیان کرسکتا ہے۔
سچا اور صحیح مسلمانی مسئلہ سزا و جزا کا یہ ہے کہ "لا عین رأت ولا اذن
سمعت ولا خطر علی قلب بشر" پس کوئی بیان کرنے والا گو کہ وہ الہام
ہی کی زبان ہو جزا کو بجز اس کے کہ نہایت ہی محبوب چیز ہے اور سزا کو بجز اس کے
کہ نہایت ہی موذی چیز ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ سو وہ بھی دنیا ہی کی محبوب
اور موذی چیزوں پر قیاس ہوسکتا ہے نہ عقبے کی واقعی محبوب و موذی چیز
پر۔ اس لئے تمام انبیاء نے دنیا ہی کی محبوب و موذی چیزوں کی تمثیل میں
عقبے کی سزا و جزا کا بیان کیا ہے۔ موسےٰ بھی فرمایا گئے کہ نیک کام کروگے
تو مینہ برسے گا غلہ پیدا ہوگا وبا نہ ہوگی گناہ کروگے تو قحط پڑے گا وبا پھیلے گی
اُنہوں نے اپنی تمام زندگی میں عقبے کا نام ہی نہیں لیا کیونکہ اُس زمانے
کے لوگ بجز اس کے اور کسی چیز پر سزا و جزا کا قیاس کر ہی نہیں سکتے
تھے +

آنحضرت صلعم نے سزا و جزا کا اُن دنیاوی تمثیلوں میں بیان کیا جس پر
اُس ملک کے لوگ سزا و جزا کے محبوب و موذی ہونے کا قیاس کرسکتے تھے۔

نہ یہ کہ اُس سے وہی حقیقت مراد تھی جو اُن لفظوں کے لغوی معنے تھے۔ اگر آنحضرت صلعم یورپ کے کسی ٹھنڈے ملک میں پیدا ہوتے تو ضرور بجائے ٹھنڈی نہروں کے گرم پانی کی نہریں اور بجائے موتی کے محلوں کے آتش خانہ والے محل بیان فرماتے اور نہ اُس سے حقیقت مراد نہ ہوتی۔ بلکہ صرف ایک تمثیل قیاس کرنے کو تھی وہ بھی صحیح قیاس کرنے کو نہیں بلکہ قیاس مع الفارق کرنے کو۔ جس قدر علمائے ربانی گذرے ہیں وہ سب اسی بات کے قائل ہیں قل اگر ملانے بلکہ کٹ ملا جیسے اُن کے برخلاف رہے مگر جو حقیقت ہے وہ کسی کے مخالف یا موافق ہونے سے تبدیل نہیں ہوتی ✦

اخلاقی اور ملکی انتظام کی نسبت بھی جو کچھ مسٹر گبن صاحب نے لکھا حاشیہ چڑھانے کے قابل ہے۔ اخلاق کا لفظ جو اُنہوں نے استعمال کیا وہ اسپریچوئل اور سوشیل یعنے روحانی اور تمدنی دونو برتاؤ کو شامل ہے۔ روحانی برتاؤ کی نیکی تمدنی برتاؤ کی خوبی کو لازم ہے۔ الا تمدنی برتاؤ کو روحانی نیکی یا بدی سے تعلق ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کا کام صرف اسپریچوئل ورچو یعنے روحانی نیکی کا بتانا تھا اور جہاں تک اس کو تمدن سے تعلق تھا بطور لزوم کے تھا نہ بطور مقصود بالذات کے کیونکہ وہ از خود انسان کی حالت ترقی کے ساتھ ترقی پاتی جاتی ہے۔ پس یہ بات کہ آنحضرت صلعم نے روحانی اخلاق کو کافی ترقی دی خود مسٹر گبن نے تسلیم کیا ہے۔ باقی رہی تمدنی حالت وہ اُن کے اصلی کام کی جس پر وہ کھڑے ہوئے جزو نہ تھی گو اُس میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی ✦ ملکی انتظام محض ایک بنیادی کام تھا جہاں تک جان و مال

کے امن سے متعلق تھا وہ اُس زمانے کی حالت کے مطابق بطور ایک
دنیاوی کام کے نہایت اعلےٰ درجے کی ترقی پر پہنچا تھا اور آئندہ کے لئے
وہ یہ انتظام فرما کر " انتم اعلم باموردنیاکم " اُن لوگوں کے ہاتھوں
چھوڑا تھا جو آئندہ زمانے میں ہوں یہ ایک نہایت غلطی ہے جو لوگ یہ
سمجھتے ہیں کہ دنیاوی امور اور انتظام ملکی بھی ایک جزو پیغمبری کا تھا۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب مسمے " اپالوجی فار محمد
اینڈ قرآن " میں یہ رائے لکھی ہے کہ " اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ
بعضوں نے کہا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدے کی
تلقین کی گئی ہے اُس کی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوتی تھی کیونکہ جن
لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ سب بلاتامل اس بات کو تسلیم
کریں گے کہ حضرت محمدؐ کا دین (جس کے ذریعے سے انسانوں کے خون
یعنے قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جس نے عداوت
اور دائمی جھگڑوں کی جگہ فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک روح لوگوں میں
پھونک دی اور جس کا اسی وجہ سے بہت بڑا اثر شائستگی پر ہوا ہوگا)
مشرقی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا۔ اور اس وجہ سے خاص کر اُسکو
اُن خونریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جن کا استعمال بلا استثنا
اور بلا امتیاز کے حضرت موسےٰ نے بت پرستی کے نیست ونابود کرنے
کو کیا تھا۔ پس ایسے اعلےٰ وسیلے کی نسبت جس کو قدرت نے بنی نوع انسان
کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ
پیش آنا اور جاہلانہ مذمت کرنا کیسی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ جب ان معاملات
پر خواہ اُس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب و

غریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کی جاوے۔ تو بجز اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ اس پر نہایت دل سے توجہ کی جاوے۔ اس امر میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہے اور ان پر غور کی ہے ان میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جو اس تحقیقات میں اکثر اوقات تردد اور صرف اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد ہیں۔ بلکہ اس بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں کہ آخرکار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا۔"

جان ڈیون پورٹ نے بھی لکھا ہے کہ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیمی اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور ایک سلسلے کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے مور تھے جو خلفائے عباسیہ اور بنی اُمیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔ علم جو ابتداء ایشیا سے یورپ میں آیا تھا اس کا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا۔ یہ بات مشہور و معروف ہے کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علوم و فنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہئے کہ تمام علوم طبعیات۔ ہیئت۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ جو دسویں صدی میں یورپ میں جاری تھے۔ ابتداء عرب کے علماء سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں۔"

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیونکہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جس کو فریقین جہاد کہتے تھے قطع نظر کی جاوے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈل انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہوگئی جس کے باقی ماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادیوں کی نہایت بڑی عالیشان عمارت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہیئے کہ وہ حضرت محمدؐ کے پیرووں کے (جو قدیمی اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں اُنہی کی کوششوں سے محفوظ اور علم ریاضی طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی اشاعت ہوئیں"

چیمبرز ان سیکلو پیڈیا میں ایک آرٹیکل لکھنے والے نے مذہب اسلام کی نسبت یہ رائے لکھی ہے کہ "مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے۔ ناانصافی۔ کذب۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ اسراف۔ عیاشی۔ بے اعتباری۔ بدگمانی۔ نہایت قابل ملامت کی گئی ہیں۔ نیک نیتی۔ فیاضی۔ حیا۔ تحمل۔ صبر۔ بردباری۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راستبازی۔ ادب۔ صلح۔ سچی محبت۔ اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اس کی مرضی پر توکل کرنا۔ سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے"

اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اُسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرھویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ خاندان عباسیہ کے خلفاء کے نہایت عمدہ زمانے سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُس کو پناہ نہ ملتی۔ عربی۔ فلسفہ۔ قدرتی چیزوں کی تواریخ۔ جغرافیہ۔ علم تاریخ۔ صرف نحو۔ علم کلام۔ اور فن شاعری کی (جس کی تعلیم پُرانے اُستاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں جن میں سے اکثر اُس وقت تک جاری رہیں گی اور تعلیم بھی دی جاوے گی جب تک نسلیں تعلیم ہونے کے واسطے پیدا ہوتی رہیں گی +

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جس نے یہ مضمون اختیار کیا تھا کہ "اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے" اسلام کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "اسلام نے بچہ کشی کا انسداد کر دیا جو اس زمانے میں قرب و جوار کے ملکوں میں جاری تھی۔ گو عیسائی مذہب نے بھی اس کو روکا تھا مگر اسلام کے برابر اُس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اسلام نے غلامی کو موقوف کر دیا۔ جو اُس ملک کی پُرانی جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا۔ اور صرف ان ہی لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا جن کو اُسکے ہتھیاروں نے فتح کیا تھا۔ اسلام نے اُس محصول کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا۔

اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا۔ اسلام نے مذہب کے معتقدوں کو اس بات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ کو مذہبی کام کو جبراً روپیہ دے اور تمام لوگوں کو اس بات سے کہ غالب مذہب کو ہر ایک قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کردیا اسلام نے فرقہ فتح مند کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصوں کو دئے جو اس مذہب کے پابند تھے۔ اُن کو ہر ایک قسم کی پناہ دی۔ اسلام نے مال کی حفاظت کی۔ سود لینے کو اور خون کا بدلا بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا۔ صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی۔ اور ان باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں بلکہ اُن کو پیدا کیا اور قائم کردیا۔ حرام کاری کو موقوف کردیا۔ غریبوں کو خیرات دینے اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی۔

وہی مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ " جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اس قدر وسیع اور وقیق اور مستحکم ہیں کہ ان کی تکمیل کرلینا تو درکنار ہم یقین نہیں کرسکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آسکیں۔ اسی سبب سے بعوض اسکے کہ اس کی نسبت اس طرح پر دلیلیں کی جاویں جس طرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کے فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ہیں۔ یا تو اُن کی نسبت یہ کہا جائے کہ اتفاقیہ ہوگئے ہیں یا بہ مجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جائے۔ باایں ہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونک دی اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کردیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا اُنھوں نے بنایا وہ اعلے

درجے کی ترقی سے بھی اسی طرح موافق تھا جیسا کہ ادنے ترین لوگوں سے اور اُس سلسلے نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گذر کر ہر ایک قوم کو جس نے اُس کو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فائق کر دیا جن سے اُن کا میل رہتا ہے"

طامس کارلیل نے جو اس زمانے کی دنیا میں نہایت نامور عالم ہیں اپنی کتاب میں جس کا نام "لکچرز آن ہیروز" ہے اس مضمون کی نسبت جس پر ہم بحث کر رہے ہیں یہ رائے لکھی ہے کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے ہی پہل اُس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔ اہل عرب کے گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اُن کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اُس قوم میں ایک اُلو العزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بن گئی۔ اُس کے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دلی ہو گئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت کی تجلے اور عقل کی روشنی زمانہ ہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالنے والا ہے جس وقت کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُس کے خیالات بارآور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہو جاتے ہیں۔ یہی عرب اور یہی حضرت محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں کس مپرس ایک ریگستان تھا۔ مگر دیکھو کہ یہ ریگستان زور شور سے اُڑ جانیوالے باروت نے نیلے آسمان تک

اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کردیا"۔ یہ رائیں ہیں۔ عیسائی مصنفوں کی جو اُنھوں نے اسلام کی نسبت لکھی ہیں۔ اب ہم اپنے خطبے کے اس حصے کو انہی رایوں پر ختم کرتے ہیں اور دوسرے حصے پر متوجہ ہوتے ہیں ❊

دوسرے حصے میں عیسائی مصنفوں کی اس رائے کی کہ اسلام انسانوں کی حالت معاشرت کے حق میں مضر ہوا ہے تردید کی جاتی ہے ❊

آنریبل سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد صلعم میں فرماتے ہیں کہ "اگر چھوٹی چھوٹی باتوں سے قطع نظر کی جاوے تو بھی مذہب اسلام سے تین بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اُس میں ایک سے زیادہ جوروؤں کا ہونا اور طلاق دے دینا اور غلام بنا لینا مستحکم کیا گیا ہے اور رائج ہو رہا ہے اور یہ باتیں علم اخلاق کی بیخ کنی کرتی ہیں۔ عام زندگی کو آلودہ اور ناپاک کرتی ہیں اور حسن معاشرت اور انسان کے گروہوں کی حالت کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔ دوم یہ کہ مذہبی آزادی یعنے یہ بات کہ لوگ جونسا مذہب چاہیں اختیار کریں۔ اور اُس کے لوازم مذہبی آزادی سے ادا کریں بالکل روک دی گئی ہے۔ بلکہ معدوم کر دی گئی ہے تحمل کا تو نام و نشان بھی نہیں دکھائی دیتا۔ سوم یہ کہ مذہب عیسائی کی ترقی میں اور اُس مذہب کے قبول کرنے میں ایک مزاحمت قائم کی گئی ہے"۔ پس اب ہم اپنے اس خطبے میں ان تینوں خرابیوں میں سے جن کا ذکر سر ولیم نے کیا ہے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ غور کریں گے ❊

اس بات کا خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے کہ مذہب اسلام میں ایک سے زیادہ جوروان کرنی اسلام لانے والوں پر لازمی قرار دی گئی ہیں یا کچھ زیادہ ثواب کی بات ٹھیرائی ہے۔ بلکہ بر خلاف اُس کے عموماً ایک سے زیادہ

جورُواں کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ صرف اُن لوگوں کو اجازت دی ہے جن کو وجوہات طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت ہو۔ لیکن اگر یہ عذر نہ ہو تو ایک سے زیادہ جورُواں کرنی ان نیکیوں اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے جن کی ہدایت اسلام نے فرمائی ہے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ جو مخالفت عیسائی مصنفوں اور مسلمانوں کے طور و طریق دستورات وخیالات میں ہے وہ اس امر کا مانع قوی ہے کہ اس معاملے میں سنجیدگی اور نیک نیتی اور صفائی قلب سے غور کی جاوے مثلاً کثرت ازدواج کے لفظ سے بھی عیسائی مصنفوں کے دل میں ایسے مکروہ خیالات گذرتے ہیں کہ وہ اس امر میں ہر ایک بات کی نسبت پہلے ہی سے مصمم ارادہ کر لیتے ہیں کہ اس میں عیب نکالیں اور اس امر پر لحاظ نہیں کرتے کہ ملک کی آب و ہوا اور مرد و عورت کی تعداد اور مختلف طبعی وجوہات اور معاشرت کے لحاظ سے وہ کس حالت میں اور کس حد تک جائز ہو سکتی ہے۔

ہم اس معاملہ کی نسبت تین امر یعنے قانون قدرت، اور باہمی معاشرت اور مذہب کے لحاظ سے بحث کریں گے۔ چنانچہ پہلے امر پر غور کرنے کے لئے ہم اس بات کا دریافت کرنا (بشرطیکہ ممکن ہو) ضرور سمجھتے ہیں کہ اس امر میں تمام ذی روح مخلوقات کے پیدا کرنے والے کی مرضی اور ارادہ کیا تھا۔ یعنے اُس نے انسان کثیرالازدواج ذی روح بنایا ہے یا نہیں۔ خالق کائنات کا ارادہ جو کچھ کہ ہو صاف صاف بلا کسی حجت و تکرار کے قدرت کے تمام کاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ امر صریح ناممکن ہے اُس کی مرضی اُن چیزوں کے برخلاف ہو جو اُس کی مرضی سے پیدا ہوتی ہوں۔

پس ہم قانون قدرت کی بے خطا نشانیوں سے پاتے ہیں کہ جن ذی روح

کی نسبت اُن کے خالق کا یہ منشا تھا کہ اُن کے صرف ایک ہی مادہ ہو اُن کی نسل ہمیشہ جوڑا جوڑا پیدا ہوتی ہے جن میں سے ایک نر و ایک مادہ پیدا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جن ذی روح کی متعدد مادائیں ہونی مقصود ہیں اُن کے ایک سے زیادہ بچے ہوتے ہیں اور اس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ نر و مادے کی تعداد میں باہم ایک ہی نسبت ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو جاندار زمین پر رہنے والے اور چلنے والے ہیں وہ اکثر بلکہ قریباً کل کے اسی قسم کے ہیں۔ پس اس قانون قدرت کے بموجب انسان بھی اسی دوسری قسم میں داخل ہے مگر جو کہ رہتے ہیں بوجہ اُس بیش بہا و نادر و عجیب قوت کے جس کو عقل یا نطق بمعنے مدرک کلیات و جزئیات کہتے ہیں اور اُس کے خالق نے اس میں ودیعت کی ہے اور تمام مخلوقات سے اشرف ہے اس لئے اُس کا فرض ہے کہ جو قوتیں اور حقوق مثل اور ذی روحوں کے جو اُس کے گرد و پیش رہتے ہیں قدرت نے اُس کو عطا کئے ہیں اُن کو احتیاط سے اور موقع بہ موقع بہ لحاظ امورات طبعی اور حسن معاشرت اور انتظام خانہ داری یا نظم ملکی و قوانین حفظان صحت اور ملکی تاثیرات آب و ہوا کے کام میں لاوے ورنہ اُس میں اور دیگر حیوانات میں جو اُس کے آس پاس پھرتے ہیں کچھ فرق نہیں ہے اور ایک بکری یا مرغی سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتا ہے پس جیسے کہ کثرت ازدواج اکثر حالتوں میں قابل نفرت ہے ویسے ہی قطعی التزام ایک سے زیادہ نہ ہونے کا خلاف فطرت ہے ۔

دوسرے امر کی نسبت یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ انسان اپنی سرشت سے مدنی الطبع پیدا ہوا ہے ۔ اسی بات کو توریت میں یوں بیان کیا

ہے کہ جب خدا تعالےٰ کو یہ خیال آیا کہ انسان کا اکیلا ہونا انسان کے حق میں اچھا نہیں ہے تو اُس نے اُس کے واسطے ایک ساتھی پیدا کیا۔ اور وہ عورت ہے جو اس واسطے پیدا کی گئی ہے کہ انسان کی زندگی کے تفکرات و تردداتـ لطف و فرحت۔ رنج و راحت میں شریک ہو۔ اپنی مجانست سے اُس کی خوشی کو بڑھاوے اور اپنی محبت اور الفت کی بھری ہوئی ہمدردی سے اُس کی تکلیف کو کم کرے اور سب سے اخیر غرض جس کے لیئے وہ پیدا کی گئی ہے یہ ہے کہ انسان کے ساتھ شریک ہو کر خدا کے اس بڑے حکم کی تعمیل میں کہ "بڑھو اور پھلو اور زمین کو آباد کرو" مدد دے۔ مگر جب کبھی یہ مددگار کسی سبب سے اپنے ان قدرتی فرضوں کے ادا کرنے میں قاصر ہو تو اُس دانشمند حکیم خالق زن و مرد نے اس نقصان کے رفع کرنے کی بالیقین کوئی تدبیر رکھی ہوگی اور وہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ یا ایسی حالتوں میں ایک سے زیادہ مگر کسی حد خاص تک ایک ہی وقت میں جور۔وال رکھنے کی اجازت ہو خواہ یہ ہو کہ پہلی زوجہ کے طلاق دینے کے بعد دوسری جورو کرے۔ پچھلا حق عورت کو بھی حاصل ہونا چاہیئے چنانچہ مذہب اسلام کی رو سے اُس کو حاصل ہے۔ سیاست مدن کے لحاظ سے صرف اتنا فرق ہے کہ مرد جب چاہے اس علاج کو کر سکتا ہے لیکن عورت کو اول۔ جج (یعنے قاضی) کی اجازت حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر اس تدارک کی انسان کو اجازت نہ ہوتی جس کی ضرورت ہم نے صاف صاف لفظوں میں ثابت کی ہے تو اُس کے سبب سے حسن معاشرت میں نہایت نقصان پہنچتا۔ کیونکہ ایسی سخت قطعی قید سے نہایت قبیح اور بدترین برائیوں اور گناہوں کی طرف انسان کو مائل ہونا پڑتا۔ اگرچہ اس نقصان کا تعلیم و تربیت کی ترقی سے کم ہونا ممکن ہے

لیکن منشا حالات سے ہے پس جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں اس کے عمل میں نہ لانے سے وہی تمام نقصان پیدا ہوتے ہیں جو حسن معاشرت کے لئے سم قاتل ہیں +

مسٹر ہگنز صاحب نے جو اپنی راے نسبت تعدد ازواج لکھی ہے اور جان ڈیون پورٹ نے جو مانٹگیو کی راے اس باب میں نقل کی ہے اسکا اس مقام پر بیان کرنا بے موقع نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات افسوس کی ہے کہ ان دونو صاحبوں نے تعدد ازواج پر صرف ایک نظر سے الگاہ کی ہے یعنے امورات طبعی کے لحاظ سے مگر مذہب اسلام میں یہ خاص اجازت حالات خاص میں صرف امورات طبعی کے لحاظ سے نہیں دی گئی ہے بلکہ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا۔ اس غرض سے دی گئی ہے کہ تزویج کی مصلحتوں کے واسطے اور مقاصد تزوج کے فوت ہوجانے کی حالت میں ایک تدارک حاصل ہو جو عین مرضی آدم وحوا کے پیدا کرنے والے کی اسکی قدرت کے کاموں کی نشانیوں سے معلوم ہوتی ہے +

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے مانٹیگو کی یہ راے نقل کی ہے کہ " گرم ملک میں عورتیں آٹھ نو یا دس برس کی عمر میں نکاح کے لائق ہو جاتی ہیں۔ پس ان ملکوں میں بچپن اور نکاح کے لائق جوانی گویا ساتھ ہوتی ہے۔ بیس برس کی عمر میں وہ بڑھیا ہو جاتی ہیں۔ پس اس لئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ان ملکوں میں جب کہ کوئی قانون مانع نہ ہو انسان جورو کو طلاق دے کر دوسری جورو کرلے اور تعدد ازواج کا قاعدہ جاری کیا جائے +

مسٹر ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ " علم قواے انسانی اور علم طبعیات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسے دریافت کئے ہیں جو کثرت ازواج کے

واسطے بطور ایک عذر کے متصور ہو سکتے ہیں اور ہم شمالی ملکوں کے سرد خون والے مینڈک کے سے مزاج کے جانوروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں۔ مگر بنی اسمٰعیل سے جو گرم ریگستان کے رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ سرڈبلیو اوسلی صاحب کے مشرقی مجموعہ صفحہ ۱۰۰ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایشیا کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دو نو گروہ یعنے مرد و عورت میں ایک ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب و ہوا میں نہیں ہے۔ جہاں دونو برابر برابر اور بہ تدریج عالم ضعیفی میں پہنچتے ہیں۔ مگر ایشیا میں صرف مرد ہی کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ ضعیفی میں بھی قوی اور طاقت ور رہتا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو بانیٔ مذہب اسلام کے لئے اس بات کی کہ انہوں نے متعدد جوروؤں کی اجازت دی ایک وجہ بڑی تھی اور یہ ایک کافی سبب اس بات کا ہے کہ حضرت عیسےٰ نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ اس کو ملکوں کی گورنمنٹوں کی آئین پر چھوڑ دیا کیونکہ جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہوگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب ہوگی +

اب ہم اس مقام پر ان بد عادتوں اور خراب اخلاق کا جو آنحضرت صلعم سے پہلے ایام جاہلیت میں عموماً جاری تھے اس ناظرف دارانہ بحث میں ذکر نہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔ ملک ایران اپنے اخلاق کی خرابی میں سب سے بڑھا ہوا تھا وہاں تو ہمین طلاق بالائے طاق رکھ دئے تھے اور رشتہ داری کا گو وہ کیسی ہی قریب ہو یا بعید مطلق پاس و لحاظ نہیں تھا۔ بیٹے کو اس کی ماں ایسی ہی مباح تھی جیسے باپ کو اس کی بیٹی اور بھائی کو اس کی بہن۔ غرض کہ اس معاملے میں تمام اوقع ایک جانور کے

گلہ سے مشابہت رکھتے تھے جو کسی قسم کے قانون کے پابند نہیں ہوتے ۔
ایران کے گوشۂ شمال و مغرب میں یہودی بہ کثرت آباد تھے۔ ان کے
ہاں اکثر ازدواج کی رسم بلا کسی قید اور حد کے بے روک ٹوک کے جاری
تھی اور زمانۂ عرب کے جاہلیت کے عرب کے حالات کو بنظر غور دیکھنے سے
جہاں یہودیوں اور ایرانیوں کے دستورات خلط ملط ہو گئے تھے معلوم ہوتا
ہے کہ عرب میں یہ دونوں رسمیں یکساں جاری تھیں۔ تعدد ازواج کی کچھ
انتہا نہ تھی۔ لوگ جس عورت کو چاہتے تھے پسند کرتے تھے۔ اپنے پسند
میں کسی قسم کے قانون کے پابند نہ تھے۔ تمام عورتیں بغیر کسی امتیاز و رتبہ یا
عمر یا رشتہ داری کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنے کا کام
دیتی تھیں۔ عورتوں کی نسبت بدنیتی کے وحشیانہ خیالات اور ان کے ساتھ
وحشیانہ حرکات کا تفاخر صرف بے عیب ہی نہیں گنا جاتا تھا بلکہ شیخی اور عالی
ہمتی اور بڑی بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے کے عیسائی مذہب
پر (اگر وہ مذہب عیسوی کہا جاسکے) جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اس کے معتقدوں
کو ایک ایسے طریقے کا پیرو پاتے ہیں جو اوپر کے دستوروں کے بالکل
برخلاف ہے یعنے ایک بھی جورو کرنی کچھ نیکی نہیں گنی جاتی تھی۔ بلکہ رہبانیت
و تجرد محض کی عام ہدایت تھی اور مرد عورت دونو کے لئے وہی نیکی گنی
جاتی تھی۔ ایسے زمانے میں جس میں عقل کی اور دل کی تاریکی چھائی
ہوتی تھی اور رسم و رواج اور اخلاق اور طرز معاشرت اس درجہ خراب ہو گیا
تھا۔ بانئ اسلام نے نہایت خوبی اور دانش مندی سے ایک ایسا عمدہ
قانون بنایا جو بہ لحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقل کامل کے
بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی اور بہبودی اور حسن معاشرت کی

ترقی کا نہایت عمدہ ذریعہ اور زن و مرد کی حالت زوجیت کے حق میں اور دونوں کے لئے اُس کی تلخیوں کو دور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے +

تیسرے جب کہ ہم اس معاملے پر بہ لحاظ مذہب کے بحث کرنا چاہتے ہیں تو ہم پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ دو اور الہامی مذہبوں نے یعنے یہودی مذہب نے اور خصوصاً عیسائی مذہب نے جس کے پیرو مذہب اسلام کے اس مسئلہ پر نہایت طعن کرتے ہیں اس باب میں کیا کیا ہے۔ اور اُس کے بعد ہم دکھا دیں گے کہ مذہب اسلام نے کیا کیا اور پھر اہل انصاف سے پوچھیں گے کہ مذہب عیسوی نے تعدد ازواج کو روکا ہے یا مذہب اسلام نے +

مذہب یہود تو ایک مخزن ہے جس میں بہ کثرت ازدواج اور بلا تعین حد موجود ہے عیسائی مذہب نے بھی تعدد ازدواج کی کہیں ممانعت نہیں کی چنانچہ ہم اپنے اس قول کی تائید میں چند مشہور و معروف عیسائی عالموں کی رائیں نقل کرتے ہیں جن سے تعدد ازواج کی تائید ہوتی ہے۔ مسٹر ہگنز بیان کرتے ہیں کہ "حضرت محمدؐ نے اُس نہایت قدیم موسوی مذہب کے مقلدین کی پیروی کر کے اپنی قوم کو جو اسمٰعیل کی اولاد ہے۔ (جو مسلمانوں کے باپ کا بیٹا تھا) متعدد بیویوں کی اجازت دی اس واسطے عیسائی ہمیشہ اُس پر عیب نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے پیروؤں کی کمینہ خواہش کو پورا کیا لیکن میں نہیں جانتا کہ متعدد بیویوں کی اجازت کی نسبت ایسا سخت طعن کیوں کیا جاتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی نظیر اور حضرت داؤدؑ کی نظیر پر (جو خدا کی دلی رضی کے مطابق چلتے تھے اور جن کو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لئے بنایا تھا) یہ امر چند ال

اعتراض کے لائق نہیں ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ عیسےٰ مسیح نے بھی
اُن میں انجیلوں میں سے جن کو اُن کے معتقدوں کے گروہ میں سے
کسی نہ کسی نے اُن کے احکام کے قلمبند کرنے کے واسطے تحریر کیا تھا۔
کسی انجیل میں اُس کی ممانعت نہیں ہے۔

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں بائبل کی بہت سی آیتوں کے حوالے
سے لکھتے ہیں کہ "ان آیتوں سے پایا جاتا ہے کہ تعددازدواج صرف پسندیدہ
ہی نہیں ہے بلکہ خاص خدا نے اُس آیت میں برکت دی ہے" نہایت مشہور و
معروف عالم جان ملٹن تعددازدواج کا ایک مشہور حامی ہے جس نے اس امر
کی تائید میں بائبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد یہ تحریر کیا ہے۔
کہ "علاوہ اس کے خدا نے ایک تمثیلی صورت (حزقیل) میں مسلمانان اہولا وا
ہولیبا سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا بیان ہے کہ اُس کو
خداوند تعالےٰ بالتخصیص اس طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز نہ اختیار
کرتا اور نہ درحقیقت ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم جس کی دلالت اس سے
ہوتی ہے فی نفسہ معیوب یا مذموم ہوتی۔ پس جس رسم کا امتناع انجیل میں
بھی کسی کو نہیں ہے وہ کیونکر معیوب یا مذموم خیال کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ
انجیل میں اُن کلی آئین میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا ہے جو انجیل
سے پیشتر جاری تھے۔"

جان ملٹن یہ بھی کہتے ہیں کہ "میں عبرانیوں کے خط کے باب ۱۳ اور ۱۴
سے اس طرز سے جواز تعددازدواج پر استدلال کرتا ہوں کہ تعددازدواج
کی رسم یا تو نکاح جائز ہے یا فجور ہے یا زنا ہے۔ لیس اس مقدس رسول نے
کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں کی۔ پس میں یقین کرتا ہوں کہ اُن بہت سے

بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو کثیر الازواج تھے ہر ایک شخص اُس کو مجوزہ یا زنا خیال کرنے سے باز رہے گا۔ کیونکہ خدا حرام کاروں اور زانیوں کو سزا دے گا حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص نظر تھی جیسا کہ خود اُس نے فرمایا ہے۔ پس اگر متعدد نکاحوں کا کرنا ٹھیک ٹھیک نکاح ہو تو وہی جائز ہے اسی حواری کا قول ہے کہ "سب میں نکاح کرنا بھلا ہے اور تسپر ناپاک نہیں"+

یہ حال تو تعدد ازدواج کی نسبت مذہب موسوی اور عیسوی میں تھا اب ہم کہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے تمام مذہبوں سے بڑھ کر تعدد ازدواج کو نہایت خوبی سے روکا ہے اور صرف ایک ہی بیوی کو پسند کیا ہے تعدد کو صرف ایک نہایت محدود اور خاص حالت میں جائز رکھا ہے۔ ہم کو کچھ شبہ نہیں ہے کہ سچا مسئلہ سچے مذہب کا جو اُس کی مرضی کے موافق ہو جس نے مرد و عورت کا جوڑا پیدا کیا ضرور ایسا ہوگا جو قانون قدرت کے تو برخلاف نہ ہو اور حسن معاشرت میں کوئی نقصان نہ پیدا کرے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ عموماً کثرت ازواج کی ممانعت اور صور نہایت خاص اور حالات مستثنا میں اجازت ہو اور ٹھیک ٹھیک یہی مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے۔ قرآن مجید نے اس نازک معاملہ اور دقیق اور پُرپیچ مطلب کو نہایت فصیح و بلیغ دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ فان خفتم الا تعدلوا فواحدہ یعنے اگر تم کو خوف ہو کہ متعدد جوروؤں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی جورو رکھنی چاہیئے۔ اگر ان لفظوں پر کافی غور نہ کی جاوے اور صرف اوپرے اوپرے معنے لئے جاویں جیسے اکثر علما اور فقہا نے لئے ہیں تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو بے اعتدالی سے باز رکھنے کی غرض ہے (جو ہمیشہ بد اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہے) اور اس بات کا یقین ہونے کی نظر سے کہ جس شخص نے ایک سے زیادہ جوروواں کیں وہ ایک واقعی ضرورت کے سبب سے

مجبور تھا بہت سخت قیدیں اور شرطیں لگائی گئی ہیں مثلاً یہ کہ سب کو برابر حق حقوق دینے اور سب کے ساتھ برابر محبت رکھنی تاکہ عدل کے ستحقے متحقق ہوں۔ پس جو لوگ سچے دین دار اور درحقیقت مذہب کے تابع ہیں وہ از خود بجز ضرورت مجوزہ کے ایک سے زیادہ جوروؤاں کرنے سے باز رہتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ اس اجازت سے بغیر اس کی شرائط کے پورا کئے جن کا پورا کرنا نہایت مشکل ہے فائدہ اُٹھانا اپنے مذہبی فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا نہیں ہے ٭

لیکن اگر ان مختصر لفظوں پر بہ تعمق نظر کی جاوے تو معلوم ہوگا کہ شارع نے ایک سے زیادہ جورو کرنے کی اجازت کو نہایت محدود اور خاص حالت میں مخصوص کر دیا ہے کیونکہ اُس نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو خوف ہے کہ عدل نہ کرسکوگے تو صرف ایک ہی ہونی چاہئے لفظ خوف عدم عدل ایک ایسا لفظ ہے کہ جب تک محل عدل ساقط نہ ہو خوف عدم زائل نہیں ہوسکتا۔ گو اس وقت ہم کیسا ہی سچا ارادہ کرلیں کہ ہم دو جوروؤں میں عدل کریں گے (جو درحقیقت بحالت قیام محل عدل ناممکن ہے) تب بھی بخوف عدم عدل اگر محل عدل قائم ہے زائل نہیں ہوتا ٭

دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کی یہ خوبی تفصیل ہے جہاں خدا نے اُن کی نسبت جن کے پاس متعدد جوروئاں تھیں صاف صاف فرمادیا ہے کہ تم ہرگز متعدد جوروؤں میں عدل نہ کرسکوگے گو تم عدل کرنے کی کتنی ہی حرص کرو۔ پس مت جھک پڑو اندھا دھندی سے

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا و تتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماہ

جھک پڑنا تاکہ چھوڑ دو اُن کو اُدھر میں لٹکتی ہوتی کہ وہ نہ بیوہ یا مطلقہ ہے کہ دوسرا
وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ وکان اللہ واسعاً حکیما (سورہ نساء) شوہر کر سکے اور نہ سہاگن ہے کہ خصم کے
ساتھ خوشی سے زندگی بسر کرے پھر اگر تم صلح کر لو اور پرہیزگاری کرو تو بے شک
اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر تم دو تو جدا ہو جاؤ تو اللہ تعالےٰ دونو کو اپنی
وسعت رزق سے بے پرواہ کرے گا اور اللہ بڑی وسعت والا حکیم ہے - اِس آیت
سے صاف ثابت ہو گیا کہ عدل غیر ممکن ہے اور اس لئے خوف عدم عدل کبھی
ساقط نہیں ہو سکتا جب تک کہ محل عدل باقی ہے اور اس آیت میں طلاق کو
مسقط محل عدل بتایا ہے - اگرچہ اور بھی چند امور مثلاً امراض یا نقصان خلقت
مسقط محل عدل ہو سکتے ہیں پس اجازت تعدد ازدواج کی عدم وجود محل عدل میں
منحصر ہوگی اور عدم وجود محل عدل مستلزم عدم حسن معاشرت ہے پس کس دانائی
در احتیاط اور خوبی اور بے انتہا عمدگی سے شارع نے قانون قدرت اور حسن
معاشرت دونو کو قائم رکھ کر اس باب میں حکم دیا ہے اور ہر غیر متعصب شخص کا دل
قبول کرے گا کہ بے شک یہ حکم اُسی شخص کا ہے جس نے مرد و زن کا جوڑا پیدا
کیا ہے +

ہاں بلاشبہ اس اجازت سے اوباش اور شہوت پرست آدمیوں کو جن کی
زندگی کا عین منشاء ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلنا ہے ایک حیلہ ہاتھ آگیا ہے - مگر
اس عمدہ اور مفید قاعدے کے بے جا عمل درآمد کرنے سے وہ لوگ اُس خدا کے
سامنے جواب دہ ہونگے جو انسانوں کے دلوں کا محرم راز ہے اور وہ یقیناً اُن کو
اس قسم کی سزا دے گا جو اُن کے گناہ کے لحاظ سے واجب ہوگی +

ان تمام باتوں کے سمجھنے کے بعد ہمارے اس خطبے کے پڑھنے والے یقین
کریں گے کہ یہ جو تعدد ازدواج اس زمانے میں رائج ہے کہ جہاں ذرا دولت ہوتی

اور دو دو اور تین تین اور چار چار جورؤاں کرنے لگے اور ایک بازار کی عورت کو داؤں پر چڑھایا اور نکاح کر مارا۔ جہاں مقدس مولوی ہوئے اللہ میاں کے ساجھ بنے اُس مریدنی کو لے ڈالا وہاں وعظ کہنے لگے اور سنت نکاح ثانی کو جاری کیا۔ قرآن پڑھاتے پڑھاتے دوسرا سبق خطبۃ النکاح کا پڑھانے لگے۔ اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے ایک حیلہ متعہ کا جو جاہلیت میں تھا۔ اسلام میں پیدا کرکے عورتوں کو کھنگالنا شروع کر دیا۔ ان سب باتوں کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ سب ایک قسم کی اوباشی کے ڈھنگ ہیں جن سے اسلام نفرت کرتا ہے اور وہ سب ہوا پرست اوباش ہیں جن سے اسلام کا نام بدنام ہوتا ہے۔ پس ایسے شخصوں کے افعال پر اسلام کی خوبی و حقیقت سے چشم پوشی کرنا چمگادڑوں کے لئے آفتاب کا سیاہ کرنا ہے ۔

اب طلاق کی نسبت ہم کو گفتگو کرنی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس طرح ہم نے تعدد ازدواج کی نسبت تین طرح پر یعنے قانون قدرت ۔ حسن معاشرت۔ اور مذہب کی رُو سے بحث کی ہے اس طرح پر بحث نہیں ہوسکتی اور اس لئے ہم اس مسئلے پر صرف بہ لحاظ حسن معاشرت اور مذہب کے بحث کریں گے ۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام قدیم و جدید قوموں میں نکاح کا عام رواج ہے اور وہ علے العموم انسان کی ذاتی و تمدنی بہبودی کی بنیاد ہے۔ تو جو چیز اس کو معدوم کرنے والی ہے یعنے طلاق وہ نہایت ہی بد چیز فوائد ذاتی و تمدنی کو برباد کرنے والی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ روم کے گرجا نے بنظر اُس کی حفاظت کے نکاح کو اپنے ساتھ پاک رسموں میں قرار دے کر اُسکو

منبرک ٹھیرایا ہے اور انگلستان کے پروٹسٹنٹوں نے طلاق کا حکم صرف ایک
حالت میں جائز رکھا ہے جب کہ ہوس آف لارڈز سے زر کثیر صرف کرنے کے
بعد حاصل ہو۔ یہ انتظام ۱۸۵۸ء تک قائم تھا یعنے اُس وقت تک جب کہ طلاق
کے تمام مقدمات کے تصفیے اور جیوری کی راے سے اُس کی نسبت تجویز ہونے
کے لئے ایک نئی عدالت قائم کی گئی *
عموماً یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ سب سے بڑا دشمن حسن معاشرت و
تمدن کا طلاق ہے اُس کے سبب سے نکاح کی وقعت گھٹ جاتی ہے۔
اور مرد کی محبت کا عورت کے ساتھ اور عورت کی وفاداری کا مرد کے ساتھ
اعتبار نہیں رہتا۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر کسی سبب
و حالت سے ایسی خرابیاں مرد و عورت میں پیدا ہو جاویں جو کسی طرح اصلاح
کے قابل نہ ہوں تو اُن کا بھی کچھ علاج ہونا چاہیئے اور وہ علاج طلاق ہے۔
پس کچھ شک نہیں ہے کہ ایسی حالت میں طلاق سے فائدہ ہے اُس کے باعث
سے مرد و عورت کو آزادی ہو جاتی ہے جن کے مزاج کی مخالفت یا سختی یا بے
استقلالی سے دونوں کی زندگی تلخ ہو گئی تھی۔ باایں ہمہ اگرچہ طلاق ایک شخص
واحد کے حق میں مفید ہو لیکن بہ لحاظ اُن بد اخلاقیوں کے جو اکثر اوقات
نہایت آشکارا طور پر وقوع میں آتی ہیں اور نیز اُس مضرت بخش اثر کی وجہ سے
جو طرفین کی اولاد پر اپنے والدین سے جدا ہونے سے ہوتا ہے تمدن کے حق
میں کچھ کم مضرت پہنچانے والا نہیں ہے۔ پس جب کہ طلاق کے ساتھ ایسی
خرابیاں لگی ہوئی ہیں تو اُس کو بطور ایک علاج سمجھ کر اُسی حالت میں اُس کی
جانب رجوع کرنا جائز ہو سکتا ہے جب کہ اُس پر عمل کرنے سے ایسی مصیبتیں جو
طلاق کی مصیبتوں سے بھی زیادہ ناقابل برداشت ہوں اور ایسے تردداتت

اور تفکرات میں ڈالنے والی ہوں۔ جو طلاق کے رنجوں سے بھی زیادہ رنج دینے والی اور روز افزوں رنجشیں پیدا کرنے والی اور باہمی حسن معاشرت کے بدلے دن رات کے لعن وطعن جو تی پیزار رکھنے والی ہوں دور ہو سکتی ہوں۔ اگر ایسی حالت میں طلاق کو جائز رکھا جاوے (جیسے کہ اسلام نے صرف اسی حالت میں اس کو بے گناہ ٹھیرایا ہے) تو وہ کسی طرح حسن معاشرت کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کی اصلاح کرنے والی اور ترقی دینے والی ہے ۔

جب کہ ہم بہ لحاظ مذہب کے طلاق کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جس نے طلاق کے مسئلے میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی حفاظت اور اصلاح پر نظر رکھی ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق دینا بغیر کسی قید وشرط وحالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ جب وہ چاہے طلاق نامہ لکھ کر جورو کے حوالے کر دے اور ایسا کرنے سے کسی حالت میں وہ کسی گناہ کا گنہگار متصور نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عیسےٰ نے اس حکم کو منسوخ کیا اور جیسا کہ حال کے زمانے کی عیسائی سمجھتے ہیں (اگر وہ صحیح ہو) تو بجز ایک خاص وجہ کے اور کسی حالت میں طلاق کا دینا جائز نہیں رکھا اور فرمایا کہ " میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے کسی سبب سے طلاق دے۔ اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے " اگر اس فقرے سے عدم جواز طلاق سمجھا جاوے جیسا کہ حال کے زمانے کے عیسائی سمجھتے ہیں (اور شاید وہ سمجھ صحیح نہیں ہے) تو یہ ایک ایسا سخت حکم تھا جس کی برداشت انسانوں سے قریب ناممکن کے تھی ۔ چنانچہ حضرت مسیح کے معتقدوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ " اگر جورو سے مرد کا یہ طور ہے تو جورو کرنا خوب نہیں " پس اگر یہ حکم اسی طرح مانا جاوے جس طرح

کہ اس زمانے کے عیسائی مانتے ہیں تو حسن معاشرت کے لئے نہایت ہی مضر ہے۔ اور جو رنج وہ امور زن و شوہر میں واقع ہو جاتے ہیں جن سے تمام حسن معاشرت اور اغراض تزوج برباد ہو جاتے ہیں اُس کا کچھ بھی علاج نہیں ہے اور زن و مرد دونو کے لئے اور بہت سی خرابیاں اور خوفناک حالتوں میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ بایں ہمہ بعض عیسائی عالموں کی یہ رائے ہے کہ اس حکم سے عدم جواز طلاق نہیں پایا جاتا اور اس لئے وہ عالم عیسائی مذہب کی رو سے بھی طلاق کا جائز ہونا سوائے زنا کے اور حالتوں میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ جان ملٹن نے اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں یہ بحث لکھی ہے کہ "نکاح کی جو تعریف کی گئی ہے اُس کی رو سے نکاح نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد ہے مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق نہیں ہے" بعض لوگ اُس کے ناقابل تفریق ہونے کی نسبت متی کی انجیل باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ "وہ دونو ایک تن ہو جاویں گے" اگر ان الفاظ پر مناسب طور سے غور کیا جاوے تو اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ نکاح قطعاً قابل تفریق نہیں بلکہ اُن سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہئے کیونکہ جو کچھ نکاح ناقابل انفکاک ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ خاص عقد نکاح اور اُسکے تمام مقاصد و لوازمات کی پوری پوری تعمیل ہونے پر منحصر ہے خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم کے یا بطور ایک قدرتی نتیجے کے خیال کئے جاویں اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں اُن لفظوں کے ساتھ یہ لفظ بیان کئے گئے ہیں کہ "مرد اپنے ماباپ کو چھوڑے گا اور اپنی جورو سے ملا رہے گا۔ + + اور وہ دونو ایک تن ہونگے یعنے بشرطیکہ نکاح کی اصلی نوعیت کے مطابق (جن کا بیان کتاب پیدائش باب ۲ ورس ۱۰ لغایت ۲۰ میں ہے) عورت خاوند کے واسطے ایک مددگار ہو یا یہ کہ خاوند

کے باہم خیر خواہی اور محبت اور آرام و وفاداری میں کچھ فرق نہ آوے کیونکہ عرف عام کے بموجب یہی اصلی وضع نکاح کی ہے لیکن اگر اصل منشار نکاح کا منقطع ہو جاوے تو اُس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی دراصل منقطع ہو گیا +

دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جس پر بڑا زور دیا گیا ہے یعنے " جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جُدا نہ کرے" لحاظ کے قابل ہے۔ مگر نکاح ہی کے عقد سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا نے کس چیز کو ملایا ہے ؟ خدا نے صرف اُس چیز کو ملایا ہے جو ملاپ کے قابل ہے اور جو مناسب ہے بہتر ہے اور محترم ہے اُس نے انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف اور نا مناسب حالت کے ملاپ کا حکم نہیں دیا جس میں صرف بے عزتی اور تکلیف اور عداوت و مصیبت بھری ہوئی ہو۔ خدا تعالےٰ کچھ اس قسم کے ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہیں ہوں۔ بلکہ جبر یا نا عاقبت اندیشی یا غلطی یا بدسلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں۔ پس ایسی ناگوار خانہ داری کی بُرائی سے اپنے تئیں نجات دینا کس وجہ سے ناجائز ہے۔ علاوہ اس کے ہمارا اسلام اُن شخصوں کو جدا نہیں کرتا جن کو خدا تعالےٰ نے اپنے مقدس آئین کے بموجب ملایا ہے بلکہ صرف اُن شخصوں کو علحدہ کرتا ہے جن کو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی رو سے جدا کر دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا حکم ہے جس کا اثر ہم پر ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ سابق میں اگلی اُمت پر ہوتا تھا۔ مذہب عیسوی کے کمال کو جس کی ترقی بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں اُس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر اور قوانین تعزیری کے ذریعہ سے ہم میں زبردستی اس کا رواج نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ اگر ہو تو اس کو ترغیب اور عیسائی پند و نصائح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہئے۔ کسی شخص کی نسبت صرف اُس حالت میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے

نکاح کو قطع کیا جو شرعاً منعقد ہوا تھا جب کہ وہ احکام الٰہی میں اُس بات کو زیادہ کرسکے جو خاص اس حکم میں شامل نہ ہو مذہب کے حیلے سے اُس شخص سے جدا ہو جاوے جو اُس کی منشا کے موافق ہو کیونکہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے منصفانہ اور پاک اور مقدس قانون میں صرف مختلف ہوں پر طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس کو جائز قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں اُس کی ہدایت کی ہے اور بہ حالت خلاف ورزی۔ سخت سزائیں قرار دی ہیں دیکھو کتاب خروج باب ۲۱ درس ۴ و ۱۰ و ۱۱ اور کتاب استثنا باب ۲۱ درس ۱۴ و باب ۲۴ درس ۱ و کتاب عزرا باب ۱۰ درس ۳ نحمیا باب ۲۳ درس ۲۰۔

توریت کتاب استثنا باب ۲۴ درس ۱ میں لکھا ہے کہ جب کہ کوئی شخص ایک بیوی کرلے اور اس سے نکاح ہو جاوے اور ایسا اتفاق ہو کہ وہ اس کو پسند نہ ہو کیونکہ اُس میں کچھ ناپاکی ہے تو اس کو چاہئے کہ ایک طلاق نامہ لکھ کر اُسکے ہاتھ میں دے دے اور اُس کو اپنے گھر سے نکال دے" پس اگر فرض کیا جاوے کہ جو سبب طلاق کا بتایا گیا ہے وہ سچا ہے اور مصنوعی نہیں تو اس مقام میں خداوند تعالےٰ نے ایک بیوی ابتدا ہی میں اس غرض سے دی کہ وہ اُس کی مدد اور تسلی و خوشی کا باعث ہو جیسا کہ خود آئین نکاح سے ظاہر ہوتا ہے تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے وہ بیوی رنج و رسوائی اور تباہی اور اذیت اور مصیبت کی باعث ہو تو ہم کو کیونکر یہ خیال کرنا چاہئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ میں دل کی سختی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اُس عورت کو اپنے پاس رہنے دے نہ کہ اُس شخص سے جو اُس کو ایسی صورتوں میں گھر سے نکال دے اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت سلیمان یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت

سلیمان کے مُونہ سے یہی بات کہی ہے چنانچہ توریت کتاب امثال سلیمان باب ۳۰ ورس ۲۱ و ۲۳ میں لکھا ہے کہ "تین چیزوں سے دنیا کو بے چینی حاصل ہوتی ہے بلکہ چار چیزیں ہیں جن کو وہ برداشت نہیں کرسکتی ہے ×× ×× اور ایک مکروہ عورت سے جب کہ اُس کا نکاح ہو جاوے" اس کے برخلاف کتاب واعظ باب ۹ ورس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ "تو اُس عورت کے ساتھ جس سے خوشی سے بسر کر جس کو اُس نے (خدا) تجھے دیا ہے اور جس کو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانے میں پیار کرتا ہے" پس جو عورت اُس نے تجھ کو دی ہے وہ عورت ہے جس کو تو پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس سے تو نفرت کرتا ہے - اور کتاب ملاخی باب ۲ ورس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص نفرت کرتا ہے (یا اُس وجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہے) اُس کو چاہیئے کہ اُس کو چھوڑ دے" چنانچہ یونیوس سے پہلے سب نے اس فقرے کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے[1] - پس معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے اس حکم کو حضرت موسےٰ کی معرفت اس غرض سے صادر نہیں فرمایا اور نہ اس نبی کی معرفت اس پر اس کو اس غرض سے دوہرایا - کہ شوہر کو اپنی سنگ دلی کے برتاؤ کا موقع ملے بلکہ اس غرض سے صادر کیا ہے کہ جہاں ضرورت ہو اس بدنصیب عورت کو اس کے اثر سے بچاوے کیونکہ اس میں کوئی سنگ دلی نہیں ہے کہ اُس عورت کو عزت

[1] صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اس طرح پر ہوئے ہیں -
ترجمہ عربی ۱۸۱۱ء میں ہے "وامراة شبابك لا تتركها لكن ان ابغضتها سرحها" اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں "وزوجة غلامتك لا تتركها اذا ابغضت فاطلق" اور ایسا ہی رومن کیتھلک بائبل میں ہے اور انگریزی ترجمہ پروٹسٹنٹ کے حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے مخالف نے استدلال کیا ہے -

سے اور بلا تکلف رخصت کرئے جس کا خود ہی یہ قصور ہے کہ وہ محبوب نہیں ہوئی۔ ایسی عورت کو جو نہ صرف یہی ہے کہ وہ محبوب نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی ہو اور اس سے نفرت اور عداوت کی جاتی ہو۔ غرضکہ جس عورت کا یہ حال ہو اُس کو ایک نہایت تکلیف وہ قانون کا اتباع کرکے اُس کے شوہر کے نہایت بھاری غلامی کے بوسے میں رکھنا (کیونکہ نکاح بے محبت ایسا ہوتا ہے) جس کو نہ تو اس کے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی ہو یہ ہی درحقیقت ایسی سختی ہے جس میں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بے رحمی ہے۔ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دے دی ہے جس کا اگر مناسب طور سے عمل درآمد کیا جاوے تو وہ نہایت منصفانہ اور رحیمانہ ہے بلکہ اُس نے اُس کے فائدوں کو اُن شخصوں تک بھی وسعت دی ہے جن کی نسبت وہ یہ جانتا ہے کہ یہ اپنی سنگ دلی کی وجہ سے اس کا بے جا عملدرآمد کرینگے اور اُسی نے بدکار آدمیوں کی سنگ دلی گوارا کرنا اس سے بہتر تصور فرمایا کہ نیک آدمیوں کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔ یا جس رسم کا ایک ربانی برکت سے ایک بدترین مصائب ہو جانے کا اندیشہ تھا تو وہ اسی کو درہم برہم کر دے ٭

تو حضرت عیسےٰ نے تو ہیں آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق کی اجازت دی ہے اور یہ بات نہ ہوتی اگر خدا تعالےٰ کو یہ بات منظور ہوتی کہ جن شخصوں کو خدا نے ایک مرتبہ عقد نکاح میں باندھ دیا ہے وہ ہرگز آئندہ جدا نہ ہوں۔ گو مشرقی زبانوں کے محاورے کے بموجب اُس لفظ سے جس کا ترجمہ زنا کیا گیا ہے صرف زنا ہی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے یا تو وہ چیز مراد ہے جس کو "ناپاک چیز" کہا گیا ہے یا کسی ایسے امر کا نقصان مراد ہے جو جس امر کا ایک

بیوی کی ذات میں ہونا واجبا ضروری ہے جو کتاب استثنا کے ۲۴ باب کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ سیلڈن نے سب سے پہلے اپنی کتاب اکزور ہیبریا میں ایسے محاورے کو بہت سی ربانیین یہود کی شہادت سے ثابت کیا ہے۔ اور یا اس سے وہ شے مراد ہے جو محبت۔ وفاداری۔ باہمی اعانت یا معاشرت یعنے اصلی آئین نکاح کے مقصد کے خلاف ہو کہ ہرگز اس سے موافقت نہ ہو سکے جیسا کہ سیلڈن نے ثابت کیا ہے کیونکہ جس وقت فریسیوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ایک بیوی کو ہر ایک وجہ سے طلاق دینا جائز ہے یا نہیں تو یہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سوائے زنا کے اور کسی حالت میں جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات تو بخوبی مشہور و معروف تھی کہ زنا کی حالت میں وہ جائز ہی نہیں تھی بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری تھا۔ اور وہ بھی طلاق کے ذریعے سے نہیں بلکہ قتل کر دینے سے۔ پس اس مقام پر اس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنے سمجھنے چاہئیں جیسا کہ کتاب اقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب باب ۱۹ آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے کہ "اس کی بیوی زنا کر کے چلی گئی"۔ یہاں زنا کے عرفی معنے نہیں ہو سکتے کیونکہ ایسی حالت میں اس کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے شوہر سے نفرت (یا شوزم) برتاؤ کر کے چلی گئی اور نہ ایسی صورت میں (یعنے جب کہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی) پولس مقدس کسی کا فر مرد یا عورت کے جدا ہو جانے کے سبب سے طلاق کی اجازت دیتے[1] اگر یہ بھی ایک قسم کا زنا نہ ہوتا۔ اس بحث سے یہ امر کچھ متعلق نہیں ہے

---

[1] اس مقام پر پولس کے خط موسومہ قرنتیاں کے ساتویں باب کی ۱۵ آیت پر اشارہ ہے۔

کہ یہ مسئلہ کا فرد یا عورت کے متعلق ہے کیونکہ جو شخص خاندان کو ترک کرے وہ کافر سے بدتر ہے (پولوس کا پہلا خط تمو تی کے نام باب ۵ آیت ۸) اور نہ نکاح کے اصلی منشاء کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور سنگین عداوت اور طرفین کی جانب ناپسندیدہ برتاؤ کے سبب سے قطع کر دیا جاوے۔ پس خدا تعالے نے انسان کے لئے جب کہ وہ بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا دنیا میں گناہ کے آنے سے پہلے یہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک ہونا چاہئے۔ گناہ کے بعد حالات کے تغیر کے موافق اور نیز اس نظر سے کہ معصوم آدمی بدکار آدمیوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے ضرر سے محفوظ رہے اس نے نکاح کے انفکاک کی اجازت دی اور یہ اجازت قانون قدرت اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے اور حضرت مسیح نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی پس ہر ایک معاہدے سے جب کہ ابتداءً عمل میں آوے اس کا دوامی اور ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے گو وہ کسی فریق کی بدعہدی کے سبب سے کیسی ہی جلد کیوں نہ ٹوٹ جاوے اور نہ اب تک کوئی معقول وجہ اس بات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت اس باب میں اور تمام معاہدوں سے مختلف ہونی چاہئے خصوصاً اس حالت میں جب کہ پولوس مقدس نے یہ بات بیان کی ہے کہ کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں ہے۔ یہ نہ صرف چھوڑ دینے کی نسبت بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک نالائق فریق پیدا کرنے میں ہوتی ہے جیسا کہ قرنتیوں نے پہلے خط میں لکھا ہے (باب ۷ آیت ۱۵) کہ وہ کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں کہ خدا نے ملاپ کے لئے بلایا ہے "پس خدا تعالے

نے ہم کو اس غرض سے نہیں بلایا کہ ہم دائمی نزاع اور تردوات کے باعث
سے پریشان خاطر رہیں کیونکہ ہمارے بلانے کا مقصد امن اور آزادی ہے
نہ کہ نکاح چہ جاکہ دائمی نزاع اور ایک ناخوش ازدواج کی غلامانہ قید
جس کو رسول نے تمام چیزوں سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے
ناقابل بتلایا ہے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے موسوی شریعت
سے کوئی ایسا حکم خارج کر دیا جس سے مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنے
کا موقع ملتا تھا اور نہ اس موقع پر حضرت مسیح کو یہ منظور تھا کہ اُن کا یہ قول حکم
عدالت سمجھا جاوے یا اس معاملے کی نسبت کوئی نیا اور سخت حکم دیا جائے
بلکہ قانون کے بے جا عملدرآمدوں کے بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنے
حسب معمول ایک زیادہ نزکال دستور معاشرت کا بتلایا اور اس موقع پر مثل اور
تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعوےٰ نہیں کیا اور امر حق کو محض نصیحت کے
طور پر بیان فرمایا نہ کہ جبریہ احکام ہے۔ پس انجیل کی آئینیں قرار دینا اور احکام
تعزیری کے ذریعے سے اس کو نافذ کرنا ایک سخت غلطی ہے"۔

یہ تمام تقریر جان ملٹن کی تھی جو انہوں نے ایک محققانہ اور عالمانہ طور پر انجیل کے
احکام سے استنباط کی ہے۔ ہماری رائے میں یہ مطلب نہایت مختصر تقریر سے
ختم ہوتا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسےٰ سے پوچھا کہ جورو کو ہر طرح پر طلاق دینی
درست ہے یا نہیں اُن کا جواب یہ ہے کہ بجز افعال ذمیمہ کے اور کسی صورت
میں جائز نہیں۔ جس لفظ کا ترجمہ حرام کاری یا زنا کیا گیا ہے وہ عام لفظ ہے اور
سب قسم کی برائیاں اس میں داخل ہیں اور اس کا ٹھیک ترجمہ افعال ذمیمہ ہو سکتا
ہے پس جو کچھ کہ حضرت عیسےٰ نے فرمایا اُس سے امتناع طلاق نہیں نکلتا بلکہ
بلا قصور صرف اپنی نفسانی بدخواہشوں کے لیئے طلاق دینا ناجائز بتلایا گیا ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ مذہب اسلام نے بنسبت طلاق کے کیا کیا ؟ اس کو بطور علاج ایک مرض لاعلاج کے جائز اور مباح بنایا۔ مگر زن وشوہر کا معاملہ ایک ایسا نازک اور ایک عجیب قسم کے ارتباط و اختلاط کا معاملہ ہے کہ اس میں جو بیماری پیدا ہوسوا اس کو ان ہی دونوں کے اور کوئی تیسرا شخص اس بات کی تشخیص نہیں کرسکتا کہ آیا وہ اس حد تک پہنچ گئی ہے جس کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں اس لئے بانئ اسلام نے اس کی تشخیص کسی (جج) کی یعنے قاضی کی رائے پر منحصر کی ہے نہ کسی مفتی کے فتوے پر بلکہ صرف اس کی رائے اور اخلاق پر جس کی تسلی اور موانست کے لئے ابتدا میں عورت بطور انیس دل نواز اور مونس غمگسار کے پیدا ہوئی تھی ۔

اب اس بات کی بندش کہ وہ علاج بے محل اور بے موقع نہ استعمال کیا جاوے صرف مرد کے حسن اخلاق اور دلی نیکی اور روحانی تربیت پر منحصر تھی۔ جو نہایت اعلیٰ درجہ پر خاص اسی معاملے میں مذہب اسلام نے اپنے سچے مریدوں اور خالص مسلمانوں کو کی ہے ۔

ما خلق الله شيئاً على وجه الارض ابغض اليه من الطلاق ۔ (رواه الدارقطني)

بانی اسلام نے اسلام کے سچے پیروؤں کو بتایا کہ بجز طلاق کے اور کوئی چیز خدا تعالیٰ نے زمین کے پردے پر پیدا نہیں کی جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہو۔

ابغض الحلال الى الله الطلاق (رواه ابوداؤد) ۔

پھر ایک دفعہ یوں فرمایا کہ وہ مباح چیزوں میں سب سے زیادہ خدا کو غضب میں لانے والی چیز طلاق ہے ۔

یہ ہدایت تو مردوں کی نسبت تھی اور عورتوں کو جو طلاق لینا چاہتی ہیں یہ فرمایا

ایما امرأة سألت زوجها طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیها رائحة الجنة (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی)۔

ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بغیر ضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاہے اس پر خوشبو جنت کی حرام ہے یعنی جنت میں نہ جاوے گی ۔

ہمارے پیغمبر خدا صلعم طلاق دینے والے سے ایسے ناراض ہوتے تھے کہ جس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ جو شخص اپنی جورو کو دفعتاً طلاق دیدے وہ قتل ہونے کے لائق ہے چنانچہ ایک دفعہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم

اخبر رسول اللہ صلعم عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عز وجل وانا بین اظہرکم حتی قام رجل فقال یا رسول اللہ الا اقتله (رواہ النسائی)۔

کو اطلاع ہوئی کہ ایک شخص نے اپنی جورو کو دفعتاً تین طلاقیں دے دی ہیں یہ سنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غصے کے مارے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ کیا خدائے بزرگ کے حکم کو کھیل بنایا ہے۔ ایسی حالت میں بھی کہ میں تم میں موجود ہوں یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ اے رسول خدا کے کیا میں اس کو قتل کر ڈالوں یعنی وہ شخص آنحضرت کے غصے ہونے سے یہ سمجھا کہ اس شخص نے قتل کئے جانے کے لائق کام کیا ہے ۔

بانئے اسلام نے انہی ہدایتوں اور تہدیدوں ہی پر طلاق کے روکنے میں بس نہیں کیا بلکہ نکاح اور ملاپ کے قائم رکھنے کی اور بھی نہایت عمدہ تدبیر رکھی ہے یعنے پوری تفریق واقع ہونے کو تین دفعہ طلاق دینا معتبر رکھا ہے اور پھر اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ دفعتاً تین طلاقیں نہ دی جاویں بلکہ سوچ سمجھ کر مناسب فاصلے سے طلاق دی جاوے کہ ہر ایک مہینہ قریباً

پچیس روز کا فاصلہ ہوجاتا ہے اور پھر بھی اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر آپس میں صلح ہوجاوے اور رنجش مٹ جاوے اور دونو کی محبت تازہ ہوجاوے تو پھر بدستور جورو خصم رہیں۔ دوسری طلاق کے بعد بھی اسی طرح پھر وہ آپس میں مل سکتے ہیں اور بدستور جورو خصم رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر پھر تیسری دفعہ طلاق دی جاوے تو ثابت ہوگیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں پھر بہتر ہے۔ کہ پوری تفریق ہوجاوے ❖

ان ہدایتوں کے سوا ایک اور نہایت عمدہ ہدایت یہ فرمائی ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ عورت کو مرد سے کنارہ کش رہنا پڑتا ہے طلاق نہ دی جاوے اس سے مطلب یہ ہے کہ شاید زمانہ مقاربت میں محبت والفت کی ایسی تحریک ہو کہ خیال طلاق کا ان دونو کے دل سے جاتا رہے ❖

علاوہ ان ہدایتوں کے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے اور ان کے ساتھ مہربانی اور خاطرداری سے پیش آنے اور ان کی سختی اور بدمزاجی کو تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کی نہایت تاکید سے ہدایت فرمائی ہے اور یہ سب باتیں اسی مکروہ چیز یعنے طلاق کے روکنے کو ہیں ❖

ان سب احکام سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بانئے اسلام نے صرف اسی حالت میں طلاق کی اجازت دی ہے جب کہ وہ ایک نہایت بیش بہا نعمت ثابت ہونے میں ذرا خطا نہ کرے اور جب کہ اس کے ذریعے سے حالت زوجیت کے نزدوات اور تکلیفیں اور تلخیاں یا تو بالکل رفع ہوجاویں۔ یا بہرکیف کچھ کم ہوجاویں اور اگر طلاق کو کام میں نہ لیا جاوے تو حالت معاشرت روزبروز زیادہ تکلیف دہ ہوتی جاوے۔ ایسی صورت میں طلاق حسن معاشرت کے نقصان کا باعث نہیں ہوسکتی بلکہ برخلاف اس کے وہ دونو کے حق میں ایک برکت اور حالت

معاشرت کی ترقی کا کامل ذریعہ ہوتی ہے - ہاں میں اس بات کو قبول کرونگا کہ مسلمانوں نے اس عمدہ حکم کو نہایت قابل نفرت طریقے پر استعمال کیا ہے پس ان کے افعال کی نفرین انہیں پر ہونی چاہئے نہ مذہب اسلام پر - ہم کو امید ہے کہ تمام منصف مزاج لوگ جب ٹھیٹ اسلام کے اس مسئلہ پر غور کریں گے تو قبول کریں گے کہ جو عمدہ طریقہ اس باب میں اسلام نے اختیار کیا ہے وہ عقل انصاف معاشرت کی نظر سے ایسا عمدہ ہے کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا اور صاف یقین دلاتا ہے کہ یہ مسئلہ اسی استاد کا بتایا ہوا ہے جس نے انسان کو پیدا کر کے اس کے لئے اس کا جوڑا پیدا کیا تاکہ اس کی تسلی - اور دل کی خوشی کا باعث ہو - اگر غور کیا جاوے تو یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ جان ملٹن نے اپنی بحث میں جو کچھ روشنی انجیل کے ورسوں میں ڈالی ہے وہ سب اسلام کی روشنی سے لی گئی ہے کیونکہ اسلام نے بارہ سو برس پیشتر بتا دیا تھا کہ طلاق نہ بطور معجون مفرح کے استعمال کرنے کو ہے بلکہ صرف ایک مرض لاعلاج کا علاج ہے +

اب ہم غلامی کے الزام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ایک سب سے بڑا الزام اس کے جائز رکھنے کا مذہب اسلام کی نسبت لگایا گیا ہے - اور بیان ہوا ہے کہ قوانین حسن معاشرت اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے - قوانین حسن معاشرت کی قید ہم نے اس لئے لگائی ہے کہ اگر اس معاملے پر مذہبی طور پر نظر کی جاوے تو نہ یہودیوں کو اور نہ عیسائیوں کو اس قدر جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اس میں کچھ عیب نکالیں یا اس کی نسبت کچھ اعتراض کریں کیونکہ توریت کا ہر صفحہ ایسے مضامین سے بھرا ہوا ہے جس میں غلامی کا جواز تسلیم کیا گیا ہے (خواہ اس کو خدا کا حکم مانو یا حضرت موسےٰ کا اس

زمانے کے رسم و رواج کا قانون) اور انجیل میں کسی مقام پر ایک مضمون بھی نہیں پایا جاتا جس میں اُس بے رحم دستور کی ممانعت ہو۔ قبل اس کے کہ ہم اس معاملے میں اپنی رائے بر بنائے مذہب اسلام ظاہر کریں گاڈفری ہگنز صاحب نے جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے اُس کو بیان کرتے ہیں +

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ در انسان کے حق میں یہ ایک بد قسمتی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ نہ تو حضرت عیسےٰ نے اور نہ حضرت محمدؐ نے غلامی کا موقوف کرنا مناسب خیال کیا۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب حضرت عیسےٰ اور حضرت محمدؐ دونوں نے اپنے معتقدوں کو یہ ہدایت کی کہ اُن کو اوروں کے ساتھ وہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اوروں سے اپنے ساتھ کرانا چاہتے ہیں تو انہوں نے درحقیقت غلامی موقوف کر دی۔ یہ بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ عمل میں ایسا نہیں ہے مسلمانوں کی خانگی غلامی بلا شبہ ناقابل حمایت ہے لیکن افریقہ کی بردہ فروشی اور ویسٹ انڈیز کے کارخانے باغات میں غلاموں پر کی سختیوں اور بے رحمیوں کے مقابلے میں (جو عیسائی ملکوں میں مروج تھیں) کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ ہم نہایت اعتقاد سے روم کے پوپ اور کنٹربری کے آرچ بشپ اور کونسلوں اور مجلسوں اور پوپ کے احکام اور عقائد اور مذہبی قوانین اور معاہدوں کا ذکر سنتے ہیں مگر ہم نے کب یہ بات سنی ہے کہ اُن لوگوں نے کوئی عام تدبیر اس خوفناک تجارت کے انسداد کے لیے کوئی وضع ہو کہ اُس زمانے میں تمام فرنگستان میں غلامی کی تجارت رائج تھی) ورنہ اُس کی نسبت ہم کو پوپ کا کوئی حکم دکھاؤ یا کسی مجلس کا کوئی قانون بتاؤ۔ روم اور کنٹربری کے بشپ خود اس خطاب کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے معتقدوں کی خواہشوں کے پورا کرنے کے کام دیتے

ہتے جو خطاب کہ اُنہوں نے حضرت محمدؐ کو اس وجہ سے دیا ہے۔ جب کہ روم کے پوپوں کو اس تجارت کا فساد عظیم صاف صاف ثابت ہوگیا تھا تو اُنہوں نے اُن شخصوں کو قوم سے خارج نہیں کیا جو اُس تجارت میں مصروف تھے۔ جیسا کہ کیتھولکس یعنے پیروان جارج فاکس نے کیا تھا۔

میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہ یہ ظاہری عذر کریں گے کہ وہ کسی شخص کو اس وجہ سے کہ غلاموں کا مالک ہے قوم سے خارج نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انجیل اور حواریوں کے ناموں کے ہر ایک صفحے میں غلاموں کا جواز تسلیم کیا گیا ہے مثلاً جہاں کہیں لفظ "سروس" یا "دولوس" پایا جاتا ہے اس کا ترجمہ خدمت گار کیا گیا ہے۔ وہاں اُس کا ترجمہ غلام ہونا چاہئے۔ لفظ "سروس" کے لغوی معنے اُس شخص کے ہیں جو بازار میں خریدا گیا ہو یا فروخت کیا گیا ہو اور "فریدٹیلین" ہمارے اجرہ دار اور خدمت گار کے ہم معنے ہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے عیسائیوں کو خانگی غلامی کی اجازت دی جائے تو اس سے کسی طرح پر یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ افریقہ کی بردہ فروشی جائز ہے جس کی زیادتی کا زمانہ اگلے لوگوں کے گمان میں بھی نہ تھا اور جو ہر طرح پر اُن کی خانگی غلامی سے مختلف ہے۔

اگرچہ پیغمبر صاحب نے اس مکروہ دستور کو موقوف نہیں کیا جیسا کہ اُنکو کرنا چاہئے تھا تاہم اُنہوں نے بالکل بغیر ذکر کئے ہوئے نہیں چھوڑا۔ بلکہ اس بات کے فرمانے سے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور کسی شخص کو اپنے بھائی کو غلامی میں رکھنا نہیں چاہئے۔ اُنہوں نے انسانوں کے ایک گروہ کثیر کو آزاد کردیا۔ جس وقت کوئی یہ کہہ دے کہ میں ایمان لے آیا۔ تو وہ فوراً آزاد ہے۔ اگر حضرت محمدؐ نے اس باب میں جیسا کہ چاہئے تھا ویسا

نہیں کیا تو اُنہوں نے کچھ تو کیا جو بالکل نہ ہونے سے (جیسے کہ انجیل میں کچھ نہیں ہے) بہتر ہے اور اس سبب سے غالباً کچھ لوگ بلا تصدیق قلبی بھی مسلمان ہو گئے ہونگے گو کہ اس امر کو کوئی پکا دین دار عیسائی جس کا گرم ایمان منبج کے دہکتے ہوئے انگارے سے زیادہ تر گرما گرم ہے عیب لگاوے اور اس کو بدنیتی پر محمول کرے۔ لیکن تاہم اس تدبیر نے لاکھوں آدمیوں کو مصیبت سے بچایا ہے۔ ایک اور تدبیر غلامی کی ترمیم یا اس کی قباحتوں کی تخفیف کرنے کی پیغمبر صاحب کے اس حکم سے ملتی ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ غلاموں کو فروخت کرنے میں ماں سے بچے جدا نہ کئے جاویں۔ ہمارے ولیسٹ انڈیز والے ہر روز یہی جرم کرتے ہیں۔ مجھ کو کوئی ایسا حکم انجیل میں نہیں ملا اس لئے حضرت محمد نے اُس کو انجیل میں سے نہیں لیا ہے +

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم عیسائی اکثر اوقات بیچارے جبشیوں کو عیسائی بنانے کی خواہش کرتے ہیں مگر میں انہی مشنیری سوسائیٹیوں کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ وہ اپنی دولت کثیر کو اس باب میں صرف کریں کہ جس وقت جبشیوں کا مذہب تبدیل ہو جاوے تو اُن کو فوراً آزاد کر دیں اور اُن کو اپنا بھائی قرار دیں جیسا کہ مسلمان کیا کرتے ہیں اور میں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ اُن کے تمام وعظوں سے اس قدر لوگ ان کے معتقد نہ ہونگے جیسے کہ اس بات سے ہونگے +"

گاڈفری ہگنز صاحب نے ولیسٹ منسٹر ریویو کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ "اُن کا مسئلہ قانون غلامی کے باب میں یہ ہے کہ "اگر غلام تمہارے پاس آویں تو تم ان کو قید اور اُس کے بعد اُن کو سربازار مت فروخت کرو گو کوئی دعویدار اُن کا موجود نہ ہو (جیسا کہ اُنیسویں صدی میں عیسائی انگلستان کا قانون

اُس کے صوبوں میں جاری ہے) بلکہ اُن کو آزاد کر دو اور تم کو مناسب نہیں کہ اُن کو نکال دو مگر حضرت محمد (جنھوں نے غلامی کے مٹانے کی نسبت نہایت عمدہ تدبیریں کیں) وہ تھے جو ساتویں صدی میں عرب کے بیابانوں میں کھڑے ہوئے تھے +

حضرت محمدؐ تو فرماتے ہیں کہ "ایسے غلاموں کو جو ہم سے اس مضمون کی ایک تحریری سند چاہیں کہ جس وقت وہ ایک رقم معین ادا کر دیں تو وہ اپنے تئیں آزاد کر لیں تو تم ہمیشہ یہ دستاویز ان کو لکھ دو۔ اگر تم اُن میں کوئی بھلائی جانو تو تم خدا کی دولت میں سے جو اُس نے تم کو دی ہے اُن کو دو۔ گاڈفری ہگنز کہتے ہیں کہ مجھ کو انجیل میں ایسا کوئی حکم نہیں ملا +

یہ جو کچھ لکھا گیا گاڈفری ہگنز کا استدلال تھا مگر یہ استدلال کسی قدر حاشیہ لکھنے کا محتاج ہے اُن کا یہ بیان ہے کہ "حضرت محمد نے غلامی کو موقوف کرنا مناسب خیال نہ کیا" صحیح نہیں ہے جو لوگ تقلید کی تاریکی میں اندھے ہو رہے ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی مرضی اور خوشی غلاموں کے آزاد کرنے کی تھی اور ہمیشہ ہر حکم میں غلاموں کی آزادی پر رغبت دلاتے تھے۔ اور جو لوگ خاص آنحضرت صلعم کو اپنا ہادی اور پیشوا جانتے ہیں اور زید اور عمرو کی رائے اور اجتہاد کی کچھ پرواہ نہیں کرتے وہ تو صاف صاف قرآن مجید میں پاتے ہیں کہ بانیٔ اسلام نے آئندہ کی غلامی کو بالکل قطعاً موقوف کر دیا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ پس یہ فخر صرف مذہب اسلام ہی کو ہے کہ اُس نے غلامی کو معدوم کیا ہے اور ہر انسان کو آزاد قرار دیا ہے +

اسلام لانے سے غلامی ساقط ہو جانے پر جو استدلال گاڈفری ہگنز

نے کیا ہے ہم کو دل سے اُس پر اتفاق ہے۔ خدا تعالےٰ نے سورہ حجرات میں
صاف فرمایا ہے کہ "انما المومنون اخوۃ" یعنے سب ایمان لانے والے
آپس میں بھائی ہیں اور سورہ آل عمران میں فرمایا ہے کہ وہ سب لوگ اکٹھے
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ہو کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور جدی
واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم جدی راہوں میں مت بھٹکو اور تم کو جو
اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم نعمت خدا نے دی ہے (یعنے اسلام) اسکا
بنعمتہ اخوانا (سورہ آل عمران) ٭ شکر کرو۔ ایک وقت تھا کہ تم ایک دوسرے
کے دشمن تھے۔ پھر تمہارے دلوں میں خدا نے محبت ڈال دی پھر تم ہو گئے اللہ
کی نعمت (یعنے اسلام) کے سبب آپس میں بھائی "٭

پس کون شخص اس سے انکار کر سکتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔
اور اس لئے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ یہی "اخوت"
اس امر کا باعث ہے کہ جب کوئی مسلمان بغیر وارث قریب کے مرجاتا ہے تو اُسکا
مال بیت المال میں اُس کے سب مسلمان بھائیوں کے لئے چلا جاتا ہے۔ گر
جب ہمارے پیغمبر نے علانیہ صاف صاف لفظوں میں آئندہ کی غلامی کو عام
طور پر معدوم کر دیا ہے تو ہم کو اس قسم کی خاص خاص باتوں پر استدلال کی
حاجت نہیں ہے ٭

کتابت کا جو ذکر گاڈفری ہگنز صاحب نے کیا ہے وہ حکم صرف ایسا
ہی نہ تھا کہ اُس کا کرنا یا نہ کرنا مالک کی مرضی پر موقوف ہو بلکہ اُس کا کرنا
واجب تھا اور انکار کرنا قابل سزا کے تھا۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث سے
(اگر وہ صحیح ہو) معلوم ہوتا ہے کہ ابن سیرین نے جب حضرت انس کی کتابت
کی درخواست کی تو اُنہوں نے انکار کیا۔ ابن سیرین نے وہ مقدمہ حضرت عمر

کے سامنے پیش کیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت انس کو اُس انکار کرنے پر دروں سے پٹوا دیا اور کتابت یعنے خط آزادی بہ معاوضہ روپے کے بہ جبر حضرت انس سے لکھوا دیا۔ گو یہ حدیث قابل شُبہ ہو مگر خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ کتابت کی درخواست کرنے پر خط آزادی بہ معاوضہ روپے کے لکھ دینا لازم ہے ❊

بہرحال جو حمایت اُس عالم اور فاضل مصنف نے نہایت قابلیت اور بڑی سرگرمی سے مذہب اسلام کی کی ہے اُس کا واجب شکریہ ادا کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مصنف نے غلامی کی ترمیم یا اس کی خرابیوں کی تخفیف میں جو بچوں کی ماں سے جدا نہ کرنے کا ذکر کیا ہے اُس کے ساتھ چند اور اسی قسم کے احکام زیادہ کرنے چاہئیں جو غلامی کی ترمیم اور اس کی خرابیوں کی تخفیف کے حق میں ویسے ہی مفید ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے غلاموں[1] کے حق میں فرمایا ہے کہ "وہ تمہارے بھائی ہیں (بہ وجہ انسان ہونے کے) جو تمہاری خدمت کرتے ہیں تمہارے کاموں کو سنوارتے ہیں اللہ نے اُن کو تمہارے تابع کر دیا ہے پس جو شخص کہ اُس کا بھائی اُس کے تابع ہو تو اس کو چاہئے کہ جو آپ کھاتا ہے اُس میں سے اُس کو کھلاوے اور

قال النبی صلعم فی حق العبید
ان اخوانکم خولکم جعلہم اللہ تحت
ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ
مما یاکل ویلبسہ مما یلبس ولا تکلفوہم
ما یغلبہم فان کلفتموہم ما یغلبہم
فاعینوہم (بخاری باب قول النبی)

---

[1] اس حدیث میں بوجہ اسلام کے بھائی ہونے کا ذکر نہیں ہے اور آیت قرآن مجید میں جو اوپر مذکور ہوئی بوجہ اسلام بھائی ہونے کا ذکر ہے۔ اس لئے اسلام سے غلامی کے ساقط ہونے پر گاڈفری ہگنز صاحب نے استدلال کیا ہے ❊

صلعم العبید خوانکہ صفحہ ۳۴۶ + جو آپ پہنتا ہے اُس میں سے اُس کو
پہنا دے اور اُن سے ایسی تکلیف کے کام جو اُن کو تھکا دیں نہ لیں اور اگر ایسی تکلیف
کا کام اُن کو دیا جاوے جو انکو تھکا دے گا تو خود انکی مدد کرے" اس حکم کا لوگوں کے دلوں پر
اسقدر اثر ہوا کہ تمام شخص اُس زمانے میں اپنے غلاموں کو ویسا ہی کپڑا پہناتے تھے جیسا کہ خود
پہنتے تھے اور ایک خوان میں اپنے ساتھ وہی کھانا انکو کھلاتے تھے جو آپ کھاتے تھے اور
جب سفر میں جاتے تھے تو غلام کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے اور اگر
ایک کو نکیل پکڑ کر چلنے کی ضرورت ہوتی تو باری باری سے سوار ہوتے تھے
اور باری باری سے نکیل پکڑ کر پیادہ پا چلتے تھے ؛

خلیفہ عمر عین اپنی خلافت کے عروج کے زمانے میں (خواہ اُن کے
عالی مرتبے کو پیغمبر کا جانشین ہونے کی وجہ سے خیال کرو خواہ ایک ایسی
سلطنت کا بادشاہ تصور کرنے سے جو دنیا میں سب سے زیادہ وسیع اور با عظمت
تھی) اپنی باری میں اُس اونٹ کی مہار پکڑ کر جس پر اُن کا غلام اپنی باری
میں سوار ہوتا تھا عرب کے جلتے ہوئے ریگستان اور جھلستی ہوئی گرم ہوا
میں نہایت خوشی اور فخر آمیز خیالات اور نیکی بھرے ہوئے دل سے پیادہ پا
اونٹ کو گھسیٹتے ہوئے چلنا کمال خوشی سمجھتے تھے - فاطمہ پیغمبر کی بیٹی اپنی
لونڈی کے ساتھ بیٹھ کر چکی پیستی تھیں کبھی اُن کا دست مبارک ہتے کو پنچے
سے تھامتا تھا اور کبھی لونڈی کا تاکہ دونو کو برابر محنت پڑے - پس اگر یہی
وہ غلامی ہے جس کو سر ولیم میور حسن معاشرت کو ابتر کرنے والی بتاتے ہیں
تو ہم نہیں سمجھتے کہ برابری کے حقوق میں اور کیا ہوتا ہے - ایسی غلامی (اگر
اس کو غلامی کہہ سکو) درحقیقت حسن معاشرت کی بے انتہا خوبی اور عام
اخلاق کی زاید از حد ترقی متصور ہے پس مذہب اسلام کی غلامی کو وسبٹ اڈیٹر

کی غلامی پر جو عیسائیوں میں مروج تھی قیاس کرنا محض غلطی ہے۔ آنحضرت صلعم نے صرف اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ اُن کی نسبت لونڈی و غلام کے لفظ کے استعمال کو بھی جس سے اُن کی رقیت اور حقارت نکلتی تھی منع فرمایا اور نہایت شائستہ و مہذب و شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنے کی ہدایت فرمائی تھی یعنے یہ فرمایا کہ "اُن کو لڑکا" اور "لڑکی" کہہ کر پکارا کرو جس کو بگاڑ کر ہندوستان کے ناخداترسوں نے "چھوکرا" اور "چھوکری" بمعنے لونڈی و غلام کہنا شروع کیا ہے۔ مسلم کی اس حدیث کے لفظوں کو دیکھو اور سمجھو کہ تمہارے پیشوا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے کیا اس فرمانے کے بعد بھی ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔ پیارے

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیغمبر رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ "کوئی تم
قال لا یقولن احدکم عبدی و امتی میں سے میرا غلام اور میری لونڈی ہرگز
کلکم عبید اللہ و کل نساءکم اماء اللہ نہ کہے تم سب خدا کے غلام ہو اور سب
ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتائی و تمہاری عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں مگر یوں کہو
فتاتی (مسلم کتاب الالفاظ من الادب) کہ میرا بچا اور میری بچی اور میرا لڑکا اور

میری لڑکی" علاوہ اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے آزاد کرنے پر ہمیشہ رغبت دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی کام خدا کے نزدیک غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کا نہیں ہے۔

اب ہم بحیثیت مذہب اسلام کی رو سے غلامی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام نے آیۂ حریت کے نازل ہونے سے پہلے جس قدر لوگ بموجب قدیم رسم جاہلیت کے غلام ہو چکے تھے اُن کی آزادی کا احساناً بلا لینے زر معاوضہ کے حکم نہیں دیا وہ بدستور

اُن لوگوں کی ملک ہے جنکے وہ غلام ہو چکے تھے اگر کوئی ناسمجھ یہ الزام مذہب اسلام پر دے کہ ا نکو بھی دفعتًہ کیوں نہ آزاد کر دیا تو اسکی اِس ناسمجھی کا ہمارے پاس کچھ علاج نہیں ہے مگر اِس ناسمجھ کے دل کو اِن تمام باتوں کے جاننے سے جو ہمنے اوپر بیان کیں اسقدر تو ضرور تسلی ہوگی کہ اُن بدنصیبوں کی بھی حالت غلامی کی ترمیم اور تخفیف میں جو کچھ اسلام نے کیا وہ کچھ کم نہیں ہے اور بیلا رحم شفقت جو اسلام نے اُن کی نسبت کیا بے مثل و بے نظیر ہے اور متعدد تدبیریں اور تاکیدیں اور ہدایتیں اُن کی آزادی کی نسبت کیں اور طرح طرح سے آزاد کرنے پر رغبتیں دلائیں ہاں بلاشبہ جو سمجھ دار اور دانشور لوگ ہیں وہ سمجھینگے کہ آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جس قدر لوگ غلام ہو چکے تھے۔ اُن کی آزادی کا دفعتًا حکم دے دینا محالات عقلی سے تھا اور غلامی کے معدوم کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی کہ آئندہ سے غلاموں کا ہونا بند کر دیا جاوے اور پچھلے غلاموں کی آزادی اور غلامی کی حالت کی ترمیم کی تدبیر کی جاوے۔ پس یہی کام اسلام نے کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام کسی انسان کا نہیں ہے بلکہ اُسی کا ہے جس نے انسان میں حسن معاشرت کو پیدا کیا ہے۔

بقول مسٹر ہگنز کے گو حضرت مسیح نے غلامی کو موقوف نہ کیا ہو مگر ہم نہایت خوشی اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے حضرت محمد رحمۃ للعالمین نے غلامی کو بالکل موقوف کر دیا تمام قواعد اور قوانین غلامی کے جن کی رو سے ایک شخص دوسرے کا مملوک ہو جاتا تھا اور جو قدیم زمانے کے بت پرستوں اور اُس وقت کی تمام دنیا میں بطور ایک ملکی رسم کے جاری تھی اور جن رسموں کو اُس بڑے مقدس مقنن موسےٰ نے بھی بطور ملکی قانون کے اپنی مقدس کتاب میں داخل کیا تھا اور جن کو حضرت مسیح نے

بھی نہیں توڑا تھا اور جن کو حضرت مسیح کے حواریوں نے بھی تسلیم کیا تھا دفعتاً
منسوخ کردیا اور تمام پرانی رسموں اور معطول قانونوں کو ایک دو لفظ کے فرمانے
سے کہ ”اما منا بعد و اما فداء“ مٹا دیا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملت بشست

صلے اللہ علیہ وسلم - بابی انت و امی یا رسول اللہ +

اُس رسول مقبول ہادم الرقیت ناصر الانسان رحمۃ للعالمین نے اپنے مبارک
فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب ہونٹوں سے فرمایا کہ خدا تعالےٰ یہ حکم دیتا
الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا ہے کہ جب تم مقابلہ ہو کافروں کے لوگوں میں
الوثاق فاما منا بعد و اما فداء کافر جب تم اس پر گھسام کر چکو تو اُن کو قید
(سورہ محمد آیت ۴) + کرلو پھر قید کرنے کے بعد یا تو اُن پر احسان
رکھ کر یا اُن سے فدیہ یعنے چھوڑائی لے کر چھوڑ دو +

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ کافروں کے مغلوب ہو جانے پر جو اُن کے قید
کرنے کا حکم ہے اُس سے مقصد اُن کی جان بچانا ہے اور قید کرنے کے بعد
جو حکم اُن کی نسبت ہے وہ دو امر میں منحصر ہے - ایک تو احسان رکھ کر چھوڑنے
میں اور دوسرے اُن سے چھوڑائی لے کر چھوڑنے میں جب دو حکم دئے جاتے
ہیں تو اُن لوگوں کو جن کی نسبت وہ حکم ہیں اس قدر ضرور اختیار رہتا ہے
کہ اُن دونو میں سے جون سے حکم کی چاہیں تعمیل کریں مگر دونو میں سے ایک کا
بجالانا واجب ہوتا ہے - اُن کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ دونو میں سے کسی کو بھی
نہ کریں بلکہ کوئی اور امر اختیار کریں - پس قیدیوں کے ساتھ ان دونوں حکموں
میں سے ایک کا عملدرآمد کرنا واجب ہے - ان احکام دوگانہ سے جو خدا نے
دئے رقیت یعنے قیدیوں کا لونڈی اور غلام بنانا بالکل نیست و نابود ہو گیا

ہے۔ ہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا چاہے تو جب تک فدیہ ادا نہ ہو اُس وقت تک اُس کو قید رکھے۔ مگر وہ قیدی بدستور ایک قیدی ہوگا اور رقیت و مملوکیت کسی حالت میں اُس پر طاری نہ ہوگی۔ اور جب قیدی سے فدیہ کا ادا ہونا ممکن ہوگا تو درحقیقت تعمیل ایک حکم کی ناممکن ہوگی اور اسی لئے اس پہلے حکم کی تعمیل واجب ہوگی ⁂

ہمارے ہاں کے عالموں کی رائے میں اس امر کی نسبت اختلاف ہے کہ کن صورتوں میں قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑنا چاہیئے۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ اُن کو صرف اُس حالت میں چھوڑنا چاہیئے۔ جب کہ وہ مسلمانوں کی رعایا ہو کر مسلمانوں کے ملک میں رہنا قبول کریں۔ اور بعضوں کی یہ رائے ہے جو بظاہر معقول بھی معلوم ہوتی ہے کہ قیدیوں کو بغیر کسی شرط کے چھوڑ دینا چاہیئے اور کوئی شرط اُن پر نہ لگائی جاوے اور چھوٹ جانے کے بعد اُن کو اختیار ہے کہ چاہیں مسلمانوں کے ملک میں رعیت ہو کر رہیں۔ اور چاہیں اپنے خاص ملک کو چلے جاویں۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں احسان رکھ کر چھوڑ دینے کی حالت میں کوئی قید و شرط نہیں لگائی ہے اور اسی لئے ہمارے نزدیک پچھلی رائے اُن عالموں کی پہلی رائے سے زیادہ مستند و معتبر و صحیح ہے ⁂

دیکھو کتابت یعنے معاوضہ روپے کے خط آزادی لکھ دینے اور فدیہ لیکر چھوڑ دینے میں چنداں فرق نہیں ہے اگلے غلاموں کی نسبت جو کتابت کا حکم ہے وہ اگلے غلاموں کی آزادی کی نہایت معتبر دستاویز ہے ⁂

جس نالایق اور خراب اور قابل افسوس حالت سے غلامی کا رواج مسلمان ریاستوں میں (بعض عیسائی ملکوں میں بھی ہوتا ہے اُس کو دیکھ کر ہم کو

کچھ نتیجہ نہیں ہوتا مگر ہم اس خطبے کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص خود اس کا برتاؤ کرتا ہے یا اوروں کو کرنے دیتا ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے حکم اور اس کے عالی اصولوں کے برخلاف عمل کرتا ہے اور وہ ضرور ایک دن اس حقیقی شہنشاہ کی ہیبت ناک عدالت میں بطور ایک گنہ گار کے حاضر ہوگا خواہ کہیں جاکر یہ کام کرے یا دیتے ہیں ✣

سر ولیم میور اسلام میں ایک یہ نقص بتلاتے ہیں کہ "اسلام میں مذہب کے معاملے میں راے کی آزادی روک دی گئی ہے بلکہ بالکل معدوم کر دی ہے"۔

مگر سر ولیم میور کی اس راے کا جس سے وہ مذہب اسلام میں مذہبی راے کی آزادی نہ ہونے کا نقص نکالتے ہیں ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اسلام میں ایسی کون سی چیز ہے۔ جو مذہبی معاملات میں آزادی راے کو روکتی اور معدوم کرتی ہے اور اور مذہبوں میں ایسی کون سی بات ہے جو اس آزادی کی اجازت دیتی ہے ✣

یہودی جن کی کتب مقدسہ گویا مذہب اسلام اور مذہب عیسائی دونوں کی بنیاد ہیں یہ پکا عقیدہ رکھتے ہیں کہ توریت کا ہر ایک لفظ معہ اس کے تاریخی مضمون کے باوجودیکہ ان کے مصنف بھی معلوم نہیں ہیں وحے آسمانی ہیں اور اس لئے سہو و خطا و غلطی سے بالکل مبرا ہیں اور ہر ایک انسان کو بغیر ذرا سے بھی تامل کے اور بغیر کسی حجت کے اور بغیر استعمال کرنے اپنے قواے عقلیہ کے ان کے حق ہونے کا اعتقاد کرنا چاہئے ✣

عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ بہ لحاظ اعتقاد نسبت کتب مقدسہ کے وہ دو فرقے ہوگئے ہیں ایک وہ جو یقین کرتے ہیں کہ کتاب مقدس تمام و کمال وحی من السماء ہے۔ دوسرا وہ جو صرف اس کے ایک حصہ کو وحی سمجھتا ہے جو مسائل و احکام سے متعلق ہے اور دوسرے حصے تاریخی حالات کو وحی نہیں سمجھتا ✤

مگر قطع نظر اس اختلاف سے جو عیسائیوں کو کتب مقدسہ کے اعتقاد اور ان کے وحی ہونے کی نسبت ہے ان کو دو بڑے بڑے مذہبی مسائل پر یقین کرنا فرض ہے جن کے سبب سے مذہبی معاملات میں آزادی رائے کامل طور سے بالکلیہ نیست و نابود ہو جاتی ہے اور اس لئے عیسائی خدا کی برگزیدہ قوم (یعنے یہود) سے بھی زیادہ خراب حالت میں ہیں اور وہ دو مسئلے یہ ہیں ✤

ایک مسئلہ "توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید" کا ہے یہ ایک نہایت عجیب طور کا مسئلہ ہے جس کی نسبت عقل کو کام میں لانا منع ہے لفظ تثلیث کا خدا کے تین مقدس جسموں کے ظاہر کرنے کو حضرت عیسےٰ کی دوسری صدی تک یعنے اس وقت تک کہ جب کہ تھیوفلس بشپ آف اینٹیوک نے اس کو ایجاد کیا جاری نہیں ہوا تھا اور یہ تثلیث کا مسئلہ مذہبی کونسل نائس یا نائسیا میں بھی جو ۳۲۵ برس بعد حضرت عیسےٰ کے ہوئی تھی۔ اور جس میں ایریس کے مسائل کی نسبت اعتراض کیا گیا تھا طے نہیں ہوا تھا اور کچھ اسی پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ پارسن اور اور مشہور و معروف یونانی عالموں کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اصل عبارت متن انجیل کی جس پر خاص اس مسئلہ کا استدلال کیا جاتا ہے الحاقی ہے۔ پس اگر اعتقاد

کی خوبی نہایت عجیب و مشکل و خلاف عقل مسائل پر اعتقاد لاسلے میں ہو تو بلاشبہ عیسائیوں کا اعتقاد بہت بڑا اعتقاد متصور ہوگا۔ قبل اس کے کہ کوئی شخص عیسائی کہلاوے اور اس کو عیسائیوں کے حقوق خدا کی بارگاہ میں حاصل ہوں اس کو اس مسئلہ عجیب و غریب پر پکا اعتقاد لانا چاہیئے۔ تمام عیسائی یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مسئلہ قانون قدرت اور آئین عقل کے بالکل برخلاف ہے تاہم آنکھ بند کر کے اور عقل کو محض بیکار و معطل چھوڑ کر نہایت اصرار و تعصب سے اس پر اعتقاد کرنا چاہیئے۔ دلیل و عقل کو اس میں دخل دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ فدیہ کا یعنے حضرت عیسےٰ کا تمام بنی نوع انسان کے پچھلے اور حال کے اور آئندہ کے گناہوں کے عوض صلیب پر چڑھنے اور جان دینے کا ہے۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو قدرت اور عقل دونو کے برخلاف ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی ایسا مسئلہ ہے جس سے معاملات مذہبی میں آزادی رائے بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسئلہ فدیہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے سبب سے انسان اپنے اعمال کا جواب دہ نہیں رہتا اور بدی اور بداخلاقی کے دروازے کو کھول دیتا ہے کیونکہ جس قدر کثرت سے کوئی گناہ کرے گا اسی قدر زیادہ نجات دینے والے کی نیکی کا ثبوت ہوگا بقول شخصے ؎

گناہِ من ار نامدے در شمار ۔۔۔ ترا نام کے بودے آمرزگار

پس جو کوئی زیادہ گناہ کرے گا وہی شخص رحمت کا مستحق ہوگا جو حق ایک بڑے ولی کو ہونا چاہیئے۔ اس لئے سب سے بڑا گنہگار سب سے بڑا ولی ہوگا۔ مگر ہم ایسی رائے کو پسند نہیں کرتے اور سچے ایمانداروں کو جو وہ کسی معبود حق یا باطل پر یقین رکھتے ہوں اُن کا نیکوکار ہونا لازم سمجھتے

ہیں ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ فدیہ کے بعد بھی دوزخ بالکل خالی نہ ہوگی کیونکہ عیسائی مذہب کے موافق بھی تمام کافر جو بے شمار گروہ ہیں اور جن کے بے شمار نام ہیں سب دوزخ میں جاویں گے اور اس کے تنگ و تاریک مکانوں میں قید رہیں گے ✤

ایک مسئلہ مذہب عیسوی کا جو سرنوشت کے نام سے مشہور ہے حسن معاشرت کے حق میں ویسا ہی مضرت بخش ہے اگر اس مسئلہ کا معتقد نیک طبیعت اور صاف دل ہو تو بہ آسانی اُس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے ازل سے اُس کا نام کتاب حیات میں لکھ رکھا ہے اور اسی وجہ سے وہ خیال کرتا ہے کہ اگر اُس کی برائیاں اور اُس کے گناہ سمندر کے کناروں کی ریت کے برابر بھی ہوجاویں تب بھی اُس کا نام صفحہ کتاب حیات سے نہ مٹا سکیں گے اور اگر وہ کم بخت بے نصیب پیچ دار اور بدخصلت خنک طبیعت عبوس صورت ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا نام صفحہ کتاب حیات میں مندرج نہیں ہے اور اس لئے وہ اپنے قدرتی مزاج کے خراب میلان کو روکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور نیکی کی طرف رجوع کرنے کو اُسے کوئی ترغیب نہیں رہتی ✤

مذہب اسلام کی نسبت یہ بات بڑے اطمینان اور بھروسے سے کہی جا سکتی ہے کہ سر ولیم میور نے جو رائے اُس کی نسبت لکھی ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔ بلکہ مذہبی عقیدہ اور مذہبی معاملات میں جو آزادی رائے اسلام نے دی ہے وہ بے نظیر ہے اور شاید دنیا میں کوئی مذہب اس معاملے میں اُس سے فائق نہیں ہے ✤

ہم اس مقام پر ایک مشہور و معروف فرانسیسی عالم یعنے ایم ڈی سینٹ ہلیئر کی رائے نقل کرتے ہیں جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم اپنی اس تحریر کی تائید میں صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کی شہادت کو پیش نہیں کرتے بلکہ اور

مذہب اور خصوصاً مذہب عیسائی کے فیاض اور دانشمند بے تعصب معتقدوں کی بھی شہادت پیش کرسکتے ہیں *

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ "اسلام میں کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھ کر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے۔ مذہب اسلام خود اس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردے میں پوشیدہ کیا جاوے اور اگر اب تک اس میں چند شبہات موجود ہیں تو اس کا الزام مذہب اسلام پر نہیں ہے کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ ہونا ممکن ہے"*

اب مذہب اسلام کی آزادی راے کا حال مذہبی معاملات کی نسبت غور کرو۔ دین محمدی صلعم کی رو سے تمام مذہبی روایتوں اور حدیثوں کی نسبت ہر ایک شخص آزادانہ راے دے سکتا ہے راویوں کی نسبت۔ روایت کے مضمون کی نسبت۔ نہایت آزادانہ تحقیقات و تفتیش کرنے کا اور ان تمام روایتوں اور حدیثوں کو جو اس کی آزادانہ تحقیقات اور بے تعصب راے میں تحقیق کے بعد نامعتبر ٹھیریں نامقبول کرنے کا ہر ایک شخص کو کلیتہً اختیار حاصل ہے۔ جو روایتیں اور حدیثیں کہ غور و فکر اور تحمل سے تحقیقات کرنے کے بعد عقل اور قدرت کے برخلاف ثابت ہوں یا اور کسی طرح موضوع قرار پاویں یا۔ جو روایتیں اور حدیثیں بے سند ہوں ان سب کو رد کر دینے کا کلیتہً مجاز ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ "حدیث بے سند گوز شتر است" یہ قول ایک ایسے بڑے شخص کا ہے جس کو لوگوں نے نبی سے کچھ ہی کم مان رکھا ہے *

قرآن مجید کی نسبت بھی جس کے ہر ایک لفظ کو مسلمان وحی سے مانتے ہیں مذہب اسلام میں جس قدر آزادی حاصل ہے کسی دوسرے مذہب

میں نہیں ہے۔ ہم نے قرآن مجید کے سچ ہونے کو بھی اُس کے سچ ہونے سے مانا ہے۔ بلکہ مذہب اسلام کی رو سے ہر ایک شخص کو آزادی ہے کہ خود قرآن مجید کے احکام پر غور کرے اور جو ہدایت اُس میں پاوے اس پر عمل کرے کوئی شخص کسی دوسرے کی رائے اور اجتہاد اور سمجھ کا پابند نہیں ہے۔ مذہب اسلام میں ایسی قوت کسی کو نہیں ہے کہ دوسرے کو خواہ مخواہ برخلاف اُس کی سمجھ کے اپنی اطاعت اور اپنے اجتہاد کی پیروی پر مجبور کرے۔ ہر شخص اپنے اپنے لئے مجتہد ہے۔ صحابہ جن کو ہم بعد پیغمبر کے بزرگ سمجھتے ہیں اُن کی نسبت بھی اکابر مذہب اسلام کا یہ قول ہے کہ "نحن رجال وھم رجال" پس اس سے زیادہ اور کیا مذہبی معاملات میں آزادی رائے ہو سکتی ہے ✤

مگر ہم یہودی اور عیسائی مذہب میں اس قسم کی آزادی رائے معاملات مذہبی میں نہیں دیکھتے۔ مذہب اسلام میں یہ بھی ہدایت نہیں ہے کہ اُس کا جو سب سے بڑا اصول ہے یعنی خدا کے وجود اور اُس کی وحدانیت کا ماننا وہ بھی اندھا دھندی کے اعتقاد اور بے مداخلت عقل اور بے سمجھے غلامانہ طور پر تسلیم کر لیا جاوے۔ کیونکہ خود قرآن مجید میں ہے اس بڑے مسئلہ کو جبرو سختی و ناسمجھی سے تسلیم کرنے کو نہیں کہتا بلکہ دلیلوں اور قدرتی نشانیوں سے اُس کو سکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے وجود اور اُس کی وحدانیت کو تمام قدرتی چیزوں کے وجود سے ثابت کیا ہے۔ اور اُس کے بعد اُس لازوال ہستی اور ہمہ راستی پر یقین کرنے کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ اُس پاک کتاب میں لکھا ہے کہ وہ خدا کے ہونے کی نشانیاں ہیں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم چلتے پھرتے ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب آدمی ہوئے۔ خدا کے ہونے کی

ثم اذا انتم بشر تنتشرون ٭

ومن اٰیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لاٰیات للعلمین ٭

ومن اٰیاتہ منامکم بالیل والنہار وابتغاؤکم من فضلہ ان فی ذالک لاٰیات لقوم یسمعون ٭

ومن اٰیاتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فاحیٰ بہ الارض بعد موتہا ان فی ذالک لاٰیات لقوم یعقلون ٭

ومن اٰیاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ٭

ومن اٰیاتہ ان یرسل الریاح مبشرات ولیذیقکم من رحمتہ ولتجری الفلک بامرہ ٭

اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خلالہ ٭

اللہ الذی خلقکم من ضعف

نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو پیدا کیا اور تمہی میں سے تمہارے لئے جوڑا بنایا کہ اُس سے تم کو چین ہو اور آپس میں تمہاری محبت وشفقت پیدا کی اسی میں اُن لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں اور خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سو رہنا اور اُس کی مہربانی سے رزق کا تلاش کرنا اسی میں اُن لوگوں کے لئے جو بات کو سنتے یعنے سمجھتے ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں۔ خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے بجلی کی چمک اور کڑک کا تم کو دکھلانا جس سے تم ڈر جاتے ہو اور مینہ برسنے کے لالچ کرتے ہو اور برساتا ہے آسمان سے مینہ پھر مری ہوئی تھی یعنے خشک زمین کو زندہ یعنے ہرا کر دیتا ہے اسی میں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ دار ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں ” خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُسی کے

ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل
من بعد قوۃ ضعفا و شیبۃ (سورہ روم)
الم تر ان اللہ انزل من السماء
ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا
ومن الجبال جدد بیض و حمر مختلف
الوانہا وغرابیب سود و من
الناس والدواب والانعام مختلف
الوانہ کذلک (سورہ فاطر)
ان فی السموات والارض لآیات
للمومنین و فی خلقکم وما یبث من
دابۃ آیات لقوم یوقنون
واختلاف اللیل والنہار وما
انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا
بہ الارض بعد موتہا وتصریف
الریاح آیات لقوم یعقلون تلک
آیات اللہ نتلوہا علیک بالحق
فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ
یومنون (سورہ جاثیہ)
ھو الذی انزل من السماء ماءً
فاخرجنا بہ نبات کل شیء فاخرجنا
منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا

حکم سے آسمان اور زمین کھڑے ہیں۔
خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے
ہے کہ مینہ کی خوش خبری لانے والی
ہوا کو چلاتا ہے تاکہ اس کی رحمت کا
تم مزہ چکھو اور اس کے حکم سے
پانی سے کشتیاں چلیں۔ خدا وہ ہے
کہ ہوا چلاتا ہے پھر وہ بادلوں کو ہانک
لاتی ہے پھر جس طرح چاہتا ہے۔
آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور پھر بادلوں
کا دل کر دیتا ہے پھر ان میں سے
بوندیں ٹپکاتا ہے۔ خدا وہ ہے جس نے
تم کو پہلے نہایت ہیچ ناتوان پیدا کیا
پھر تم کو ناتوانی سے قوی کیا۔ پھر
قوی سے ضعیف کر دیا اور بڑھاپے
سے تمہارے بال بھی سفید کر دئے۔
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا
پھر اس سے رنگ برنگ کے پھل پیدا کئے اور پہاڑوں میں
سفید و سرخ و سیاہ بھجنگ نہیں نکالیں اور اسی
طرح آدمیوں اور جانوروں اور چارپایوں
میں طرح بطرح کے رنگ بنائے آسمانوں
میں اور زمین میں خدا کے

ومن النخل من طلعها قنوان دانية
وجنات من اعناب والزيتون والرمان
مشتبها وغير متشابه انظروا الى
ثمره اذا اثمر وينعه ان في ذلكم
لايات لقوم يومنون (سورة انعام)
وهو الذي مد الارض وجعل فيها
رواسي وانهارا ومن كل الثمرات جعل
فيها زوجين اثنين يغشي اليل النهار
ان في ذلك لايات لقوم يتفكرون ۔
(سورة رعد) ۔
وفي الارض قطع متجاورات
وجنت من اعناب وزرع ونخيل
صنوان وغير صنوان يسقي بماء
واحد ونفضل بعضها على بعض في
الاكل ان في ذلك لايات لقوم
يعقلون (سورة رعد)
الذي جعل لكم الارض مهدا و
سلك لكم فيها سبلا وانزل من السماء
ماء فاخرجنا به ازواجا من نبات
شتى كلوا وارعوا انعامكم ان في
ذلك لايات لاولي النهى سورة

ہونے پر یقین والوں کے لئے بہت
سی نشانیاں ہیں اور تمہارے پیدا
کرنے ہیں اور جانوروں کو بہتایت
سے پھیلائے ہیں یقین والوں کے
لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور رات
کے جانے اور دن کے آنے اور انکے
بڑا ہونے اور چھوٹا ہونے اور آسمان
سے مینہ کے برسنے پھر مردہ زمین کے
زندہ کرنے اور ہوا کے اول بدل کرنے
میں سمجھ وار لوگوں کے لئے بہت سی
نشانیاں ہیں ۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں
جو ٹھیک ٹھیک تجھ کو بتلاتی ہیں۔ پھر کون
سی بات ہے جس پر اللہ کی اور اسکی
نشانیوں کے بعد ایمان لاویں گے ۔
خدا وہ ہے جو برساتا ہے آسمان سے
پانی پھر پانی کے سبب ہم نے تمام
اگنے والی چیزیں پائیں پھر ہم نے
اس سے سبز پودے نکالے جس میں
سے دانوں کے گچھے نکلتے ہیں اور کھجور
کے درختوں میں ان کی پھننگ میں سے
پھل کے بوجھ سے زمین کو جھکے ہوئے

طٰہٰ) +

والانعام خلقها لكم فيها دفء
ومنافع ومنها تأكلون ولكم فيها
جمال حين تريحون وحين تسرحون
وتحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا بالغيه
الا بشق الانفس (سورہ نحل) +

وان لكم في الانعام لعبرة
نسقيكم مما في بطونها من بين فرث
ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين۔
(سورہ نحل) +

ومن آياته الجوار في البحر كالاعلام
ان يشاء يسكن الريح فيظللن رواكد
على ظهره ان في ذلك لآيات لكل
صبار شكور (سورہ شوریٰ)

والله اخرجكم من بطون امهاتكم
لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والابصار
والافئدة لعلكم تشكرون۔

الم يروا الى الطير مسخرات في جو السماء
ما يمسكهن الا الله ان في ذلك لآيات
لقوم يؤمنون (سورہ نحل) +

گابھے نکلتے اور انگور اور زیتون اور
انار کے باغ ایک سے اور الگ طرح
کے اُگتے ہیں دیکھو اس کے پھل کو
جب کہ وہ پھلے اور پکے اُس میں بھی
بلا شبہ اُن لوگوں کے لئے جو ایمان
والے ہیں خدا کے ہونے کی نشانیاں
ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو
ایسا بڑا بنایا اور اُس میں پہاڑ اور دریا
بنائے اور اُس میں تمام پھلوں کو دو
دو بنایا۔ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے۔
اس میں بھی بے شک اُن لوگوں کے
لئے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے
پر نشانیاں ہیں۔ اور زمین کے مختلف
ٹکڑے آپس میں ملے ہوئے ہیں اور
انگور کے باغ ہیں کھیت ہیں اور کھجور
کے درخت ہیں کسی کی بہت گھنی
شاخیں ہیں اور کسی کی چھدری۔ جو
ایک سے پانی سے سیراب ہوتے ہیں
اور کھانے میں ایک دوسرے سے
مزے دار ہیں اس میں بھی بے شک
اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں خدا

کے ہونے پر نشانیاں ہیں ۔ وہ خدا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں رستے جاری کئے اور آسمان سے مینہ برسایا پھر ہم نے پانی کے سبب مختلف اُگنے والی چیزوں کے جوڑے نکالے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ اس میں بھی عقل والوں کے لئے خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں اور تمہارے لئے مویشی کو پیدا کیا اُن میں گرم رہنے کا سامان اور بہت سے منافع ہیں اور اُن ہی میں سے تم کھاتے ہو اور تم کو اُن سے زیبائش ہے جب کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور چرانے کو لے جاتے ہو اور تمہارا بوجھ کسی شہر کو اُٹھائے جاتے ہیں جہاں تم بغیر ادھ موئے ہوئے نہ پہنچ سکتے تھے ۔ اور تمہارے لئے مویشی میں ایک بڑی نصیحت ہے ہم تم کو وہ چیز پلاتے ہیں ۔ جو اُن کے پیٹ میں گوبر و لہو کے سبب بنتی ہے یعنے اچھا خاصہ دودھ جو پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اُتر جاتا ہے اور خدا کے ہونے کی نشانیوں میں ہیں پہاڑوں کی مانند جہاز سمندر میں چلنے والے اگر خدا چاہے ہوا بند کر دے وہ سمندر کی پیٹھ پر ٹھیر جاویں اس میں بھی بے شک اُن لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں ۔ اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا تم کچھ نہیں جانتے تھے بنایا تمہارے لئے سننا تاکہ تم شکر کرو کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے جو ادھر آسمان کی وسعت میں ہیں کون اُن کو تھامے ہوئے ہے بجز خدا کے اس میں بھی بے شک اُن لوگوں کو جو ایمان والے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں ؛

اگر چند آیتوں کے مضامین کو مختصراً ایک جگہ جمع کر دیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ کس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے خدا کے ہونے پر قدرتی چیزوں

سے استدلال کیا گیا ہے۔ دنیا کو دیکھو کہ وہ کیسی عجیب چیز ہے۔ تاروں بھرا
آسمان۔ اندھیرے کو اُجالا کرنے والا سورج۔ گھٹنے بڑھنے والا۔ اندھیری راتوں
میں چاندی کے سے پترے بچھا دینے والا چاند۔ دریا کی موجوں اور بے نشان ریگستانوں
میں رستہ بتانے والے ستارے خدا کی طرح بہ طرح کی صنعتیں کھلی ہوئی آنکھوں
والوں کے لیئے خدا کے ہونے کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ زمین خدا نے تمہارے لیئے
بنائی ہوئی اس میں ہر طرف کو جانے آنے کے رستے رکھے تم اس پر رہتے
ہو اور ادھر اُدھر پھرتے ہو۔ بادلوں کے بے انتہا دل اس نیلے گھیرے
کے سینے میں پیدا ہوتے ہیں کھڑے رہتے ہیں ڈولتے پھرتے ہیں پھر
غائب ہو جاتے ہیں کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں۔ یہ
پہاڑوں کی صورت کے اجگر بادل روئی کے پھوئے کی طرح ہوا کے
جھونکے سے اُڑتے پھرنے والے دل کے دل موسلا دھار مینہ برساتے ہیں
پژمردہ زمین کو سرسبز کرتے ہیں۔ گھاس اُگتی ہے اونچے اونچے کھجور کے
درخت پتوں کی خوشنما چھتریوں سمیت اُگتے ہیں جن کے گرد کھجوروں کے
گچھے لٹکتے ہیں کیا یہ اس کے پیدا کرنیوالے ہونے کی نشانیاں نہیں ہیں۔ تمہارے
مویشی بھی کیا عجیب نہیں ہیں۔ تمہارے لیئے گھاس کو دودھ بنا
دیتی ہے۔ اس کی اون سے تم اپنی پوشاکیں بناتے ہو۔ دن
بھر جنگل میں چرتی ہیں۔ شام کو صف باندھ کر تمہارے گھر آتی
ہیں۔ پھر ان بڑے بڑے پہاڑوں جیسے جہازوں کو
دیکھو جو اپنے کپڑے کے پر پھیلائے سمندر کی لہروں پر دوڑتے
مڑتے پڑے پھرتے ہیں پر پھیلاتے ہیں جست کرتے ہوئے
جاتے ہیں ہوا اُن کو لیئے پھرتی ہے مگر جب خدا نے ہوا بند کر لی۔ تو

وہ مردہ کی طرح پڑے ہیں پھر ہل تک نہیں سکتے کیا یہ ایک کرشمہ نہیں ہے۔ تم کیا کرشمہ چاہتے ہو تم خود کیا کچھ کرشمہ نہیں ہو۔ چند برس پہلے تمہارا وجود نہ تھا۔ تم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا۔ چھوٹے سے بڑا کیا۔ خوبصورت بنایا۔ طاقت تم کو دی۔ خیالات کی قوت تم میں رکھی۔ تم کو ایک دوسرے پر رحم آتا ہے۔ اگر تم کو ایسا نہ بناتا تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ پھر تمہارے بال سفید ہوتے ہیں۔ تمہاری طاقت گھٹ جاتی ہے۔ ناتوان ہو جاتے ہو پھر تمہارا وجود نہیں رہتا۔ سب چیزیں اُس کے بنانے والے ہونے کی نشانیاں ہیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

تمام قرآن اسی قسم کے قدرتی مضامین سے بھرا ہوا ہے جن سے اُس علۃ العلل کے خدا کے ہونے پر استدلال کیا ہے۔ پھر خدا کی وحدانیت کی دلیلیں عام فہم طریقے پر بیان کی ہیں اور یوں فرمایا ہے کہ کس نے پیدا کیا

امن خلق السموات والارض و
انزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق
ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا
شجرها ء اله مع الله بل هم قوم
یعدلون امن جعل الارض قرارا
وجعل خلالها انهارا وجعل لها
رواسی وجعل بین البحرین حاجزا
ء اله مع الله بل اکثرهم لا یعلمون
(سورۂ نمل)

آسمانوں اور زمین کو اور کس نے تمہارے لئے آسمان پر سے مینہ برسایا پھر ہم نے اُس سے فرحت بخش باغ اُگائے تم اُنکے درخت نہیں اُگا سکتے تھے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے مگر کافر وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے پھر جاتے ہیں کس نے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا۔ اور کس نے اُس میں دریا بنائے اور کس نے زمین کے پہاڑ بنائے اور

کس نے دو سمندروں میں جزیرہ بنایا۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ مگر بہت کافروں میں سے نہیں جانتے اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو دونو برباد ہو جاتے ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

پس امور مذہبی میں جیسی آزادی رائے اسلام میں ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔

یہ کہنا کہ اسلام کے نہ قبول کرنے کی لازمی سزا تلوار ہے مذہب اسلام پہ منجملہ اُن سخت اور جھوٹے الزاموں کے ایک الزام ہے جو غیر مذہب والوں نے ناانصافی سے اُس پر کئے ہیں یا وہ مذہب اسلام سے ناواقف ہیں یا وہ عمداً دو الستہ حق پوشی کی نظر سے باندھے ہیں۔ اسلام صرف دلی یقین اور قلبی تصدیق پر منحصر ہے اور دلی یقین جبر و زبردستی سے پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ پس کیونکر یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس چیز سے وہ بات پیدا ہی نہیں ہو سکتی جس کی ضرورت اسلام کے لئے ہے اُس کے کرنے کو خود اسلام ہی ہدایت کرے۔ جو لوگ مذہب اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اور خدا کے کلام کو ایک ادنیٰ توجہ سے ہی دیکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خیال کہ اسلام زبردستی تلوار کے زور سے قبلوایا جاتا ہے قرآن مجید کے اس صاف اور روشن حکم کے بالکل برخلاف ہے۔ جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ "دین پر لانے میں کچھ دباؤ

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد — ڈالنا نہیں ہے کیونکہ سیدھی راہ بیشے
من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن — اسلام گمراہی شیطنے کفر سے علانیہ کھل
باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی — گئی ہے پھر جو کوئی بتوں کا منکر ہو۔

لا انفصام لها واللہ سمیع علیم (سورہ بقر آیت ۲۵۷) ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلهم جمیعا افانت تکره الناس حتی یکونوا مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (سورہ یونس آیت ۹۹ و ۱۰۰)

اور اللہ پر ایمان لائے تو بیشک اس نے نہایت مضبوط کنگورہ پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے کے قابل نہیں ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے" ایک اور جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ" اگر چاہتا اللہ تیرا پروردگار تو سب جو زمین میں ہیں اکٹھے ایمان لے آتے پھر کیا تو دباؤ ڈال سکتا ہے لوگوں پر تاکہ مسلمان ہو جاویں (یعنے دباؤ سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا) کسی شخص کو یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بغیر حکم خدا کے ایمان لاوے اور اللہ ان لوگوں پر ناپاکی ڈالتا ہے جو نہیں سمجھتے *

جس اصول پر کہ حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثنا کے قتل و غارت و نیست و نابود کر دیں۔ اس اصول پر مذہب اسلام نے کبھی تلوار کو میان سے نہیں نکالا۔ اس نے کبھی تمام کافروں اور بت پرستوں کے نیست و نابود کرنے کا یا کسی کو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبلوانے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہاں بلاشبہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے یعنے خدا پرستوں کے امن اور اُن کی جان و مال کی حفاظت اور اُن کو خدا پرستی کا موقع ملنے کو اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہیں لگا سکتا *

اسلام میں سب سے بڑا مقصد جیسا اُس لازوال ہستی پر خود یقین لانا ہے ویسا ہی اُس کے وجود اور اُس کی وحدانیت کا علے العموم مشتہر کرنا ہے۔ شروع اسلام کے زمانے کے مسلمانوں پر بہت بڑا فرض تھا اور حال کے

زمانے کے مسلمانوں پر بھی بقدر اُس حاجت اور ضرورت کے جواب باقی ہے
فرض ہے کہ کافروں میں اور کافروں کے ملک میں جاویں اور ایسے خدائے واحد
کے وجود کا یقین جو دکھائی نہیں دیتا اپنے وعظ و نصیحت سے لوگوں کے
دلوں میں بٹھاویں۔ جن ملکوں میں اُس مقصد کے ادا کرنے میں کوئی
مانع و مزاحم نہیں ہے اُس ملک پر اسلام نے تلوار نکالنے کی اجازت نہیں دی۔
مگر جب کافر خدا کے نام کی منادی کے مانع ہوں اور خداپرستوں کو جان
و مال کے امن سے نہ رہنے دیں جیسے کہ مکہ کے کافروں نے کیا اور پھر
جہاں گئے وہ بھی تعاقب میں دوڑے اُس وقت بلاشبہ اپنا بچاؤ کرنے
کا اور خدا کے نام کو بلند کرنے کی غرض سے اسلام نے تلوار نکالنے کی
اجازت دی ہے مگر اُسی وقت تک جہاں تک کہ یہ مقصد حاصل ہو جاوے
تاکہ مسلمانوں کو جان و مال کی حفاظت ہو اور بذریعہ وعظ و تلقین و پند و
نصائح کے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال لوگوں کے دل میں جما دیں تاکہ
اُسی واحد حقیقی کی پرستش دنیا میں جاری ہو۔ مسلمان کافروں میں با امن
و امان رہیں اور اپنے چال چلن اور عادت و عبادت اور اخلاق محمدی سے
خود اپنے تئیں مجسم اسلام بنا دیں تاکہ کافر نور اسلام کو اُس مجسم اسلام
میں دیکھیں اور اسلام پر دل سے یقین لاویں۔

ہمارے اس قول کی تصدیق کہ وہ تلوار صرف اسی مقصد کے حاصل ہونے
تک نکالی جاتی ہے نہ کافروں کے زبردستی مسلمان ہونے کے مقصد سے
وہ اس بات سے ہوتی ہے کہ بہ مجرد حاصل ہونے اس مقصد کے تلوار میان
میں رکھ لی جاتی ہے گو کہ ایک کافر بھی مسلمان نہ ہوا ہو۔

یہ مقصد یعنے یہ کہ مسلمان امن سے رہیں اور خدائے واحد کی پرستش

کیا کریں اور خدا کا نام لوگوں میں بلند کریں اور اپنے چال چلن اور عادت وعبادت واخلاق و محبت و ہمدردی سے اسلام کی مجسم صورت لوگوں کو دکھلاویں تین طرح سے حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ ایک مذہب ہو جاوے اور وہاں کے لوگ مسلمان ہوجاویں جیسا کہ مدینے میں ہوا +

یا یہ کہ صلح رہے یعنے یہ کہ کفار ادائے فرائض مذہبی سے معترض نہ ہوں - جیسے کہ ابتدائے مکہ میں تھا یا جن مسلمانوں نے حبشہ میں ہجرت کی تھی اُن کا حال تھا یا کفار لڑائی کی حالت میں مسلمانوں کو ملک میں رہنے اور آمد و رفت کرنے اور اُن کی جان و مال کی حفاظت اور ادائے فرائض مذہبی سے معترض نہ ہونے پر صلح کرلیں +

یا یہ کہ ملک فتح اور کفار مغلوب ہو جاویں تاکہ اُن کو طاقت تعرض کی مسلمانوں سے ادائے فرائض مذہبی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نہ رہے +

ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت سے مقصد حاصل ہونے کے بعد فوراً تلوار میان میں رکھ لی جاتی ہے گو کہ ایک کافر بھی مسلمان نہ ہوا ہو اور اگر پچھلے دونو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے میں امن قائم ہوا ہو تو کسی کو بھی کی مذہبی رسومات میں دست اندازی کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو آزادی رہتی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شخص اس کو ایذا پہنچاوے اپنے مذہب کی تمام رسومات کو ادا کرے +

اس بیان سے اُن مصنفوں کی بھی سخت غلطی صاف صاف ظاہر ہوتی ہے جنھوں نے لکھا ہے کہ "اسلام میں دوسرے مذہب کو آزادی سے رہنے دینا مطلق نہیں ہے" ہاں ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمان فتحمندوں میں سے بعضوں نے نہایت بے رحمی کی اور دوسرے مذہب کی آزادی کو برباد

کر دیا۔ مگر مذہب اسلام کا اندازہ اُن کے افعال سے نہ کرنا چاہئے بلکہ ہم کو یہ بات تحقیق کرنی چاہئے کہ اُنہوں نے مذہب اسلام کے مطابق عمل کیا یا نہیں اور اس وقت ہم کو صاف یہ بات معلوم ہو جاوے گی کہ اُن کے افعال مذہب اسلام کے بالکل برخلاف تھے۔ مگر اسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان فتح مند جو اپنے مذہب کے بھی پابند تھے دوسرے مذہب کی آزادی میں خلل انداز نہ تھے اور اپنی تمام رعایا کو بہ لحاظ قوم مذہب کے ہر طرح کا امن اور آزادی بخشتے تھے۔ تواریخ سے ہم کو بے شمار مثالیں مسلمان فتح مندوں کی دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھنے کی ملتی ہیں اور ہم اس مقام پر چند رایوں کو نقل کرتے ہیں جو اس باب میں عیسائی مصنفوں نے لکھی ہیں اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھنا اسلام کی خاصیت میں سے ہے۔

چیمبرز سائکلوپیڈیا میں ایک عیسائی مصنف نے جس کی ذات سے بہت کم توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کا طرف دار ہو اسپین کے علم تواریخ پر ایک آرٹیکل لکھا ہے اور اُس نے اُس معاملے میں یہ لکھا ہے کہ "اسپین کے بنی اُمیہ خلفاء کی حکومت کی ایک مشہور و معروف بات قابل بیان کے ہے کیونکہ اس سے اسپین کے ہمعصر (یعنے عیسائی) اور پچھلے مسلمان بادشاہوں کے مقابلے میں بلکہ اس انیسویں صدی کے زمانے تک اُن کے بادشاہوں کی بڑی عمدگی پائی جاتی ہے۔ یعنے اُن کا عام طور سے دوسرے مذہب کو مذہبی معاملات میں آزادی کا دینا"۔

گاڈفری ہگنز صاحب نے اس معاملے کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "کوئی بات ایسی عام نہیں ہے جیسا کہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام کی مذمت

اس وجہ سے سننے میں آتی ہے کہ اُس میں تعصب زیادہ ہے اور اس میں دوسرے مذہب کو آزادی نہیں ہے۔ یہ عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے۔ وہ کون تھا؟ عیسائی! جس نے مُور مسلمان باشندگان اسپین کو اسپین سے بہ ایں وجہ جلاوطن کر دیا تھا کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے۔ اور وہ کون تھا؟ عیسائی! جس نے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندوں کو قتل کیا تھا اور اُن سب کو بطور غلام کے دے دیا تھا اس وجہ سے کہ وہ عیسائی نہ تھے۔ مسلمانوں نے بمقابلہ اس کے یونان میں کیا کیا۔ کئی صدیوں سے عیسائی امن و امان کے ساتھ اپنی ملکیت پر قابض چلے آتے ہیں اور اُن کے مذہب۔ اُن کے پادریوں اُن کے بشپ۔ اُن کے بزرگوں اُن کے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی نہیں کی گئی ہے۔ جو لڑائی بالفعل (یعنے بزمانہ تحریر کتاب) یونانیوں اور ترکوں میں ہو رہی ہے وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے جو حال میں دیمرارا کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوئی تھی۔ کچھ زیادہ مذہب کی وجہ سے نہیں ہے۔ یونانی اور حبشی اپنے فتحمندوں کی اطاعت سے آزاد ہوا چاہتے ہیں اور ان کا ایسا کرنا واجب ہے۔ جب کبھی خلیفہ فتح یاب ہوتے تھے اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو جاتے تھے تو فوراً ان کا رتبہ بالکل فتحمندوں کے برابر ہو جاتا تھا۔ ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد عالم نے سیر اسپین یعنے مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ "وہ کسی شخص کو ایذا نہیں دیتے تھے اور یہودی اور عیسائی سب اُن میں خوش و خورم تھے"

"لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مور اس وجہ سے جلاوطن کئے گئے تھے کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے مگر مجھ کو گمان ہے کہ اُنکا

سبب اور ہی تھا یعنے میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی دلیلوں سے عیسائیوں پر اس قدر غالب آ گئے تھے کہ نادان عیسائی مانک یعنے دین دار سمجھتے تھے کہ ان کی دلیلوں کا جواب صرف مذہبی عدالت سے سزا دینا اور تلوار سے ہو سکتا ہے۔ اور مجھ کو کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہاں تک ان کی ناقص قوت جواب دینے کے باب میں تھی وہاں تک ان کا یہ خیال صحیح تھا۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح کرتے تھے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی۔ ایرانی۔ اسپین خواہ ہندو قتل نہیں کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ عیسائیوں نے بیان کیا ہے بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب بہ امن و امان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دئے جاتے تھے۔ اور اس پچھلے حق کی بابت ایک[1] محصول دیتے ہیں جو اس قدر خفیف ہوتا ہے کہ کسی کو گراں نہیں معلوم ہوتا۔ خلفا کی تمام تاریخ میں کوئی ایسی بات نہیں مل سکتی جو ایسی رسوائی کا باعث ہو۔ جیسے کہ (عیسائیوں میں) مذہبی عدالت سے سزا

---

[1] حاشیہ۔ مسٹر گبن نے یہاں غلطی کی ہے۔ کافروں سے جو مفتوح ہو جاتے ہیں اس معاوضے میں کہ ان کو ان کے مذہب پر چھوڑ دیا گیا ہے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ اس وجہ سے کہ مثل مسلمانوں کے بلا مزد یا قلیل مزد پر فوجی خدمت پر مجبور نہیں کئے جاتے اور گورنمنٹ کی بہ غرض قایم رکھنے حکومت اسلامی اور بحال رہنے امن و امان کے کوئی خدمت بجا نہیں لاتے بلکہ گورنمنٹ ان کے حفظ و امن کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے معاوضے میں ان سے جزیہ لیا جاتا ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے بلکہ خلیفہ کو بہ نظر مصلحت ملکی بالکل اختیار ہے چاہے لے چاہے ترک کرے۔ پس یہ امر سیاست مدن سے متعلق ہے نہ مذہب سے۔ مسلمانوں پر اس سے بہت زیادہ سخت محصول ہے

یعنے ہر سالی چالیسواں حصہ اپنے مال کا۔

دیتا تھا ورنہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنا
مذہب چھوڑنے کے سبب چلا گیا ہو۔ نہ مجھ کو یہ یقین ہے کہ زمانے امن میں
صرف اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُس نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا۔ اس
میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ پچھلے مسلمان فتح مندوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بھا
بڑی بے رحمیاں کی ہیں جن کا الزام عیسائی مصنفوں نے بھی جد و جہد
سے مذہب اسلام پر لگایا گیا ہے مگر یہ واجب نہیں ہے۔ درحقیقت مذہبی تعصب
کے باعث لڑائی کی خرابیاں زیادہ ہو گئیں مگر اس باب میں مسلمان فتح مند کچھ
عیسائیوں سے زیادہ بدتر نہ تھے ؞

اس کے بعد مسٹر گاڈفری ہگنز صاحب نہایت شائستہ ملکوں میں بھی
دوسرے مذہب کی آزادی کے باب میں شبہ کرتے ہیں اور ایک دل چسپ
تقریر لکھتے ہیں کہ "عیسائی پادریوں کی کوشش کو اگرچہ بہ حسب ظاہر بہت
بڑی وسعت دی گئی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔
وہ لکھتے ہیں کہ مجھ کو اس امر کی نسبت کسی قدر شبہ ہے کہ اس شائستہ زمانے
میں بھی جیسا کہ وہ مشہور ہے اُس وقت کیا ہو اگر سلطان روم (جس طرح
کہ ہمارے پادریوں نے مسٹر ڈریبنڈ نامی کو اپنے خاص مذہب کی "تلقین" کے
لئے جنیوا میں بھیجا تھا) اپنے ایک نہایت عالم مفتی کو لنڈن میں ایک
مسجد بنانے اور قرآن کا وعظ کرنے کو بھیجے۔ مجھ کو اندیشہ ہے اور میرا یہ
اندیشہ معقول وجہ پر مبنی ہے کہ اُس کے سبب سے جو آگ سنہ ء میں
یا حال میں بہ مقام برمنگھم مشتعل ہوئی تھی وہ پھر پادریوں کی بدولت
بھڑک اٹھے اور ہمارے وزیر اُس کا جواب ایک ایڈمرل یعنی امیر البحر
کے منہ سے دیں۔ جس کی یہ رائے ہو گی کہ قسطنطنیہ پر گولہ اندازی کرنا

ممکن ہوگا ✦

مگر مجھ کو مسٹر گنز کی رائے کے ساتھ ایک بات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ لنڈن کی شائستگی مسٹر گنز کے زمانے سے اب ترقی پر ہے۔ جب میں لنڈن میں تھا تو ایک شخص مسمّے ڈاکٹر پرنکٹ نے عین لنڈن میں ایک مکان لیا تھا اور ہر اتوار کو اس مکان میں برخلاف مذہب عیسائی کے لکچر دیا کرتا تھا اور جو لوگ چاہتے تھے وہاں جاکر اس کا لکچر سنتے تھے۔ میں بھی کئی دفعہ اس کا لکچر سننے گیا تھا اور ایک دفعہ اس نے قرآن اور اسلام پر بھی لکچر دیا تھا۔ اچھا لکچر تھا مگر جو عام غلطیاں قرآن اور اسلام کی نسبت انگریزوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ اس کے لکچر میں بھی تھیں۔ میں نے سُنا کہ پادریوں نے اس کا لکچر بند کرنے میں بڑی کوشش کی مگر پارلیمیٹ سے کچھ کامیابی نہ ہوئی ✦

جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب مسمّے اپالوجی میں لکھا ہے کہ وہ نائیسیا کی کونسل میں یہ امر واقع ہوا تھا کہ کانسٹنٹائین نے پادریوں کی جماعت کو وہ اختیار دیا تھا کہ جس سے نہایت ہیبت ناک نتیجے پیدا ہوئے تھے۔ جن کا خلاصہ ان چند سطروں میں موجود ہے۔ خونریزی اور بربادی۔ ان احمقانہ لڑائیوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو سو برس کے عرصے تک ترکوں پر کئے تھے اور جس میں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ قتل کرنا ان شخصوں کا جو اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے کہ انسان کا دوبارہ اصطباغ ہونا چاہیئے لوتھر کے پیروؤں اور رومن کیتھلک مذہب والوں کا دریائے رائن سے لے کر انتہائے شمال تک قتل ہونا۔ وہ قتل جس کا حکم ہنری ہشتم اور اس کی بیٹی میری نے دیا۔ فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کا قتل

ہونا۔ چالیس برس تک اور بہت سی ٹوں ریزیوں کا ہونا۔ فرانسس اول کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہوئے تک۔ عدالت مذہبی کے حکم سے قتل کا ہونا جو اب تک قابل نفرین ہے کیونکہ وہ عدالت کی رائے سے ہوا تھا۔ علاوہ اس کے اور بے انتہا بدبختوں کا اور اس بیس برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جبکہ پوپ پوپ کے مقابلے میں اور بشپ بشپ کے مقابلے میں تھے دہر و رانی اور قتل کی وارداتوں کا ہونا اور تیرہ چودہ پوپ کی بے رحم لوٹ اور گستاخانہ دعوے جو ہر قسم کے گناہ اور عیب اور بدکاری میں جو ایک یتر دیا ایک گیلیگیولا سے نہایت فوق لے گئے تھے۔ آخرکار اس خوفناک فہرست کا خاتمہ ہونے کے لئے ایک کروڑ بیس لاکھ نئی دنیا کے باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لئے قتل ہونا۔ یقیناً یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ ایک ایسا گروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا۔ اور جن قوموں کی نسبت بت پرست ہونے کا طعن کیا جاتا ہے ان میں سے کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بنا پر نہیں بہایا۔"

مشہور و معروف مورخ مسٹر گبن جو زمانہ حال کے مورخوں میں سب سے بڑا مورخ ہے جس کی سند نہایت معتبر گنی جاتی ہے اس امر کی نسبت اپنی کتاب میں یہ لکھتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی لڑائیوں کو ان کے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر آنحضرت نے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قائم کیں ان سے خلیفاؤں نے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہو جائے۔ ملک عرب حضرت محمد کے خدا کی عبادت گاہ اور اس کا مملوک تھا مگر وہ دنیا

کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم رشک سے دیکھتا تھا۔ بہت سے دیوتاؤں
کو ماننے والے اور بت پرست جو اُن کو نہ مانتے تھے شرعاً نیست و نابود کیے
جاسکتے تھے۔ مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی۔
ہندوستان کے مسلمان فتح مندوں نے بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی
کے برخلاف کرنے کے بعد اس مقام اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے۔
حضرت ابراہیم اور حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کے معتقدوں سے بمتانت
یہ استدعا کی گئی ہے کہ وہ حضرت محمد کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول
کریں لیکن اگر انہوں نے نہ مانا اور ایک معتدل خراج یعنی جزیہ دینا قبول
کرلیا وہ اپنے عقیدے میں اور مذہبی پرستش میں آزادی کے مستحق تھے۔

ایک مصنف نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایسٹ اور ویسٹ اخبار
میں چھپا تھا اور جس کا عنوان یہ تھا کہ "اسلام بطور ایک ملکی نظام کے
ہے" اسٹم میں آزادی مذہب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "صرف حضرت
محمدؐ ہی ایسے بانئے مذہب کے تھے جو ایک دنیوی بادشاہ بھی تھے اور
سپاہی تھے اور یہ دونو قوتیں خاص کر اس لئے تھیں کہ تشدد اور اولوالعزمی
کو روکا جاوے اور اولوالعزمی کی جانب وہ مائل تھے اور تلوار ان کے اختیار
میں تھی اس لئے خیال ہوتا ہے کہ جب کہ اُنہوں نے مذہب کو دنیوی
حکومت کا وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی طبیعتوں پر وہ غلبہ حاصل کیا
جس کے سبب سے وہ لوگ شرع اور حق اسی بات کو سمجھتے تھے جو آپ
جاری کرنا چاہتے تھے تو چاہئے کہ ان کا مجموعہ احکام شرعی اور تمام مجموعوں سے مختلف ہو بلکہ یہ خیال ہوتا ہے
کہ ان احکام انصاف سے بھی مختلف ہو جو ہر ایک انسان کی طبیعت میں پڑے ہوئے ہیں اب
اگر ہم یہ بات دیکھیں کہ آنحضرت کے احکام کا مجموعہ ایسا نہیں ہے ۔۔۔ بلکہ

اس کے برخلاف یہ دیکھیں کہ حضرت محمدؐ نے قومی معاملات میں حق رسانی اور فتح کرنے میں رحم اور حکمرانی کرنے میں اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت کے احکام قرار دئیے ہیں تو ہم کو یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ آنحضرت اپنے ہم جنسوں میں ایسی ہی تعظیم کا استحقاق رکھتے تھے۔

پھر اسی مصنف نے اسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ " اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی کسی کو ایذا نہیں پہنچائی کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے قائم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کے مذہب کو بجبر تبدیل کرنے کا قصد نہیں کیا۔ ہاں اس نے اپنے مسائل کا جاری ہونا چاہا مگر اس کو بجبرًا جاری نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے اور مفتوحہ سلطنتیں ان شرائط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتدا سے دنیا سے حضرت محمد کے زمانے تک ہمیشہ قرار دی تھیں۔"

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ " اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کو غیر آزاد رکھنے کے بالکل برخلاف ہے۔ اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحے میں اور ہر ایک ملک میں جہاں اس کو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نہ کرنا پایا جاتا ہے یہاں تک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے ان واقعات کا جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ برس بعد علانیہ یہ کہا تھا کہ " صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں " اور ایک انگریز سیاح سلیڈن نے مسلمانوں پر یہ طعنہ کیا ہے کہ " وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں " اب دیکھو کہ یہ رائیں بہت سی بے طرف دار اور فیاض طبع عیسائی

مصنفوں کی سر ولیم میور کے اس بے سند دعوے کے کہ اسلام میں دوسرے مذہب کو آزادی رکھنے کا نام بھی نہیں ہے کیسی برخلاف ہیں ❖

تیسرے حصے میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام کی بدولت حاصل ہوئے ہیں ❖

مذہب یہود اور عیسائی مذہب کے شامل بیان کرنے کی یہ وجہ ہے کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ حضرت عیسےٰ نے شریعت موسوی کے کسی حکم یا مسئلہ کو تغیر و تبدل نہیں کیا بلکہ حضرت موسےٰ کی شریعت کو بدستور جاری رکھا - خود حضرت عیسےٰ کے اس قول سے جو متی کی انجیل باب ۵ ورس ۱۷ میں مندرج ہے۔ کہ "یہ مت خیال کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا۔ میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں" ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے پس اس وجہ سے ضرور بالضرور یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو فائدے یہودی مذہب نے مذہب اسلام سے اُٹھائے ہیں مذہب عیسوی نے بھی لزوماً وہ فائدے حاصل کیے ہیں۔ مذہب یہود بلاشبہ ربانی مخرج سے پیدا ہوا تھا۔ اُس نے اُس لازوال مسئلہ یعنے وحدانیت خدا کی تلقین اُس حد تک کی جس قدر کہ نجات ابدی کے حاصل کرنے کو ضروری اور اُس زمانے کے لوگوں کی سمجھ کے لائق تھی۔ مگر اُس وحدانیت کو کاملیت سے اسلام نے شائع کیا جس سے مذہب یہود کا مسئلہ بھی کامل ہوگیا ❖

تین چیزوں میں وحدت کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہوسکتا ہے وحدت فی الذات۔ وحدت فی الصفات۔ وحدت فی العبادت۔ وحدت فی الذات کے یہ معنے ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شے شریک نہیں ہے وہ وحدہٗ لاشریک

لہ ہے اور نہ کوئی شے اس کے مشابہ ہے نہ آگ نہ پانی نہ ہوا۔ وحدت فے الصفات کے یہ معنے ہیں کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہو سکتی ہیں اور نہ دوسرے سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ وحدت فے العبادت کے یہ معنے ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھنا اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہوں کسی دوسرے کے لئے بجالانا جیسے سجدہ کرنا روزہ رکھنا نماز پڑھنا وغیرہ۔ ان تینوں وحدتوں میں سے پہلی دو وحدتوں کو اور تیسری وحدت کے پہلے حصے کو اوسط طور پر (جو نہ ناقص تھا کیونکہ نجات کے لئے کافی تھا) ورنہ کامل طور پر تھا کیونکہ وحدت کا پورا کمال اس زمانے کے لوگوں کی سمجھ کے لائق نہ تھا۔ یہودی مذہب نے بیان کیا اور تیسری وحدت کے اخیر حصوں کو جن سے درحقیقت اس وحدت کا کمال ہے مطلق ذکر نہیں کیا۔ اسلام نے پہلی دو وحدتوں کو بھی "لیس کمثلہ شئ" فرما کر کامل کیا۔ پس نہ آگ جو موسےٰ نے دیکھی خدا تھا اور نہ وہ آواز "انی انا اللہ" کی جو موسےٰ نے سنی خدا تھا اور نہ وہ نیک اور برگزیدہ شخص جس کو یہودیوں نے صلیب پر چڑھایا خدا ہو سکتا تھا۔ اسلام نے تیسری وحدت کو ایسے کمال پر پہنچایا جس کے سبب ایمان والوں کے دلوں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں رہا جس کی تصدیق "ایاک نعبد وایاک نستعین" سے ہوتی ہے۔ اسلام میں یہی کمال ہے اور اسی کاملیت کی وجہ سے خدا نے فرمایا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔

موسےٰ کی پانچوں کتابوں میں نہ قیامت کا ذکر ہے نہ مرنے کے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان ہے۔ نیکی کی جزا۔ دشمن پر فتح پانا۔ گھر کا بڑا ہونا۔ مفلسی

سے نجات پانا۔ بیان ہؤا ہے اور گناہ کی سزا۔ مرنا۔ قحط پڑنا۔ وبا کا ہونا۔ مفلسی کا
ہونا۔ اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا۔ موسےٰ کے بعد اور پیغمبروں اور نبیوں نے
اُن کا کچھ کچھ ذکر کیا مگر جس تفصیل اور کاملیت سے اسلام نے اس کو بتایا جس
کے لئے خدا نے گویا عمدًا یہ کام رکھ چھوڑا تھا کسی نے نہیں کیا تھا۔ مگر جو کہ روحانی
حالتوں کو یعنے گنہ گاروں کی ارواحوں کی تکلیفوں کا اور نیک آدمیوں کی
ارواحوں کی راحت اور خوشی کا بیان کرنا اور تصویر کھینچ دینا بجز اس کے
اور کسی طرح ہو نہیں سکتا تھا کہ اُس کو ایسی چیزوں اور حالتوں کے پیرائے
میں تشبیہًا بیان کیا جاوے جن کو انسان اپنی اُس زندگی میں اپنے حواس
سے محسوس کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اُن کا حال بہشت و دوزخ کے
نام سے اور خوشی و ایذا و تکلیف اُٹھانے کے مختلف طریقوں اور سامانوں
سے بیان کیا گیا ہے +

اسلام سے پہلے یہودی اور عیسائی اکثر پیغمبروں اور پاک شخصوں سے
نہایت بداخلاقی کے افعال قبیحہ کو منسوب کرتے تھے اگرچہ ہماری دانست
میں اُن تحریروں کو الہام ربانی سے کچھ تعلق نہ تھا مگر تمام یہودی اور عیسائی
اُن تمام تحریروں کو الہام ربانی اور اُن نبیوں مقدس لوگوں کو اُن افعال قبیحہ کا مرتکب
یقین کرتے ہیں +

اسلام نے اُن معصوم نبیوں اور خداپرست شخصوں اور پاک خصلت
بزرگوں کو اُن تہمتوں سے بچایا اور جو اتہام یہودیوں اور عیسائیوں نے
اُن پر لگائے تھے اُن کو نیخ منبری سے دفع کیا اور تمام پیغمبروں اور
نبیوں اور بہت سے مقدس بزرگوں کے معصوم اور بے گناہ ہونے کا دنیا
کے بہت بڑے حصے پر یقین کرا دیا۔ مسلمان عالموں نے اسلام کے اس

مسئلہ پر یقین دلانے سے کہ انبیاء و پیغمبر سب پاک و معصوم ہیں توریت کو بڑی غور سے پڑھا اور عیسائیوں اور یہودیوں کی تمام غلطیوں کو ظاہر کر دیا اور انہوں نے دریافت کیا کہ یہ غلطیاں کچھ تو اس سبب سے پڑی ہیں۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت کی عبارت اور الفاظ کی غلط طور پر تعبیر کی اور کچھ اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود توریت کے قدیمی نسخوں میں جو کوڈیسیس کہلاتے تھے اور قلمی تھے متعدد وجوہ سے غلطیاں تھیں اور پھر جن لوگوں نے مقابلہ کرکے اُن کو صحیح کیا اُن کی تصحیح بھی غلطیوں سے خالی نہ تھی اور سب سے بڑا سبب اُن غلطیوں کا یہ ہوا کہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے بہ غرض تسلسل مطالب حضرت موسےٰ کے کلام کے ساتھ ملا کر لکھے تھے اور جن میں بلاشک بہت سی غلطیاں ہیں اُن کو بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے مقدس تحریر سمجھا تھا۔ پس اگر اسلام نہ ہوتا تو ان پیغمبروں اور نبیوں اور خدا کے پاک بندوں یعنے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں اور حضرت اسحاق اور حضرت یہودا اور حضرت یعقوب کی بیویوں اور بیٹوں اور ہارون اور داؤد و سلیمان کی دنیا میں ایسی ہی مٹی خراب رہتی جیسے ایک بدکار آدمی کی خراب ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہوتے جیسے کہ ایسے جرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں جن کو دائم الحبس کرکے کالے پانی بھیجتے ہیں یا اُن کے گناہوں کی سزا کے لیے اُن کو سولی پر لٹکاتے ہیں۔ صرف یہ اسلام ہی کا احسان ہے جس نے اُن تمام بزرگوں کی بزرگی دنیا میں اُس حد تک پھیلائی جس کے وہ مستحق تھے ؛

چوتھے حصے میں ہم اُن فائدوں کو بیان کرتے ہیں جو اسلام کی

بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں ۔

دنیا میں مذہب اسلام سے زیادہ کوئی مذہب عیسائی کا دوست نہیں ہے۔ اور اسلام نے کیسی قدر فائدے پہنچائے ہیں۔ مذہب عیسائی کی بنیاد اس نیک اور حلیم شخص سے ہے (یعنے حضرت عیسےٰ پیغمبر سے) جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا اور پھر بالکل دارومدار اس عجیب شخص پر ہے جس کو انہوں نے اتنا بزرگ و مقدس سمجھا کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا (یعنے حضرت عیسےٰ پر) مذہب اسلام ہی کا یہ احسان عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادے اور نڈر دل اور نہایت استوار ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرفدار ہوا اور یہودیوں سے مقابلہ کیا اور علانیہ اور دلیرانہ اس بات کا اعلان کیا کہ جان دی بپٹسٹ" یعنے حضرت یحیٰے بلاشبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسےٰ بے شک عبداللہ اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے پس کونسا مذہب اس بات کا دعوے کرسکتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے حق میں اسلام سے زیادہ تر مفید ہے اور اس نے عیسائی مذہب کی حمایت میں اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے۔ جو سب سے بڑی خرابی حواریوں کے بعد عیسائی مذہب میں پیدا ہوگئی۔ وہ تثلیث فے التوحید اور توحید فے التثلیث کا مسئلہ تھا اور یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اس کے لازوال سچ کے بھی متناقض تھا۔ اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف تھا جو حضرت عیسےٰ نے فرمائی۔ تھیں اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں۔ یہ امر اسلام کی لازوال نعمت کا باعث ہے کہ اسی نے خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کو پھر جاری کیا اور۔ اس خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا جس کی خاص تلقین حضرت عیسےٰ نے کی تھی۔ اسلام ہمیشہ اس زمانے کے عیسائیوں کو ان کی

غلطی سے شبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے عیسائیوں سے
اسی سچے مذہب کے قبول کرنے کی استدعا کی جس کا وعظ حضرت مسیح نے کیا
تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ
سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ۔ ولا نشرک بہ شیئا
بہت سے عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھل گئیں اور اس ذلیل
حالت سے خبردار ہوئے جس میں وہ مبتلا تھے اور انہوں نے پھر اسی رتبے کے
حاصل کرنے کی کوشش کی جو پہلے ان کو حاصل تھا۔ یعنی انہوں نے صرف
قرآن کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدے کو غلط سمجھا تھا اور خدا کو وحدہ
لاشریک لہ اور عیسے مسیح کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام
کا ہے چنانچہ وہ فرقہ اب موجود ہے اور نہایت معزز لقب "یونیٹیرین" یعنے
موحدین عیسائی سے معزز ہے"۔

اگر یہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں سے اٹھا لیا جاوے تو مسٹر
گبن کی پیدا اسے عیسائیوں کے حال پر بالکل مطابق ہو جاوے گی کہ وہ اگر
سینٹ پیٹر یا سینٹ پال ویٹیکن یعنے پوپ کے محل میں آ جاویں تو غالباً
وہ اس دیوتا کا نام دریافت کریں گے جس کی پرستش ایسی پر اسرار رسومات
کے ساتھ اس عظیم الشان عبادت گاہ میں کی جاتی ہے۔ اکسفورڈ یا جنیوا
میں جا کر ان کو چنداں حیرت نہ ہو گی مگر جا میں جا کر سوال و جواب کا
پڑھنا اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے ان کی تحریرات اور ان کے
مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے اس پر غور کرنا پڑے گا"۔

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچایا ہے اس میں سب سے
بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نے عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا اختیارات

ناجائز سے نجات دی اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونک دی -
تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسےٰ کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے اور اس کو
معصوم جانتے تھے جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے سمجھتے
ہیں - اُن کا یقین تھا اور بہتوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اُور
بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے - پوپ
گناہ گاروں کے گناہوں کے بخش دینے کا دعوےٰ رکھتا ہے -
پوپ کو اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کر دے - درحقیقت
پوپ بہ لحاظ اُن اختیارات کے جو اُس کو حاصل تھے - اور جن
اختیاروں کو وہ کام میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسےٰ سے کم نہ
تھا - بلکہ دو چار قدم آگے بڑھا ہوا تھا - قرآن ہی نے عیسائیوں
کو اس خرابی سے مطلع کیا - اور جو برائیاں اس سے پیدا ہوتی
ہیں اُن کو بتلایا - اور جابجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت
پر ملامت کی اور اُن کو سمجھایا کہ اس رسوائی اور بے عقلی کی اطاعت
کو چھوڑیں اور خود آپ اپنے لئے سچ کی جستجو کریں - چنانچہ خدا نے

قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ -

(آل عمران آیت ۵۷)

قرآن مجید میں فرمایا "اے کتاب والو یعنے عیسائیو آؤ ایک بات پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں ہے - اور وہ بات یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ ہم کسی چیز کو اُس کے ساتھ شریک کریں اور نہ بنا دیں ہم ایک دوسرے کو یعنے پوپوں اور بڑے بڑے پادریوں

کو) پروردگار خدا کے سوا +

اور پھر دوسری جگہ فرمایا کہ " عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور اُن کو سوا اسکے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں کہ صرف وہی خدا ہے اور خدا اور کوئی۔ خدا پاک ہے اس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں " +

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما امروا الا ليعبدوا الها واحدا لا اله الا هو سبحانه عما يشركون (سورہ توبہ آیت ۳۱) +

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم اُس وقت عیسائی تھے۔ آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور اُنکے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی آنحضرت نے فرمایا کہ اے عدی اس بت کو اپنے گلے سے نکال پھینک۔ چنانچہ انہوں نے نکال ڈالی جب وہ پاس آئے تو حضرت قرآن کی یہ آیت

روي عن عدي بن حاتم رضي الله عنه قال اتيت رسول الله صلعم وفي عنقي صليب من ذهب فقال لي يا عدي اطرح هذا الوثن من عنقك فطرحته فلما انتهيت اليه وهو يقرأ اتخذوا احبارهم ورهبانهم

ــــــــــ

[1] جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ (جلد ۱ صفحہ ۲۲) میں لکھا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں پر بت پرستی اور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمد صلعم نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور رہبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنہوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام اور خدا کے احکام کی تعمیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے +

پڑھتے تھے کہ عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا جب آنحضرت پڑھ چکے تو عدی نے عرض کیا کہ ہم تو اُنکی پرستش نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہے کہ وہ حرام کر دیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حلال کیا پھر اس کو حرام سمجھتے ہو عدی نے کہا ہاں یہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا کہ بس یہی اُن کا پوجنا ہے ۔

اربابا من دون الله حتی فرغ منها قال فقلت له انا لسنا نعبدهم قال الیس یحرمون ما احل الله فتحرمونه ویحلون ما حرم الله فتحلونه قال فقلت بلی قال فتلک عبادتهم (معالم التنزیل)

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کئے اور اُس کے ہر ایک مسئلے سے بے سمجھے نفرت کرتے رہے ۔ مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑی بہت غور سے دیکھا اور کالون اور لوتھر مقدس کے دل پر اس کا کچھ کچھ اثر ہوا جب کہ ان دونوں نے قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں کو پڑھا جس میں پوپ کو اور پادریوں کو خدا کے سوا دوسرا خدا یا چھوٹا خدا ماننے کی مذمت تھی تو وہ سمجھے اور اُس سچے مسئلے نے اُن کے دل پر اثر کیا اور جیسے کہ قرآن نے ہدایت کی تھی وہ سمجھے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور اپنا پادری ہے وہ چلا اُٹھے کہ پا لیا پا لیا اور اسی وقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوگئے اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جس میں وہ خود اور اُن کے تمام ہم مذہب مبتلا تھے نکل آئے اور صاف صاف اُس کے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے ۔

جس کی بدولت ہم لاکھوں عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکھتے ہیں اگر اسلام مذہب عیسائی کو یہ نعمت نہ بخشتا تو آج تمام دنیا

کے عیسائی ایسے ہی بت پرست ہوتے جیسے کہ اب تک رومن کیتھلک فرقے کے لوگ بت پرست ہیں اور حضرت مسیح کی مجسم صورت لٹکی ہوتی کے آگے سجدہ کرتے ہیں پس عیسائی مذہب پر یہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے +

جو کہ درحقیقت لوتھر مقدس نے مذہب اسلام سے یہ ہدایت پائی تھی اسلئے اس کے مخالف علانیہ اُس پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان تھا تاہم اُس نے اپنی کوششوں کو نہیں چھوڑا اور آخر کار اُس عظیم الشان اصلاح

سلہ جینی بوارڈو نے یورپ کی طرف سے جرمنی کے رفارمروں کے اور خصوصاً لوتھر مقدس کے ذمہ یہ الزام لگایا تھا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرنے اور تمام پادریوں کو اُس مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مراکسی کی یہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لوتھر کے عقیدے میں کچھ بہت فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دونو کا جو میل بت پرستی کے برخلاف ہے اُس پر غور کرو۔ مارٹنیس الفانسس اور والدس کہتا ہے کہ تیرہ نشانیاں اِس بات کے ثابت کرنے کو موجود ہیں کہ اسلام میں اور لوتھر کے مذہب میں ایک رتی بھر کا بھی تفاوت نہیں ہے۔ حضرت محمد نے بھی اُنہی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ مرتد (یعنے پیروان لوتھر) کرتے ہیں۔ انہوں نے (یعنے حضرت محمدؐ نے) روزوں کا وقت تبدیل کر دیا اور یہ لوگ (یعنے پیروان لوتھر) تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں (ایک شخص نے اس کی تائید میں یہ کہا تھا کہ قران میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے۔ اُسی کی پیروی سے لوتھر نے روزوں سے نفرت کی تھی۔ پس لوتھر کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا) اُنہوں نے اتوار کی جگہ جمعے کو سبت قرار دیا تھا اور یہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اسی شخص نے اسکی تائید میں کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹھیرایا وہ جمعے کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُسی کی پیروی لوتھر نے کی تھی) اُنہوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کیا اور لوتھر کے فرقے کے لوگ بھی

کرنے پہ کامیاب ہوا جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ یا ریفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے (جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کردیا۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر لوتھر مقدس اور زندہ رہتے تو ضرور مسئلہ تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسےٰ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلانے اور آخر اُس نبی آخرالزمان پر یقین کرتے جس نے ایسی ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسان مند رہنا چاہیئے ؃

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلعم کسی کو اصطباغ نہیں دیتے تھے۔ اور کالون بھی اُس کو ضروری نہیں سمجھتا اُن دونوں نے طلاق کو جائز رکھا ہے وعلےٰ ہذا القیاس۔ (انتخاب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۹) ؃

الخطبة الخامسة

فی

حالات کتب المسلمین

حسبنا کتاب اللہ

جس زمانے سے کہ خدائے مجید کی توحید کے سب سے بڑے مجدد نے لا الہ الا اللہ کا وعظ فرمایا اُس زمانے سے تمام مسلمان خدا سے پاک بے چون وبے چگون پر دلی مضبوطی اور غیر متزلزل اعتقاد اور ایمان رکھنے میں ہمیشہ اور ہر جگہ ممتاز اور سرافراز رہے ہیں اور دینی علوم کی طرف بھی بہت بڑی توجہ کی ہے مگر جب تک کہ خلفائے بنی عباس کی خلافت کو جو بنی امیہ کے بعد ہوئی تھی پوری مضبوطی نہ ہولی مسلمانوں میں دنیاوی علوم وفنون کا رواج جیسا کہ چاہئے ویسا نہ ہوا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان میں خلفائے عباسیہ کی سرپرستی سے مسلمانوں میں ہر ایک قسم کے علوم وفنون کا چرچا ہوا۔ اُن کے سینے میں علم کی محبت بھی قرآن مجید کی ترویج کے شوق کی ہمسری کرنے لگی۔ عرب کے لوگوں کے چال چلن میں بلاشبہ یہ ایک عجیب وغریب وصف ہے کہ جب اسمٰعیل کی اولاد کو مناسب تحریک ہوئی تو اُنہوں نے ہر قسم

کے علم کی دولت کو بھی اسی آسانی سے لوٹ لیا جس طرح کہ انہوں نے مشرق میں بے مثل فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان کے قلم کی فتوحات بھی ان کی تلوار کی فتوحات کی مانند معروف ومشہور لیکن ان سے زیادہ دیرپا ہوئیں۔ پرانی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی موجودہ شائستگی اور روشن دماغی میں مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ کیونکہ یورپ کی مغربی حدود کے مرکز سے علم کی وہ شعاعیں نمودار ہوئیں جنہوں نے خدا تعالےٰ کی کروڑ مخلوق کے دلوں کو منور کر دیا ؎

ایک غیر متعصب عیسائی مصنف کا قول ہے کہ "اگر زیادہ تصریح سے بیان نہ کیا جاوے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان نویں صدی سے تیرھویں صدی تک جاہل یورپ کے روشن دماغ معلم بنے ہیں۔ عربی علم حکمت علم طب۔ تاریخ طبعی۔ جغرافیہ۔ تواریخ عام۔ صرف و نحو۔ بلاغت اور دل آویز فن شاعری میں بکثرت تصنیفیں عمل میں آئی ہیں اور اکثر ان میں سے تاقیام سلسلہ بنی آدم جاری رہیں گی اور اپنے مفید مطالب سے ان کو فیض بخشیں گی ؎

مگر حال کے زمانے کے نکتہ چینوں کو اگلے زمانے کے علماے دین کی تصانیف کے عیب و ہنر جانچنے کے وقت ان تصانیف کے اصلی حالات پر خیال نہیں رہتا۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان مصنفوں نے وہ تصنیفیں اس زمانے میں کی تھیں جب کہ "علم تحقیق" کے مسلم قواعد کا عرب میں وجود بھی نہ تھا۔ اسی وجہ سے جس طرح کہ ان مصنفوں کے خیالات کی بلند پروازی اور ان کے استعارات کی وسعت کی کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ اسی طرح قواعد ترتیب اور خوش اسلوبی سے اتفاقیہ انحراف کی بھی کوئی

چیز اُن کی ملح نظر اور مزاج نہ تھی ؛

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی مصنف کے عیب و ہنر کی نسبت کوئی صحیح راے قائم نہیں ہو سکتی اور نہ کسی شخص کو اس کے منشا کا ٹھیک علم ہو سکتا ہے بجز اُن کے جن کو مصنف کے زمانے کے قواعد انشا پردازی۔ اور خیالات کے ڈھنگ سے یا اُن امور سے جو کسی نہ کسی طرح پر اس مضمون سے جس میں وہ کتاب تصنیف ہوئی ہے علاقہ رکھتے ہیں پوری واقفیت اور کامل مہارت حاصل ہو۔ اسی عدم مہارت اور عدم واقفیت کا سبب ہے کہ غیر ملک کے محققین نے جب ہمارے مذہب کی خوبیوں پر کوئی راے قائم کرنے کا حوصلہ کیا ہے تو اس میں فاش فاش غلطیاں کی ہیں ؛

اس کے سوا اور امور بھی ایسے ہیں جو کسی مصنف کی لیاقت کا صحیح صحیح اندازہ کرنے وقت دھوکے میں ڈال دیتے ہیں۔ مثلاً ایک ہی مصنف کی دو تصنیفوں میں سے ایک تو بڑا اعلےٰ درجہ رکھتی ہے اور دوسری محض بے حقیقت ہوتی ہے اور اس کا سبب دونو تصنیفوں کے موضوع کا مختلف ہونا ہوتا ہے۔ محمد اسمٰعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے۔ ایک کتاب اُس کی صحیح بخاری ہے جو بہ لحاظ اُس حیثیت کے جس حیثیت سے کہ وہ تصنیف ہوئی ہے نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے گو کہ دوسری حیثیت سے وہ ویسی نہ ہو۔ دوسری کتاب اُس کی تاریخ بخاری ہے جو کچھ بھی قدر کے لائق نہیں ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اُن دونو کتابوں کی تصنیف کا موضوع مختلف ہے۔ اسی طرح نام کی مشابہت بھی دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ کتاب اُسی شخص کی ہے جو ایک مشہور مصنف ہے حالانکہ وہ اُسکی تصنیف

نہیں ہوتی بلکہ اُس کے ہم نام دوسرے شخص کی تصنیف ہوتی ہے۔ کبھی اِس طرح پر دھوکا پڑ جاتا ہے کہ ایک کتاب میں اُس کے مصنف نے کسی مشہور شخص کی روایتیں کثرت سے نقل کیں لوگوں نے سمجھا کہ وہی مشہور شخص اُس کا مصنف ہے اور اس خیال سے اُس کتاب کو اُس مشہور شخص کی طرف منسوب کیا اور مستند قرار دیا۔ رفتہ رفتہ اس کی ایسی قدر ہو گئی جس کی وہ ہرگز مستحق نہ تھی جیسے کہ تفسیر ابن عباس کا حال ہے ؂

یہ باتیں تو صرف تمہید کی تھیں جو کہ ہم لکھ چکے اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کتب مذہبی کی تصنیف کے فن کا نرالا ڈھنگ۔ جو مسلمانوں نے اختیار کیا تھا سب لوگوں کے ذہن نشین ہو جاوے اور اس مقصد کے لئے مصنفین نے جو مختلف طریقے دینیات کے متعدد شعبوں مثل حدیث۔ سیر۔ تفسیر۔ فقہ۔ کی کتابوں کی تصنیف میں اختیار کئے ہیں اُن کو بیان کریں۔ اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے آئندہ نکتہ چینیوں کی ہدایت کے لئے ایک سید ھا رستہ بن جاوے کیونکہ اکثر لوگوں نے جو ہماری دینیات کی کتابوں کے حالات سے ناواقف تھے ہماری کتب دینیات کو دیکھ کر نہایت نا سزا اور درشت کلمات کہے ہیں اور اُن کے بعد جو لوگ گذرے ہیں اُنہوں نے بھی بار ہا اندھوں کی طرح اُنکی تقلید کی ہے

اوّل کتب حدیث

جناب پیغمبر خدا اور صحابہ کرام اور نیز تابعین کے زمانے میں حدیثوں کے قلمبند نہ ہونے کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ اُس زمانے میں لوگوں کو اسکی چنداں ضرورت نہ تھی اور اگر ٹھیک ٹھیک اصلی وجہ بیان کی جاوے تو یہ تھی کہ حدیثوں

کے لکھنے اور جمع کرنے کے اکثر صحابہ کرام شدید مخالف تھے اور ہمارے نزدیک اُنہیں صحابہ کرام کی رائے نہایت صحیح اور بہت درست تھی۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں فن تصنیف عرب میں محض ایک ابتدائی حالت میں تھا اُس وقت میں ایسی باتوں کے لئے حافظہ بہترین مخزن خیال کیا جاتا تھا۔ ان اسباب سے نبوت سے دوسو برس تک اور ہجرت سے دوسو برس قریب تک حدیثوں کا قلمبند ہونا عمل میں نہیں آیا تھا۔ جب حدیثوں کا لکھنا شروع ہوا تو اُس وقت یہ مشکل پیش آئی کہ مختلف سببوں سے احادیث موضوعہ جو صحیح حدیثوں میں مخلوط ہوگئی تھیں اس قدر زمانے کے بعد صحیح حدیثوں کو موضوع حدیثوں سے تمیز کرنا ایک امر اہم معلوم ہوا۔ مگر باایں ہمہ بہت سے شخصوں نے جن کی استعداد اور علم کے اعلےٰ درجے میں کسی کو کلام نہ تھا صحیح حدیثوں کو موضوع حدیثوں سے علٰحدہ کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھایا اور اپنے کام میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی ؛

ان علماء نے جو محدثین کہلاتے ہیں حدیثوں کے اعتبار کا اندازہ کرنے کو چند قواعد قرار دئے جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ؛

اول۔ حدیث کے ہر ایک راوی کو چار راویوں کے نام جن کے ذریعے سے اُس کو حدیث پہنچی ہو سلسلہ وار پیغمبر خدا تک یا جہاں تک وہ جانتا ہو بتلا دینا لازمی قرار دیا ؛

دوم۔ یہ امر ضروری قرار دیا کہ خود راوی اور نیز وہ سب لوگ جن کے ذریعے سے سلسلہ وار وہ حدیث اُس حد تک پہنچی ہو۔ راست گو اور معتبر ہوں۔ اگر سلسلہ راویوں میں سے ایک راوی بھی ایسا نہ خیال کیا جاتا تو وہ حدیث معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ سلسلہ حدیث سے خارج کردیجاتی تھی ؛

سوم۔ حدیثوں کے لکھنے کے وقت اس بات کو لازمی کیا تھا کہ جملہ راویوں کے نام جن تک اُس حدیث کا سلسلہ پہنچتا ہے حدیث کے ساتھ لکھ دئے جاویں۔ تاکہ اگر اُن راویوں کے عام چال چلن کی بابت اور لوگوں کو کسی قسم کی آگاہی ہو تو اُس سے مطلع کر دیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ وہ راوی کس درجے تک اعتبار کے لائق ہے ✤

چہارم۔ مذکورہ بالا قواعد کے سوا بعض محدثین نے اپنی تصنیفات میں حدیثوں کے درجہ اعتبار کے قلم بند کرنے کی رسم اختیار کی تھی ✤

جملہ حدیثیں مختلف اوقات میں ان اصولوں پر لکھی گئی تھیں رفتہ رفتہ کتب احادیث کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ اگر سب کی سب ایک جگہ جمع کی جاویں تو اُن کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جانے کو اونٹوں کی ضرورت ہو۔ ان بے شمار کتب احادیث میں سے کتب مندرجہ ذیل بمقابلہ اوروں کے زیادہ مستند ہیں ✤

(۱) صحیح بخاری[۱] (۲) صحیح مسلم (۳) ترمذی (۴) ابو داؤد (۵) نسائی۔ (۶) ابن ماجہ (۷) موطا امام مالک ✤

---

[۱] محمد اسمٰعیل بخاری ۱۹۴ھ ہجری مطابق ۸۱۰ء عیسوی میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۵۶ھ ہجری مطابق ۸۷۰ء عیسوی میں انتقال فرمایا ✤

مسلم ۲۰۴ھ ہجری مطابق ۸۱۹ء عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ ہجری مطابق ۸۷۵ء عیسوی میں انتقال فرمایا ✤

ابو عیسےٰ محمد ترمذی ۲۰۹ھ ہجری مطابق ۸۲۴ء عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ھ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال فرمایا ✤

ابو عبد الرحمن نے احمد نسائی سے پوچھا کہ تیری کتاب کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اُس نے انکار کیا۔ صراط المستقیم میں لکھا ہے کہ ود از وے پرسیدند کہ کتاب سنن تو ہمہ صحیح است۔ گفت لا +

ان کتب احادیث کی اور کتابوں پر ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں وہی حدیثیں منقول ہیں۔ جو حتے الامکان صرف معتبر اشخاص سے مروی ہوئی ہیں اور اور کتب احادیث میں یہ قید نہیں ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طرح کتب مذکورہ بالا میں بعض مشتبہ یا موضوع حدیثوں کے ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے اسی طرح اور کتب حدیث میں بعض احادیث صحیح کا ہونا بھی ممکن ہے +

مگر پہلی قسم کی کتابوں کے استثنا کی نسبت یہ درجہ اشتباہ کا ایسا ضعیف ہے کہ علماء کو اُن پر اعتقاد کامل رکھنے سے ربشرطیکہ وہ اعتقاد صرف مذہبی بنا پر نہ ہو) تا وقتیکہ اُن کی تکذیب میں کوئی صریح دلیل نہ پیش ہو باز نہیں رکھتا۔ مگر دوسری قسم کی کتابوں کی نسبت یہ اعتقاد نہیں ہے۔ جو حدیثیں کہ اُن میں منقول ہیں وہ جبھی قابل اعتبار خیال کی جاتی ہیں کہ اُنکی صحت

بقیہ حاشیہ نمبر ٣١٦

سلہ ابو داؤد ٢٠٢ھ ہجری مطابق ٨١٧ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ٢٧٥ ہجری مطابق ٨٨٨ء میں انتقال فرمایا +

ابو عبد الرحمن احمد نسائی نے ٣٠٣ھ مطابق ٩١٥ء میں انتقال فرمایا +

ابو عبد اللہ محمد ابن ماجہ نے ٢٧٣ھ مطابق ٨٨٦ء میں انتقال فرمایا +

امام مالک ٩٥ھ ہجری مطابق ٧١٣ء میں پیدا ہوئے اور ١٧٩ ہجری مطابق ٧٩٥ عیسوی میں انتقال فرمایا +

صحت کے لئے کوئی شہادت موجود ہو یا اُن کے نامعتبر ہونے کیلئے کوئی دلیل نہ ہو ۔

جس زمانے میں کتب حدیث زبانی روایتوں سے لکھی گئی تھیں راویوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا اور یقیناً ایسا کرنا بھی ناممکن تھا کہ وہی الفاظ بجنسہ جو پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلے تھے بیان کریں بلکہ اپنے الفاظ میں پیغمبر خدا کا مدعا ادا کرتے تھے ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوشش کسی حدیث کے مخصوص الفاظ کے معنے معین کرنے سے بعض احکام یا واقعات کے قائم کرنے میں کی جاوے ۔ اس میں بڑی احتیاط چاہیئے کیونکہ ہم کو اطمینان کامل نہیں ہے کہ درحقیقت جناب پیغمبر خدا نے اُنہیں الفاظ کو استعمال کیا تھا ۔

بہت سی حدیثیں ایک ہی باب میں ایک دوسری سے مختلف ہیں پس اُن میں سے ایک کو صحیح مان لینا اور باقیوں کو غلط بہت مشکل کام ہے ۔ اس مشکل کے حل کرنے کو عالموں نے چند قواعد وضع کئے ہیں اور اُن کا نام اُصول علم حدیث رکھا ہے ۔ ممکن ہے کہ بعض اُن میں سے کسی خاص حالت میں اس مدعا کے انجام دینے کے لئے وضع کئے گئے ہیں قاصر ہوں ۔

تمام بیہودہ قسم کی حدیثیں مشتبہ خیال کی گئی ہیں اور ایسی حدیثیں جو مطالب قرآن مجید سے متناقض ہیں ۔ غلط قرار دینے کے لائق ہیں ۔ جس طرح کہ حضرت عائشہ نے حدیث ”سماع موتے“ کی نسبت کیا تھا ۔ کیونکہ وہ حدیث قرآن مجید کے اس بیان سے بالکل مخالف تھی ” وما انت بمسمع من فی القبور“ حضرت عائشہ کے اس قول سے ہر ایک مسلمان واقف ہے ۔

ایسے لوگ جو بہ کثرت حدیثیں بیان کرتے تھے صرف اُنکے کثیرالروایت ہونے کی وجہ سے اُن کی روایتوں کی صحت میں کلام ہوتا تھا۔ اور کسی شخص کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث غلط ثابت ہو جاتی تھی تو اُس کی اور تمام روایتوں کے مشتبہ ہونے کے لئے کافی ثبوت سمجھا جاتا تھا اسی لئے راویوں کے باب میں بہت سی کتابیں اسماء الرجال کی مرتب ہوئیں تاکہ معتبر اور غیر معتبر راویوں کا حال معلوم ہو جاوے۔ مجدالدین فیروزآبادی نے جو ایک مشہور محدث اور بہت بڑا عالم ہے اپنی کتاب مسمے بہ سفرالسعادت میں ترانوے مضمون شمار کئے ہیں اور بیان کیا ہے کہ تمام حدیثیں جو ان مضمونوں میں سے کسی مضمون کے باب میں ہوں سب غیر معتبر ہیں۔ علاوہ اس کے اور بہت سے ذی لیاقت محدثین نے احادیث موضوعہ پر بحث کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں ۔

پس اُن لوگوں کو جو ہمارے دین کے اصول پر رائے دینا یا ہمارے علماء نے جو واقعات سیر اُن کتابوں میں لکھے ہیں اُن پر یا ہمارے دین کے مختلف مسائل پر بحث کرنا چاہیں تو اُن کو اپنی رائے اور خیال کی تائید میں صرف اُن حدیثوں کے حوالہ دینے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ بلکہ مثل ایک محقق کے سب سے پہلے اُس ذریعے کے صدق و صحت کی تحقیق کرنی چاہئے جہاں سے وہ حدیثیں پہنچی ہوں ۔

ان ضروری اصول کی فراموشی یا ناواقفیت کی وجہ سے غیر ملک کے بعضے مصنفوں سے شاید نادانستہ جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری یا تاریخ لکھتے وقت بڑی ناانصافی کا جرم سرزد ہوا ہے علی الخصوص اُس وقت جب کہ باقاعدہ اور غیر متعصبانہ تحقیق کی جائز دلیلوں کے عوض اُنہوں نے اپنی

نالائقی سے ٹھیک تضحیک اور ہجو اختیار کی ہے *

دوم کتب سیر

مصنفین کتب احادیث نے تو یہ خیال کیا تھا کہ جس مضمون پر وہ کتابیں لکھتے ہیں اور حدیثیں جمع کرتے ہیں اُن کو مذہب سے تعلق ہے اور وہ مذہبی مسائل کی بنا قرار پاویں گی اور اُن کی بنیاد پر بے انتہا مسائل اور جدید عقائد اور مناظرات مذہبی پیدا ہوں گے۔ اگر ان میں احتیاط نہ کی جاوے تو مذہب اسلام کو نقصان پہنچے گا۔ اسی خیال سے اُنہوں نے راویوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر نہایت کوشش کی اور جس کو معتبر سمجھا۔ اُس کی روایت لکھی مگر اہل سیر نے سیر کی کتابیں تصنیف کرتے وقت اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ کیونکہ اُن کو اس قسم کا مطلق اندیشہ نہ تھا اور کبھی اُن کو یہ خیال نہیں تھا کہ اُن کی لکھی ہوئی کتابیں کسی عقیدے یا مذہبی مسئلے کی بنیاد قرار پاویں گی اور مذہبی اختلافات اور بدعات کا مادہ ہوں گی اس لئے اُنہوں نے مثل اہل حدیث کے ان مضامین کی صحت پر جو اُنہوں نے اُس میں لکھے اور اُن راویوں کے اعتبار پر جن سے وہ حالات اُن کو پہنچے بہت ہی کم التفات کیا۔ اُن کی تحریرات کا سب سے بڑا خزانہ زبانی روایتیں تھیں۔ جس کسی نے جو قصہ اُن سے بیان کیا انہوں نے نہایت اشتیاق سے اُس کو سُنا اور اس قصے کی اصلیت اور راوی کے چال چلن کی نسبت ذرا بھی تفتیش نہیں کی اور اُس قصے کو اپنی کتاب میں لکھ لیا *

ان مصنفوں کی غرض نہ تو کسی قصے کی تصدیق تھی اور نہ کسی روایت کی اصلیت کی تحقیق بلکہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ ہر ایک واقعہ کی نسبت

مشہور اور زباں زد ہے اُس کو لکھ لیں اور ایک جگہ جمع کر دیں اور اُن قصوں کی صحت یا لغویت کی چھان بین پڑھنے والے کی جان فشاں تحقیق اور رائے پر چھوڑ دیں۔ یہ رسم بہت جلد عام ہو گئی۔ اول اول تو راویوں کے نام بھی لکھے گئے اور پھر رفتہ رفتہ راویوں کے نام لکھنے کو بھی متروک کر دیا۔ ان کتابوں میں اکثر ایسی روایتیں بھی مندرج ہیں جن کے راوی مصنف کے زمانے سے بہت پہلے گذر چکے تھے اور کچھ پتہ نہیں معلوم ہوتا کہ مصنف نے کس طرح پر اُس روایت کو اپنی کتاب میں لکھ دیا۔ ان کتابوں میں اکثر انبیاے سابقین کے قصے بھی مندرج ہیں اور وہ وہی قصے ہیں جو ایک زمانے میں یہودیوں میں مشہور اور زباں زد تھے اور جن کی اصلیت بالکل محض تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور اُن کا رتبہ دیو پری کے قصوں سے کچھ زیادہ نہ تھا اسلئے مسلمانوں کے جملہ علوم میں سے وہ علم جو سب سے زیادہ غور اور تحقیق کا محتاج ہے وہ علم سیرت ہے اور جس پر تمام علماء کو نہایت عمیق توجہ کرنی لازم ہے +

پس اُن کتابوں کو صرف یہ امر کہ وہ مشہور اور معروف علماے سابقین کی تصنیفات ہیں اعتبار کا مستحق نہیں کرتا ہے۔ مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں کو اُن کے اعتبار کو بہ لحاظ اُس اصول کے جس پر خود ان کے مصنفوں نے اُن کو تصنیف کیا ہے ساقط سمجھنا چاہئے اور جب تک کہ اُن کتابوں کی مندرجہ روایات کی صحت فی نفسہ ثابت ہو لے اور اصول تحقیقات سے اُن پر طمانیت نہ ہو لے اُن روایتوں کا ان کتابوں میں مندرج ہونا اعتبار کے لئے کافی نہیں ہے +

ان وجوہ سے تاریخ محمد اسمٰعیل بخاری یا تاریخ محمد جریر طبری یا سیرت

ابن سعد کاتب الواقدی۔ اور دیگر علماے متبحر کی مشہور و معروف تصنیفیں جیسے مدارج النبوت۔ قصص الانبیا۔ معراج نامہ۔ شہادت نامہ۔ مولدنامہ وغیرہ اور اور اسی قسم کی کتابیں سب کی سب یکساں حالت میں ہیں +

ہمارے جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھنے ہیں اور کتب سیر سے اُن حالات کو منتخب کرنے میں یورپین مصنفوں نے اس قدر تحملانہ تحقیقات کو اختیار نہیں کیا ہے جو اس مضمون کی عظمت کے شایاں ہے بلکہ برخلاف اسکے ازراہ تعصب اور بغض کے اُنہوں نے دیدہ و دانستہ اُس روشنی سے آنکھ چرائی ہے جس کی شعاعیں اُن کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور اس طرح پر اُنھوں نے اپنے حق میں اس مثل کی تصدیق کی ہے کہ " کوئی شخص ایسا اندھا نہیں ہے جیسے کہ وہ لوگ جو ارادتاً نہیں دیکھتے +"

سوم کتب تفسیر

اکثر لائق شخصوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ بعض نے اُس کی بلاغت اور فصاحت آمیز کلام اور خوب صورت اور بے نظیر طرز بیان کی تفسیر کی ہے۔ بعض نے اُس کے پڑھنے کا خاص طریقہ معہ قراءت اور لہجہ کے بتلایا ہے۔ بعضوں نے صرف آیات احکام کی جو قرآن مجید میں ہیں تفسیر کی ہے۔ بعض نے اپنا وقت اور اپنی محنت آیات کے شان نزول دریافت کرنے میں صرف کی ہے۔ بعض نے اپنی تفسیروں میں واعظین کے لئے دلچسپ اور عجیب وغریب اور حمقا کے خوش کرنے کے لئے دور از عقل و قیاس مضامین جو یہودیوں کے ہاں مروج تھے جمع کر دئے ہیں۔ بعضوں نے ایسی تفسیریں لکھی جو ان تمام مضامین پر حاوی ہیں +

ان مفسرین نے اپنی تفسیریں لکھنے میں کتب سیر اور احادیث کی طرف رجوع کیا تھا جن کا بیان ہم ابھی کر چکے ہیں۔ یہ بات نہایت افسوس کے قابل ہے کہ یہ مفسرین اُن بے شمار جھوٹی روایتوں اور مصنوعی قصوں رہا کو جن کا موجود ہونا اُن کتابوں میں ابھی بیان ہو چکا ہے کام میں لاتے۔ بلکہ ایسی روایتیں اور حدیثیں بھی اُنہوں نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیں جو صرف انہیں تفسیروں میں پائی جاتی ہیں +

حدیث کی کتابوں میں بھی جو بعض حیثیات سے درجہ اعتبار کا رکھتی ہیں۔ اور جو صحاح ستہ یا صحاح سبعہ کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں قرآن مجید کی تفسیر کے لیئے خاص ابواب مخصوص ہیں جو کتاب التفسیر کے نام سے موسوم کیئے جاتے ہیں اگر اُن کل کتابوں کے مضامین کو جو قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق ہیں ایک جگہ جمع کیا جاوے تو معدودے چند صفحوں سے زیادہ نہ ہونگے مگر مفسرین نے نہایت موٹی موٹی جلدیں ایسی بیہودہ اور نامعتبر روایتوں سے بھر لی ہیں جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے غرضکہ ایسی تفسیریں اور بالخصوص وہ جو واعظین کے فائدے کے لیئے لکھی گئی ہیں اور جن میں خیالی اور بیہودہ قصے انبیاء علیہم السلام کے بھرے ہوئے ہیں اور ملائک اور بہشت اور دوزخ اور اُن کے اوصاف و خواص کے بیان کرنے کا دعوے کرتے ہیں اور کتب سیر سے خلاف قیاس بیانات کو پیش کرتے ہیں سراسر غیر معتبر روایات سے مملو ہیں اور وہ روایتیں صرف یہودیوں کے ہاں جاری تھیں مگر خود مذہب یہود میں اُن کے معتبر ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ان تفسیروں میں اکثر ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جو علماے دین کی طرف منسوب کی گئی ہیں مگر اس امر کا تحقیق کرنا کہ وہ

روایتیں درحقیقت انہیں عالموں کی روایتیں ہیں ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ اس بات کا دریافت کرنا کہ وہ روایتیں ان مفسرین تک کیونکر پہنچیں ۔

ان تفسیروں کے وہ حصے جنمیں قرآن شریف کی بلاغت اور فصاحت اور اسکے طرز بیان کی خوبصورتی اور جو اس کی قرأت کے خاص لہجوں کا بیان ہے بلاشبہ نہایت عمدہ اور قابل قدر کے ہیں مگر ان حصوں کے سوا تمام روایتیں اور قصے جو ان تفسیروں میں شامل ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کیونکہ وہ مثل سچے اور جھوٹے موتیوں کے باہم مخلوط ہیں اور یہ کام خریدار کا ہے کہ ان میں سے سچے موتیوں کو منتخب کرلے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص بدون مناسب چھان بین اور کافی تحقیقات کے کسی ایسی تفسیر کے قصوں کا حوالہ دیکر ہمارے پاک مذہب پر خردہ گیری اور عیب چینی کی بنیاد قائم کرتا ہے جیسے کہ اکثر یورپ کے مصنفین نے کیا ہے وہ نہایت غلطی اور دھوکے میں پڑتا ہے ۔

غرض کہ یہ تینوں قسم کی کتابیں جن کا اوپر ذکر ہوا مذہبی امور پر لکھنے والے اور کاوش کرنے والے کے لئے نہایت بیش بہا اور نہایت بیقدر مادہ کو آن واحد میں جمع کرتے ہیں علمائے محققین اسلام نے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں جن کے وسیلے سے وہ اس مخلوط مادے سے معتدبہ فائدہ اٹھاتے ہیں مگر یورپ کے مصنفین اس سے محروم ہیں ۔

اکثر عالم ایسے گذرے ہیں جو خدا تعالےٰ کی قدرت کاملہ میں اپنی نیک دلی سے نہایت سچا اور مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کو اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک امر کرنے کا پورا اختیار ہے گو وہ کام عقل اور قوانین فطرت کی رو سے کیسے ہی

متناقض کیوں نہ ہوں۔ اس مسئلہ کا اُن کو ایسا ولی اعتقاد ہے کہ جو کوشش اُن کے اس اعتقاد کے شکست اور متزلزل کرنے میں کی جاوے وہ یقیناً ناکام ہوگی۔ وہ ہر حجت اور دلیل کے سُننے سے یا اس پر ذرا سی بھی غور کرنے سے جو اُن کے دل نشین عقیدے کے مخالف ہو ضد سے انکار کئے جائینگے۔ ایسے سادہ مزاج اور صاف باطن آدمیوں کو بہشتی آدمیوں کا لقب دیا گیا ہے "کما قیل اهل الجنة بله" اُن مقدس اور بزرگوار لوگوں نے اپنی تصنیفات میں یہ طریقہ رکھا ہے کہ بلا کسی تمیز کے جملہ روایتوں کو معتبر خیال کرتے ہیں اور ہر واقع کو جو اس میں مندرج ہے صحیح سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی روایت مختلف صورتوں میں اُن کے پاس پہنچے یا ایک ہی واقعہ کی نسبت متعدد روایتیں جو آپس میں متناقض ہوں اُن تک پہنچیں تو وہ اُن کو بھی تسلیم کرلیتے ہیں کہ وہ واقعہ متعدد دفعہ اور متعدد صورتوں میں واقع ہوا ہوگا جنکا الگ الگ بیان ہر ایک روایت میں ہے *

پس ایسے لوگوں کی تصنیفات جنھوں نے صحیح اور کامل غور و فکر کے ساتھ اس مضمون کو نہیں لکھا ہے بلکہ اندھا دھندی سے مذہبی جوش و حرارت کی بنا پر لکھ ڈالا ہے غیر ملک کے اُن علماء کی نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے جو اپنے دلائل کو اُن کتابوں کی روایات مندرجہ پر مبنی کرکے اُن سے ایسے نتائج مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مذہب اسلام کے حق میں مضر ہوں *

اقسام مذکورۂ بالا کے سوا ایک اور قسم کی کتابیں بھی ہیں جو محض اُن لوگوں کے لئے لکھی گئی تھیں جو مذہب اسلام پر بغیر کسی دسوسے کے قوی اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ کتابیں اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ اُن لوگوں کا

مذہبی اعتقاد زیادہ ہو اور اُن کی حرارت مذہبی زیادہ مشتعل ہو جاوے جیسے کتاب شفاء قاضی عیاض ہے جس کی سند پر ہم اسی کتاب سے عبارت پیش کرتے ہیں ✤

قال القاضی ابو الفضل حسب المتامل ان یحقق ان کتابنا ھذا لم نجمعہ لمنکر نبوۃ نبینا ولا لطاعن فی معجزاتہ فنحتاج الی نصب البراھین علیہا وتحصین حوزتہا حتی لا یتوصل الطاعن الیہا ونذکر شروط المعجزۃ والتحدی وحدہ وفساد قول من ابطل نسخ الشرائع وردہ بل الفناہ لاھل ملتہ الملبین لدعوتہ والمصدقین لنبوتہ لیکون تاکیدًا فی محبتہم ومنماۃ لاعمالہم ولیزدادوا ایمانًا مع ایمانہم ✤

ان مصنفین نے اپنی تصنیفات میں واقعات کا ذکر بلا تمیز اُن کی صحت اور عدم صحت کے اور بدون کوشش اُن واقعات کے اصلی معنے دریافت کرنے کے کیا ہے۔ پس اگر کوئی محقق نکتہ چین اپنی دلیل کو کسی جھوٹی روایت پر جو ایسی کتاب میں منقول ہوں مبنی کرتا ہے تو وہ ایمان داری اور راست بازی سے ہمارے مذہب کی تحقیق اور تدقیق نہیں کرتا ✤

اسی قسم کے بعض بزرگوار ذی علم لوگوں نے جو اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں اپنی تصنیفات کے دائرے کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ وہ ہر چیز کے امکان کو خدا تعالے کی قدرت کاملہ کی طرف منسوب کرکے اس بناء پر ہر ایک واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں اور اُس کے وقوع کے امکان کو منطقی دلیلوں سے تائید کرکے اپنے مذہب کے مخالف عیب چینوں کو جواب باصواب دینے کی کوشش کرتے ہیں ✤

یہ کتابیں درحقیقت ایسی صحیح اور مدلل لکھی گئی ہیں کہ کوئی شخص جو

کسی مذہب کو مانتا ہو اور مذہبی معجزات کا قائل ہو کسی عقیدے مندرجہ کتب مذکورہ پر بدون اس کے کہ اپنے مذہب کو بھی ویسے ہی الزامات اور اعتراضات کا مورد بنا وے حرف گیری نہیں کر سکتا +

لیکن اس شخص کے نزدیک جو قوانین قدرت کے برخلاف کسی امر کے ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتا اور وحی اور الہام کو بھی نہیں مانتا ان کتابوں کی دلیلیں جن کی نصرت کی بنا مذہب کے اوپر ہے اس آدمی کی مانند ہیں جس کی صرف ایک ٹانگ ہو اور چلنے پھرنے سے عاری ہو +

ان علماء سے جو اوروں کی نسبت زیادہ ذی علم تھے اپنی تصانیف میں ایک فلسفیانہ قاعدہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ مذہب علم سے مطابقت رکھتا ہے انہوں نے ہر روایت کی صحت کی تحقیق کی ہے اور ہر ایک لفظ کے معنوں پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء سے فلسفی میں سب سے پچھلے خیال کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ایسی تصنیفات جیسی کہ انکی ہیں کچھ زیادہ مطبوع اور مروج نہ ہوئیں کچھ تو اس وجہ سے کہ ان کے مضامین عام لوگوں کے احاطہ فہم و ادراک سے باہر ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ وہ ان بزرگوار مصنفوں کے مطبوع خاطر نہیں جو عقائد مذہبی پر فلسفی دلیلیں لاتے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت پر حکمت سے استمداد کی جاوے +

پہلی قسم کے علماء کو جنہوں نے اپنے مذہب کے واسطے فلسفی دلائل پیش کرنے میں جان فشانی کی ہے دوسری قسم کے علماء ان کو

دین حق کا دشمن قرار دیتے ہیں اور ان کو گمراہ کہتے ہیں جس اتہام سے خود شاہ ولی اللہ صاحب بھی نہیں بچے ؛

لیکن ان کتابوں میں ایک اور نقص بھی پایا جاتا ہے یعنے وہ دلیلیں جو ان میں مستعمل ہیں فلسفہ قدیم کے اصول پر مبنی ہیں جن میں سے اکثر تو رواج سے ساقط یا غلط ثابت ہوگئی ہیں یا علوم جدید میں مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں۔ مگر یہ نقص صرف علماے دین اسلام پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ اور مذہبوں کے عالموں میں بھی جو دین کی بحث اصول فلسفہ پر کرتے ہیں موجود ہے۔ اس لیئے ہر مذہب و ملت کے عالموں کا جو اس کو پاک اور بے لوث رکھنا چاہتے ہیں یہ فرض ہے کہ ان کتابوں کی جو فلسفہ قدیم کے اصول پر لکھی گئی ہیں نظر ثانی کریں اور فلسفہ جدید کے اصول پر نئی کتابیں لکھیں اور اپنے مذہب کے اصول کو اصول قانون قدرت کے مطابق بحث کرنے کے قابل کریں ؛

چہارم کتب فقہ

جب کہ حدیثوں کا یہ حال تھا جو ہم نے اوپر بیان کیا تو ان لوگوں کا کام جنہوں نے احکام شرعی کو مستنبط کرنا چاہا نہایت ہی مشکل تھا اور جب کہ کتب حدیث لکھی جاچکیں اس وقت یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہوگیا جو عالم کہ سب سے زیادہ لائق تھا اس نے صرف[1] قرآن مجید کو اپنا رہنما سمجھا جسکی صحت و صداقت علی العموم مسلم تھی اور بڑے بڑے عالموں نے جو مجتہد

[1] جناب پیغمبر خدا کے زمانے میں قرآن مجید جیسا کہ بالفعل موجود ہے تمام وکمال

کہاتے ہیں قرآن اور احادیث کو جو دستیاب ہوئیں (اور کچھ شک نہیں جو افادہ ظن سے زیادہ اور کوئی بات اُن سے حاصل نہیں ہوتی تھی) احکام شرع کے لئے ماخذ قرار دیا۔ اول قرآن مجید اور بعد اُس کے اُن حدیثوں کو جن کی صحت پر اُن لوگوں کو یقین تھا جنھوں نے اُن کو جمع کیا تھا درجہ دیا جاتا تھا اُس کے بعد صحابہ کے اقوال اور کاموں کو اور بعض عالم تابعین کے اقوال اور کاموں کو بھی اس کام کے لئے فائدہ مند خیال کرتے تھے۔

جو لوگ اس کام پر متوجہ ہوئے مجتہد اور فقیہ اُن کا لقب تھا۔ اکثر ایسی صورتیں بھی فقہائے اسلام کے سامنے پیش کی گئیں یا درحقیقت واقع ہوئیں جو قرآن مجید یا احادیث میں نہیں پائی گئیں اور اسی وجہ سے بادی النظر میں کوئی قطعی فیصلہ اُن صورتوں کا قرآن مجید یا کتب حدیث میں نہیں پایا گیا۔ اس مجبوری کی حالت میں فقہائے اسلام نے قرآن مجید اور احادیث میں ایسے اصول کی تلاش کی جو اُن صورتوں پر حاوی ہوں اور خوش قسمتی سے وہ ایسے کامیاب ہوئے اور الفاظ کے استعمال اور طرز بیان سے اور ایک حکم کے جو کسی واقعہ میں ہوا تھا اُس کے مشابہ ایک دوسرے واقعہ پر قیاس کرنے سے اس مطلب کو حاصل کیا۔

بقیہ حاشیہ ۳۲۹۔ یکجا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ وہ علیحدہ علیحدہ حصوں میں لکھا ہوا تھا اور کچھ آیتیں ایسی تھیں جو صرف لوگوں کو یاد تھیں اور بعض آدمی ایسے بھی تھے جن کو تمام و کمال حفظ تھا۔ حضرت ابو بکر کے زمانے میں اُن لوگوں نے ان تمام متفرق حصوں کو ایک جگہ جمع کیا جس طرح کہ اب موجودہ حالت قرآن مجید کی ہے اور اُن تمام لوگوں نے جنھوں نے اُس کو خود پیغمبر خدا کی زبانی سنا تھا اُس مجموعہ کی صحت اور درستی کو تسلیم کیا۔

ان علماء نے بعض اوقات قرآن مجید کے ایسے حکم کو جو کسی صورت خاص سے متعلق تھا عام ٹھیرایا اور کبھی قرآن مجید کے ایسے حکم میں جو ظاہر میں عام ہوتا تھا مستثنیات قائم کئے۔ انہیں علماء نے بعض ایسے اصول و قواعد منضبط کئے جن پر عمل کرنے سے عجیب و غریب مقدمات میں بھی قرآن مجید اور حدیث سے احکام مستخرج ہو سکیں اور یہ ایک نئی شاخ علم دین کی علوم دینیہ میں قائم ہو گئی جو بنام اصول فقہ موسوم ہے۔ اسی بنیاد پر انسان کے تمام افعال کی نسبت احکام استخراج کئے گئے اور اس میں کتابیں کتابیں لکھی گئیں جو کتب فقہ کہلاتی ہیں۔ ان کتابوں میں سب سے پچھلی کتاب جو فرقہ حنفیہ کے اصول پر لکھی گئی وہ فتاوےٰ عالمگیری ہے جو شہنشاہ عالمگیر کے حکم سے مرتب ہوئی تھی۔ فقہ کی تمام کتابوں کے مصنفین کا نہایت شکر گذار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اس قدر محنت اور جانفشانی سے ان کو لکھا ہے اور جس قدر تعظیم و اکرام ان مصنفین کو شایاں ہے انہی ہی قدر و منزلت ان کتابوں کی سزاوار ہے۔ لیکن باستثنائے ان احکامات کے جو خاص قرآن مجید سے جن میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا اخذ کئے گئے ہیں اور ان احکامات کے جو ان احادیث سے لئے گئے ہیں جن میں روایتاً و درایتاً دونوں طرح پر صحیح و معتبر ہونے کا ظن غالب ہے باقی احکامات کو گو کہ فقہا نے قرآن مجید اور احادیث ہی سے مستنبط کیا ہو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ مثل نصوص صحیحہ کے مذہبی احکام ہیں۔ یہ غیر ملکی مصنفین اور خود چند محققین نے ایسے مستخرجہ احکام کو اصلی ارکان دین اسلام سمجھنے میں اکثر مغالطہ کھایا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ ذی لیاقت علما جنہوں نے ان احکامات کو اسلام کے اصول اصلی سے مستخرج کیا ہے بہ نسبت ہمارے بہت

بڑے عالم تھے۔ مگر اس اصول پر کہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان"
یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کچھ خطا نہیں ہے اور وہ سب احکامات مستخرجہ خطاء
و غلطی سے بالکل مبرا ہیں۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری کتب فقہ دو
قسم کے اصول و احکامات سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک ان احکامات اصلی سے جو بغیر
کسی شبہ کے منصوص ہیں دوسرے وہ جن کو علمائے مجتہدین نے مستنبط
اور مستخرج کیا ہے اور جو اسی وجہ سے ممکن الخطا خیال کئے جا سکتے ہیں۔ پس
ان لوگوں کا جو ہمارے احکام شرعی کی تحقیق و تدقیق کرنا چاہیں فرض ہے کہ اول
قسم کے احکام کو دوسری قسم کے احکام سے تمیز کریں کیونکہ اگر دوسری قسم کے
احکام میں کوئی نقص پایا جاوے تو اس کو مذہب اسلام پر عائد کرنا نہیں چاہئے
بلکہ اس کا الزام اس عالم کے سر پر ہے جس نے ان احکامات کو استخراج
کیا ہے اور جو مذہب اسلام کے ایک فقیہ ہونے سے زیادہ رتبہ کا مستحق نہیں ہے۔
مذہب اسلام میں جو چار بڑے بڑے فقیہ اور مجتہد گذرے ہیں جن کی تمام
مسلمان پیروی کرتے ہیں ان کی بھی یہی رائے ہے۔[1]
قال الشیخ عبد الوهاب الشعرانی فی الیواقیت کان ابوحنیفۃ

---

[1] امام ابو حنیفہ سنہ ۸۰ھ مطابق سنہ ۶۹۹ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ مطابق سنہ ۷۶۷ء میں
وفات پائی +

امام مالک سنہ ۹۵ھ مطابق سنہ ۷۱۳ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۷۹ھ مطابق سنہ ۷۹۵ء
میں وفات پائی +

امام احمد حنبل سنہ ۱۶۴ھ مطابق سنہ ۷۸۰ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۴۱ھ مطابق سنہ ۸۵۵ء
میں وفات پائی +

رحمۃ اللہ اذا افتی یقول ھذا رای النعمان ابن ثابت یعنی فی نفسہ
وھو احسن ما قدرنا علیہ فمن جاء باحسن منہ فھو اولی بالصواب ٭
وقال کان الامام مالک رحمہ اللہ تعالی یقول ما من احد الا ھو ماخوذ
من کلامہ ومردود علیہ الا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ٭

ثم قال وکان الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ یقول لیس لاحد مع
اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام وقال ایضاً للرجل لا تقلدونی
ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرھم وخذوا الاحکام
من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ وروی الحاکم والبیھقی من
الشافعی رحمۃ اللہ علیہ انہ قال یوماً للمزنی یا ابراھیم لا تقلدنی فی
کل ما اقول وانظر فی ذلک بنفسک فانہ دین وکان رحمۃ اللہ یقول لا
حجۃ فی قول احد دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٭

امام شافعی ۱۵۰ھ ہجری مطابق ۷۶۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ ہجری مطابق ۸۱۹ء میں وفات پائی

الخطبة السادسة

فی

الروایات المرویات فی الاسلام

یا ایها الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا
ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم

یعنی

مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور ان
کے رواج کی ابتداء

تاریخ اسلام کے ابتدائے زمانہ سے آج تک قرآن مجید شرع محمدی
کالازوال منبع رہا ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ ہر مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ خود
جناب پیغمبر خدا ہمیشہ قرآن مجید کے موافق کاربند ہوتے رہے ہیں لیکن جو احکام

قرآن مجید میں بہ نص صریح مندرج ہیں خواہ استدلالاً اُس سے نکلتے ہیں۔ ہم نہیں کے مطابق عمل فرمایا ہے۔ یہ اصول ہر قرآن میں ملحوظ رہا اور کوئی قول برخلاف قرآن مجید کے تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہی اصول ہم کو حضرت عایشہ نے سکھایا ہے جب کہ اُس نے سماع موتے کی حدیث کو قرآن مجید کے برخلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا۔ پس جو حدیث کہ قرآن مجید کے منشاء کے متناقض ہو اُس کو یک لخت غیر معتبر اور موضوع خیال کرنا چاہئے ❖

لیکن جب کہ ہم وحی غیر متلو" میں بھی جسے ایسی وحی میں جس کا مطلب آنحضرت پر القا ہوا ہو اور اُس مطلب کو آنحضرت نے اپنے لفظوں میں بیان فرمایا ہو جس پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے اعتقاد رکھتے ہیں تو بلاشک ہم پر واجب ہے کہ احادیث نبوی کو جمع کر کے جہاں تک ممکن ہو اُن کی تحقیق اور تدقیق کریں۔ مگر جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن مجید کے منشا کے خلاف نہیں ہو سکتی تو ہم کو اُس تحقیقات میں معلوم ہوگا کہ صحیح حدیثیں صرف تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اول وہ جو قرآن مجید کے مطابق ہوں اور اُس کی تائید کرتی ہوں۔ دوسری وہ جن سے قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر ہوتی ہو اور تیسری وہ جو ایسے امور سے متعلق ہوں جن کا قرآن مجید میں کچھ ذکر نہیں ہے ❖

لیکن خود جناب پیغمبر خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ سوائے قرآن مجید کے ان کا تمام کلام وحی نہیں ہے بلکہ وحی وہی ہے جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کی نسبت خود جناب پیغمبر خدا نے اُن کا وحی سے ہونا بیان فرمایا ہے یا اُن میں ایسے امور بیان ہیں جو عقائد مذہبی۔ اخلاق۔ عالم عقبے اور روح کے حالات سے علاقہ رکھتے ہیں جن کی نسبت خیالی کیا

جاتا ہے کہ بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مذکورہ بالا اقسام کے سوا باقی کلام
آنحضرت کا وہ ہے جو تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا اور جس کی نسبت
خود آنحضرت نے فرمایا ہے کہ "اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک انسان ہوں
انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من امر دینکم فخذوہ واذا امرتکم بشیٔ من رائی فانما انا بشر +
جب میں تم کو تمہارے دین کی کسی چیز میں حکم کروں تو اس کو پکڑ لو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کسی چیز میں حکم کروں تو میں بھی انسان ہوں +

اور حدیث تابیر النخل میں فرمایا ہے کہ میں نے ایک طرح کا گمان کیا تھا اور
فانی انما ظننت ظنا ولا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا به فانی لن اکذب علی اللہ +
گمان کرتے ہیں تم مجھ سے کچھ جھگڑا مت کرو لیکن جب میں تم کو خدا کیطرف سے کوئی بات کہوں تو اس کو پکڑ لو۔ کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں کہتا +

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے جو بیماریوں کا علاج بتایا یا کسی رنگ کے گھوڑے کو پسند یا ناپسند کیا یا کوئی کام آنحضرت نے بطریق عادت کیا نہ بطور عبادت کے یا اتفاقیہ کوئی کام بغیر قصد کے ہو گیا یا آنحضرت کی ایسی باتیں جیسے کہ لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں۔ اور نیز ایسے کام جو سرداروں کو لشکروں کے معین کرنے اور ان کے لئے نشانیوں کے قرار دینے اور متخاصمین کے درمیان فیصلہ کرنے کے ہیں یہ سب اسی دوسری قسم میں داخل ہیں۔ زید ابن ثابت نے کہا کہ میں آنحضرت کے ہمسایہ میں رہتا تھا پھر جب وحی آتی تھی تو مجھ کو بلا فرماتے تھے اور میں اس کو لکھ دیتا تھا۔ پھر جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے تو آنحضرت بھی ہمارے ساتھ

اُسی کا ذکر کرنے لگتے تھے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے تو ہمارے ساتھ اُسی کا ذکر کرنے لگتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو کھانے کا ذکر فرماتے تھے۔ پس سوائے ذکر آخرت کے باقی تمام باتیں تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتیں۔ بااینہمہ ہم آنحضرت کے تمام افعال و اقوال کا نہایت ادب کرتے ہیں اور اُن کو مقدس اور نہایت نیک اور پاک اقوال اور افعال سمجھتے ہیں۔ مگر رسالت سے اُن کو کچھ تعلق نہیں ؛

غرضکہ چار قسم کے اقوال آنحضرت کے ایسے ہیں جن پر ہم کو غور کرنی لازمی ہے (۱) وہ جو ہمارے دین سے علاقہ رکھتے ہیں (۲) جو جناب پیغمبر خدا کے مخصوص حالات سے علاقہ رکھتے ہیں (۳) ایسے اقوال جو تمام لوگوں کے حالات پر موثر ہیں (۴) وہ احکام جو سیاست ملکی اور انتظام مدنی سے متعلق ہیں ؛

اُن میں سے پہلی قسم تو کچھ تحقیق طلب نہیں ہے مگر صرف پچھلی تین قسمیں اس قابل ہیں کہ اُن کی نسبت اس قسم کی تحقیق و تدقیق کی جاوے کہ کون سے اُن میں کے از روئے وحی کے ہیں اور کون سے اُن میں کے از روئے وحی کے نہیں ہیں اور ہم کو لازم ہے کہ صرف اُنہیں احادیث کو وحی سمجھیں جن کی نسبت ہم کو ایسا سمجھنے کے لیے کافی دلیل اور ثبوت ہو ؛

اگرچہ جناب پیغمبر خدا نے ہم کو بہ تصریح اُن کے قدم بہ قدم چلنے بلکہ صحابہ اور تابعین کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ حکم محض متعلق بہ معاملات دین سمجھا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں نے بھی حتی الامکان مذکورہ بالا امور میں اُن کی پیروی کی کوشش کی ہے مگر اخیر کے تین امروں کی پیروی کرنے میں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں یعنے اگر اُن کا وحی سے ہونا ثابت ہو تو اُس کی اطاعت اور پیروی ہم پر فرض ہے اور دوسری صورت میں ہم اپنی خوشی سے عامل ہوتے ہیں

ثواب حاصل کرنے اور اپنے پیغمبر کی محبت اور اُن کی تعظیم اور عقیدت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں یا حالات زمانہ اُس کے ترک پر ہم کو مجبور کریں تو بغیر اس کے کہ مذہب میں کچھ نقصان عاید ہو یا کسی گناہ کے مرتکب ہوں اس کو ترک کر سکتے ہیں +

اسی قسم کے خیالات نے ہم کو جناب پیغمبر خدا کی جملہ احادیث کے جمع کرنے اور اُن کی تحقیق کرنے پر مجبور کیا۔ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اسلام کی سلطنت جزیرہ عرب میں وسیع ہو گئی تھی اور بے شمار لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہر مسلمان کی جناب پیغمبر خدا تک رسائی محال تھی۔ اس لئے جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کا علم اُن مسلمانوں تک پہنچانا جو قطاع دور و دراز میں رہتے تھے لازم ہوا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا نے اس بات کو پسند کیا جیسا کہ حدیث ذیل میں مذکور ہے۔ پس اُسی زمانے سے روایتوں کے بیان کرنے کا رواج ہوا +

ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو سیراب کرے جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور اس کو اُسی طرح دوسروں کو پہنچایا۔ جیسے کہ مجھ سے سنا تھا۔ سو اکثر پہنچائے گئے سننے والے سے زیادہ اس کو یاد رکھنے والے ہیں +

عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرءا سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع

(رواہ الترمذی وابن ماجہ ورواہ الدارمی عن ابی الدرداء) +

اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں چند اشخاص بعض متفرق احادیث کو بھی قلمبند کر لیا کرتے تھے اور آنحضرت کی وفات کے بعد اس سے رواج کو زیادہ ترقی ہوتی گئی مگر ان دونو زمانوں میں یہ رسم اس قدر محدود تھی کہ کسی خاص غور اور توجہ کے لائق نہیں ہے جس زمانے میں بہت سے لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے خود جناب پیغمبر خدا کا کلام سنا تھا اور جو ایسے نہ تھے ان کو جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کی نہایت آسانی سے واقفیت ہو سکتی تھی اور اس لئے احادیث کے جمع کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی +

مگر رفتہ رفتہ جب کہ وہ اسن رسیدہ آدمی جنہوں نے جناب پیغمبر خدا کا زمانہ دیکھا تھا پیچھے بعد دیگرے انتقال کرتے گئے اس وقت لوگوں کو احادیث کے جمع کرنے کی اشد ضرورت معلوم ہوئی یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں چند دیندار اور پرہیزگار آدمیوں نے جنہوں نے اس دنیا سے دوں پر لات ماری تھی اور اپنی جان کو محض راہ خدا میں وقف کر دیا تھا احادیث کے جمع کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا۔ کتابیں لکھنی شروع کیں اور رفتہ رفتہ صحیح اور غیر صحیح کتابوں کا ایک انبار ہو گیا +

اس سزا کا بیان جس کا مستحق جھوٹ حدیث بیان کرنے والے کو جناب پیغمبر خدا نے قرار دیا ہے

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اور آنحضرت کے ارشاد کے مطابق حدیثوں کے اور لوگوں تک پہنچانے کی رسم شروع

ہو گئی تھی مگر اس بات کا بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ ایک شخص سے دوسرے شخص تک حدیث پہنچانے میں کس قدر احتیاط کرنے کا منشا آنحضرت کا تھا اور اس منشا کے ظاہر کرنے کو ترمذی اور مسلم کی حدیثوں کا اس مقام پر ذکر کر دینا کافی ہوگا ✤

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث روایت کرنے میں پرہیز کرو

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلعم اتقوا الحديث عني الا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار رواه الترمذي ✤

مگر اس قدر جتنا کہ تم جانتے ہو۔ سو جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ کہے گا اس کو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہئے (ترمذی) ✤

عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قال قال رسول الله صلعم من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين رواه مسلم

مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مجھ سے کوئی حدیث کو یہ جان کر روایت کرے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ خود جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے (مسلم) ✤

مگر باوجود اس احتیاط کے ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں جھوٹی اور بے بنیاد روایتیں بعینہ اسی طرح پر پھیل گئیں جس طرح کہ جھوٹی روایتیں اور موضوع کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج ہو گئی تھیں۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ علماے اسلام نے مقدس جھوٹ کو کبھی اپنے مذہب کے مقتضا میں قرار نہیں دیا بلکہ وہ ایسے کلام کو ہمیشہ گناہ عظیم سمجھتے رہے اور اسی لئے انہوں نے ایسی جھوٹی روایتوں کے پتا لگانے

والوں کو کیسے ہی پاک اور نیک ارادے سے اُنھوں نے ایسا کیا ہو جہنم کے سوا اور کوئی جگہ نہیں دی اور اُن کو اُس آگ سے بچانے میں کبھی کوشش نہیں کی۔ مگر برخلاف اس کے علماے مذہب عیسوی نے مثل آرجن وغیرہ کے صریح اپنے باطنی عقاید کے خلاف معاملات مذہبی میں مقدس جھوٹ کو کچھ جائز ہی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول خیال کیا ❊

سر ولیم میور صاحب اپنی اردو تاریخ دین مسیحی میں بیان کرتے ہیں کہ "دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو رہی کہ جب بت پرست فیلسوف اور حکیموں کے ساتھ دین کا مباحثہ کیا جاوے تو انہیں کے بحث کا طرز اور طریقہ اختیار کرنا جائز ہے کہ نہیں۔ آخر کار آرجن وغیرہ کی راے کے بموجب طریقہ مذکور تسلیم ہوا۔ اس سے البتہ مسیحی بحاثوں کی تیز عقلی نکتہ سنجی نے بحث میں زیادہ رونق پائی لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا۔ پھر اسی سبب سے بعض لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانے کے بعد کثرت سے نکلی گئیں اس طرح سے کہ فیلسوف لوگ جب کسی طریقے کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اُس کے حق میں کتاب لکھ کے کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے کہ اس حیلے سے لوگ اُس پر متوجہ ہو کر اُسکی باتیں زیادہ مانیں گے۔ اگرچہ اُس کی باتیں برملا خود مصنف کی ہوتیں سو اسی طرح مسیحی جو فیلسفیوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کے کسی حواری یا خادم حواری یا معروف مصنف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں شروع میں ہوا اور کئی سو برس تک رومی کلیسیا میں جاری رہا۔ یہ بات بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید کے تھی" میور صاحب کی تاریخ دین

مسیحی حصہ دوم باب ۳) +

موشیم نے اپنی کتاب تاریخ مذہبی میں اس طرح پر لکھا ہے کہ " افلاطونی اور فیثا غورثی حکماء نے صدق اور پاکبازی کی حمایت میں فریب دینے اور جھوٹ بولنے کو جائز ہی قرار نہیں دیا ہے بلکہ مستحسن ٹھیرایا ہے۔ یہودیان ساکن مصر نے اس عقیدے کو قبل سنہ مسیحی کے اُن سے سیکھا۔ اس میں اُس شخص کو کچھ کلام نہ ہوگا جس کو کہ کتابوں کو مشہور آدمیوں کی طرف منسوب کرنے کی بے شمار جعلسازیاں۔ نقلی پیشین گوئیاں اور اسی قسم کی واہیات چیزیں یاد ہیں جن کی ایک بڑی مقدار اس صدی اور آئندہ صدیوں میں ظاہر ہوئی تھی۔ میں نہیں کہتا کہ سچے عیسائیوں نے اس قسم کی سب کتابوں کو تصنیف کیا تھا برخلاف اس کے اغلب یہ ہے کہ ان کے ایک جزو اعظم کے موجد فرقہ جات نسطیق باقی ہوئے تھے مگر اس بات سے کہ سچے عیسائی اس قصور سے محض مبرا نہ تھے صریح انکار نہیں ہو سکتا (انگلیز یاسٹکل ہسٹری باب ۳ صفحہ ۰۷ مطبوعہ ۱۸۴۶ء) +

ایک اور مقام پر موشیم نے اسی مضمون کو اس طرح پر لکھا ہے " لیکن اس کا اس قدر جلد عمل میں آنا مختلف اسباب پر موقوف تھا بالخصوص یہ امر کہ حضرت مسیح کے صعود کے بعد بھی اُن کی سوانح عمری اور احکامات کی بہت سی تواریخیں جن میں جھوٹے قصے اور کہانیاں بھری ہوئی تھیں ایسے لوگوں نے شاید مرتب کی تھیں جن کے ارادے شاید برے نہ تھے بلکہ وہ وہمی سادہ مزاج اور مقدس جھوٹ کے عادی تھے اور بعد ازاں مختلف موضوع تصنیفات بنام نہاد حواریان مقدس سارے جہان میں مشہور کی گئیں (انگلیز یاسٹکل ہسٹری ۲) (ریپرنٹ) حصہ دوم باب ۲ صفحہ ۱۲۴) +

اُس طرز تحریر کے بیان میں جو روایات کے لکھنے میں مستعمل کیا گیا تھا

اس بات کے ظاہر کرنے کو حدیث ایک شخص سے دوسرے تک کس طرح پہنچی۔ محدثین نے چند کلمات بطور اصطلاح کے مقرر کئے تھے اور اسی لئے حدیث کے ہر ایک راوی پر واجب تھا کہ انہیں کلمات مخصوص سے جو اس حدیث کے واسطے موزوں ہوں حدیث کو شروع کرے اور یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ ہر حدیث پر بہ لحاظ بیان کے اسی قدر اعتبار کیا جاوے جس درجہ اعتبار کے وہ سزاوار ہو۔

کلمات مذکورہ یہ ہیں (۱) "حدثنا" یعنے اس نے مجھ سے کہا (۲) "سمعته یقول" یعنے میں نے اس کو کہتے سنا (۳) "قال لنا" یعنے اس نے مجھ سے کہا (۴) "ذکرنا" یعنے اس نے مجھ سے ذکر کیا (۵) "اخبرنا" یعنے اس نے مجھکو خبر دی (۶) "انبانا" یعنے اس نے مجھ کو آگاہ کیا (۷) "عن فلان" یعنے اس سے۔

اول کے چار کلمے صرف اس صورت میں استعمال کئے جاتے تھے جب کہ کوئی راوی کسی دوسرے شخص سے حدیث کے الفاظ بجنسہ بیان کر دیتا تھا۔ پانچواں اور چھٹا کلمہ اس مقام پر استعمال کیا جاتا تھا جب کہ کوئی راوی اپنے سے اوپر کے راوی سے کسی امر یا واقعہ کی صحت یا عدم صحت کی نسبت دریافت کرتا تھا۔ اخیر کلمہ ایک مبہم کلمہ ہے اور اسی وجہ سے

یہ امر منقح نہیں ہو سکتا کہ اخیر راوی نے جو دوسرے راوی کا نام لیا ہے وہ حدیث درحقیقت اُس راوی سے بیان کی ہے یا اُس کے اور اخیر راوی کے درمیان اور لوگ روایت کرنے والے بھی چھوٹ گئے ہیں۔ اس اشتباہ کے رفع کرنے کو خارجی امر کی تحقیقات ضرور ہوتی ہے مگر اُن کی نسبت علماء کی مختلف رائیں ہیں +

ایک رائے یہ ہے کہ اگر یہ محقق ہو جاوے کہ وہ راوی سلسلہ روایت میں اور راویوں کے نام بفریب چھوڑ دینے میں متہم نہیں ہے اور وہ ایسے زمانے میں اور ایسے مقام پر رہتا تھا کہ اُن کا ایک دوسرے سے ملاقی ہونا ممکن تھا گو کہ اس ملاقات کا ثبوت نہ ہو تو بھی یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اُن دونوں کے درمیان اور راوی نہیں چھوٹا ہے +

دوسری رائے جو بعض علمائے مستند کی رائے ہے وہ یہ ہے کہ اس امر کا ثابت ہونا بھی ضرور ہے کہ وہ دونوں اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی ملاقی ہوئے ہوں +

تیسری رائے جو بعض علماء کا قول ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ وہ اتنے عرصے تک یکجا رہے ہوں جو اُن کے ایک دوسرے سے حدیث سیکھنے کے واسطے کافی ہو +

چوتھی رائے بعض عالموں کی یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ ایک نے دوسرے سے درحقیقت حدیث سیکھی بھی تھی +

درجات احادیث کے بیان میں ایک راوی دوسرے تک پہنچنے کے لحاظ سے

جب کبھی کوئی حدیث بیان ہوتی ہے اُس کا رتبہ سلسلہ روایت سے جانچا جاتا ہے اور اُس کی شناخت کے لئے الفاظ مصطلح مقرر کئے گئے ہیں +

اوّل "مسند یا مرفوع" یہ لقب اُس حدیث کو دیا جاتا ہے جب کہ راوی صاف صاف بیان کرتا ہے کہ فلاں بات خود پیغمبر خدا نے بیان فرمائی تھی۔ یا خود کی تھی یا اوروں نے اُن کے روبرو کی تھی اور آپ نے منع نہیں فرمایا تھا +

دوم "مرفوع متصل" اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک لگاتار یعنے بلافصل پہنچتا ہو تو اُس کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

سوم "مرفوع منقطع" اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ بلافصل پیغمبر خدا تک نہ پہنچے تو اُس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے +

چہارم - مرسل یا موقوف" یعنے وہ حدیث جس کو پیغمبر خدا کے اصحاب نے بیان کیا ہو مگر پیغمبر خدا سے منسوب نہ کیا ہو +

پنجم "مرسل یا موقوف متصل" اگر راویوں کا سلسلہ اُس صحابی تک جس نے اُس کو بیان کیا ہے۔ بلافصل چلا گیا ہو تو اُس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے +

ششم "مرسل یا موقوف منقطع" لیکن اگر راویوں کا سلسلہ اُس صحابی تک مسلسل نہ ہو تو اُس حدیث کا یہ لقب ہوتا ہے +

اس بات میں کہ آیا حدیث "مرسل یا موقوف متصل" کو معتبر اور قابل استدلال خیال کرنا چاہیے۔ یا نہیں علماء میں اختلاف راے ہے لیکن صحابہ کی ایسی حدیث جس میں ایک ایسے واقعہ یا مقام کا مذکور ہو جہاں وہ خود موجود نہیں تھے تو اُس حدیث کو کسی طرح بغیر اور کسی سند کے حدیث نبوی کے ہم پایہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اُن علماء کی راے نہایت صحیح اور قرین انصاف ہے جو دربارہ نزول وحی کے حضرت عائشہ کی روایات کو قابل سند نہیں خیال کرتے کیونکہ وہ اُس زمانے میں موجود نہ تھیں +

ہفتم "مقطوع" یعنے وہ حدیثیں جو تابعین نے بیان کی ہیں اور اپنے سے اوپر کے صحابہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے +

ہشتم "مقطوع متصل" اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ اُس تابعی تک برابر چلا جاوے تو اُس حدیث کا یہ نام ہے +

نہم "مقطوع منقطع" اگر اس کا سلسلہ اُس تابعی تک نہ پہنچے۔ تو اُس حدیث کو اس نام سے پکارتے ہیں +

دہم "روایت" یہ اقسام مندرجہ بالا سے بالکل علحدہ ہے۔ یہ نام اُن حدیثوں کا ہے جو اس طرح پر شروع ہوتی ہیں "یہ بیان کیا گیا ہے۔" یا "فلاں شخص نے یوں روایت کی ہے" اس قسم کی روایتیں بازاری گپ سے کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ایسی ہی روایتوں سے ہمارے مفسرین و مورخین نے اپنی تصنیفات کا حجم بڑھالیا ہے اور ایسی ہی واہیات اور بیہودہ باتوں سے ہشامی طبقات کبیر۔ کاتب الواقدی وغیرہ کتابیں سیر و تواریخ کی پایہ اعتبار سے ساقط گنی جاتی ہیں اور جو باعث افتخار و ناز اُن عیسائی مصنفوں کا ہے جو مذہب اسلام کے برخلاف کتابیں

درجات احادیث کے بیان میں بلحاظ راویوں کے چال وچلن یعنے اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونیکے

جب کبھی کسی حدیث کے درجہ صحت کا امتحان راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے تو اس کا درجہ بترتیب ذیل قرار پاتا ہے +

اول "صحیح" اس نام سے وہ حدیث موسوم ہوتی ہے جس کے تمام راوی اول سے آخر تک سچے دیندار اور متقی اشخاص ہوں اور کبھی کسی قسم کی برائی کے ساتھ متہم نہ ہوئے ہوں بلکہ تدین اور صدق مقال کے واسطے مشہور اور سب لوگوں کے نزدیک مسلم ہوں +

ایسی حدیثوں کا درجہ اعتبار اس سبب سے اور بھی بڑھ جاتا ہے جب کہ اسی قسم کے راویوں نے علیحدہ علیحدہ بلا کسی اختلاف کے اُسی حدیث کو بیان کیا ہو مگر ایسی حدیثیں نہایت ہی قلیل ہیں +

دوم "حسن" - اس لقب سے وہ حدیثیں ملقب ہوتی ہیں جن کے تمام راوی اوصاف حمیدہ میں اول قسم کی حدیث کے راویوں کی کوئی ہمسری نہ کرسکتے ہوں مگر بایں ہمہ پرہیزگاری اور عام ثقاہت کے ساتھ متصف ہوں اور اُس حدیث کی اصلیت بھی غیر مشتبہ ہو - اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن سے معتبر کتب احادیث مملو ہیں +

سوم "ضعیف" یہ نام اُن حدیثوں کو دیا جاتا ہے جن کے تمام راویوں میں سے ایک شخص بھی اول یا دوم قسم کے راویوں کی مانند نہ ہو

ان احادیث کے ضعف کا درجہ وجوہ اسباب سے کبھی زیادہ یا کم ہو جاتا ہے ۔ ہمارے ہاں کی کتب احادیث جو دوسرے درجے کی کہلاتی ہیں اسی قسم کی احادیث سے بھری پڑی ہیں ۔

چہارم "غریب" یہ لقب اُن حدیثوں کا ہے جن کے راویوں میں سے کسی نے بجز ایک آدھ حدیث کے اور کوئی حدیث نقل نہ کی ہو جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فن حدیث میں کچھ تبحر نہیں رکھتا ۔

راویوں کے درجہ اعتبار کے بیان میں اُن کے تفقہ فی الدین کے لحاظ سے

تمام صحابہ کبار اور تابعین اور تبع تابعین جب کوئی حدیث آنحضرتؐ کی بیان کرتے تھے تو اُن کے الفاظ بعینہ وہی نہیں ہوتے تھے ۔ جو آنحضرتؐ نے فرمائے ہوں اور ایسا کرنا امکان سے بھی خارج تھا مجھ را خیال کیا گیا ہے کہ بعض دعائیں ایسی ہیں جن کے الفاظ بجنسہ محفوظ ہیں ۔ غرضکہ تمام حدیث کے راویوں میں حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کا رواج تھا ۔ پس یہ بات قرین قیاس ہے کہ جو لوگ زیادہ علم رکھتے تھے اور تفقہ فی الدین کا اُن کو زیادہ ملکہ تھا وہ آنحضرتؐ کے کلام کا بہ نسبت اوروں کے اچھی طرح پر مطلب سمجھتے ہوں گے اور اوروں کو بھی ٹھیک طور پر بخوبی سمجھا سکتے ہوں گے اس واسطے راویوں کے باعتبار اُن کے علم کے سات درجے کئے گئے ہیں ۔

اول ۔ وہ جو علم اور تفقہ میں زیادہ تر ممتاز تھے اور حافظہ بھی قوی

رکھتے تھے۔ ایسے اشخاص آئمہ حدیث کہلاتے ہیں +

دوم۔ وہ جو پہلوں سے کم درجہ رکھتے تھے اور جن سے شاذونادر ہی کسی غلطی کے سرزد ہونے کا احتمال تھا +

سوم۔ وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا مگر اس کو اسقدر تعصب نہیں ہوگیا تھا کہ اعتدال سے متجاوز ہو گئے ہوں اور نیز ان کے تدین اور صداق کلام میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں تھا +

چہارم۔ وہ جن کے حالات کی نسبت کچھ اچھی طرح آگاہی نہیں ہے +

پنجم۔ وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا مگر ان کا تعصب حد اعتدال سے متجاوز ہوگیا تھا +

ششم۔ وہ جن کی طبیعت میں شک اور وہم بڑھا ہوا تھا اور ان کا حافظہ بھی قابل اعتبار کے نہ تھا +

ہفتم۔ وہ جو جھوٹی حدثیں بنانے میں مشہور اور بدنام تھے +

علماے دین کی یہ راے ہے کہ اول تین درجے کے لوگوں کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو بہ اعتبار ان کے مراتب کے صحیح خیال کرنا چاہئے اور اخیر کے تین درجے کے لوگوں کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو بلاتامل رد کر دینا چاہئے۔ باقی رہ گئے چوتھے درجے کے لوگ ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو جب تک کہ ان کے راویوں کا حال معلوم نہ ہو قابل اعتبار سمجھنا نہ چاہئے +

جو روایتیں کہ یہودیوں کے ہاں مذکور تھیں اُنکے بیان کرنے سے مسلمانوں کو ممانعت نہ تھی

آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ یہودیوں کے ہاں جو روایتیں ہیں اُن کے بیان کرنے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق اُس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے مسلمان یہودیوں کی روایتوں کے بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے اور وہ حدیث یہ ہے +

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عن عبد اللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم بلغوا عنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار رواہ البخاری +

پہنچاؤ مجھ سے اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور حدیث بیان کرو بنی اسرائیل سے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ بولیگا تو اس کو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہیے (بخاری +)

روایات میں اختلاف ہونے کے اسباب

جب کبھی ہم راویوں کی روایتوں میں اختلاف دیکھیں تو ہم کو یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ یہ روایتیں راویوں کی بناوٹ ہے جیسا کہ عیسائی مورخ عموماً خیال کرتے ہیں۔ اس لیئے کہ احادیث موضوعہ کے سوا اور بھی قدرتی

اسباب ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے روایات میں اختلاف پڑنا ممکن الوقوع ہے۔ چنانچہ ہم اُن قدرتی اسباب کو بیان کرتے ہیں جن کے سبب روایتوں میں اختلاف پڑتا ہے۔

اول۔ حدیث کے مطلب کی غلط فہمی۔

دوم۔ حدیث کے معنے سمجھنے میں دو راویوں کے باہم اختلاف۔ یعنے ایک ہی حدیث کے ایک نے کچھ معنے سمجھے اور ایک نے کچھ۔

سوم۔ حدیث کا مطلب لوگوں سے صاف صاف بیان کرنے کی عدم قابلیت۔

چہارم۔ راوی کے حافظے کا قصور کہ یا تو اُس نے کسی حدیث کا کوئی جزو چھوڑ دیا۔ یا دو مختلف حدیثوں کو باہم خلط ملط کر دیا۔

پنجم۔ راوی کا کسی جزو حدیث کی تفصیل کا بیان کرنا اس غرض سے کہ سننے والا بآسانی اُس کو سمجھ جائے لیکن سننے والے نے از راہ غلطی اُس تفصیل کو بھی حدیث کا جزو سمجھا۔

ششم۔ راوی نے اپنی گفتگو میں جناب پیغمبر خدا کے چند کلمات بیان کیے اور سننے والوں نے اُس کے تمام کلام کو حدیث سمجھ لیا۔

ہفتم۔ کسی راوی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والے نے اُن کو غلطی سے حدیث سمجھ لیا اور اسی ذریعے سے یہودیوں کی روایتوں کا اختلاف مسلمانوں کے دل منتقل ہو آیا اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قصے جن سے ہمارے ہاں کی تاریخیں اور تفسیریں سیاہ ہیں سب انہیں ذریعوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

ہشتم۔ وہ اختلافات جو زبانی روایات کے سلسلے سے خود بخود

عارض ہوتا ہے اور اسی ذریعے سے معمولی باتیں معجزات اور کرامات کی صورت پیدا کر لیتی ہیں ؛

نہم۔ مختلف حالات جن میں کہ راوی نے آنحضرت کو دیکھا تھا یا کچھ فرماتے سنا تھا یا کرتے دیکھا تھا ؛

یہ تمام اسباب ایسے ہیں جن کے سبب سے بغیر ارادہ تصنع کے قدرتی طور پر روایتوں میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ منجملہ ان کے نویں قسم ایسی ہے کہ باوجود اختلاف کے کل روایتوں کا سچا ہونا ممکن ہے ؛

موضوع حدیثوں کا بیان

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بہت سی حدیثیں پیغمبر خدا کے نام سے جھوٹی اور موضوع بنائی گئیں اور جو لوگ ایسی شرمناک جعلسازی کے مرتکب ہوئے تھے وہ مختلف قسم کے لوگ تھے ؛

اول۔ وہ لوگ تھے جو عوام الناس میں کسی نیک رسم یا کسی ثواب کے کام کی ترویج کے خواہاں تھے اور اپنے کامیاب ہونے کی غرض سے انہوں نے کوئی حدیث بنالی۔ اس قسم کی جعلسازی کا زیادہ تر تعلق ان حدیثوں سے ہے جن میں چھوٹے چھوٹے نیک کاموں کے کرنے میں بڑے بڑے ثواب بیان کئے ہیں۔ اور نوافل کے پڑھنے میں گناہوں کے بخشے جانے اور قیامت میں اعلیٰ درجے ملنے کے وعدے کئے گئے ہیں۔ قرآن کی سورتوں کے پڑھنے کی عجیب عجیب خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ بیماریوں سے شفا پانے اور رزق میں فراخی ہونے کی خاصیتیں یا بعض اجزائے قرآن کی سورتوں کا قیامت میں گناہ بخشوانے کے لئے شفیع

ہوتا بیان ہوا ہے۔ ان موضوع حدیثوں کے بنانے والوں کا منشاء یہ تھا کہ لوگ نیک کاموں میں اور قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل کے ادا کرنے پر زیادہ متوجہ ہوں۔ لیکن مذہب اسلام اس قسم کے فریبوں اور جھوٹوں کو پناہ نہیں دیتا بلکہ اُن کو جہنم کی آگ میں ڈالتا ہے +

دوم۔ واعظین نے اس غرض سے کہ اُن کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو جاویں اور سننے والے عجیب و غریب باتوں کے سننے سے خوش ہوں اور نیز اس غرض سے کہ سننے والوں کے دل میں نرمی اور رحم اور خدا ترسی اور رقت قلب اور نیک کاموں کی رغبت پیدا ہو اور بُرے کاموں کی دہشت اُن کے دل میں پیدا ہو اور خدا کا خوف اور نجات کی اُمیدیں اُن کے دل میں بھڑک اُٹھیں بہت سی حدیثیں موضوع کر لیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُن کو یہ خیال نہیں کہ اُن کے ان افعال سے مذہب اسلام بالکل نفرت کرتا ہے۔ یہ حدیثیں زیادہ تر دوزخ اور بہشت اور ملائک کے حالات وغیرہ سے علاقہ رکھتی ہیں +

سوم۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کے مسائل میں اختلافات کئے اور اُس تعصب میں جادۂ اعتدال سے بڑھ گئے اور اپنی دلیلوں میں غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے اس قسم کی حدیثیں وضع کر لیں جو اُن کے مفید مطلب ہوں +

چہارم۔ مخالفین مذہب اسلام نے جو اُس زمانے میں زیادہ تر یہودی اور مشرکین تھے بہت سی باتیں سچ اور جھوٹ آنحضرت کی نسبت مشہور کی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں اور لوگوں نے غلطی سے اُن کو حدیثوں میں شمار

کیا ؛

ہمارے علماء نے احادیث موضوع اور غلط روایات مروجہ کے دریافت کرنے میں از حد کوشش کی ہے اور اس باب میں اکثر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں اور صحیح اور باطل روایتوں کی تحقیق اور تمیز کرنے کے لئے قواعد اور اصول منضبط کئے ہیں ؛

مقدم اصول جو اس امر کی تحقیق کرنے کے لئے علماء نے قرار دئے ہیں وہ یہ ہیں کہ احادیث کے الفاظ اور طرز عبارت کا امتحان کیا جائے۔ ہر حدیث کے مضمون کو قرآن مجید کے احکام اور عقائد و مسائل مذہبی مستخرجہ قرآن اور احادیث مستندہ سے مقابلہ ہو۔ احادیث کے منشاء اور بیان کی تحقیق اور تدقیق کی جاوے کہ اس میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ تو نہیں ہے جو ازروے تاریخ کے غلط ہو یا اس میں ایسے عجائبات تو نہیں بیان ہوئے جن کو عقل تسلیم نہ کرتی ہو۔ جن حدیثوں میں اس قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں وہ موضوع خیال کی جاتی ہیں ؛

مختصر طور پر اس کتاب کے پڑھنے والے جان لیں گے کہ جن احادیث کو ہم مسلمان قابل سند خیال کرتے ہیں ان میں کم سے کم مندرجہ ذیل امور کا ضرور بالضرور ہونا چاہئے۔ یعنے راوی نے صاف اور صریح طور پر بیان کیا ہو کہ فلاں بات پیغمبر خدا نے فرمائی تھی۔ یا کی تھی۔ سلسلہ راویوں کا پیغمبر خدا تک۔ غیر منقطع ہو۔ پیغمبر خدا سے لے کر اخیر راوی تک جملہ راوی تقوے اور تدین اور نیک اعمال کے لئے مشہور ہوں۔ ہر راوی کو اپنے ماسبق راوی سے ایک سے زیادہ حدیثیں پہنچی ہوں۔ ہر راوی لیاقت علمی اور تفقہ میں ممتاز ہوتا کہ یہ امر متیقن ہو جاوے کہ اس نے حدیث کے صحیح معنے کو سمجھ

لیا ہوگا اور اوروں کو بھی ٹھیک طور سے سمجھا دیا ہوگا۔ حدیث کا منشاء احکام مندرجہ قرآن مجید یا عقائد مذہبی مستخرجہ قرآن یا حدیث مستند سے متناقض نہو۔ اسمیں عجائبات وغرائبات دور از عقل بیان نہ ہوں بلکہ منشاء حدیث کا اس قسم کا ہو جس کے تسلیم کرنے میں لوگوں کو کلام نہ ہو +

کوئی حدیث جس کی صحت اس طرح ثابت ہوجاوے کسی عقیدۂ مذہبی کی بناء ہوسکتی ہے۔ مگر باایں ہمہ اس میں ایک اور شبہ کا عارض ہونا باقی رہ جاتا ہے یعنے وہ حدیث اس لئے کہ صرف ایک ہی شخص کی روایت ہے مفید یقین نہیں ہوسکتی بلکہ افادہ ظن کرتی ہے۔

اس شبہ کے سبب سے احادیث مستندہ کے بھی تین درجے قائم کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) خبر احاد +

متواتر۔ وہ حدیثیں کہلاتی ہیں جن کو جناب پیغمبر خدا کے زمانے سے لے کر جملہ صحابہ کبار اور علمائے دین نے ہر ایک زمانے میں پے درپے بالاتفاق صحیح اور مستند تسلیم کرلیا ہو اور ان میں کسی نے کبھی کوئی جرح و قدح نہ کی ہو۔ ہر زمانہ کے علماء کا قول ہے کہ صرف قرآن مجید ہی حد تواتر کو پہنچا ہے مگر بعض حدیثوں کو بھی متواتر بتاتے ہیں اور ان کی تعداد پانچ سے متجاوز نہیں ہوتی۔ ایسی احادیث پر بلاتکلف اعتبار کرنا اور ان پر معتقدانہ عمل کرنا واجب ہے +

مشہور۔ ان حدیثوں کو کہتے ہیں جو تواتر کے درجے تک نہ پہنچی ہوں مگر زمانے کے عالموں نے ان کو صحیح تسلیم کیا ہو۔ یہ وہ حدیثیں ہیں جو ہماری کتب حدیث میں جو معتبر گنی جاتی ہیں منقول ہیں اور اس باعث سے ان کی صحت بالعموم مسلم ہے اور ہمارے بعض عقائد مذہبی بھی ان پر مبنی ہیں گو کہ وہ

درایتاً تنقیح اور تنقید کے امتحان سے بری نہیں ؛

خبر احاد ان حدیثوں کا نام ہے جو مذکورہ بالا حدیثوں کے اوصاف تک نہیں پہنچیں اور اسی قسم کی حدیثیں بہت کثرت سے حدیث کی کتابوں میں ہیں ۔ علماے اسلام اس باب میں کہ اس پچھلی قسم کی حدیثوں پر کوئی عقیدہ مذہبی مبنی ہو سکتا ہے یا نہیں مختلف الآرا ہیں ؛

جن لوگوں نے کہ احادیث کے جمع کرنے کا بوجھ اُٹھایا تھا اُن میں سے جو سب سے اعلےٰ اور افضل اور ائمہ حدیث کہلاتے تھے اُنہوں نے اپنی ہمت صرف اس بات پر مصروف کی تھی کہ راویوں کے اعتبار کی کماحقہٗ تحقیق کرنے کے بعد حدیثوں کو لکھیں اور اُنھیں لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں صحاح میں اوّل ہیں ۔ اور بعضوں نے اس بات پر ہمت مصروف کی تھی کہ جس قدر حدیثیں اُن کو ملیں وہ جمع کرلیں اُنھیں کی لکھی ہوئی کتابیں دوسرے درجے کی گنی جاتی ہیں ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جامعین حدیث نے ایسی کسی حدیث کو نہ اختیار کیا ہوگا جو علانیہ بادی النظر میں غلط ہو مگر جس قدر کہ حدیثیں اُنہوں نے منتخب کرکے جمع کرلیں ۔ اُس پر اُن کو ازروے درایت کے تحقیق اور تدقیق کرنیکا موقع نہیں ملا ۔ اُنہوں نے یہ کام اپنے سے بعد کے لوگوں پر چھوڑا تھا افسوس ہے کہ اُن کے بعد اُن کی حدیثوں کی ایسی وقعت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی کہ بجز چند خاص علماے محققین کے درایتاً اُن حدیثوں کی تنقیح اور تنقید کی جرأت نہیں ہوئی ۔ مگر ازروے مذہب اسلام کے ہر ایک مسلمان کا حق ہے کہ اُن کی حدیثوں کی درایتاً تنقیح اور تنقید کرے ۔ ہمارے مؤرخین نے اور مفسرین نے جو کام اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام دلدر اور ناقص اور ضعیف حدیثوں کو اپنی تصنیفات میں جگہ دیتے

ہیں +

عیسائی عالم جو کسی حدیث کے درجہ صحت اور تحقیق کے اُن قواعد سے جو علمائے اسلام نے مقرر کئے ہیں محض ناواقف ہوتے ہیں اور درایت کے تو نام سے بھی وہ واقف نہیں ہیں جب کوئی ایسی کتاب پڑھتے ہیں جس میں بجز بدترین احادیث اور روایات کے اور کچھ نہیں ہوتا تو اپنے دل میں سمجھ لیتے ہیں کہ جزئیات اسلام سے واقف ہوگئے اور ہمارے مذہب کی نکتہ چینی اور تضحیک شروع کرتے ہیں اور جب کہ اُن کی یہ مایہ افتخار تصنیفیں۔ مسلمانوں کی نظر سے گذرتی ہیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ مصنفین کی بے علمی اور تعصب پر جو اُن کی تصنیفات سے مترشح ہوتی ہے ہنستے ہیں اور اُن کی بے فائدہ صرف اوقات پر افسوس کرتے ہیں +

سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کے شبہات کی تردید

اگرچہ ہم نے مسلمانوں کی روایتوں کا پورا پورا اور بہ تفصیل بیان کیا ہے تاہم بہ نظر مزید تحقیق اُس آگاہی کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہم کو اپنے نبی کی سوانح عمری لکھنے والے دو لئیق عیسائی مصنفوں سے حاصل ہوتی ہے یعنے اے اسپرنگر ایم ڈی اور سر ولیم میور ایل ایل ڈی سی بی +

ڈاکٹر اسپرنگر نے مسلمانوں کی روایتوں اور راویوں کی نسبت بہت تھوڑا بیان کیا ہے اور اُس تھوڑے ہی بیان سے اُن کے اس مضمون سے بہت کم واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اُن کی مثال ٹھیک ٹھیک

اُس شخص کی سی ہے جو نہایت تاریکی میں پڑا ہو اور نور کی حقیقت کی تلاش میں تعصب اور کم فہمی سے جھوٹے شبہوں سے دھوکا کھاکر راہ گم کر گیا ہو اور بے اصل چیزوں کی پیروی میں اصل چیز کو بھی ہاتھ سے کھو دیا ہو۔ مگر اُن کا ایک بیان قابل غور ہے وہ کہتے ہیں کہ کتب دینیات میں اہل سنت و جماعت کے ہاں چھ کتابیں سب سے معتبر ہیں یعنے صحیح بخاری۔ مسلم۔ سنن ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جو اکثر کتب سابق پر مبنی ہیں جن کی سنیوں کے ہاں بہت قدر ہے۔ مثلاً (واضح ہو کہ بعض ناموں کی صحت جو انگریزی میں لکھے ہوئے تھے نہیں ہو سکی۔) دارمی۔ دارقطنی۔ ابن عیینہ۔ اصمعی۔ برقانی۔ احمد سنی۔ بیہقی۔ حمیدی۔ خطابی۔ بغوی۔ رزین۔ جوزی ابن الاثیر مبارک۔ ابن جوزی نووی۔

اب اول تو یہ اخیر کی چودہ کتابیں اُن میں سے جس قدر سے کہ ہم واقف ہیں پہلی چھ کتابوں پر مبنی نہیں ہیں سوائے مشکوٰۃ کے جو بغوی کی ہے اور اکثر ان میں کی غیر معتبر اور غیر مستند ہیں اور اُن میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ ان چھ کتابوں میں نہیں ہیں۔ دوسری یہ کہ کوئی حدیث ہو خواہ وہ پہلی قسم کی کتابوں میں نہ کسی مذہبی عقیدے کی بناء قرار پاتی ہے نہ صحیح اور لائق تسلیم ہوتی ہے جب تک کہ وہ اُن قواعد سے جو اوپر مذکور ہوئے صحیح نہ ثابت ہوئی ہو۔

سر ولیم میور نے کسی قدر طوالت کے ساتھ اسلام کی روایتوں اور راویوں کی نسبت بحث کی ہے مگر ہم بافسوس بیان کرتے ہیں کہ اُن کی طرز تحریر سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ ایک غیر متعصبانہ

اور آزادانہ تحقیق اور جائز اور منصفانہ دلیل سے کوئی نتیجہ مستخرج کریں آپکے
دل میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ یہ سب روایتیں جھوٹی اور لوگوں کی محض
بناوٹیں اور ایجادیں ہیں اور اول ہی سے اس بات کا قصد کر لیا ہے کہ
ان سب روایتوں کو ایسا ہی ثابت کریں - وہ امر حق کی تحقیق کرنا نہیں
چاہتے گو وہ امر حق کچھ ہی کیوں نہ ہو جس کی تحقیق ہر بے غرض مصنف کا
اصلی منشا ہوتا ہے یا کم سے کم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہونا چاہئے - اُن کے
طرز استدلال ہی سے اُن کی غرض ظاہر ہو جاتی ہے - وہ اس فقرے
سے مطلب کو آغاز کرکے کہ "اگلے مسلمانوں کی عادتیں روایت کے رواج
کی موید ہیں" فرماتے ہیں کہ "اپنے نبی کے کاموں اور باتوں سے زیادہ
اور کس مضمون پر مسلمانان سابق سرگرمی سے بحث کرتے" اس کے بعد
صاحب موصوف یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ "ان روایات ہی نے امتداد
زمانے کی وجہ سے محمد (صلعم) کو عجیب و غریب اوصاف سے متصف کر دیا انکے پیرووں کے دل
میں نادانستہ یہ خیال گذرا کہ محمد صلعم کو انسانی طاقت سے بڑھکر قدرتیں حاصل ہیں؛ اسی واسطے
سے اسقدر کثیر روایتیں وجود میں آئیں جب کبھی اُن بیانات کے امتحان کیلئے واقعات کا
کوئی اندازہ سر دست موجود نہ ہوتا تو حافظہ کو قوت واہمہ کی بیسے روک کوششوں سے مدد دی
جاتی - صحابہ کبار کی روایتوں کی تعظیم اور حرمت جو زمانے ما بعد میں لوگوں
کو تھی" وہ بقول صاحب موصوف "امتداد ایام کا اثر تھا جو لوگوں کے
دلوں میں اور روایتوں پر خود بخود پیدا ہوگا"

اب کہ سر ولیم میور اس طرح پر استدلال کرتے ہیں تو یہ سوال پیش
آتا ہے کہ دنیا میں زیادہ نیک اور پرہیزگار شخص کا کیا حال ہوگا اگر اس کی
ہر بات اور حرکت کو دغابازی اور ریاکاری کی دھندلی اور خراب عینک سے

دیکھیں اور اُس کے جملہ کلمات اور افعال کی غایت تاویل کریں اور جس قدر خراب معنے ہمارا تعصب اور حسد ایجاد کرسکے اُسکے اوپر عاید کریں ۞

کیا حضرت موسے کے تمام "معجزات" اُن کے عصا کا سانپ کی شکل میں ہو جانا۔ اُن کا "ید بیضا" "دریا کا خون کی مانند ہو جانا" "مینڈکوں کی وبا" اور اور معجزات جو ان سے مصر میں ظہور پذیر ہوئے تھے "بحر احمر میں بنی اسرائیل کے لئے رستہ کا کھل جانا" "من وسلوے کا آسمان سے نازل ہونا" "پتھر کی منقش لوحوں کا ملنا جن پر خدا تعالے نے اپنی انگشت مبارک سے لکھا تھا۔ خدا تعالے کا بنی اسرائیل کو تمام قوموں پر ترجیح دینا اور اُن کو "میری منتخب قوم" کے خطابات سے سرفراز کرنا اور اس قدر برکتیں اُن کو عطا فرمانا اور حضرت اسرائیل کو "میرا پہلوٹھا" بیٹا کہہ کر ممتاز کرنا کیا ان سب باتوں کو دل لگی کے قصے اُس طرز استدلال کے طور پر جس کو سر ولیم میور نے اختیار کیا ہے نہیں کہہ سکتے۔ جن کو اُس نبی کے سرگرم پیروؤں یعنے بنی اسرائیل نے ایجاد اور وضع کیا ہو۔ جنھوں نے بسبب "مشکلیانہ تعظیم" اور "شائقانہ تکریم" کے امتداد زمانے میں اپنے نبی کو عجیب وغریب اوصاف سے "متصف کردیا۔ کیا یہ بات بھی حضرت موسے پر اسی طرح صادق نہیں آسکتی ہے کہ اُن کی وضع کی شان کو دھیان اور مراقبے سے عروج حاصل ہوا اور جس قدر دور زمانہ اُن کے پیروؤں سے اُن کو کرتا گیا۔ اُس عجیب وغریب انسان کا نقشہ جو آسمان کے فرشتوں (بلکہ خود خدا ہی سے) بے تکلیف پیغام وسلام رکھتا تھا زیادہ وضد لا لیکن زیادہ بڑا تناسب حاصل کرتا گیا۔ دل میں ناوانستہ یہ خیال گذرا کہ اُن کو انسانی طاقت سے زیادہ قدرتیں حاصل اور ایسے ساماتوں سے جو انسان کے

امکان سے باہر ہیں گھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عیسےٰ اور اُن کے بااعتقاد
اور سرگرم متبعین کا اُس وقت کیا حال ہوتا اگر ہر شخص اُن روایات کو محض
بناوٹی ایجادیں سمجھ کر مضحکہ میں ڈال دیتا جن میں حضرت عیسےٰ کی کراماتی ولادت
پیدائش اور حضرت عیسےٰ کا ازسرنو زندہ ہونا اور اپنے مجروح ہاتھ اپنے متبعین
کو دکھلانا اور اُن کا آسمان پر چڑھ جانا اور اللہ تعالےٰ کے دست راست
کی طرف بیٹھنا یعنے حسب قانون وحدت فے التثلیث کے اپنے ہی دست
راست کی طرف بیٹھنا مذکور ہے۔

لیکن عقل و فہم کی تعظیم ہم کو اُن لوگوں کی احادیث اور افعال پر عیب
رکھنے اور اُن کی بدترین تاویل کرنے سے مانع آتی ہے جنہوں نے تقوےٰ
اور نیک اعمال کی وجہ سے شہرت اور عظمت حاصل کی ہو۔ اور اِس امر سے بھی
البتہ انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر مصنف کو لازم ہے کہ جب اوروں کی تحریرات اور
تصنیفات کی چھان بین کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے آپ کو تعصب اور کم ظرفی
سے پاک اور صاف کرے۔

محمد رسول اللہ صلعم کے اصحاب اور خلفاء ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے
آپ کو محض خدا تعالےٰ کی طرف مصروف کر دیا تھا وہ امر حق کو مانتے تھے اور
اس جہان فانی کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ وہ ایماندار صادق القول اور
نیک طینت تھے اور ہمارے احادیث کے جمع کرنے والوں نے بدیں غرض
کہ احادیث نبوی کا ایک مجموعہ ہو جاوے دور دراز کے سفر اختیار کئے تھے۔
اُنہوں نے حکام وقت کے ہاتھ سے سخت تکلیفیں برداشت کی تھیں اُنکو
بے شمار دقتیں پیش آئیں اور ایسی ایسی مصیبتیں اور اذیتیں سہنی پڑیں جو
بمشکل خیال میں آسکتی ہیں۔ بایں ہمہ اُنہوں نے کبھی اپنے کام سے پہلو تہی

نہیں کی اور اُن کو انجام تک پہنچایا جس سے صریح ثابت ہے کہ اُن کو دینی اور نیک نیت وجہوں سے اس امر کی تحریک ہوئی تھی اور ہم کسی طرح مجاز نہیں ہو سکتے کہ اُن کے افعال کو ریاکاری اور فریب کی طرف منسوب کریں اور اُنکی تصنیفات کی اس بے بنیاد بیان پر کہ محض بناوٹی ایجادیں ہیں بے جا تحقیر کریں ÷

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ ” ترقی پذیر سلطنت کی ضنیاجیں قرآن کے مجموعہ سیاست کی افزائش کی خواہاں ہوئیں - جو چیز کہ پہلے عربوں کی سادہ وضعی اور محدود نظام مدنی کے واسطے بخوبی کفایت کرتی تھی اُن کی اولاد کی روز افزوں احتیاجوں کے واسطے غیر مکتفی ہو گئی “ وہ کہتے ہیں کہ ” یہ اور اسی قسم کے اسباب قرآن کے معدود اور معرا مسائل کی توسیع اور اسکے اخلاق کے غیر مکمل مجموعہ کی تکمیل کے متقاضی ہوئے ÷

اس بیان میں سر ولیم میور نے دو طرح پر غلطیاں کی ہیں - ایک تو یہ کہ جامعین حدیث کو نئے سلطنت اور مجموعہ سیاست سے کچھ سروکار نہ تھا - یہ لوگ محض دین کی طرف متوجہ تھے - اُنہوں نے احادیث نبوی کو محض بہ اغراض دینی جمع کیا تھا - اُن کی جمع کی ہوئی حدیثوں میں دین ہی کو بہت بڑی نسبت ہے یعنے اُن کا بیسواں حصہ بھی امور سیاست سے متعلق نہیں ہے - دوسرے یہ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ مسلمانوں نے امور سیاست کو الہامی سمجھا ہو - خود جناب پیغمبر خدا اپنے زمانے میں ایسے امور میں صحابہ سے صلاح لیتے تھے اور اس صلاح کے مطابق کاربند ہوتے تھے - اُس زمانے کے بعد بھی اُن روایتوں کو جو سیاست سے متعلق تھیں کسی نے الہامی نہیں سمجھا - چنانچہ اس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں قرآن مجید اور نیز جناب پیغمبر خدا نے ہر چیز متعلق سیاست

اور انتظام مدن کو بہ استثنائے چند اصول عام کے بالکل فرمانرواؤں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے اور صرف یہ حکم دیا ہے کہ ذی فہم لوگوں سے مشورہ کرکے کام کریں جو زمانے کے حالات اور ڈھنگ کے واسطے ضروری ہیں۔ پس مسلمانوں کو اور اُن کی اولاد کو اپنی روز افزوں احتیاجوں کے واسطے قرآن کی تکمیل کے لئے حدیثوں کے تلاش کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ ہاں بلاشبہ مسلمانوں میں یہ خواہش تھی کہ ہر امر میں خواہ وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے اسی طرح پر کارروائی کریں جس طرح کہ پیغمبر خدا نے کی تھی اور یہ اس محبت وعشق کا تقاضا تھا جو ہم مسلمان اپنے پیغمبر کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے ہر قسم کی احادیث کو جمع کرتے تھے۔ پس یہ عشق اور محبت نہایت قابل ستائش تھی۔ مگر افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے مسلمانوں کی اس عمدہ صفت کو بھی بدترین تاویل میں بیان کیا ہے ✣

اِس کے بعد سر ولیم میور صاحب یہ فقرہ لکھ کر کہ "وہ قرآن ہی چال وچلن کا نافذ قانون تھا" یہ بیان کرتے ہیں کہ "وہ پھر وہ اپنی غرض اصلی کے واسطے مکتفی نہ ہوا اور اس نقص کی تلافی سنت یعنے پیغمبر صاحب کے احکام اور افعال سے کی گئی" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "وہ اُنہوں نے (یعنے پیغمبر خدا نے) کبھی اپنے آپ کو خطا سے مبرا نہیں قرار دیا بجز اس صورت کے کہ جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے القاء ہوتا تھا۔ مگر اس نئے عقیدے نے یہ بات تراش لی کہ پیغمبر صاحب کے ہر قول وفعل میں ایک الہیٰ اور غیر خاطی ہدایت منضم ہے" ✣

ہم مسلمانوں کا معاملات دینی ودنیوی میں اپنے پیغمبر کی تقلید میں کوشش کرنا خواہ وہ امور دین سے علاقہ رکھتے ہوں خواہ امور دنیا سے خواہ امور سیاست مدن سے اور خواہ امور متعلق عادت اور عبادت سے دوسری چیز ہے۔ اور

اس بات کا اعتقاد کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کونسا قول اور فعل از روے وحی کے غیر قابل خطا کے تھا اور کون سے افعال صحابہ کے مشورے سے کئے گئے تھے جن کو وحی سے کچھ تعلق نہ تھا دوسری چیز ہے۔ سر ولیم میور نے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے خواہ خود غلطی میں پڑکر ہماری نسبت نا انصافی سے یہ اعتقاد منسوب کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کے ہر قول و فعل میں ایک الہٰی اور غیر خاطی ہدایت مضمر ہے۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم مسلمان تمام قول و فعل اپنے پیغمبر کو اسی ادب اور عظمت سے دیکھتے ہیں جیسے کہ ایک نبی اولوالعزم کے اقوال و افعال ادب اور عظمت کے مستحق ہیں ؛

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ روایتوں کی بناوٹ اور اشاعت کا کام عوام الناس کے فائدوں اور سلطنت کے ملکی حالات پر اس قدر مؤثر تھا۔ کہ بطور خود لوگوں کی سرگرمی پر بالکل چھوڑ دینے کے قابل نہ تھا۔ اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر اسپرنگر کے مندرجہ ذیل فقرے کو نقل کرتے ہیں جو قسطلانی شرح بخاری سے ان کو ہاتھ لگا تھا اور وہ فقرہ یہ ہے :۔ چونکہ پیغمبر صاحب کے ہر معتبر اور صحیح بیان کی جو دستیاب ہو سکے فلمبند کرنے کی ضرورت اشد تھی اس لئے خلیفہ عمر نے ایک گشتی حکم اس باب میں جاری کیا اور بالتخصیص ابوبکر بن محمد کو روایات کے جمع کرنے پر مامور کیا ؛

اگر قسطلانی نے یہ مضمون لکھا ہے تو محض غلط ہے۔ حضرت عمر حدیثوں کے جمع کرنے کے خود مخالف تھے جس کو سر ولیم میور نے بھی قبول کیا ہے۔ اور جو عنقریب معلوم ہوگا۔ کسی خلیفہ یا کسی مسلمان حاکم نے ان لوگوں کے کام میں جو بطور خود حدیثیں جمع کرتے تھے کبھی دخل نہیں دیا۔ ہم علانیہ کہتے

ہیں کہ وہ لوگ جن کا یہ بیان ہے کہ " خلیفہ عمرؓ نے تمام احادیث موجودہ کے
باقاعدہ جمع کرنے کا گشتی حکم جاری کیا تھا" ہم کو حدیث کی کوئی ایک
کتاب بھی تمام کتب احادیث میں سے ایسی نکالدیں جو کسی خلیفہ یا حاکم کے
حکم سے جمع کی گئی ہو۔ برخلاف اس کے ہم اعتماد سے کہتے ہیں کہ یہ کل کتابیں
بلا استثناء ایسے مقدس لوگوں نے مرتب کی تھیں جو اپنے زمانے کے خلفاء
کے دربار میں جانے سے بھی از حد پرہیز کرتے تھے۔ اُس زمانے کے خلفاء
جناب پیغمبر خدا کے خلیفہ نہ تھے بلکہ سلاطین اور بادشاہ تھے کیونکہ سلسلۂ
خلافت کا جناب رسالت مآب کی وفات کے تیس برس بعد ختم ہو گیا
تھا۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں نہایت ضعیف اور نہایت
غیر مستند روایتیں واقدی سے نقل کرتے ہیں۔ اُن روایتوں میں اخیر روایت
یہ ہے کہ خلیفہ عمرؓ جانشین ابوبکرؓ نے سنت کے قلمبند کرنے کا ارادہ کیا اور ایک
مہینے تک اس باب میں اللہ جل شانہ سے دعا کی۔ لیکن آخرکار جب اس کام
کے شروع کرنے پر آمادہ ہوئے تب یہ فرما کر باز رہے کہ " مجھ کو ایک قوم کا ذکر
یاد ہے جنھوں نے اسی قسم کی تحریرات قلمبند کی تھیں۔ اور کتاب ربانی کو چھوڑ کر
اُن پر عمل کیا تھا"۔

یہ روایت جس طرز پر بیان میں واقدی نے نقل کی ہے وہ ایسی ہے۔
جیسی کہ اس قسم کی روایتوں میں ایک افواہی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔
دراصل صرف اتنی بات ہے کہ حضرت عمر احادیث کے جمع کرنے کے برخلاف
تھے اور اُن کو یقین تھا کہ حدیثوں کا ٹھیک ٹھیک طور پر جمع ہونا نہایت
مشکل ہے۔ اور اُن کے جمع ہونے سے بلاشبہ ایسی ہی خرابی پیدا ہوگی

جیسی کہ یہود کے ہاں پیدا ہوگئی ÷

اختلاف روایات کے اسباب یعنے انسان کے حافظے کا عام ضعف ۔ غلطیاں ۔ مبالغے ۔ تعصب ۔ حمایت اور نیز وہ تفرقہ اور فساد جو بعد شہادت حضرت عثمان کے اسلام میں پھیل گیا تھا ۔ سر ولیم میور نے بیان فرمایا ہے ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ " اسی صدی میں روایات نے جڑ پکڑی اور مستقل شکل حاصل کی ۔ اختتام صدی پر روایات موجودہ کی باقاعدہ تلاش شروع ہوئی اور با ضابطہ لکھی گئیں ۔ وہ نمونہ جو اس وقت ڈھالا گیا تھا کم سے کم اپنی مخصوص ہیئت پر برابر چلا آیا ÷ "

ہم کو اس مقام پر اختلاف روایات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم اس کو اوپر بیان کر چکے ہیں ۔ لیکن ہم کو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب آتا ہے کہ اگرچہ سر ولیم کے نزدیک قریب قریب تمام موجودہ روایات اسلام محض بناوٹی ہیں باایںہمہ انہوں نے اپنے سب بیانات کو واقدی کی روایت پر مبنی کیا ہے جس میں ضعیف ترین روایات منقول ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ ان سب روایتوں کو ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں ۔ حالانکہ تحقیق اور غیر متعصبانہ تصنیف کے مسلمہ قوانین کی رو سے اور نیز مطابق اپنے عقیدے کے ان کو لازم تھا کہ اول احادیث صحیحہ اور موضوعہ کی تحقیق اور تمیز کرتے اور پھر مذہب اسلام اور بانئے اسلام کی نسبت معترض ہوتے تمام عیسائی مصنفوں کی تصنیفات میں جنہوں نے دین اسلام کی نسبت لکھا ہے اسی امر ضروری کی کوتاہی پائی جاتی ہے مگر وہ اپنے عیبوں کو نہایت خوش گواری سے ہضم کر جاتے ہیں اور دوسروں کی نسبت عجیب و غریب پیرائے میں نکتہ چینی کرنے کو موجود ہوتے ہیں ÷

اگر سر ولیم میور کی محض یہ غرض ہے کہ روایات اسلام کا لغو اور غیر معتبر اور موضوع ہونا لوگوں کو معلوم ہو جاوے تب بھی مذہب کی کچھ بے حرمتی اور ذلت نہیں ہے۔ مسلمانوں نے اس امر کو کچھ چھپا نہیں رکھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر کتابیں احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ میں تمیز کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں اور اُن کی صحت اور وجہ اعتبار کے جانچنے کے لئے اصول و قواعد اور سخت امتحانات قرار دئے گئے ہیں۔ جھوٹی حدیثوں کے بنانے والے گنہگار ٹھیرائے گئے ہیں اور اسی قسم کی اور باتیں اسی غرض سے کام میں لائی گئی ہیں۔ ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ اس باب میں یہود کے مذہب کا حال بدتر اور عیسائی مذہب کا حال بدترین ہے۔ مذہب عیسوی میں موضوعہ کتابوں اور بے شمار رسالوں کی وجہ سے کتب دینی جو روزانہ ہر کلیسیا میں مستعمل ہوتی تھیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اور دین دار لوگوں کے باہم بے انتہا مناقشوں اور قضیوں کی باعث ہو گئی تھیں۔ جبکہ قسطنطین اعظم نے دین عیسوی قبول کیا تو منجملہ اور اغراض کے جن کے واسطے اُس نے مجلس نیس (نسیا) کو سنہ ۳۲۵ ع میں جمع کیا تھا ایک یہ بھی غرض تھی کہ صحیح اور موضوع اناجیل میں تمیز کی جاوے۔

والٹیئر لکھتا ہے کہ " عیسائیان سابق اس بات سے مورد نفرین تھے کہ اُنھوں نے عیسےٰ کے نام پر صنعت ترشیح میں چند اشعار لکھ کر ایک پرانی کاہنہ کی طرف منسوب کئے تھے اور حضرت عیسےٰ کی طرف سے بادشاہ اوڈبیا کے نام جعلی خطوط بنائے جس زمانہ میں کہ کسی ایسے بادشاہ کا وجود بھی نہ تھا حضرت مریم کے خطوط۔ سنیقا کی جانب سے پولس کے نام کے خطوط۔ پاپا کے خطوط اور افعال۔ مصنوعی اناجیل۔ جھوٹے معجزات۔

اور اور ہزاروں جعلسازیاں اور فریبوں کے الزامات بھی لگائے گئے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے بعد دو یا تین صدیوں کے اندر اس قسم کی کتابوں کی تعداد کثیر ہو گئی تھی*

وہ اہم مسئلہ دربارہ الوہیت مسیح جس نے کہ کلیسیائے نصاریٰ میں رل چل ڈالدی تھی۔ مجلس نیس میں جو روم کے بادشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں منعقد کی تھی طے ہوا۔ اس مجلس میں اٹھارہ بشپ اور دو ہزار پادریوں نے حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کیا اور اس پر حجت کی لیکن سب سے سخت مباحثوں اور مناظروں کے بعد یہ بات قرار پائی کہ حضرت مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ خدا سے پدر سے پیدا ہوئے ہیں (نعوذ باللہ منہا) ایریس جو منجملہ اٹھارہ بشپہائے معترضین کے تھا فرقہ یونیٹرین (موحدین) کا سرغنہ ہوا۔ یعنے اُن لوگوں کا جو حضرت مسیح کی الوہیت کے منکر تھے اور اسی بناء پر بہ الزام بے دینی جلاوطن کیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد اُس کو قسطنطنیہ میں پھر بلالیا اور اپنے عقائد کو فوقیت بخشنے میں کامیاب ہوا۔ جنکے تمام صوبہ جات روم میں انھوں نے رواج پایا۔ باوجود اس کے کہ اُس کے سخت مخالف اَثاناسیوس نے جو فرقہ تثلیثیہ کا سرگروہ تھا از حد کوشش کی۔ اسی مجلس نیس کی کارروائی کے تتمے میں مرقوم ہے کہ آبائے کلیسیا نے اس امر کی تحقیق میں نہایت حیران اور ششدر ہو کر کہ توریت اور انجیل میں کون سے صحیفے صحیح اور کون سے غیر صحیح ہیں اُن سب کو بلا تمیز و لحاظ ایک قربان گاہ پر رکھ دیا۔ سنا ہے کہ جو صحیفے لائق تنسیخ تھے زمین پر گر پڑے*

دوسری مجلس ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی تھی جن میں

اُن امور کی جو روح القدس کے بارے میں مجلس نیسیا نے غیر منفصل چھوڑ دیئے تھے تشریح کی گئی تھی اور اسی موقع پر یہ عقیدہ قرار پایا۔ کہ روح القدس بلاشک وہ رب ہے جو باپ سے نکلتا ہے اور باپ اور بیٹے کے ساتھ باہم مخلوط ہو کر اس نے احترام حاصل کیا ہے۔ سنہ ۴۳۱ء میں تیسری عام مجلس نے جو بمقام افیسس مجتمع ہوئی تھی یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مریم بلاشک ام اللہ تھیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عیسےٰ میں دو صفتیں تھیں اور ایک وجود نویں صدی میں کلیسیائے روم اور یونان کے مابین وہ اختلاف و تفرقہ عظیم واقع ہوا جس کے بعد شہر روم میں تخمیناً اٹھائیس خونریز مشاجرات کرسی پوپ کے حصول کے واسطے واقع ہوئے *

سر ولیم میور اُن مضرت آمیز اسباب کا ذکر کرکے جو خلیفہ مامون الرشید کی متعصبانہ عملداری میں اپنی کارروائی کر رہے تھے اور یہ بیان کرکے کہ "روایتوں کا عام طور سے جمع ہونا ایسے ہی اسباب کی وجہ سے عمل میں آیا" یہ فرماتے ہیں کہ "خراب اور بے اصل مادہ کی کثرت خود مسلمانوں ہی کی چھان بین کے اندازے سے قیاس کی جاسکتی ہے اُن کا قول ہے کہ اس باب میں ڈاکٹر وِیل کی رائے قابل اعتماد اور تعریف ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ ایسے وقت میں روایات زبانی پر اعتماد کرنے نے جب کہ وہ حافظہ سے منتقل ہوتی آتی تھیں اور ہر روز نئے نئے اختلافات اسلام میں پیدا کرتی تھیں اختراع اور بناوٹ کے لئے ایک وسیع رستہ کھول دیا جب کہ کسی دینی یا دنیوی معاملہ کی حمایت کی ضرورت ہوتی تو اس سے سہل کوئی بات نہ تھی کہ پیغمبر صاحب کی کسی زبانی روایت کا حوالہ دیتے۔ اس قسم کی روایات کی اصلیت اور جس طور سے کہ محمد (صلعم) کے نام کو تمام دروغ اور بیہودہ ممکنات کی تائید میں بدنام

کرتے تھے اس امر سے صاف صاف ذہن نشین ہوسکتا ہے کہ بخاری نے جو علماء سے روایات حاصل کرنے کے واسطے ملکوں ملکوں پھرا تھا بہت سے برسوں کی چھان بین کے بعد اس بات پر قرار پکڑا کہ منجملہ چھ لاکھ روایات کے جن کا اُس زمانے میں مروج ہونا تحقیق ہوا تھا صرف چار ہزار معتبر اور مستند تھیں اور منتخب تعداد میں سے یوروپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلاوسواس مجبور ہوتا ہے۔ ہم اس زمانے کے بالیاقت جامعین کے تجربے سے بھی یہی منکشف ہوتا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد کی نسبت بھی سنا گیا ہے۔ کہ پانچ لاکھ روایتوں میں سے جو اس نے جمع کی تھیں چار لاکھ چھیانوے ہزار کو خارج کر دیا اور چار ہزار کو صرف مستند قرار دیا"

اس جگہ ہم اس بات پر کہ تعداد روایات خارج شدہ کی کیا اصلیت ہے۔ اور کس اصول پر خارج شدہ روایتیں خارج کی گئی تھیں اور آیا اس سے ان کل روایتوں خارج شدہ کا موضوع ہونا لازم آتا ہے یا نہیں بحث کرنی نہیں چاہتے بلکہ ہم ڈاکٹر ویل اور سر ولیم میور دونوں کی رائے سے متفق ہوجاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہم اس بات کا بھی افسوس کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ویل کے اس بیان کے بموجب کاربند ہونے کے بجائے کہ "چار ہزار روایات منتخبہ بخاری میں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلا وسواس مجبور ہوتا ہے" یورپین محققوں نے جن میں سر ولیم میور سب سے نمبر اول ہیں بخاری کی چار ہزار روایات پر بھی قناعت نہ کرکے اپنی تصنیفات کو واقدی۔ ہشامی۔ مولود نامہ۔ معراج نامہ اور اور کتابوں پر جن میں بجز بیہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ہے اور جن کو خود مسلمانوں ہی نے خارج کر دیا ہے مبنی کرنے کی جانب مائل ہوتے ہیں +

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "جامعین نے گو کہ وہ غیر معتبر روایات
کے اخراج میں بے دھڑک تھے روایات معتبر کی تمیز میں کسی عمدہ قانون کا
برتاؤ نہیں کیا" اس کی تشریح وہ اگلے جملے میں اس طرح پر کرتے ہیں کہ
در مضمون روایت سے کچھ بحث نہ تھی بلکہ محض نام ہی جن کی طرف وہ روایت
منسوب ہوتی تھی مسئلہ اعتبار کو حل کر دیتے تھے۔ اگر یہ نام الزام سے مبرا
ہوتے تو روایت مستند قرار پاتی۔ کوئی بیہودگی کیسی ہی صریح کیوں نہ ہو۔
کسی روایت کو جو اس امتحان میں پوری ہوتی روایات مستندہ کے رتبے
سے خارج نہیں کر سکتے تھے"۔

سر ولیم میور کا یہ بیان ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے مگر انہوں نے
اس موضوع سے جس پر جامعین حدیث نے حدیثوں کو جمع کیا غور نہیں کی۔
جس وقت کہ حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اور اوّل اوّل ان کے جمع ہونے
کا کام شروع ہوا تو پہلا کام جامعین حدیث کا یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو۔
صرف اُنکے راویوں کی معتبری تحقیق کر کے اُن حدیثوں کو قلم بند کر لیں بشرطیکہ
بادی النظر میں کوئی ایسا امر جو اُس حدیث کی صحت میں مخل ہو موجود نہ ہو۔
دوسرا کام اُن حدیثوں کی معتبری اور نامعتبری کا بلا لحاظ اُن کے مضامین
کے تھا اس کا وقت اُن جامعین کو نہیں ملا تھا کیونکہ پہلا ہی کام جو اُنہوں
نے کیا وُہی نہایت سخت اور مشکل تھا۔ اگرچہ پچھلے لوگوں کے دلوں میں
اُن بزرگوں کی جنہوں نے حدیثوں کو بہ اعتبار راویوں کے جمع کیا تھا ایسا
ادب اور ایسی عظمت جم گئی تھی کہ اکثروں نے اُس دوسرے کام کی نسبت
جو باقی رہا تھا توجہ نہ کی۔ لیکن بہت سے علماء محققین ایسے گذرے ہیں
جنہوں نے اس دوسرے فرض کو بھی ادا کیا ہے اور اُس کے لئے قواعد

بھی منضبط کئے ہیں اور اصول حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں اور بہ لحاظ مضامین حدیث کے حدیث کی معتبری اور نامعتبری قرار دینے کو فن درایت سے موسوم کیا ہے۔ قطع نظر اس کے اس وقت ہر ایک مسلمان کے اختیار میں ہے کہ بہ لحاظ اصول درایت کے جس کتاب کی حدیث پر چاہے اُسکے معتبر اور نامعتبر ہونے کی بحث کرے اور جس کو نامعتبر سمجھے اُس کو نہ مانے +

سر ولیم میور اپنے بیان کے ضمن میں راویوں کے ایماندار ہونے کو تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ موضوع روایتیں معتبر روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہیں اور بغرض تمیز مابین صحیح اور موضوع روایتوں کے اس طرح پر لکھتے ہیں۔ کہ "امور جن پر کسی روایت کے اعتبار کا غلبہ بالخصوص منحصر ہونا چاہئیے یہ معلوم ہوتے ہیں ۔ کہ آیا مسلمانوں میں بالعموم مضمون مروی کی جانب رعایت اور طرفداری پائی جاتی تھی یا نہیں دوم یہ کہ آیا راویوں میں کسی خاص غرض۔ تعصب۔ یا کسی غرض کے آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں اور سوم یہ کہ آیا راوی کو واقعات کے علم کا بذات خود موقع ملا تھا یا نہیں" +

ان تین قواعد معینہ سر ولیم میور میں اخیر کے دو قواعد کے تسلیم کرنے میں ہم کو کچھ کلام نہیں ہے کیونکہ یہ دو بھی منجملہ اُنھیں قواعد کے ہیں۔ جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ قاعدہ اول کی نسبت ہم حیران ہیں۔ کہ بغیر زیادہ کسی تفصیل کے ہم اُس کو اس بات کے لئے کہ آیا فلاں حدیث صحیح ہے یا غلط اور کس قدر صدق یا کذب اُس میں موجود ہے کس طرح پر قاعدہ قرار دیں +

اس حیرانی کے رفع کرنے کو ہم نے اُس تفصیل کی طرف رجوع کی جو اُس کی نسبت سر ولیم میور نے تحریر فرمائی ہے۔ وہ مذکورہ بالا امر دو طرح سے نظر ڈالتے ہیں یعنے زمانے کے لحاظ سے اور مضمون کے لحاظ سے۔ زمانے کو وہ چند حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا حصہ اُس وقت تک شمار کرتے ہیں۔ جب تک کہ محمد (صلعم) کی شہرت شروع نہیں ہوئی تھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "پیغمبر صاحب کے اُس زمانے کے حالات شاید یا تو عمر میں اُن سے چھوٹے یا اُن کے برابر ہیں اس واسطے پیغمبر صاحب کی ولادت سے پیشتر کے واقعات یا اُن کی طفولیت کے حالات کے باب میں اُن کی شہادت معتبر نہیں ہے اور اُن کی نوجوانی کے سوانح بھی اُن میں سے بہت کم اشخاص نے مشاہدہ کئے ہونگے"

بظاہر یہ بیان لوگوں کے خیال میں صحیح معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ سر ولیم میور نے سب سے اول یہ فرض کر لیا ہے جیسا کہ اُنھوں نے خود لکھا ہے کہ "روایت کی سب سے پہلے ترویج کا زمانہ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہوا تھا" مگر اس رائے کے برخلاف محکم ترین دلائل موجود ہیں۔ اور ثابت ہے کہ روایات کے بیان کرنے کی رسم جناب پیغمبر خدا کی حیات میں شروع ہوئی تھی۔ دوم یہ کہ صاحب موصوف نے اس بات کو ایک امر واقعی تسلیم کر لیا ہے کہ جملہ اصحاب اور وہ بھی جنھوں نے جناب پیغمبر خدا کی حیات میں وفات پائی تھی یا تو جناب پیغمبر خدا سے چھوٹے تھے یا اُنکے ہم عمر تھے یہ امر تاریخی واقعہ کے برخلاف ہے اور صحابہ بھی بہ لحاظ عمر کے اتنے تو ضرور ہی تھے کہ جناب پیغمبر خدا کی ولادت سے ذرا پیشتر کے واقعات اور نیز اُن کے بچپن اور جوانی کے حالات کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور نیز اُن کو صحیح صحیح یاد رکھ کر اوروں سے بے کم و کاست نقل کیا ہو اور ایسے ہی

لوگوں کے بیان کو ہم مستند قرار دیتے ہیں +

علاوہ اس کے کسی واقعہ کے صدق کی تحقیق کو محض گواہان معائنہ کی موجودگی پر موقوف رکھنا شہادت کے قواعد معینہ سے جن کو تمام شائستہ اور مہذب قوموں نے تسلیم کر لیا ہے۔ سراسر انحراف کرنا ہے۔ گواہان معائنہ کے سوا اور بھی چند امور ہیں جن کا عمل ایسا ہی مستحکم ہوتا ہے اور کسی واقعہ کے صدق یا کذب کو ضرور قائم کر دیتے ہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ ہر واقعہ جس کی نسبت کوئی معتبر گواہ معائنہ تصدیق کرے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا ہے اور صورت ثانی میں تواتر اور کثرت راویوں کی اس کی صحت کو بتلاتے ہیں۔ پس جناب پیغمبر خدا کے کسی زمانے کے واقعات کی تصدیق میں ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ ان مسلمہ قوانین کی شہادت کے بموجب جو انسان کے قوائے عقلی نے بدون لحاظ کسی مذہب کے رتب کئے ہیں گواہ کے بیان صدق کا امتحان کریں +

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "اگر کسی واقعہ کی جانب توجہ بالتخصیص مائل نہ ہو تو اس کی نسبت کامل اور ٹھیک بیان کی امید رکھنی بے فائدہ ہو گی اور بہت سے برسوں کے گذرنے کے بعد ایسے گواہ سے زیادہ سے زیادہ یہ توقع ہو سکتی ہے کہ واقعات قابل الذکر کا عام طور پر بیان کر دے" اس اصول کو صاحب موصوف جناب پیغمبر کی سوانح عمری کے اس زمانے تک جب کہ بقول ان کے جناب پیغمبر خدا ایک فریق کے سرگروہ ہو گئے نہایت شد و مد سے مستعمل کرتے ہیں اور اس کو اس زمانے کے پیشتر تک وسعت دیتے ہیں جب کہ بقول ان کے "آنحضرت نے علانیہ دعوئے نبوت کیا تھا اور شرک سے مخالفت کی تھی اور اہالیان مکہ سے کھلم کھلا لڑائی اختیار کی تھی" اور اس بیان

سے یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے اُن حالات کا ٹھیک ٹھیک
اور قرار واقعی دریافت ہونا جب تک کہ اُنھوں نے عام شہرت حاصل نہیں کی
تھی غیر ممکن ہے +

سر ولیم میور کے اس فرضی اصول کو جو اُنھوں نے اپنی ذہانت سے
اختراع کیا ہے ہم بلا وسواس مان لیتے اگر ہم اس تردد میں نہ ہوتے کہ اگر
یہ اصول مان لیا جاوے تو حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کی اُس سوانح عمری
کی نسبت جو اُن کی شہرت حاصل کرنے سے پیشتر وقوع میں آئی تھی کیا کیا
جاوے گا۔ کیا اُن کی نسبت بھی کامل اور ٹھیک ٹھیک بیان کی امید رکھنی
بے فائدہ ہوگی اور کیا ان حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت
ہونا غیر ممکن ہوگا +

ہم کو جناب پیغمبر خدا کے اُس زمانے کی سوانح عمری کی بہ نسبت حضرت
موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کے حالات قبل از پیدائش اور وقت پیدائش اور
اُن کے ایام طفولیت اور ایام جوانی کی سوانح عمری سے زیادہ غرض ہے
کیونکہ ہم جناب پیغمبر خدا کے کسی واقعہ ماقبل ولادت اور اُن کی کسی سوانح عمری
ایام طفولیت کو ایسا نہیں پاتے جس کی صحت پر آنحضرت کی نبوت کی صحت
کا مدار ہو ہم کو آنحضرت کے تمام حالات زندگی میں ایک امر بھی ایسا نہیں
دکھائی دیتا جس کی اصلیت آنحضرت کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کے کسی واقعہ کی
صحت پر موقوف ہو۔ مگر حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کے باب میں ایسا
نہیں ہے اُن دونو انبیاء علیہم السلام کی عمر کے تمام مشہور زمانے کی
اصلیت اُن کی عمر کے غیر مشہور زمانے کی صحت پر منحصر ہے۔ ہم کو کس طرح
اس امر کا یقین ہو سکتا ہے کہ وہ لا معلوم بچہ جس کو فرعون کی بیوی نے

دریائے نیل میں ایک صندوق میں بہتا ہوا پایا تھا عمران کا حقیقی بیٹا تھا جس کو کہ تمام دنیا حضرت موسےٰ کہتی ہے۔ اور ہم کو کس طرح اس بات کا یقین کلی ہو سکتا ہے کہ وہ بچہ جس کو ہم "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" اور عیسائی ابن اللہ کے خطابوں سے مخاطب کرتے ہیں اور جس کی نسبت یقین ہے کہ بن باپ کے پیدا ہوا تھا داؤد کی نسل میں سے تھا اور وہ وہی تھا۔ جس کو اب عیسےٰ مسیح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونو امر جو موسوی اور عیسوی مذہب کی بنیاد ہیں ایسے اسرار سے بھرے ہوئے ہیں جن کا ثابت کرنا ایسا محال اور ایسا غیر ممکن ہے جیسا کہ دنیا میں کسی چیز محال اور غیر ممکن کا ثابت کرنا ہے۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کے اصول مندرجہ بالا کو صحیح تسلیم کرلیں تو ہم کو اندیشہ ہے۔ کہ مبادا ہمارے مذہب کے حق میں مضر ہو کیونکہ ہم بھی حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔ چونکہ اس خیال سے ہمارا دل تھراتا ہے اسلئے ہم سے یہ امید ہرگز رکھنی نہیں چاہیئے کہ ہم ایسے ضرر رساں اصول کو منظور کریں +

ہم کو صرف اس زبانی بیان سے کہ سر ولیم میور کا اصول صحیح ہے تسکین نہیں ہوتی بلکہ ہم زیادہ بحث کر کے اس سقم کو دریافت کریں گے جس سے محمد رسول اللہ اور حضرت عیسےٰ اور حضرت موسےٰ کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات کو صحیح مانتے میں حیرانی ہوتی ہے +

یہ سقم جس کو ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں سر ولیم میور کے الفاظ "بہت سے برسوں کے گذرنے کے بعد" کے غیر مصرح ہونے سے واقع ہوا ہے۔ اور ایسا کلام شہادت کے مسلمہ قوانین کے برخلاف ہے ان کو بجائے ان الفاظ کے اس طرح کہنا چاہیئے تھا کہ "ایسے زمانے کے انقضا کے بعد

جو ایک جائز تحقیق اور نتیجے کی صحت کے احتمال غیر ممکن کر دے" لیکن جناب
پیغمبر خدا کے غیر مشہور زمانۂ حیات کو ابھی تو عرصہ نہیں گذرا تھا زمانہ رواج
روایت میں بہت سے آدمی زندہ موجود تھے جنہوں نے جناب پیغمبر خدا کی پیدایش
اُن کا بچپن اُن کا لڑکپن اور اُن کی نوجوانی دیکھی۔ اور گو بقول سر ولیم میور کے
وہ اُن کا حافظہ اور خیال پیغمبر صاحب کی زندگی کے حالات کو بالتخصیص ذہن
نشین کرنے میں مصروف نہ تھا تاہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ تمام چشم
دیدہ باتوں کو بھول گئے ہوں +

برخلاف اس کے جب کہ وہ ایک بے کس یتیم بچہ۔ ایک محض بے ثمر باشندہ
ایک ایسا شخص تھا جس کی نسبت تمام سکنائے مکہ میں سب سے کم یہ گمان ہو سکتا
تھا کہ اُن کے پڑوسیوں کی آنکھیں اُس کی طرف متوجہ ہوں" اور جب ایسا
غیر مشہور شخص ایسا عام چال چلن اختیار کرے جو اپنی نوعیت میں نہایت
جلیل القدر ہو اور جو اُس کے خاندان اُس کے ہمسایوں اور اُس کے ہموطنوں
پر بالعموم شاق ہو تو قیاس اس کا مقتضی ہے کہ ہر شخص جو اُس سے قرابت
رکھتا ہو تمام اُس کی زندگی کے غیر مشہور زمانے کے حالات اور خفیہ طرز معاشرت
کی تحقیقات چھان بین کرے گا۔ اور اُس کی خفیہ معاشرت کے پردہ کا اسی
طرح سے اُن واقعات سے مقابلہ کرے گا جو اُن سب کے روبرو واقع
ہوئے ہیں اور جن کی نسبت وہ سب معائنہ کے گواہ ہوں +

سر ولیم میور آگے چل کر بیان کرتے ہیں کہ "ضرور یہ نتیجہ پیدا ہوتا
ہے کہ جملہ صورتوں میں جن پر کوئی قاعدہ منجملہ قواعد متذکرہ صدر کے مؤثر
ہوتا ہو صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی اور عیسائیوں کے لئے
فن تحقیق اور تدقیق کے اسی قسم کے قانون کا اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ ہر

روایت جس کی ابتدا واقعات مرویہ کے درحقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب
اندازہ صراحت بیان کے بیہودہ ہے۔ اس سے ہمارا (یعنے عیسائیوں کا)
بیہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے پیچھا چھوٹ جاوے گا جن میں کہ
گندھے ہوئے بیان اور منجھے ہوئے کلام کی جزوی علامات نقلی کل کی
تازگی کے ساتھ موجود ہیں ؂

جب کہ ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سر ولیم میور کے مذکورہ بالا قواعد شہادت کے
اصول مسلمہ کی رو سے سراسر غلط ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ جو نتیجہ اُن
قواعد سے مستنبط کیا ہے کہ "وہ صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی"
وہ بھی غلط ہے اور جناب پیغمبر خدا کی زندگی کے زمانہ غیر مشہور پر ٹھیک
ٹھیک صادق نہیں آتا ہے۔ اُن کا یہ بیان کہ "ہر روایت جس کی ابتدا ء
واقعات مرویہ کے درحقیقت ہم عصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان
کے بیہودہ ہے" قانون شہادت کے خلاف ہے۔ اگر وہ اس طرح پر کہتے
کہ "وہ روایت جس کا راوی۔ نہ یہ کہ جس کی ابتداے روایت واقعات مرویہ
کے درحقیقت ہم عصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان بیہودہ ہے۔
تو گنجائش تھی ؂

وہ نتیجہ جو سر ولیم میور نے عیسائیوں کے فن تحقیق و تدقیق کے
قانون کو روایات اسلام پر مستعمل کرنے سے حاصل کیا ہے یہ ہے کہ "بیہودہ
قصوں کی ایک تعداد کثیر سے اُن کا پیچھا چھوٹ جاوے گا جن میں کہ
گندھے ہوئے بیان اور منجھے ہوئے کلام کی علامتیں نقلی کل کی تازگی
کے ساتھ موجود ہیں" لیکن ہم کو اس بات کے کہنے سے نہایت افسوس
ہوتا ہے کہ صاحب موصوف نے اس استنباط میں بھی غلطی کی ہے۔

کیونکہ یہ استنباط بھی شہادت کے مسلمہ قوانین کے سراسر خلاف ہے جب کبھی کوئی ایسی روایت بیان کی جاتی ہے جس میں کہ تمام جزوی علامتیں کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہوں اور جو امتداد زمانے کی وجہ سے غیرممکن معلوم ہوتی ہیں تو اس بناء پر جو شبہ پیدا ہوتا ہے راوی کی نسبت ہوتا ہے کہ اس کو کیونکر یہ تفصیل یاد رہی نہ مضمون روایت کی نسبت کیونکہ اس کا صحیح ہونا حیزامکان سے خارج نہیں ہے۔ اور اس لئے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جامعین روایات کو قواعد منضبطہ کے بموجب راوی کا چال چلن ہر طرح بے لوث ثابت ہو جاوے اور اسکے حافظے پر اعتماد ہو اور ان واقعات کے یاد رہنے کا بھی امکان ہو تب مضمون روایت کو بھی صحیح تسلیم کرنے میں کچھ شک وشبہ نہیں رہتا۔

اس کے بعد سر ولیم میور دوسرے "زمانے کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنے "وہ جداگانہ حصہ زمانے کا جو محمد (صلعم) کے مشہور حصہ عمر اور فتح مکہ کے مابین حائل ہوتا ہے"۔ ان کے کل بیان کا لب لباب یہ ہے کہ ہم ان روایات کو معتبر تسلیم نہیں کرسکتے جن میں "بناوٹ کے افعال" "بے بنیاد اتہامات" اور مبالغہ آمیز الزامات جو محمد (صلعم) کے مخالفوں کی طرف عائد ہوتے ہیں منقول ہیں کیونکہ تمام کفار نے جو مکہ کے رہنے والے خواہ مدینے کے رہنے والے تھے سب نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور تمام یہودی عیسائی اور مشرکین نکال دئے گئے تھے اور اب کوئی ایسا شخص وہاں نہ رہا تھا۔ جو ایک طرفہ بیان کی تردید کرتا اور چونکہ خود محمد (صلعم) کفار پر لعنت کیا کرتے تھے۔ تو کب ممکن تھا کہ کسی مسلمان کو ان کی حمایت کی جرات ہوتی اور اسی وجہ سے "اہل روایت بھی

کفار سے نفرت کرتے تھے" اور مورخین ہمیشہ "اس شہادت کی طرز پر جو اُن کے خلاف ہوتی تھی آنکھ لگائے رہتے تھے ۞

بغیر اس کے کہ ہم اس مقام پر بیان کو طول دیں یا یہ کہیں کہ صاحب موصوف کا یہی قول اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین پر بھی صادق آتا ہے خصوصاً اُس زمانے پر جب کہ حضرت موسےٰ نے نہایت بیرحم لڑائیوں کے بعد تمام کفار کو نیست و نابود کر دیا تھا اور جب کہ قسطنطین اعظم کے زور سے تمام لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ مگر، ہم اس امر کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی منصفانہ راے پر چھوڑتے ہیں۔ اور یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ نیکی۔ ایمان داری اور صداقت کے کل آثار یعنے قانون قدرت کے وہ بیش بہا جوہر جو انسان کے قواے خلاقی کا مادہ ہیں لاکھوں ذی فہم اشخاص کے سینوں سے یک لخت محو ہو گئے ہوں اور وہ سب یک دل یک زباں ہو کر بدترین افعال کی طرف مائل ہوئے ہوں۔ یعنے دروغ گوئی اور واقعات کی غلط بیانی کی طرف جو اُن سب کے روبرو واقع ہوئے ہوں اور جن کو اُن سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہو۔ یہی امر یعنے اُن واقعات کے گواہان معائنہ کی تعداد کا ہزاروں اور لاکھوں کو پہنچنا اُن واقعات کے غلط بیانی کے عدم امکان پر دلالت کرتا ہے ۞

ذاتی میلان پر غور کرنے کے وقت سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "راوی کی اس ہوس نے محمد صاحب کی صحبت میں بار پاوے" کیونکہ اُن کے نام کے ساتھ "شرافت و حرمت مربوط تھی اور اُن کی دوستی حصول مدارج اور عزت کی باعث تھی" اور اس ہوس نے کہ "محمد صاحب کے کسی فرضی الہام یا معجزے سے علاقہ قریبہ حاصل کرے "کس واسطے کہ "وحی میں مذکور ہوا

سب سے بڑی ممکن الحصول عزت شمار کی جاتی تھی خلاف فطرت واقعات
کے اختراع یا مبالغے پر، جرأت بڑھائی اور روایات کے مبالغہ غلط بیانی
اور نیز ایجاد کی باعث ہوئی +

جب کوئی مصنف ایسے میلان رائے اور تعصب کی وجہ سے بالکل طرفدار
بن جائے۔ تو اس میں کچھ چارہ نہیں۔ یہ کس طرح پر خیال میں آسکتا ہے کسی
مذہب کے ابتدائی زمانے کے معتقدین جو اپنے مذہب پر سچا اعتقاد رکھتے
ہوں اور جن کے دلوں کے مخفی سے مخفی کونوں میں بھی یہ اعتقاد ہو کہ
پیغمبر خدا کی سنت کا اتباع ہماری نجات کا یقینی اور محفوظ رستہ ہے اور
اُن کے احکام سے سرتابی کرنا ضلالت ابدی کا موجب ہے یہ کس طرح ممکن
ہے کہ ایسے پاک اور پرہیزگار آدمی سب کے سب اپنے نبی کے فرمانے کو بالائے
طاق رکھ کر اور اپنی مقدس کتاب کے احکام اور نصائح سے آنکھ بند کر کے
دروغ گوئی۔ فریب دہی۔ اور ریاکاری میں یک لخت مبتلا ہو گئے ہوں خلاصہ
یہ ہے کہ ہر طرح کی بداعمالیاں اور گناہ اُن سے سرزد ہوئے ہوں۔ بطور
مثال کے کسی مذہب کو لو۔ ہندو مذہب کو۔ بدھ مذہب کو۔ دیگر مشرکین مذہب
کو۔ یہودی مذہب کو۔ عیسوی مذہب کو۔ معہ اس کے بہت سے فرقوں کیتھلک
پروٹسٹنٹ۔ یونی ٹیرین۔ ٹرنیٹیرین۔ ویزولینز۔ بپٹسٹ۔ جمپرز۔ مورمنز
وغیرہ کو تو تم ان میں سے ہر مذہب کے ابتدائی زمانے کے معتقدین میں
نیکی۔ صداقت۔ ایمان داری۔ راستبازی۔ سرگرمی۔ راسخ الاعتقادی۔
اور جاں نثاری کی بو پاؤ گے اور اپنے نبی کے احکامات اور اپنے مذہب کے
قوانین سے انحراف کرنے کے خیال ہی سے اُن کو خائف اور ہراساں
پاؤ گے۔ ہم کو اپنے بیان کی تائید اور تصدیق کے لئے منجملہ ہزاروں مثالوں

کے صرف ایک ہی مثال کافی ہوگی اور وہ یہ ہے کہ جب کہ زید ابن ثابت
سے حضرت ابوبکر نے قرآن کے اجزاے منتشرہ کو ایک جگہ جمع کرنے
کا ارشاد کیا تو کچھ عرصے تک زید ابن ثابت خوف کے مارے عالم سکوت
میں رہے اور پھر جب ہوش و حواس درست ہوئے تو حضرت ابوبکر سے
خوف اور غصہ اور بے صبری کے ملے ہوئے جوش سے استفسار کیا۔ کہ
ایسے کام کرنے کی جو خود پیغمبر خدا کی موجودگی میں نہیں کیا گیا آپ کیونکر
جسارت کرتے ہیں۔ پھر یہ کس طرح ذہن میں آسکتا ہے کہ اُن لوگوں
نے جو پیغمبر خدا سے اس قدر خوف اور اُن کی اس قدر تعظیم کرتے تھے۔
اور جو بجز صداقت کے اور کسی چیز کو نہیں جانتے تھے نعوذ ایسی
برائیوں کے اختیار کرنے میں اپنے آپ کو ذلیل اور خوار کر دیا ہو اور ایسے
گناہ عظیم اُن سے سرزد ہوئے ہوں ؂

اسی طرح کی متعصبانہ طبیعت سے سر ولیم میور آگے چل کر یہ بیان
کرتے ہیں کہ "ہم اس باب میں غیر مشتبہ شہادت رکھتے ہیں کہ رعایت
اور جانب داری نے روایت پر ایک گہرا اور مستقل نقش کر دیا" اسکے
بعد صاحب موصوف روایات موضوعہ کے رواج کے بہت سے اسباب
کے ضمن میں یہ کہتے ہیں۔ کہ "قومی میلان عموماً تمام اسلام میں پھیلا ہوا
ہے اس وجہ سے زیادہ مضر ہے۔" اسی طرح " محمد صاحب کی توقیر اور انکو
عجیب و غریب اوصاف سے متصف کرنے کی خواہش " سر ولیم میور
کے نزدیک تمام قصوں کی ابتدا آنحضرت ہی سے ہوئی تھی۔ کیونکہ سر ولیم
میور بموجب اپنے اعتقاد کے ذرا بھی شک نہیں رکھتے کہ "اصلی
واقعات ایک وہم ناک خیال کی رنگ آمیزی سے اس طرح آراستہ

یا مبدل ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد سر ولیم کہتے ہیں کہ " محمد صاحب کی توقیر کی ایسی عام خواہش کی طرف اُن مسلم معجزات کو بھی منسوب کرنا چاہئے جن سے کہ اُن کی سب سے ابتدائی تاریخیں بھی مملو ہیں " اس کے بعد سر ولیم میور نے اپنی بے انتہا خفگی اُن یہودی اور عیسائی عالموں پر ظاہر کی ہے جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی بشارات کا ذکر کیا ہے۔ سر ولیم میور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کو بھی موضوع اور بے اصل اس وجہ سے بتلاتے ہیں کہ " پیغمبر صاحب اسلام کو حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں خیال کرنے کی خواہش اور شاید ثابت کرنے کی کوشش اُن کی حیات ہی میں شروع ہوئی تھی " بعد اس کے وہ کہتے ہیں کہ " دلیل خلف سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے یعنے وہ روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی اور مسلم تھیں اس لئے کہ اوائل اسلام میں مشہور تھیں عموماً بے اعتبار یا بالکل خارج ہو گئیں کیونکہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی " پھر وہ کہتے ہیں کہ " اس معاملے میں حالت کی وجہ سے اس مقام کو اس قدر کامل طور سے ثابت کرنا جیسا کہ مقامات گزشتہ کو ثابت کیا گیا غیر ممکن ہے کیونکہ اب ہم کو اُن روایتوں کا جو اوائل میں ترک کر دی گئی تھیں کچھ پتا نہیں معلوم ہوتا "

یہ خلاصہ ہے سر ولیم کے ایک طول طویل بیان کا جس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی محققانہ تحریر نہیں ہے بلکہ ایک مخالف مذہب کی تحریر ہے اور ایسے طرز میں لکھی گئی ہے جو ایک متعصب مخالف کے مناسب اور موزوں ہے جو اپنے بیانات اور اپنی زبان اور جائز تحقیق کی رعایت میں محتاط نہیں ہے اور جو اپنے مذہب کے سوا اور مذاہب کی باتوں پر اور بالخصوص اُس

مذہب کی باتوں پر جس سے اس کے مذہب کو کسی نہ کسی طرح پر مضرت پہنچی ہو نہایت حقارت اور بے اصل شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اگر ہم سے ایسے بے موقع اور غیر معتدل بیانات کی نظیر طلب کی جاوے تو ہم اُن سخت اور کفر آمیز کلمات کا حوالہ دیں جو یہودی حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور اُن کے مذہب کے بارے میں استعمال کیا کرتے تھے ٭

سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ " روائتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی تھیں کیونکہ اوائل اسلام میں مشہور تھیں عموماً بے اعتبار یا کل خارج ہو گئیں کیونکہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدے کی تائید معلوم ہوئی ٭

مگر یہ کیسا غلط بیان ہے اور یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس امر کو وہ خود اس قدر اعتماد اور گھمنڈ کے ساتھ صاف نہایت اور بے لاگ زبان میں بیان کرتے ہیں گویا کہ وہ درحقیقت ایک مسلم تاریخی واقعہ ہے اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں رکھتا ہے اُس کی نسبت کوئی سند نہیں پیش کرتے ہیں بلکہ ہم نہایت دل جمعی سے اس معاملے کو محض یہ کہہ کر رفتنا گذشتنا کرتے ہیں کہ " اس معاملے کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو اس قدر کامل طور سے ثابت کرنا... غیر ممکن ہے کیونکہ اب ہم کو اُن روایتوں کا جو اوائل میں ترک کر دی گئی تھیں کچھ پتہ معلوم نہیں ہوتا۔" کیا اس طرح پر دلیل لانا ایک تعصب کا اثر نہیں ہے ؛ معہذا سر ولیم میور کا یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمام اتہامات اور تحقیر کے الفاظ جو مشرکین اور یہود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے مسلمانوں کی کتابوں میں بلکہ قرآن مجید میں بھی بیان ہوئے ہیں اور کوئی بات نہ خارج کی گئی ہے اور نہ مخفی کی گئی۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی روایات میں اختلافات

واقع ہوئے تھے ہم تسلیم کرتے ہیں مگر ہم اُن کے اس تہتک آمیز اسباب
کی طرف منسوب ہونے سے جو سر ولیم میور صاحب نے بیان کئے ہیں
اعتماد کے ساتھ انکار کرتے ہیں کیونکہ اختلافات محض اُن وجہوں سے
عارض ہوئے جن کا ہم ذکر کرچکے ہیں +

ہم کو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ عیسائی مصنفوں نے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم پر صرف غلط اور بیجا اتہامات ہی نہیں لگائے ہیں بلکہ
بدون کسی وجہ کے اپنے دل میں یہ سمجھ کر خوش ہوئے ہیں کہ ہمارے پیغمبر
کے نام پاک پر انہوں نے دھبہ ثابت کیا ہے کچھ بھی تعجب اور ملال نہیں
ہوا ہے کیونکہ بے اصل بات کچھ بھی تعجب اور ملال کے لائق نہیں ہوتی۔
مگر ان بے اصل خیالات کی بناء اے اسپرنگر ایم ڈی سے معلوم ہوتی ہے
جنہوں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک جرنل تصنیف ایک رسالے
میں اور بعد ازاں اپنی کتاب بائی اوگرفی آف محمدؐ میں اس مضمون پر بحث
کی تھی۔ سر ولیم میور کی عمدہ خصلت اور لیاقتوں کی قدر سے جو ہمارے دل
میں تھی اور اُن کی بہت بڑی مہارت مشرقی علم ادب کی وجہ سے ہم کو قوی
امید ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر اسپرنگر کے طرفہ بیانات اور الزامات کی کماحقہ
موشگافی کریں گے اور ایک سنجیدہ تحقیقات اور منصفانہ راے رسول
عرب کی معصومیت کی حمایت کریں گے مگر افسوس کہ وہ امید کبھی بے اثر
نکلی +

ڈاکٹر اسپرنگر سورہ "و و النجم" کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔کہ
محمد صاحب نے قریش کے بتوں اور معبودوں کی نہایت تعریف کی اور اُن
کو تسلیم کر لیا۔ اور جب کہ وہ سجدہ میں گئے قریش نے بھی سجدہ کرنے میں

اُن کا اتباع کیا۔ اس تمام قصے کی صحت کو وہ مصنف مواہب لدنیہ کے حوالہ پر مبنی کرتے ہیں +

سر ولیم میور اس مضمون پر یوں بحث کرتے ہیں کہ بظاہر ایک خوب معتبر قصہ موجود ہے جس سے محمدؐ صاحب کا کفار مکہ کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیان کو واقدی اور طبری کے بیان پر مبنی کرتے ہیں اور خاص کر ایک دل چسپ عبارت جو اس قصے کی اسناد کی تشریح میں مصنف مواہب لدنیہ نے لکھی ہے۔ جو اعتراضات و شکوک انکو اسلام کے ضرر اور فساد عقیدے کے خوف کی طرف منسوب کرتا ہے +

مصنف مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب میں اس مضمون پر تمام مختلف روایتوں اور علماء کی رایوں کو لکھ دیا ہے اور اس لیے ہم اس مقام پر اس کتاب کا ترجمہ نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں اور ہم اسی کے ساتھ اسکی کامل تشریح بھی کریں گے اور اس غرض سے کہ مطلب سمجھنے میں آسانی ہو مواہب لدنیہ کی عبارت کو جداگانہ دفعات میں منقسم کرتے ہیں +

وقدم نفر من المهاجرة الحبشة حين قرء عليه السلام والنجم اذا هوى حتى بلغ افرايتم اللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى القى الشيطان فى امنيتهم اى فى تلاوته تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى فلما ختم السورة سجد صلى الله عليه وسلم وسجد معه المشركون لتوهمهم انه ذكر الهتهم بخير وفشى ذلك بالناس واظهره الشيطان حتى بلغ ارض الحبشة ومن بها من المسلمين عثمان ابن مظعون واصحابه وتحدثوا ان اهل المكة قد اسلموا كلهم وصلوا معه صلى الله عليه وسلم

ووفد من المسلمين بمكة فاقبلوا سراعًا من الحبشة ۔

اول چند لوگ حبش کے ہجرت کرنے والوں میں سے آئے جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ”والنجم اذا ھوی“ (قسم ہے ستارے کی جب نیچے کو آتا ہے) یہاں تک کہ جب آنحضرت اس آیت پر پہنچے ”افرأیتم اللّٰت والعزی ومنات الثالثۃ الاخری (کیا تم نے دیکھا لات اور عزے کو اور پھر منات کو جو تیسرا ہے) تو شیطان نے ان کی تلاوت میں یہ الفاظ ڈال دئے (تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی“ (یہ بڑے بت ہیں اور ان کی شفاعت کی امید ہے) پس جب آنحضرت نے سورہ ختم کی تو سجدہ کیا۔ مشرکوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا کیونکہ اُن کو یہ گمان ہوا کہ رسول اللہ نے اُن کے خداؤں کو بھی بھلائی سے یاد کیا۔ اور یہ بات لوگوں میں پھیل گئی اور شیطان نے اُس کو مشہور کیا۔ یہاں تک کہ ملک حبش میں اور اُن مسلمانوں میں جو وہاں تھے یعنے عثمان بن مظعون اور اُن کے ساتھیوں میں یہ خبر عام ہوئی۔ اُن لوگوں نے آپس میں گفتگو کی کہ مکہ کے سب لوگ اسلام لائے اور آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھی اور مسلمانوں کو مکے میں امن ہوگیا۔ وہ لوگ بڑی تیزی سے حبش سے روانہ ہوئے ۔

ولما تبین المشرکین عدم ذلك رجعوا الی اشد ما کانوا علیہ ۔

دوم۔ اور جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے تو پہلے سے زیادہ سختی پر مائل ہوتے ۔

وقد تکلم القاضی عیاض رضی اللہ عنہ فی الشفاء علیٰ ھذہ القصۃ

وتوهين اصلها بما يشفي ويكفي لكن تعقب في بعضه كما سياتي +

سوم ۔ قاضی عیاض نے ،، شفا میں اس قصے پر اور اس کی اصل کے سست ہونے پر کافی وشافی گفتگو کی ہے۔ لیکن اس کے بعض حصوں پر گرفت کی گئی ہے۔ جیسا کہ آتا ہے +

وقال الامام فخرالدين الرازي مما لخصته من تفسيره هذه القصة باطلة وموضوعة لا يجوز القول بها قال الله تعالى وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى وقال الله تعالى سنقرئك فلا تنسى +

چہارم ۔ امام فخرالدین رازی نے کہا ہے ۔ جیسا کہ میں نے ان کی تفسیر کا ملخص سمجھا ہے کہ یہ قصہ جھوٹ ہے اور گڑھا ہوا ہے۔ اس کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ خدا نے کہا ہے کہ ،، آنحضرت اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے۔ وہ نہیں ہے مگر وحی جو کہ وحی بھیجی گئی ،، اور خدا نے کہا ،، ہم تم کو پڑھا دیں گے سو تم نہ بھولو گے،، +

وقال البيهقي هذه غير ثابتة من جهة النقل ثم اخذ يتكلم ان رواة هذه القصة مطعونون +

پنجم ۔ بیہقی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے روایت کی رو سے۔ پھر بیہقی نے اس بات پر گفتگو کی ہے کہ اس قصے کے راوی مطعون ہیں +

وايضاً فقد روى البخاري في صحيحه انه عليه السلام قرأ سورة النجم وسجد معه المسلمون والمشركون والانس والجن وليس فيه حديث الغرانيق بل روى هذا الحديث من طرق كثيرة وليس فيها البتة حديث الغرانيق +

ششم ۔ نیز بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی اور ان کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور آدمی اور جن نے

سجدہ کیا۔ اس روایت میں غرانیق کی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے مگر کسی میں غرانیق کی حدیث مذکور نہیں ہے ✦

ولا شک ان من جوز علی الرسول تعظیم الاوثان فقد کفر لان من المعلوم بالضرورۃ ان اعظم سعیہ کان فی نفی الاوثان ولو جوزنا ذلک ارتفع الامان عن شرعہ وجوزنا فی کل واحد من الاحکام والشرائع ان یکون کذلک ویبطل قولہ تعالی یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ فانہ لا فرق فی العقل بین النقصان فی الوحی والزیادۃ فیہ فبہذہ الوجوہ عرفنا علی سبیل الاجمال ان ہذہ القصۃ من وضع الزنادقۃ لا اصل لہا انتہی ✦

ہفتم۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو شخص اس بات کو جائز رکھے کہ رسول اللہ نے بتوں کی تعظیم کی تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ تو بداہتہً معلوم ہے کہ آنحضرت کی بڑی کوشش بتوں کا مٹانا تھا۔ اور اگر ہم اس بات کو جائز رکھیں تو شریعت پر کچھ اعتبار نہ رہے گا۔ اور ہم کو کل احکام و شریعتوں میں ایسا ہی جائز خیال کرنا لازم آئے گا۔ اور خدا کا یہ قول باطل ہو جائے گا کہ " اے رسول خدا کی طرف سے جو تجھ پر اتارا گیا ہے اُس کو لوگوں کو پہنچا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا " کیونکہ کام کے اعتبار سے وحی کے گھٹانے میں اور زیادہ کر دینے میں کچھ فرق نہیں ہے پس ان دلیلوں سے ہم نے مجملاً جان لیا کہ یہ قصہ گھڑا ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کے موضوعات سے ہے جس کی کچھ اصل نہیں ہے ✦

لیس کذلک بل لہا اصل فقد اخرجہا ابن ابی حاتم والطبری وابن المنذر من طرق عن شعبۃ عن ابی بشر عن سعید بن

جبیر وکذا ابن مردویہ والبزار وابن اسحاق فی السیرۃ وموسی ابن عقبۃ فی المغازی و
ابومعشر فی السیرۃ کما نبہ علیہ الحافظ عماد الدین ابن
کثیر وغیرہ +

ہشتم - اور ایسا نہیں ہے بلکہ اُس کی ایک اصل ہے - کیونکہ اُس کو روایت
کیا ہے ابن ابی حاتم وطبری وابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے
اُنھوں نے ابو بشر سے اُنھوں نے سعید ابن جبیر سے اور اسی طرح ابن مردویہ
اور بزاز اور ابن اسحٰق نے سیرت میں اور موسے ابن عقبہ نے مغازی میں
اور معشر نے سیرت میں جیسا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ نے بیان
کیا ہے +

لکن قال ان طرقھا کلھا موسلۃ وانہ لم یرھا مسندۃ عن وجہ صحیح وھذا متعقب بما سیاتی +

نہم - لیکن کہا ہے کہ اُس کے سب طریقے مرسل ہیں اور یہ کہ وہ صحیح طور سے مستند نہیں کی گئی ہے - اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے - جیسا کہ آگے آتا ہے +

کذا انبہ علی ثبوت اصلھا شیخ الاسلام والحافظ ابو الفضل
العسقلانی فقال اخرج ابن ابی حاتم والطبری وابن المنذر
من طرق عن شعبۃ عن ابی بشر عن سعید ابن جبیر قال قرأ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ والنجم فلما بلغ افرأیتم
اللات والعزی ومنات الثالثۃ الاخری القی الشیطان علی
لسانہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی فقال المشرکون
ما ذکر آلھتنا بخیر قبل الیوم فسجد وسجدوا فنزلت ھذہ

الا به وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته الآیہ ۔

دہم ۔ اور اسی طرح اس کے اصل کے ثابت ہونے پر شیخ الاسلام اور حافظ ابو الفضل عسقلانی نے تنبیہ کی ہے سو کہا کہ روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور طبری اور ابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے انہوں نے ابو بشر سے انہوں نے سعید بن جبیر سے کہا انہوں نے پڑھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکے میں "والنجم" کو پس جب پہنچے اس آیت پر " افرأیتم اللات والعزی ومنات الثالثۃ الاخری " شیطان نے آنحضرت کی زبان پر یہ الفاظ ڈال دیئے " تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی " پس کہا مشرکوں نے آج سے پہلے کبھی محمد نے ہمارے خداؤں کو بھلائی سے یاد نہیں کیا تھا۔ پھر آنحضرت نے سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا پس یہ آیت اتری وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته اخیر آیت تک ۔

واخرجه البزار وابن مردویه من طریق امیة بن خالد عن شعبة فقال فی اسناده عن سعید بن جبیر عن ابن عباس فیما احسب ثم ساق الحدیث وقال البزار لا یروی متصلا الا بهذا الاسناد تفرد بوصله امیة بن خالد وهو ثقة مشهور ۔

یازدہم ۔ اور روایت کیا ہے اس کو بزار نے اور ابن مردویہ نے امیہ بن خالد کی روایت سے امیہ نے شعبہ سے ۔ پس کہا کہ اس کی اسناد جہاں تک میں جانتا ہوں سعید ابن جبیر کی روایت ابن عباس سے ہے " پھر حدیث بیان کرنے لگے اور بزار نے کہا ۔ یہ حدیث اتصال کے ساتھ صرف اسی اسناد

سے مروی ہے اس کے وصل کرنے میں امیہ بن خالد متفرد ہے اور وہ مشہور ثقہ ہے +

وقال انما یروی ھذا من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس انتھی والکلبی متروک لا یعتمد علیہ +

دوازدہم - اور کہا کہ یہ روایت کی گئی ہے کلبی کے طریقے سے اس نے ابو صالح سے اس نے ابن عباس سے انتھے - اور کلبی چھوڑ دیا گیا ہے اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا +

وکذا اخرجہ النحاس بسند آخر فیہ الواقدی وذکرھا ابن اسحاق فی السیرۃ مطولا واسندہ عن محمد بن کعب وکذلک ابن عقبۃ فی المغازی عن ابن شھاب عن الزھری وکذا ابو معشر فی سیرۃ لہ عن محمد بن کعب القرظی ومحمد بن قیس واوردہ من طریقۃ الطبری اورد ابن ابی حاتم من طریق اسباط عن السدی ورواہ ابن مردویہ من طریق عباد ابن صھیب عن یحیی بن کثیر عن الکلبی عن ابی صالح وعن ابی بکر الھذلی وایوب عن عکرمۃ وسلیمان التیمی عن من حدثہ ثلاثتھم عن ابن عباس واوردھا الطبری من طریق العوفی عن ابن عباس ومعناھم کلھم فی ذلک واحد وکلھا سوی طریق سعید بن جبیر اما ضعیف واما منقطع لکن کثرۃ الطرق تدل علی ان للقصۃ اصلا +

سیزدہم - اور اسی طرح اس کو نحاس نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جس میں واقدی ہے اور اس کو ابن اسحاق نے کتاب سیرت میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اس کو محمد بن کعب سے اسناد کیا ہے اور اسی طرح

ابن عقبہ نے مغازی میں ابن شہاب سے اُس نے زہری سے اور اسی طرح ابو معشر نے سیرت میں محمد بن کعب قرظی کے طریقہ سے و محمد بن قیس کے طریقہ سے اور طبری اُسی کے طریقے سے لایا ہے۔ اور ابن ابی حاتم لایا ہے اسباط کے طریقے سے وہ سدی سے۔ اور ابن مردویہ نے اُس کو روایت کیا ہے طریقہ عباد بن صہیب سے وہ یحیےٰ ابن کثیر سے وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور ابو بکر ہذلی سے اور ایوب سے وہ عکرمہ سے اور سلیمان تیمی نے اُن تین شخصوں سے جنھوں نے ابن عباس سے روایت کیا۔ اور طبری اُس کو عوفی کے طریق سے لایا ہے اور وہ ابن عباس سے۔ اور سب کا مطلب ایک ہی ہے اور وہ سب طریقے سوائے سعید ابن جبیر کے طریقے کے یا ضعیف ہیں یا منقطع ہیں۔ لیکن بہت سے طریقوں کا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قصے کی کچھ اصل ہے۔

مع ان لها طريقين آخرين مرسلين رجالهما على شرط الصحيح احدهما ما اخرجه الطبري من طريق يونس ابن يزيد عن ابن شهاب حدثني ابو بكر ابن عبد الرحمن بن الحرث عن ابن هشام فذكر نحوه والثاني ما اخرجه ايضاً من طريق المعتمر ابن سليمان وحماد ابن سلمة كلاهما عن داؤد ابن ابي هند عن ابي العاليه۔

چہار دہم۔ باوجود اس کے کہ اُس کے دو طریقے ہیں جو مرسل ہیں۔ اور اُن کے راوی صحیح کی شرط کے موافق ہیں۔ ایک تو وہ جس کو طبری نے روایت کیا ہے یونس بن یزید کے طریقے سے یونس ابن شہاب سے کہ حدیث بیان کی مجھ سے ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحرث نے بن ہشام سے پس اُسی طرح ذکر کیا اور دوسرے وہ جس کو طبری نے روایت کیا معتمر بن سلیمان

کے طریقے سے اور حماد بن سلمہ کے طریقے سے دونوں نے داؤد بن ابی ہند سے داؤد نے عالیہ سے ۔

قال الحافظ ابن حجر وقد تجوز ابن العربی کعادتہ فقال ذکر الطبری فی ذلک روایات کثیرۃ لا اصل لہا وھو اطلاق مردود علیہ وکذا قول القاضی عیاض ھذا الحدیث لم یخرجہ اہل الصحۃ ولا رواہ ثقۃ بسند سلیم متصل مع ضعف نقلتہ واضطراب روایاتہ وانقطاع اسانیدہ وکذا قولہ ومن حکیت عنہ ھذہ القصۃ من التابعین والمفسرین لم یسندھا احد منہم ولا رفعہا الی صاحب واکثر الطرق عنہم فی ذلک ضعیفۃ واھیۃ ۔

پانزدہم ۔ کہا حافظ ابن حجر نے جرأت کی ابن العربی نے اپنی عادت کے موافق پس کہا کہ "ذکر کیا طبری نے اس باب میں بہت سی روایتوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے" اور یہ مطلقاً حکم لگانا رد کیا گیا ہے اور اسی طرح قاضی عیاض کا قول کہ "اس حدیث کو صحت والوں نے نہیں روایت کیا۔ اس کے ساتھ اس کی نقل کرنے والے ضعیف ہیں اور اس کی روایتوں میں اضطراب ہے اور اس کی سندیں منقطع ہیں" اور اسی طرح قاضی عیاض کا یہ قول کہ تابعین و مفسرین میں سے جن سے اس قصے کی حکایت کی گئی ہے کسی نے اس کو سند کے ساتھ نہیں بیان کیا اور نہ کسی نے اس کو کسی صاحب کی طرف مرفوع کیا اور اکثر طریقے جو اُن سے مروی ہیں ضعیف اور واہی ہیں ۔

قال وقد بین البزار انہ لا یعرف من طریق یجوز ذکرہ الا طریق ابی بشر عن سعید ابن جبیر مع الشک الذی وقع فی وصلہ واما

الکلبی فلا یجوز الروایۃ عنہ لقوۃ ضعفہ ثم ردہ من طریق النظر بان ذلک لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم قال ولم ینقل ذلک انتہی +

شارح وہم نے کہا کہ بزار نے بتادیا کہ یہ حدیث کسی ایسے طریقے سے مروی نہیں ہے جس کا ذکر کرنا جائز ہو بجز اس طریقے کے جو ابوالبشر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ لیکن بااینہمہ اُس کے وصل میں شک واقع ہوا ہے۔ لیکن کلبی سے پس اُس سے روایت کرنی جائز نہیں ہے بوجہ اُس کے ضعف کے پھر اُس حدیث کو عقلاً رد کیا ہے کہ اگر یہ واقع ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہوجاتے۔ حالانکہ یہ کہیں منقول نہیں۔ انتہے +

وجمیع ذلک لایتمشی علے القواعد فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجہا دل ذلک علے ان لہا اصلا وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانید منہا علے شرط الصحیح وہی مراسیل یحتج بمثلہا من یحتج بالمرسل وکذا من لا یحتج بہ لاعتضاد بعضہا ببعض۔ (مواہب) +

مفتنہ ہم اور یہ سب باتیں قواعد حدیث کے مطابق نہیں چل سکتیں کیونکہ جب حدیث کے بہت سے طریقے ہوں اور اُن کے مخرج جداگانہ ہوں۔ تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ اُس کی کچھ اصل ضرور ہے۔ اور ہم نے بیان کیا کہ تین سندیں اُن میں سے صحیح کی شرط کے موافق ہیں۔ اور وہ مرسل ہیں ان کی مثل سے دلیل لاتے ہیں۔ وہ لوگ جو مرسل سے دلیل لاتے ہیں اور اسی طرح وہ لوگ بھی جو مرسل سے نہیں دلیل لاتے۔ کیونکہ بعض طریقے کو بعض سے تقویت ہوتی ہے +

اس قصے کی نسبت مصنف مواہب لدنیہ نے جو طول طویل بیان کیا ہے وہ اس مقام پر ختم ہوتا ہے۔ مگر مصنف مواہب لدنیہ نے اخیر کو جو یہ

بات بیان کی گئی کہ اس روایت کے متعدد و مخرج ہونے سے اس بات کی دلیل ہو سکتی
ہے کہ اُس کی کچھ اصلیت ہے اور تابعین سندیں جن کا سلسلہ آنحضرت تک
نہیں پہنچا صحیح تصور کرنے کے لائق ہیں اور جو لوگ کہ ایسی روایتوں کو جنکا
سلسلہ آنحضرت تک نہ پہنچا ہو صحیح تصور نہیں کرتے وہ بھی اُس کے متعدد ہونے
کے سبب اُس کو تسلیم کریں گے؛ یہ بیان اُس کا محض غلط ہے - جو
روایتیں کہ اس باب میں ہیں اور جو خود ہم نے بیان کی ہیں باہم مختلف
ہیں اور روایات مختلفہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے متعدد مخارج
ہیں - اور روایات مرسل یعنے جس کا سلسلہ آنحضرت تک نہ پہنچا ہو گو اُس کو
متعدد لوگوں نے بیان کیا ہو قابل سند نہیں ہے جب تک کہ اُس کی تائید کے
لیے کوئی روایت مستند موجود نہ ہو اور نیز وہ روایت قرآن مجید کے مخالف
نہ ہو - لیکن جب کوئی روایت مثل روایت مذکورہ بالا کے قرآن مجید کے احکام
کے برخلاف ہو اور جب کہ وہ جناب پیغمبر خدا کے اُن تمام حالات کے برخلاف
ہو جو شرک کے مٹانے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے سے متعلق ہیں -
اور جب کہ وہ اسلام کے اصلی اصولوں سے اتفاق نہ رکھتی ہو اور معہذا ایسی
مختلف اور مشتبہ ہو جس کا مدار صرف اس بات پر ہو کہ وہ الفاظ کس نے
کہے تھے اور کہنے والا بھی محقق نہ ہوا ہو تو ایسی روایت از روئے عقل اور
انصاف کے کس طرح اُن قواعد میں داخل ہو سکتی ہے - جن میں اُس روایت
کے داخل کرنے کو مصنف مواہب لدنیہ نے کوشش کی ہے +

وہ لوگ بھی جو اس روایت کے حامی ہیں اس بات کا صاف صاف
اقرار کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُس کی تائید میں کوئی کافی ثبوت
اور کوئی قابل اعتماد سند موجود نہیں ہے اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سر ولیم میور

اس قدر اعتماد کے ساتھ کس بنا پر یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ ثبات پر ایک خوب مستند قصہ موجود ہے جس سے محمد صاحب کا مشرکین مکہ کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کر لینا ثابت ہوتا ہے۔

اس روایت کی صحت کی نسبت راے قایم کرنا اس کتاب کے پڑھنے والوں پر چھوڑ دیتے ہیں خود مصنف مواہب لدنیہ نے جو روایتیں اس کی نسبت لکھی ہیں اُنہیں سے اُس کی صحت اور عدم صحت کا سراغ لگاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ فقرہ تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى" ہرگز جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکلا تھا کیونکہ مصنف مواہب لدنیہ نے لکھا ہے جیسا کہ فقرہ دوم میں ہم نے نقل کیا ہے کہ وہ جب مشرکوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ پیغمبر خدا نے یہ لفظ نہیں فرمائے تھے تو اُنہوں نے پہلے سے بھی زیادہ دشمنی اختیار کی۔

جناب پیغمبر خدا کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ گذرا ہے یعنے جب آنجناب مکے میں تشریف رکھتے تھے کہ کفار مکہ آنحضرت کے ساتھ نہایت جفا اور بے رحمی سے پیش آتے تھے اور ہر طرح پر جو اُن کا وحشیانہ بغض ایجاد کر سکتا تھا آنحضرت کو ایذا اور تکلیف دیتے تھے۔ کفار مکہ جناب پیغمبر خدا کے وعظ میں خلل انداز ہونے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ آنحضرت کو نماز پڑھتے وقت تنگ کرتے تھے اور جب کہ آنحضرت خداے واحد کی حمد و ثنا بیان فرماتے تھے مشرکین بھی جھوٹے معبودوں کی تعریف کیا کرتے تھے۔ پس مذکورہ بالا روایت سے جو منصفانہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ جب آنحضرت سورہ نجم نماز میں پڑھ رہے تھے۔ کفار مکہ حسب عادت مخل ہوئے اور اپنے بتوں کی تعریف کی۔

یعنے جب کہ جناب پیغمبر خدا سورہ نجم پڑھ رہے تھے اور اس آیت پر پہنچے۔
"افرأیتم اللات والعزیٰ ومنات الثالثۃ الاخریٰ" تو مشرکین
میں سے کسی نے اپنے بتوں کی تعریف کی غرض سے یہ جملہ کہا "تلک الغرانیق
العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی" اور جب کہ جناب پیغمبر خدا نے سجدہ کیا
مشرکین نے بھی براہ برابری اپنے بتوں کو سجدہ کیا۔ مشرکین میں اس بات کا
اختلاف ہوا کہ وہ جملہ کس نے کہا۔ کچھ عجب نہیں کہ مشرکین سمجھے ہوں کہ
وہ جملہ پیغمبر خدا ہی نے فرمایا تھا۔ مگر اُن کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ پیغمبر
خدا نے وہ جملہ نہیں کہا اور اس لئے آنحضرت سے زیادہ دشمنی پر مستعد
ہو گئے۔ اُس وقت کے مسلمان ہرگز یقین نہیں کر سکتے تھے۔ کہ آنحضرت نے
وہ جملہ فرمایا ہو۔ اور کہنے والا بھی متحقق نہیں ہوا۔ اس لئے اُنھوں نے کہا
کہ شیطان نے کہا تھا بعد اُس کے جب روایات کے بیان کرنے اور لکھنے
کی نوبت پہنچی تو مسلمان عالموں میں اختلاف ہوا۔ جو لوگ شیطان کے زیادہ
معتقد تھے اور اس بات پر یقین کرتے تھے کہ شیطان پیغمبروں کے کلام میں
اس طرح پر اپنا کلام ملا دے سکتا ہے کہ پیغمبر ہی کی زبان سے نکلتا ہوا
معلوم ہو اُنھوں نے کہا کہ پیغمبر ہی کی زبان سے وہ لفظ نکلے تھے۔ کیونکہ
شیطان نے وہ لفظ ملا دئے تھے۔ مگر دونو فریق اس بات کو تسلیم نہیں
کرتے کہ پیغمبر صاحب نے وہ لفظ کہے تھے۔ با ایں ہمہ اس میں کچھ شک
نہیں ہے کہ جناب رسول خدا کے اصحاب میں سے کسی نے ان الفاظ کا
کسی نہج پر پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلنا نہیں خیال کیا۔ کیونکہ کوئی
روایت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اُن صحابہ میں سے جو اُس
وقت ایمان لاچکے تھے کسی نے اس بات کو بیان کیا ہو۔ بلکہ نہ کسی نے

صحابہ میں سے اور کسی نے کبار تابعین میں سے اُس کو بیان کیا ہے - یہی بے سروپا روایتیں ہیں جن کا ذکر طبری اور واقدی اور ابن اسحاق نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ⁂

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ وہ جملہ مشرکین میں سے کسی نے کہا تھا اُس کی تشریح خود مواہب لدنیہ کی ایک روایت میں مندرج ہے جس کو ہم بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں ⁂

"قیل انہ لما وصل الی قولہ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ خشی المشرکون ان یاتی بعدھا بشیٔ بذم الھتھم بہ فبادروا الی ذالک الکلام فخلطوہ فی تلاوۃ النبی صلعم علے عادتھم فی قولھم لا تسمعوا لھذا القران والغوا فیہ ونسب ذلک الی الشیطان لکونہ الحامل لھم علے ذلک او المراد بالشیطان شیطان الانس (مواھب) ⁂

اُس روایت کا ترجمہ یہ ہے وہ اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ جب اُس آیت پر پہنچے "ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ" تو مشرکوں کو ڈر ہوا کہ اس کے بعد کچھ ایسی چیز نہ پڑھیں جس میں اُن کے خداؤں کی مذمت بیان کریں۔ پس وہ لوگ فوراً یہ کلام کرنے لگے اور رسول اللہ کی تلاوت میں ملا دیا اپنی اس عادت کے موافق جیسا کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس قرآن کو سنو مت اور اُس میں گڑبڑ کردو - اور یہ بات منسوب ہوگئی شیطان کی طرف - کیونکہ اُس نے اُن لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا یا شیطان سے مراد آدمیوں کے شیطان ہیں (یعنے شریر آدمی) ⁂

روایات کے معتبر قرار دینے کے لئے سر ولیم میور نے ایک اور قاعدہ

ایجاد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "جب کسی روایت میں محمدؐ صاحب کی تحقیر کے کلمات ہوں مثلاً بعد ہجرت کے اگر اُن کے متبعین میں سے کسی نے بے ادبی یا اُن کے دشمنوں نے گستاخی کی ہو یا کار خیر میں ناکام ہونا یا کسی واقعہ یا عقیدے میں اصول اور منشاء اسلام سے اختلاف اور انحراف پایا جاوے۔ تو اُس کے تسلیم کرنے کو قوی دلیلیں ہیں۔ کیونکہ یہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایتیں اختراع کر لی جاویں یا مخترع ہو کر محمدؐ صاحب کے متبعین میں رواج پا سکیں۔"

درحقیقت کسی روایت کی صحت کے اثبات کا یہ ایک عجیب طرز ہے ! کیا ہم کو اُن تمام روایات کو صحیح اور مستند مان لینا چاہیئے جن کو مخالفین اسلام نے موضوع اور مخترع کیا تھا اور جن کو مسلمان عالموں نے اپنی کتابوں میں اس غرض سے نقل کیا ہے کہ اُن کی تردید کریں اور اُن کو موضوع اور بے اصل ثابت کریں یا وہ کسی کسی کی غلطی کے سبب سے مسلمانوں میں رواج پا گئی تھیں اور جن کی نسبت علماء نے تحقیق کی اور بتایا کہ یہ روایتیں ملحدوں اور کافروں کی پھیلائی ہوئی روایتیں ہیں۔ دراصل یہودیوں نے اور بالخصوص عیسائیوں نے اس قسم کی بیہودہ روایتیں اور قصے آنحضرت کی نسبت اس حاسدانہ ارادے سے کہ نئے مذہب اور اُس کے بانی پر عیب لگائیں اختراع کر لئے تھے پس اُن مذکورہ بالا وجوہات سے مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہونا کوئی دلیل اُن کی صحت کی نہیں ہو سکتی۔

تعجب ہے کہ سر ولیم میور اُن روایات کے معتبر ہونے کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں۔ کہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایات اختراع کر لی

جاوے یا مخترع ہو کر منسوبین محمد صاحب میں رواج پاسکے" یہی اُن کی دلیل اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ روایتیں جھوٹی اور مخالفین اسلام اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مخترع ہیں *

سر ولیم میور ایک اور نیا قاعدہ ایجاد کرتے ہیں اور اُس کا نام "تاویل آمیز اختراع" قرار دیتے ہیں اور اُس کی مثالیں اس طرح پر بیان کرتے ہیں کہ "مثلاً بعض گواہ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب خضاب کیا کرتے تھے اور خضاب کی دوا کا نام بھی بتاتے ہیں۔ بعض صرف اسی قدر دعوے نہیں کرتے ہیں کہ ہم نے بچشم خود اس امر کو پیغمبر صاحب کی زندگی میں مشاہدہ کیا تھا بلکہ اُن کی وفات کے بعد آپ کا بال جس پر کہ رنگ محسوس ہوتا تھا دکھلا دیا تھا۔ اور بعض گواہ جن کو ایسے ہی عمدہ ذریعے واقفیت کے حاصل تھے بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے کبھی خضاب نہیں کیا اور اُن کو خضاب کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اُن کے سفید بال اس قدر تھوڑے سے تھے کہ شمار میں آسکتے تھے"

اس میں کچھ شک نہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے سفید بال نہایت کم تھے کہ گنتی میں آسکتے تھے۔ اور آنحضرت نے تمام عمر کبھی خضاب نہیں کیا۔ جو لوگ کہ ہمیشہ حاضر باش رہتے تھے اُن کا یہی بیان ہے۔ جو کہ سفید بال ہونے سے پہلے اکثر بال بھورے ہو جاتے ہیں تو جن لوگوں نے اُن بھورے بالوں کو دیکھا خیال کیا کہ خضاب کئے ہوئے ہیں اور اُنھوں نے آنحضرت کا خضاب کرنا بیان کیا۔ اور اُسی بھورے بال کو دکھا کر استدلال کیا۔ خضاب کی دوا کا ذکر

کسی معتبر حدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ حدیث میں اُس شے کا ذکر ہے جس کو پیغمبر خدا بروقت غسل کے اپنے سر پر ملتے تھے۔ پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُن روایات کا اختلاف حالات مذکورہ بالا کے سبب قدرتی اسباب سے وقوع میں آسکتا ہے اُن کو دیدہ و دانستہ عیارانہ بناوٹیں نہیں کہہ سکتے اور نہ اُن روایتوں کو اور نہ اُسی قسم کی اور روایتوں کو جن کا ذکر سر ولیم میور نے اپنی کتاب کے حاشئے میں کیا ہے متناقض روایتیں کہہ سکتے ہیں ٭

بعد اُس کے سر ولیم میور اس قسم کی ایک اور مثال پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ" خاتم نبوی کے باب میں جس میں کوئی جانب داری مطالب خاندانی یا عقیدہ کے سرزد تھی نہایت متناقض روایتیں ہیں۔ ایک فریق کا قول ہے کہ اپنے مراسلات پر مہر لگانے کی ضرورت سے پیغمبر صاحب نے خالص چاندی کی ایک انگشتری بنوائی تھی۔ دوسرے فریق کا بیان ہے کہ خالد ابن سعید نے اپنے واسطے ایک لوہے کی انگوٹھی پر جس پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا بنوائی تھی اور محمدؐ صاحب نے اُس انگوٹھی کو پسند کرکے اپنے پاس رہنے دیا۔ ایک تیسری روایت ہے کہ اس انگشتری کو عمرو ابن سعد حبش سے لائے تھے اور چوتھی روایت یہ ہے کہ معاذ ابن جبل نے اُس مہر کو اپنے لئے یمن میں کھدوایا تھا۔ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ محمدؐ صاحب اس انگشتری کو سیدھے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اور بعض میں لکھا ہے کہ اُلٹے ہاتھ میں۔ بعض روایات میں مندرج ہے کہ مہر کا رُخ اندر کی طرف رکھا کرتے تھے اور بعض میں یہ ہے کہ باہر کی طرف کو۔ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس مہر پر جملہ صدق اللہ منقش تھا اور بعض سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ محمد رسول اللہ تھا۔ اب

یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں کیونکہ یہ متواتر بیان کیا گیا ہے کہ محمدؐ صاحب کی وفات کے بعد اُسی انگشتری کو ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ نے زیب انگشت کیا تھا اور عثمانؓ کے ہاتھ سے چاہ غریس میں گر پڑی تھی - ایک روایت یہ بھی ہے کہ نہ تو پیغمبر صاحب نے اور نہ کبھی اُن کے خلفاے راشدین نے کوئی انگشتری پہنی تھی +

جس طبیعت سے ان روایتوں کو بیان کیا ہے بلاشبہ نہایت افسوس کے قابل ہے اور سر ولیم میور کی طبیعت سے نہایت بعید معلوم ہوتا ہے - یہ بیان سر ولیم میور کا کہ "یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں" محض غلط ہے اور جو دلیل اُس کی بیان کی ہے وہ اُس سے بھی زیادہ غلط ہے - کیا یہ ممکن نہیں کہ چاندی کے خول کی انگشتری کو کسی دیکھنے والے نے چاندی کی انگوٹھی خیال کی ہو - یا چاندی کی انگوٹھی علحدہ اور خول والی انگوٹھی علحدہ ہو - کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ معاذ ابن جبل والی انگوٹھی پر جملہ "صدق اللّٰہ" اور جناب پیغمبر خدا کی بنوائی ہوئی انگوٹھی پر جملہ محمد رسول اللّٰہ کندہ ہو ؟ کبھی آنحضرت نے انگوٹھی کو سیدھے ہاتھ میں پہنا ہو اور کبھی اُلٹے ہاتھ میں اور کبھی اُس طرح پہنا ہو کہ مہر کا رخ اندر کی طرف ہو اور کبھی باہر کی طرف - اُس انگوٹھی کو آنحضرت اور خلفاے راشدین ہمیشہ اور ہر وقت پہنے نہیں رہتے تھے - جس شخص نے اُن کو ایسی حالت میں دیکھا اُس نے بیان کیا کہ کبھی انگوٹھی نہیں پہنی تھی - جو کہ سر ولیم میور نے غلطی سے یا دانستہ اُن سب روایتوں کو ایک ہی انگشتری سے متعلق کیا ہے اس لیئے اپنی دلیل میں بلا تفصیل بیان کرتے ہیں کہ وہی انگشتری خلفا صحابہ تک پہنچی تھی حالانکہ وہ صرف وہ انگشتری تھی جس پر جملہ "محمد رسول اللّٰہ"

کنندہ تھا۔ پس اُن روایتوں میں سے کوئی روایت بھی متناقض نہیں ہے۔
بڑے افسوس کی بات ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے فرضی اور دلنشین نقوش وخیالات کو اس قدر آزادی دے دی ہے کہ اُن کو حجت و برہان کی صراط مستقیم سے منحرف کر دیا ہے اور ہر شئے متعلق باسلام کو گو کیسی ہی سادہ اور قرین قیاس کیوں نہ ہو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے پر مائل کیا ہے اور اس کو جعل سازی اور ایجاد اور اختراع وغیرہ ناموں سے بدنام کرتے ہیں۔ سر ولیم میور کی تجربہ کاری سے بحیثیت ایک اعلےٰ درجے کے عالم ہونے کے یقینی امید تھی کہ اُن کو اس بات سے مطلع کر دے گی۔ کہ محض بیانات جن کی تائید میں کوئی دلیل وثبوت نہ ہو۔ ہمیشہ اُسی مقصد کی خرابی کے باعث ہوتے ہیں جس کی حمایت کی اُن سے توقع کی گئی ہو۔

ہر صحیح دماغ اور ذی ہوش شخص کو اس بات کے معلوم ہونے سے ملال ہوگا کہ سر ولیم میور نے قواعد فن تصنیف سے اس قدر انحراف اختیار کیا ہے کہ دین اسلام پر الفاظ ذیل میں ایک بے جا اتہام عاید کرتے ہیں یعنے وہ فرماتے ہیں کہ "مقدس جھوٹ کی رسم اصول اسلام سے منحرف نہیں ہے مروجہ دینیات اسلام کی رو سے فریب بعض حالتوں میں روا ہے خود پیغمبر صاحب نے اپنے احکام و نظایر سے اس عقیدے کی ترغیب دی ہے کہ بعض مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے" اس عبارت کے حاشیے میں وہ بیان کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے ہاں عام اعتقاد یہ ہے کہ چار موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اول۔ کسی شخص کی جان بچانے کے واسطے۔ دوم۔ صلح اور اتفاق کرانے کے واسطے۔ سوم۔ عورت کی ترغیب دینے

کے واسطے - چہارم - سفر یا مہم کے وقت میں ۔

اُن کی مثالیں بھی صاحب موصوف لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "اول کی نسبت تو پیغمبر صاحب کی صریح منظوری موجود ہے - عمار ابن یاسر کو کفار نے بہت اذیت پہنچائی اور اسلام سے انکار کرنے پر انہوں نے رہائی پائی - پیغمبر صاحب نے اس فعل کو پسند کیا اور فرمایا کہ اگر وہ پھر ایسا کریں تو پھر اسی طرح انکار کر دینا" (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۷½) ایک اور روایت خاندان یاسر میں چلی آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین نے عمار کو پکڑ لیا اور جب تک کہ اُن سے محمدؐ صاحب کی مذمت اور اپنے معبودوں کی تعریف نہ کرالی اُن کو نہ چھوڑا - جب وہ پیغمبر صاحب کے پاس آئے اور اُنہوں نے حال پوچھا تو کہا کہ یا نبی اللہ بڑی خرابی کی بات ہوئی - جب تک کہ میں نے آپ کی مذمت اور اُن کے معبودوں کی تعریف نہ کی مجھ کو نہ چھوڑا - پیغمبر صاحب نے پوچھا کہ تو اپنے دل کا کیا حال پاتا ہے تو جواب دیا کہ ایمان میں مستقل اور مطمئن ہے - اُس وقت محمدؐ صاحب نے فرمایا کہ اگر وہ پھر ایسا کریں تو پھر یہی کہہ دینا - محمدؐ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عمار کا جھوٹ ابوجہل کے سچ سے بہتر ہے ۔

سر ولیم میور کی نکتہ چینی ہر ایک شخص کو تعجب میں ڈالتی ہوگی شکسپیر کا قول ہے "دیکھو کہ کس طرح ایک سادہ قصہ تم کو دھوکا دے دیگا" اول تو اُن روایتوں کی جس کو سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معتبر سند درکار ہے دوسرے جن الفاظ میں صاحب موصوف نے ان مضمون کو بیان کیا ہے وہ درست اور ٹھیک نہیں ہیں جیسے زیادہ تر عام اور غیر معین ہیں - سر ولیم میور اوّل موقع جھوٹ بولنے کے جواز کا کسی کی جان بچانا بیان کرتے

ہیں۔ اول تو یہی غلط ہے۔ کیونکہ بموجب اُن روایتوں کے جو اُنہوں نے بیان کی ہیں اُن کو لازم تھا "اپنی جان بچانا" لکھتے اور اس بے دھڑک اور پُر جرأت بیان کے بجائے سر ولیم میور کو لازم تھا کہ جملہ شرائط اور قیود اور مواقع کی جو صدق سے اس طرح انحراف کرنے کو جائز ٹھیراتے ہیں تصریح کر دیتے۔ جس فریبندہ اور معیوب پوشاک میں سر ولیم میور نے اس مضمون کو ملبوس کیا ہے اگر وہ اُتار لی جائے تو وہ اصلی نتائج جو بذریعہ جائز اور منصفانہ دلیل اور صحیح مقدمات سے مستنبط ہونگے یہ ہونگے کہ "اگر کفار یا کوئی بیرحم و جفاکار اشخاص جبر اور اذیت یا قتل کی دھمکی سے کسی ایسے آدمی سے اُس شے کا انکار کرالیں جس کو کہ وہ اپنے دل سے اور ایمان سے برحق سمجھتا ہو اور جس کے اوپر وہ ایسی مصیبت میں بھی دلی اعتقاد رکھتا ہو تو ایسے حال میں اگر وہ اس سے انکار کرے تو سزائے ارتداد کا ہرگز مستوجب نہیں ہے ✤

جبریہ مواعید سے انحراف کے جواز کی تصدیق فرانسس اول بادشاہ فرانس کی مشہور و معروف نظیر سے بھی ہوتی ہے۔ یعنے اس بادشاہ کو چارلس خامس نے جنگ پاویا (سنہ ۱۵۲۵ء) میں مقید کر کے بعذر ڈر کے پُر ذلت صلح نامہ کا بالجبر اقبال کرا کے دستخط کرا لیے تھے۔ بادشاہ فرانس نے مخلصی پاتے پاتے ہی اپنے قول و قرار پر قائم رہنے سے بعذر اجبار انکار کیا اور پوپ کلیمنٹ سابع نے درحقیقت اُس کو اس جبریہ حلف سے بری کر دیا ✤

آدمی کے افعال کے جرم اور بے جرمی کا مدار نیت اور اختیار پر ہوتا ہے اور اسی بناء پر تمام لوگ افعال کو نیک و بد قرار دیتے ہیں۔ کیا وہ کلمات اور حرکات جو کسی شخص سے بسبب اذیت اور قتل کی دھمکیوں کے لکھوا

اور کرائے گئے ہوں اُسی درجہ اور ویسی سزا کے مستوجب ہیں جیسے کہ اُس شخص کے کلمات اور حرکات جو بلا اجبار و اکراہ اُس سے سرزد ہوئے ہوں +

یہ اصول جس سے کہ اسلام کی پاکیزگی اور سچائی ظاہر ہوتی ہے اور جو محض ایک بے خطا اور قدرتی فطرت کا بے کم و کاست سچا نمونہ ہے اور جسکو

> من کفر باللہ من بعد ایمانه الا من اکرہ و قلبه مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیهم غضب من الله ولهم عذاب عظیم
> (سورة النحل آیت ۱۰۸) +

سر ولیم میور نے البتہ اس قابل اعتراض اور خراب صورت میں بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں نہایت سادہ اور صریح طور پر بالفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خدا کے ساتھ کفر کیا بعد ایمان لانے کے۔ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ لیکن جس نے کفر کے ساتھ سینہ کھولا پس اُن پر خدا کا غصہ ہے اور اُن پر بڑا عذاب ہے +

اس آیت پر فقہا نے غور کی ہے اور اُس کے حکم کا مقصد دو طرح پر قرار دیا۔ اول عزیمت یعنے باوصف اذیتوں اور تکلیفوں اور قتل کے خوف کے جو کفار اُس پر روا رکھیں وہ ظاہر میں بھی اُسی سچ پر قائم رہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ دوم۔ رخصت یعنے ایسی حالت میں اُس کو اپنے بچانے کے لئے اجازت ہے کہ ظاہر میں اُس ایمان کا جس کی تصدیق اُس کے دل میں ہے بطور تقیہ انکار کرے اور دشمنوں کے ایذا سے نجات پاوے۔ البتہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس حقیقت کو اُس مقدس جھوٹ پر محمول کیا ہے جس کا رواج عیسائیوں میں تھا اور اس پر بھی ہم کو نہایت تعجب آتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے مدعا کو عجیب اختصار اور اقتصار سے

ساتھ ادا کیا ہے یعنے ان چند لفظوں میں کہ " کسی کی جان بچانے کے واسطے" جس کے بیان کے لئے قرآن مجید میں بھی باوجود اس کی مشہور و معروف مختصر البیانی کے ایک پوری آیت درکار ہوتی ہے +

دوسرا موقع جواز کذب کا بقول سر ولیم میور کے وہ ہے جب کہ کوئی شخص صلح و آشتی کرانا چاہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ امر روایت ویل سے بخوبی ثابت ہے۔ اس روایت کا ترجمہ انگریزی زبان میں جو انھوں نے فرمایا ہے وہ حسب مندرجہ ذیل ہے

"وہ شخص جو دو شخصوں کے مابین صلح کرا دے اور ان کے رفع نزاع کے واسطے کلمات خیر کہے جھوٹا نہیں ہے گو وہ کلمات دروغ ہوں"

مگر یہ ترجمہ جو سر ولیم میور نے کیا ہے محض غلط ہے۔ اصل حدیث جو بخاری اور مسلم میں ہے اور جس کو مشکوۃ میں بھی نقل کیا گیا ہے ہم بجنسہ اس مقام پر لکھتے ہیں +

عن ام کلثوم قالت قال رسول اللہ صلعم لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا وینمی خیرا متفق علیہ مشکوۃ	اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ " ام کلثوم نے کہا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھوٹا وہ شخص جو صلح کرا دے درمیان آدمیوں کے پس کہے بھلائی اور پہنچا دے بھلائی +

قاضی بیضاوی نے اس کی شرح اس طرح پر کی ہے کہ " پہنچا دے وہ باتیں جو سنا ہیں اس کو اور چھوڑ دے شر کی باتوں کو +

قال القاضی البیضاوی ای یبلغ ما یسمعہ ویدع شرہ (کرمانی) +

سر ولیم میور کی عربی علمیت کو خیال کرکے ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ خود اصل حدیث پر غور کرتے اور خود اُس کا صحیح ترجمہ لکھتے اُنہوں نے کپتان ای این میتھیوس کے غلط ترجمہ مشکوٰۃ کو اختیار کیا اور کپتان میتھیوس نے دانستہ یا نادانستہ کیسی غلطی کی ہے کہ الفاظ "گو وہ کلمات دروغ ہوں" اپنے ترجمے میں بڑھا دئیے ہیں اور وہ الفاظ حدیث میں نہیں ہیں +

ہمارے مذہب میں اگر کوئی شخص کسی ماجرے کے حالات پورے نہ بیان کرے اور قصداً کسی بدنیتی سے اُس ماجرے کی کوئی بات کہے اس پر بھی کذاب کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے جناب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر صلح کرانے کی حالت میں صرف اچھی ہی باتوں کا تذکرہ کرے تو وہ کذابوں میں داخل نہیں ہے یعنے جو سزا کہ ایسے شخص کے لئے ہے جس نے بدنیتی سے کچھ باتوں کو چھوڑ دیا ہے اُس سزا کا مستحق نہیں ہے +

تیسرا اور چوتھا موقع جس میں سر ولیم میور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ ہے "کسی عورت کو ترغیب دینے میں" اور "دوسفر یا مہم میں" سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "بہ لحاظ تیسرے موقع کے ہمارے پاس ایک افسوس آمیز نظیر موجود ہے کہ محمدؐ صاحب نے ماریہ قبطیہ کے معاملے میں اپنی ازواج سے جھوٹے وعدے کرنے معیوب نہ سمجھے اور بہ لحاظ چوتھے موقع کے ان کا معمول تھا کہ بوقت ترتیب مہمات (باستثناء مہم تبوک) اپنے مدعاے اصلی کو پوشیدہ رکھتے تھے اور کسی سمت غیر کی جانب روانگی کا عزم مشتہر کردیتے تھے +

سر ولیم میور نے تیسرے موقع کی جو نظیر پیش کی ہے وہ محض غلط ہے ۔ کوئی صحیح روایت اس معاملے میں قابل اعتبار موجود نہیں ہے ۔ اور

حدیث کی معتبر کتابوں میں اُس کی بابت ایک لفظ بھی نہیں پایا جاتا۔ اور چونکہ بنیاد کے استحکام اور ضعف ہی سے اوپر کی عمارت کے استحکام اور ضعف کا حال کھل جاتا ہے پس کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہو سکتی جب کہ اس روایت کی صحت کا جس پر وہ مبنی ہو کافی ثبوت نہ ہو۔

ترتیب مہمات کے وقت غیر سمت کو مشتہر کرنے کی تائید میں بھی کوئی معتبر روایت نہیں ہے لیکن اگر ہم اس کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو کیا سر ولیم میور قوانین جنگ سے بھی واقف نہیں ہیں جو اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں؟ جب تک کہ کسی فریق سے عزم جنگ مشتہر نہیں کیا گیا ہے اُس وقت تک کوئی ایسا کام کرنا جس سے طرف ثانی کو دھوکا ہو بلا شبہ خلاف اخلاق اور صداقت کے ہے۔ لیکن جب جنگ کا اشتہار دے دیا جاوے تو اس وقت کوئی ایسا حیلہ کرنا جس سے فریق ثانی مغلوب ہو صداقت کے خلاف نہیں ہے۔

تعجب یہ ہے کہ سر ولیم میور اُس الزام کو جو عیسائی مذہب پر قدیم سے چلا آتا ہے مسلمانی مذہب پر عاید کرنا چاہتے ہیں۔ مقدس جھوٹ کا تو مسلمانوں کو خواب میں بھی خیال نہیں آیا ہوگا کیونکہ اُس کا تصور ہی اُس صدق حقیقی کی نقیض ہے جو قرآن مجید کا لب لباب اور جوہر ہے اور اس کی ہر سطر میں جلوہ نما ہے۔ برخلاف اس کے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں جیسا کہ تاریخ سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے منجملہ ارکان مذہبی کے مقدس جھوٹ بھی ایک رکن تھا اور ہم کو اس بات کے سننے سے تعجب آتا ہے کہ مقدس پال حواری اُس کو برا بھی سمجھا تھا گناہ سمجھنا تو درکنار جیسے کہ خود عیسائی عالم اس امر کو مقدس پال کے اس کلام سے ثابت کرتے ہیں۔ جہاں اُنہوں نے فرمایا ہے کہ "اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی ظاہر ہوئی اور اُس کی بزرگی زیادہ ہوئی

تو کس لئے میں گنہگار گنا جاتا ہوں"۔ (پال کا خط رومیوں کو باب ۳ ورس ۷) +

اب ہم تاریخ کی کتابوں سے اُس مقدس ۔ جھوٹ کا ذکر کرتے ہیں جو عیسائی مذہب میں مروج تھا۔ کتاب کرسچین مائیتھولوجی ان ویلڈ میں مرقوم ہے۔ کہ کلیسیا کا وہ شریف اور راستباز فرزند یعنے موشیم جس کی سند اور مسلمہ صداقت میں پادریوں کو کبھی کلام نہیں ہوا ہے امرذیل کی تصدیق کرتا ہے پیروان افلاطون و فیثا غورث نے اس امر کو ایک اصول قرار دیا تھا کہ صدق و پرہیزگاری کے مطالب کی ترقی کی غرض سے دھوکا دینا اور نیز بوقت ضرورت جھوٹ کا استعمال کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ یہودیان سکنائے مصر نے حضرت عیسےٰ کے آنے سے پیشتر اس اصول کو اُن سے (یعنے پیروان افلاطون و فیثا غورث سے) سیکھا اور اخذ کیا تھا جیسا کہ بے شمار تحریرات سابقہ سے بلا حجت و اعتراض ثابت ہے اور عیسائیوں پر اس مضر غلطی نے ان دونو ذریعوں سے اثر کیا۔ جیسا کہ ان بیشمار کتابوں سے جن کو نامی و گرامی اشخاص کی طرف انہاکاً منسوب کیا ہے ظاہر ہے۔ خلاصہ صدر صرف دوسری صدی کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کہ بے شمار اناجیل و خطوط وغیرہ کے حسب بیان موشیم غلط موضوع ہوتی تھیں اور غلط منسوب کی گئی تھیں۔ گرچوتھی صدی میں اس مروجہ اصول میں کہ دینی مطالب کی ترقی کے واسطے دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا نہایت ثواب کا کام ہے بہت کم استثناد وقوع میں آئے ہیں۔ . . بلانڈل دوسری صدی کے ذکر میں بیان کرتا ہے کہ خواہ مزدوروں اور کذابوں کی اشد بے حیائی خواہ معتقدین کی قابل افسوس سرزنع الاعتقادی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت خراب زمانہ تھا اور مقدس جھوٹ میں اور سب زمانوں سے سبقت لے گیا تھا۔ . . . کسوبن اس طرح پرشاکی

ہے کہ مجھ کو دین عیسوی کے ابتدائی زمانے میں اس بات کے دریافت ہونے سے رنج ہوا کہ بہت سے لوگ کلام ربانی کو اپنے اختراعات سے مدد دینے سے نامور ہی سمجھتے تھے بدیں غرض کہ ہمارے نئے عقیدے کو عقلاء کفار گوش دل سے سنیں (صفحہ ۸۰-۸۲)

اسی کتاب میں یہ بھی بیان ہے "اور جب کبھی معلوم ہوتا تھا کہ انجیل ہر امر میں اہل دین کے مطالب یا حکام ملکی کے اغراض کے جو ان سے ساز رکھتے تھے موافق نہیں ہے تو ضروری تحریفات کر لی جاتی تھیں اور طرح طرح کے مقدس جھوٹ اور جعلسازیاں کچھ مروّج رہی نہ تھیں بلکہ بہت سے پادریوں نے ان کو جائز قرار دیا تھا" (صفحہ ۵۲) +

اس کتاب میں ایک اور مقام پر یہ بیان ہے "اول کی تین صدیوں کے لحاظ سے ہم کو اپنے دین کی صحیح تاریخ کا کچھ علم نہیں بجز اس کے جو نہایت خراب اور بگڑے ہوئے ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے کس واسطے کہ ان اہل سیر کی روایتیں اور حکایتیں جو اس زمانے میں گذرے تھے ذرا بھی اعتبار کے قابل نہیں ہیں یہ محض مقدس جھوٹ اور جعلسازیوں کی وجہ سے مشہور ہیں مگر ان موردثی کرتبوں اور ہنروں میں بھی یوسی بیس بشپ قیصریہ صدی آئندہ میں ان سے بھی سبقت لے گیا جس کا کلام حق کو چھانٹ چھونٹ کر دین کے عام مطالب کے موافق کر دینے میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ خود براہ فخر بیان کرتا ہے کہ "جس سے ہمارے دین کی عظمت و نام آوری بڑھے میں نے بیان کر دیا ہے اور جو اس کی تحقیر و تذلیل کی طرف مائل ہو میں نے سب چھوڑ دیا ہے (صفحہ ۶۶) +

در متقدد اہل سیر کی تحریرات میں جو عدیم الامکان ریاضت اور عام سقلین کی عیاشی و بد وضعی کی طرف مائل ہیں ایک عجیب ملاوٹ پائی جاتی ہے شہوات

جسمانی اور خوف ایمانی کے مابین غلبہ حاصل کرنے کی صریح کوششیں اکثر قابل
تضحیک معلوم ہوتی ہیں گو بعض اُن میں کی لذات دیرینہ سے ثابت ہوتی ہوں
لذات جدیدہ کی خواہش اُن میں ستتر معلوم ہوتی ہے ۔ مگر یہ صرف طبیعت
انسانی کے ضعف کی وجہ ہے اور ہم کو صرف اسی وقت رنج آمیز حیرت ہوتی ہے
جب کہ وہ صفات ملکوتی کے حصول کا دعوے کرتے ہیں ۔ اُن کے خام اور
بیہودہ عقائد جو لاطینی زبان میں بیان ہیں پادریان کیتھلک کے ہر وعظ و خطبے
میں مخلوط ہیں اور حواریان ذی الہام کے عقائد اور نیز حضرت مسیح کے ملفوظات
کی نسبت زیادہ تر منقول ہوتے ہیں لیکن یہ امید ہے کہ ٹرٹولین کے خیالات
لاطائل "ڈی ہابی ٹیو میولیرسس" اور سنٹ پال کی "ڈی ویر اور جی" سے ٹلی
نوجوان عورتوں کو نہیں دکھلائے جائیں گے تمام بے اعتقاد مصنف جنہوں نے
احکام الٰہی کا فلسفہ کی رو سے امتحان کیا ہے دین عیسوی کو کفر بناکر مضرت
پہنچانے میں اس قدر ساعی نہیں ہوئے ہیں جس قدر کہ حضرت اہل سیر ہوئے
ہیں ۔ اُنہوں نے چشمہ آب ہی کو زہریلا کردیا ہے اور ان بے اعتقاد مصنفین
نے اُس کا پانی پینے سے لوگوں کو باز رکھا ہے ۔ اُن کی سریع الاعتقادی نے
جو اس وجہ سے عارض ہوئی تھی کہ وہ ذرایع و معاملات انسانی سے محض ناتجربہ کار
اور علوم طبعیات سے بالکل ناواقفیت رکھتے تھے انجیل کی بے شرمانہ تحریفات و
تصرفات کی استناد سے کلیسائے روم میں عجیب و غریب بیہودگیوں اور
بدعتوں کا ایک جم غفیر شائع کردیا جن کو باوجود داد فریاد عقل کے خوش اعتقادی
اب بھی ہضم کر جاتی ہے ۔ صرف اسی قدر مضرت اُن سے نہیں پہنچی ہے اُنہوں نے
اخلاق کی بنیاد کو کھوکل کردیا ۔ اُنہوں نے اس مقولے کی رجس کو میں موشیم
کے الفاظ میں لکھتا ہوں) تلقین کی کہ دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا جب کہ ان ذریعوں

سے مطالب دین ترقی پذیر ہوں ثواب ہے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس مطلق العنان اصول نے دروغ گوئیوں اور جعل سازیوں کے چشمے کا دہانا کھول دیا جس کا پانی ابتداءً دین عیسوی کی سرزمین پر مثل طوفان کے چھا گیا اور ان فریبوں اور باطنی ذخیروں کو جو فی زماننا عیسائیان رومن کیتھلک کو انگشت نما اور بدنام کرتے ہیں رواج دیا۔ اہل سیر میں اول سے لے کر آخر تک سب سے بڑا خاصہ یہ پایا جاتا ہے کہ کفر آمیز سفلگی۔ سریع الاعتقادی۔ تعصب۔ اور فریب دہی کے حامی تھے۔ بایں ہمہ ایسے لوگوں کو جانشینان پطرس حواری نے پاک اور مقدس لوگوں کی فہرست میں لکھا ہے۔

سر ولیم میور کو مناسب تھا کہ ان حالات پر خیال کر کے اسلام کی نسبت مقدس جھوٹ کے بے جا طور پر تہمت لگانے کی کوشش نہ فرماتے۔ اسلام سرتاپا صدق ہے وہ نہایت درجے کی صدق اور راستبازی کا دین ہے اور اسی حیثیت سے اور سب دینوں پر جن میں کسی نہ کسی قدر جھوٹ کی آمیزش پائی جاتی ہے فوقیت کے دعوے کا مجاز ہے۔

الخطبۃ السابعۃ

فی

القرآن وھو الھدیٰ والفرقان

انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون

قرآن جناب پیغمبر خدا پر کس طرح نازل ہوا

قرآن مجید جناب پیغمبر خدا پر حضرت موسےٰ کی طرح پتھر کی تختیوں پر کُھدا ہُوا نازل نہیں ہوا تھا اور نہ اس بات کی ضرورت پڑی تھی کہ ان کے ٹوٹ جانے کے سبب اس کے ضائع ہونے کا خوف ہُوا ہو۔ اور پھر آنحضرت کے اصحاب کے لیئے اس کی دوبارہ نقل پتھر کی تختیوں پر کھودنے کی ضرورت پڑی ہو۔ اس کے نزول کی نسبت کوئی امر عجائبات سے بھرا ہُوا نہ تھا کیونکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دل سینا کا پہاڑ تھا اور مسلمانوں کے دل پتھر کی رحلیں تھیں۔ خدا فرماتا ہے کہ "بیشک وہ اتارا ہوا ہے عالموں کے

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل به الروح الامین علے قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين وانه

لفی زبر الاولین (سورہ شعرا) ۔

پروردگار کا ہے اس کو اُتارا ہے روح الامین نے اوپر تیرے دل کے تاکہ تو ہو ڈرانے والوں میں سے (اس کو اتارا ہے) عربی زبان واضح میں اور بے شک وہ ہے اگلوں کے صحیفوں میں ۔

عن عائشه ان الحارث بن ھشامؓ سال رسول الله صلعم فقال یا رسول اللّٰہ کیف یاتیك الوحی فقال رسول الله صلعم احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال واحیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاوعی ما یقول ... (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ نزول وحی کی کیفیت اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے آپ نے فرمایا کہ کبھی تو گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے پس پھر مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے اور میں نے یاد رکھا جو کہا۔ اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں مجھ سے کلام کرتا ہے پس میں یاد رکھتا ہوں جو کہتا ہے ۔

جو طریقہ نزول وحی کا اس حدیث میں رسول خدا نے بتایا اس میں کوئی عجیب امر یا اسرار نہیں ہے لیکن بالفعل ہم اس مضمون کو اور وحی کی حقیقت کے بیان کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ جب پیغمبر خدا کی سوانح عمری کے اس مقام پر پہنچیں جب کہ آنحضرت پر اولاً وحی نازل ہوئی تھی اس وقت ہم اس کو شرح و بسط سے بیان کریں گے ۔

وحی یعنے قرآن مجید جب نازل ہوتا تھا

لکھا جاتا تھا یا نہیں

آنحضرت کے زمانے سے پیشتر اور نیز آنحضرت کے زمانے میں ملک عرب میں کوئی معین یا باقاعدہ طریقہ تعلیم کا جاری نہیں تھا۔ عربوں میں صرف دو شاخیں علم کی تھیں یعنے قدرتی فصاحت و بلاغت اور علم الانساب۔ اُن کی تحصیل کے لیے کسی مکتب یا مدرسے میں تعلیم کے پانے کی ضرورت نہ تھی وہ صرف زبانی تعلیم پر منحصر تھے۔ اسی وجہ سے اُس زمانے میں بے شمار آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور جو لوگ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے اُن کی تعداد نہایت محدود تھی۔ پہلے یعنے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے پچھلوں کے مقابلے میں اُمی کہلاتے تھے اگرچہ ان دونو قسموں کے لوگوں میں بہت ہی کم فرق تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت کو لکھنا پڑھنا کچھ نہیں آتا تھا نہ وہ خود لکھ سکتے تھے اور نہ اوروں کا لکھا پڑھ سکتے تھے اور اسی سبب سے آنحضرت کا لقب اُمی ہو گیا تھا۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق بے شمار معتبر اور مستند روایات اور احادیث سے ہوتی ہے اور اُس کے برخلاف ایک بھی ایسی روایت نہیں پائی جاتی جو کسی قدر بھی معتبر ہو۔ درحقیقت اگر آنحضرت کو لکھنا پڑھنا آتا ہوتا تو اُن کے صحابہ رفقا اور متبعین اس امر میں کسی طرح سکوت اختیار نہ کرتے اور اُن کے ازواج مطہرات اور اُن کے عزیز و اقربا اور بالخصوص اُن کے چچا جنہوں نے اُن کو پالا تھا بے خبر نہیں رہ سکتے تھے اور

نہ ایسی جرأت ہوسکتی تھی کہ اپنے قبیلے کے سامنے خلاف واقعہ اپنے آپ کو اُمی فرماتے اور قرآن مجید میں بھی اپنے تئیں اسی لقب سے ظاہر کرتے کیونکہ ایسی صورت میں مخالفین کو اُس کی گرفت کا آسان موقع ہاتھ آجاتا اور عقائد اسلام کی تصدیق پر اُن کو ہرگز یقین نہ آتا۔ قطع نظر اس کے ایک ایسی خفیف بات کے چھپانے سے جناب پیغمبر خدا کو کیا فائدہ تھا۔ اُن کا لکھا پڑھا ہونا منصب نبوت کے کسی طرح مخالف نہ تھا اور نہ اُس سے قرآن مجید کی شان اور اس کے معجزے میں اس بے مثل فصاحت و بلاغت میں کچھ فرق آسکتا تھا۔ کیونکہ حروف کے لکھ لینے یا پڑھ لینے سے کوئی انسان فصیح و بلیغ نہیں ہوسکتا خصوصاً ایسے فصیح و بلیغ جس کا مثل عرب کے بڑے بڑے فصحا میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

اسلام کے مورخوں میں سے کسی کو اس بات کا انکار نہیں ہے کہ اُس زمانے میں فن تحریر کا عرب میں رواج تھا اور کچھ لوگ لکھنا جانتے تھے۔ اور اَوروں کا لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے۔ اُس زمانے کے بڑے بڑے شاعر اپنے قصیدوں کو کعبے کے دروازوں اور دیواروں پر آویزاں کرتے تھے۔ چنانچہ قصائد سبعہ معلقہ اسی نام سے مسلمانوں میں معروف و مشہور ہیں اُن کا قول صرف اس قدر ہے کہ فن تحریر کا رواج تھا مگر بہت کم لوگ اُس کو جانتے تھے اور بمقابلہ نہ جاننے والوں کے اُن کی تعداد بہت قلیل تھی۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وحی جو آنحضرت پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھی دو قسم کی تھی۔ اول وہ تھی جس کے بجنسہ الفاظ پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ پیغمبر خدا پڑھ سناتے تھے۔ دوسری وہ جس کا مطلب پیغمبر خدا پر القا ہوتا تھا اور پیغمبر خدا اپنے الفاظ میں اُس کو بیان

فرماتے تھے اول قسم کی وحی کو ہم اصطلاحاً وحی متلو یا قرآن یا کلام اللہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کی وحی کو وحی غیر متلو یا حدیث ٭

جب کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیغمبر خدا پر نازل ہوتی تھی تو آنحضرت کسی کاتب کو بلواتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ جو بذریعہ وحی کے القاء ہوتے تھے لکھوا دیتے تھے تاکہ لوگ اس کو بخوبی یاد کرلیں اور وہ محفوظ رہیں۔ خود قرآن مجید کی اکثر آیتیں جیسے کہ "الم ذلک الکتاب" اور آیت "لا یمسہ الا المطہرون" اس پر دلالت کرتی ہیں گو کہ پچھلی آیت کی دوسری حقیقت ہے ٭"

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات نازلہ کے لکھ لینے کی رسم اوائل ایام نزول وحی سے اختیار کی گئی تھی کیونکہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرت کے مکے سے ہجرت کرنے سے پیشتر یعنے اس زمانے میں جب کہ اسلام کا آغاز تھا اور ایک ضعف کی حالت میں تھا ان معدودلوگوں کے پاس جو ایمان لے آئے تھے ان وحیوں کی نقلیں موجود تھیں اور حضرت عمر کے خاندان میں بھی انکے مسلمان ہونے سے پہلے اس کی ایک نقل تھی اس لئے کہ ان کی بہن مسلمان ہوگئی تھیں ٭

جب کوئی قرآن کی آیت ایسی نازل ہوتی تھی کہ اس کے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہوتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ نئی سورت شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم سورۃ کا

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتے ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (رواہ ابوداؤد)

علیحدہ ہونا نہیں جانتے تھے جب تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم" نازل ہو +
پوری سورۃ وقت واحد میں نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض آیتیں کسی وقت
اور بعض آیتیں کسی وقت نازل ہوتی تھیں اور اسی وجہ سے کسی سورت کی آیتیں
بترتیب لکھی نہیں جاتی تھیں بلکہ جدا جدا چمڑوں یا اونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی
چھال پر لکھی جاتی تھیں +

اس بات کے ثبوت میں کہ جو کچھ چمڑوں یا ہڈیوں یا کھجور کی چھال وغیرہ پر
لکھا گیا تھا وہ بالکل محفوظ اور متعدد لوگوں کے قبضے میں تھا۔ چار معتبر حدیثیں موجود
ہیں +

پہلی حدیث ابن عباس کی ہے جو بخاری میں منقول ہے "ابن عباس

عن ابن عباس قال جمعت المحکم	نے کہا کہ میں نے محکم کو رسول اللہ صلے اللہ
فی عہد رسول اللہ صلعم فقلت لہ	علیہ وسلم کے زمانے میں جمع کیا۔ میں نے
وما المحکم قال المفصل (بخاری باب	اُن سے کہا کہ محکم کیا۔ اُنہوں نے کہا۔
تعلیم الصبیان القرآن) +	مفصل +"

دوسری حدیث قتادہ کی بھی بخاری میں موجود ہے قتادہ کہتے ہیں کہ

حدثنا قتادۃ قال سألت انس	میں نے انس بن مالک سے پوچھا۔ کہ
بن مالک من جمع القرآن علے عہد النبی	آنحضرت کے زمانے میں قرآن کس نے
صلعم قال اربعۃ کلھم من الانصار	جمع کیا کہا چار شخص نے جو چاروں انصار
ابی بن کعب ومعاذ ابن جبل وزید	تھے۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید
بن ثابت وابو زید +	بن ثابت۔ ابوزید +

(بخاری باب القراء) +

تیسری حدیث انس کی بخاری میں موجود ہے انس کہتے ہیں کہ آنحضرت

عن انس قال مات النبی صلعم ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابو الدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید

نے وفات کی اور چار شخصوں کے سوا کسی نے قرآن نہیں جمع کیا - ابو الدرداء معاذ بن جبل - زید بن ثابت - ابو زید +

(بخاری باب القراء)

اور **چوتھی** وہ حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں زید ابن ثابت نے جب قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنا چاہا تو قرآن مجید کی تمام آیتیں جو مختلف وقتوں میں نازل ہوئی تھیں اور مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں اور مختلف اشخاص کے قبضے میں تھیں ان سب کو منگا کر اکٹھا کیا - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تحریرات تھیں سب موجود اور محفوظ تھیں +

سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کیونکر ہوئی اور کس نے کی

ہم کو واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود جناب پیغمبر

وعن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملکم علی ان عمدتم الی الانفال وھی من المثانی والی البراءة وھی من المائین فقرنتم بینھما ولم تکتبوا بسم اللہ الرحمن الرحیم ووضعتموھا فی السبع الطوال ما حملکم علی ذالک قال عثمان کان رسول اللہ

خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور انکی ہدایت اور حکم کے موافق عمل میں آئی تھی جیسے کہ ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ابن عباس نے حضرت عثمان سے کہا کس چیز نے تم کو آمادہ کیا انفال کی طرف کہ وہ مثانی میں سے ہے اور براءة کی طرف سے کہ وہ مائین میں

صلعم مما یاتی علیه الزمان ینزل علیه السور ذوات العدد وکان اذا انزل علیه شیء دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا هٰؤلاء الآیات فی السورة التی یذکر فیها کذا وکذا وکانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدینة وکانت براءة من اخر القرآن نزولا وکانت قصتها شبیهة بقصتها فقبض رسول الله صلعم ولم یبین لنا انها منها فمن اجل ذلک قرنت بینهما ولم اکتب سطر بسم الله الرحمٰن الرحیم ووضعتهما فی السبع الطوال (رواه احمد والترمذی وابوداؤد) ٭

سے ہے۔ تمہارے اس ارادے کا پھر اُن دونو کو ملا دیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں لکھا۔ اور اُن دونو کو سبع طوال میں رکھا۔ اس بات پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا۔ عثمان نے کہا۔ حضرت پر بہت سی آیتوں والی سورتیں ایک مدت میں اترتی تھیں۔ اور جب آپ پر کچھ اترتا تھا تو آپ اُن میں سے کسی کو جو لکھا کرتے تھے بلا کر فرماتے تھے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انفال اُن میں سے ہے جو اول مدینے میں اتری اور براءۃ سب سے اخیر میں اتری۔ اور اس کا قصہ اُس کے قصے سے ملتا ہوا تھا پھر آنحضرت کا انتقال ہو گیا اور آپ نے بتایا نہیں کہ وہ اُس سے ہے۔ پس اسی وجہ سے میں نے اُن دونو کو ملا دیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور اِن دونو کو سبع طوال میں رکھا ٭

بخاری کی ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے ستر سورتیں

عن شقیق بن سلمة قال خطبنا عبدالله فقال والله لقد اخذت من فی رسول الله صلعم بضعا وسبعین

خود آنحضرت کے مُنہ سے سُنکر یاد کر لی تھیں چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ عبداللہ نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ بخدا میں نے آنحضرت

سورۃ بخاری باب تالیف کے منہ سے کچھ اوپر ستر سورتیں لیں ۔
القرآن) + دینے سیکھیں) +

ایک اور روایت میں بخاری ان لوگوں کے نام بیان کرتا ہے جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا ۔ اور ان کے نام یہ ہیں ۔ عبداللہ ابن مسعود ۔ سلام ۔ معاذ بن جبل ۔ ابی ابن کعب ۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ منجملہ مقتولین جنگ یمامہ کے جو پیغمبر خدا کی وفات کے تھوڑے ہی بعد ہوئی تھی ستر شخص ایسے شہید ہوئے تھے جن کو قرآن مجید بالکل حفظ تھا +

ان تمام روایتوں سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں ۔ اول یہ کہ گو جناب پیغمبر خدا کی حیات میں قرآن مجید چمڑے وغیرہ پر کیسی ہی بے ترتیبی سے لکھا ہوا موجود ہو ۔ مگر جن لوگوں نے کہ پوری سورتیں یاد کر لی تھیں ان میں آیتوں کی بالکل ترتیب تھی اور وہ ترتیب یقینی آنحضرت کی ہدایت اور حکم کے موافق تھی ۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے کہ قرآن مجید کو ترتیب وار حفظ کر لیا تھا اس سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ہی کے فرمانے سے لوگوں کو معلوم ہو گئی تھی +

ف

جناب پیغمبر خدا خود بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کے پڑھتے رہنے کی ہمیشہ ہدایت کرتے تھے

اس مضمون کی نسبت ہم کو کچھ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اُن معتبر اور مستند حدیثوں کا نقل کر دینا کافی ہے جن سے امر مذکورہ کا ثبوت ہوتا ہے اور جن سے پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور یاد رکھنے میں جس ترتیب سے کہ پیغمبر خدا نے فرما دیا تھا کس قدر لوگوں کو توجہ تھی اور حدیثیں یہ ہیں ؛

پہلی حدیث بخاری کی ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان سے

عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم میں اچھا وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا ؛

(رواہ البخاری) ؛

دوسری حدیث مسلم کی ہے عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

عن عقبۃ بن عامر قال خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ونحن فی الصفۃ فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الے بطحان او العقیق فیاتی

باہر تشریف لائے اور ہم لوگ صفہ میں تھے پس فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کس کو یہ پسند ہے کہ ہر روز صبح کو بطحان یا عقیق جائے اور دو اونٹنیاں لائے بغیر اسکے

بناقتين كوماوين في غير اثم ولا قطع رحم قلنا يا رسول الله كلنا نحب ذلك قال افلا يغدو احدكم الى المسجد فيعلم او يقرأ آيتين من كتاب الله خير له من ناقتين وثلث خير له من ثلث واربع خير له من اربع ومن اعدادهن من الابل رواه مسلم ؏

کہ مرتکب جرم ہو یا قطع رحم کرے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو ہم سب لوگ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا پس تم لوگ مسجد میں ہر صبح کو آکر دو آتیں کتاب اللہ کی نہیں سیکھتے یا نہیں پڑھتے۔ جو دو اونٹنیوں سے اس کے لئے بہتر ہیں اور تین تین سے بہتر ہیں اور چار چار سے بہتر ہیں۔ اور جتنی ہوں اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہیں ؏

تیسری حدیث مسلم اور بخاری دونو کی ہے عایشہ سے روایت ہے کہ

عن عايشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذي يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران (متفق عليه) ؏

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرآن کا ماہر ہو وہ پاکیزہ بزرگ نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں ؟وقت اٹھاتا ہے اور وہ اس پر شاق ہے اس کو دوہرا ثواب ہے ؏

چوتھی حدیث بھی مسلم اور بخاری دونوں میں موجود ہے ابن عمر کہتے ہیں کہ

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلعم لا حسد الا على اثنين رجل اتاه الله القرآن فهو يقوم به آناء الليل وآناء النهار ورجل اتاه الله مالا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشک کے قابل صرف دو شخص ہیں ایک وہ جس کو خدا نے قرآن دیا ہو (یعنے اسکو قرآن پڑھنا آتا ہو) اور وہ برابر دن رات

تلاوت کرتا رہے اور ایک وہ جس کو خدا نے مال دیا اور وہ برابر دن رات خرچ کیا کرے (یعنے خیرات دیا کرے) +

پانچویں حدیث کو بھی مسلم اور بخاری دونو نے نقل کیا ہے ابوموسے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے اُس کی مثال ترنج

عن ابی موسی قال قال رسول الله صلعم مثل المومن الذی یقرأ القران مثل الاترجة ریحها طیب وطعمها طیب ومثل المومن الذی لا یقرأ القران مثل التمرة لا ریح لها وطعمها حلو ومثل المنافق الذی لا یقرأ القران کمثل الحنظلة لیس لها ریح وطعمها مر ومثل المنافق الذی یقرأ القران مثل الریحانة ریحها طیب وطعمها مر (متفق علیه)

کی سی ہے اس کا مزا بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی۔ اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال چھوارے کی سی ہے۔ خوشبو نہیں اور مزہ میٹھا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اُس کی مثال اندراین کی ہے خوشبو کچھ نہیں اور مزا کڑوا۔ اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اُس کی مثال ریحانہ کی ہے خوشبو اچھی اور مزا کڑوا +

چھٹی حدیث کو ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم تعلموا القران فاقرؤه فان مثل القران لمن تعلمه فقرأ وقام به کمثل جراب محشو مسکا تفوح ریحه کل مکان ومثل من تعلمه فرقد وهو فی جوفه کمثل جراب اوکی علی مسک رواه الترمذی والنسائی وابن

وسلم نے سیکھو قرآن اور پڑھاؤ کیونکہ جو شخص قرآن سیکھے اور پڑھے اور اُس پر قایم رہے اُس کے لئے قرآن ایسا ہے جیسے ایک کیسہ مشک سے بھرا ہوا۔ اُس کی خوشبو ہر جگہ پھیلتی ہے اور جو شخص قرآن سیکھ کر سو گیا ہو اور وہ اُسکے

ماجہ) ۔ پیٹ میں ہو وہ مثل ایک کیسے کی ہے جو مشک بھر کر بند کر دیا ہو ۔

ساتویں حدیث کو بیہقی نے نقل کیا ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں رسول اللہ

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلعم ان هذه القلوب تصدء كما يصدء الحديد اذا اصابه الماء قيل يا رسول الله ما جلاؤها قال كثرة ذكر الموت وتلاوة القرآن۔ (رواه البيهقي) ۔

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں کو بھی مورچہ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو لگتا ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ پھر وہ صاف کیونکر ہو فرمایا موت کو بہت یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے ۔

آٹھویں حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے

عن عبد الله بن مسعود قال قال لی رسول الله صلعم علے المنبر اقرأ علے قلت اقرأ عليك وعليك انزل قال انی احب ان اسمعه من غيری فقرأت سورة النساء حتى اتيت الى هذه الاية فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك علے هؤلاء شهيدا قال حسبك الآن فالتفت اليه فاذا عيناه تذرفان (متفق عليه) ۔

ہیں کہ منبر پر مجھ سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سناؤ۔ میں نے کہا۔ آپ کے آگے میں پڑھوں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ دل پسند ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ پس میں نے سورہ نساء پڑھی یہاں تک کہ میں اس آیت پر آیا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علے ھؤلاء شہیدا یعنے پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائینگے اور تجھ کو ان سب گواہوں پر گواہ لائیں گے آپ نے فرمایا۔

اچھا بس۔ میں نے جو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسو گرا رہی تھیں۔

نویں حدیث ابوداؤد میں بیان ہوئی ہے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ میں

عن ابی سعید الخدری قال جلست فی عصابة من ضعفاء المهاجرین وان بعضهم لیستتر ببعض من العری وقاری یقرء علینا اذ جاء رسول الله صلعم فقام علینا فلما قام رسول الله صلعم سکت القاری فسلم ثم قال ما کنتم تصنعون قلنا کنا نستمع الی کتاب الله تعالیٰ فقال الحمد لله الذی جعل من امتی من امرت ان اصبر نفسی معهم قال فجلس وسطنا لیعدل بنفسه فینا ثم قال بیده هکذا فتحلقوا وبرزت وجوههم له فقال ابشروا یا معشر صعالیک المهاجرین بالنور التام یوم القیٰمة تدخلون الجنة قبل اغنیاء الناس بنصف یوم وذلک خمسمائة سنة (رواه ابو داؤد)۔

ضعیف مہاجروں کے ایک گروہ میں بیٹھا تھا۔ اور ان میں سے بعض بعض سے بوجہ عریانی چھپتے۔ اور ایک قاری ہم پر قرآن پڑھتا تھا اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوئے تو قاری چپ ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ خدا کی کتاب سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے میری امت میں سے ایسے لوگوں کو کیا جن کے ساتھ مجھے صبر کرنے کا حکم ہے۔ کہا ابوسعید خدری نے کہ پھر آنحضرت ہم لوگوں کے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ اپنے کو ہم لوگوں کے برابر کریں۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ پس پس لوگ گرداگرد بیٹھ گئے اور سب

کا منہ آنحضرت کی طرف تھا پس فرمایا کہ اے مفلس مہاجرین تم کو خوش خبری

ہو لوز کامل کی قیامت کے دن ۔ تم لوگ جنت میں مالداروں سے آدھے
دن پہلے جاؤ گے اور یہ پانچ سو برس کا ہوگا +

نازل ہونا قرآن کا سات قرائتوں میں یا قرات مختلفہ میں

اختلاف قرات ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے سبب سے عیسائی
مصنفوں کو نہایت دھوکا پڑا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عہد عتیق اور
عہد جدید کی کتابوں میں اختلاف قرأت ہے اسی طرح اختلاف قرات قرآن مجید
میں بھی ہے ۔ حالانکہ وہ دونو بالکل مختلف ہیں اور جو اسباب کہ عہد عتیق
اور عہد جدید میں قرات مختلفہ کے پیش آئے ہیں ۔ اس سے قرآن مجید کی
قرات سبعہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اگر ہم قرآن مجید کی قرات
سبعہ یا اختلاف قرات کو ان معنوں میں لیں جن معنوں میں کہ عیسائیوں
نے لیا ہے تو بہ آسانی کہا جا سکتا ہے ۔ کہ ہم مسلمانوں کے قرآن مجید میں
اختلاف قرات مطلق نہیں ہے +

عہد عتیق اور عہد جدید میں جو اختلاف قرات ہے اس کی بنیاد اور
اس کے اسباب اور اس کے نتائج ریورنڈ مسٹر ہارن نے یہ بیان کئے
ہیں کہ دو یا زائد قرأت مختلفہ میں صرف ایک ہی قرات صحیح ہو سکتی ہے
اور باقی یا تو کاتب کی عمدًا تحریفات یا غلطیاں ہوں گی " مگر قرآن مجید
میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ تمام اختلاف قرات اس معنے میں جس میں کہ
مسلمانوں نے اس اصطلاح کو قرار دیا ہے جس قدر قرآن مجید میں پائے

جاتے ہیں وہ سب صحیح اور سب درست ہیں گو ظاہر ہیں یہ امر کیسا ہی متناقض معلوم ہوتا ہو +

رورنڈ مسٹر ہارن نے عہد عتیق اور عہد جدید میں قرات مختلفہ کے واقع ہونے کے یہ اسباب بیان کیے ہیں (۱) "ناقلوں کی چوک اور غلطیاں (۲) منقول عنہ میں سقم اور غلطیوں کا موجود ہونا (۳) کاتبوں کا بدون کسی کافی سند کے متن کی عبارت کی اصلاح کی خواہش کرنا (۴) قصداً تحریفات کا کرنا جو کسی فریق کے حصول مدعا کے واسطے کی گئی ہوں" ان اسباب کو قرآن مجید کی اختلاف قرات سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں جو اختلاف قرات ہیں اُن کے اسباب حسب تفصیل ذیل ہیں +

اول۔ تمام قرآن مجید یا اُس کی سورتیں ایک وقت میں نازل نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ کوئی آیت کسی سورت کی سیوقت میں اور کوئی آیت کسی وقت میں نازل ہوئی تھی۔ ایک سورت ابھی ختم ہونے نہیں پاتی تھی کہ دوسری سورت نازل ہونی شروع ہوئی اور ایسی چند آتیں نازل ہوئیں جن کا مضمون اُس سورت کی آیتوں سے جو پہلے نازل ہو چکی تھیں محض مختلف تھا اور یہ سورت بھی ناکمل رہ کر ایک اور سورت نازل ہونی شروع ہو گئی اور اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ تمام آیتیں جس طرح پر نازل ہوئیں علیحدہ علیحدہ چمڑوں کے ٹکڑوں پر اور بے ترتیبی سے لکھی ہوئی رہیں۔ اگرچہ پیغمبر خدا نے تمام آیتوں اور سورتوں کی ترتیب لوگوں کو بتلادی تھی تاہم لوگوں کو جن کے پاس قرآن مجید کی آیتوں کی نقلیں منتشر حالت میں موجود تھیں اُن سب کو اس کا علم نہیں ہوا تھا اس سبب سے آیتوں کو بترتیب پڑھنے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض لوگوں نے بعض آیتوں کو اُن آیتوں کے ساتھ ملاکر پڑھا۔

جن سے وہ ٹھیک طور پر علاقہ نہیں رکھتی تھیں +

دوم۔ نقطوں کا اختلاف - قدیم تحریر میں جس کے نمونے اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں نقطوں کے دینے کا بہت کم رواج تھا۔ فعل مضارع کے پہلے حرف "ی" غائب کے صیغے پر اور حرف "ت" حاضر کے صیغے پر آتی ہے۔ لکھنے میں ان دونو حرفوں کی ایک ہی صورت ہے صرف فرق یہ ہے کہ پہلے حرف کے نیچے دو نقطے ہوتے ہیں اور دوسرے حرف کے اوپر دو نقطے ہیں نقطوں کے لکھنے کا قدیم تحریر میں رواج نہ ہونے سے کسی نے اُس حرف کو "ی" پڑھا اور کسی نے "ت" اور علماء نے اُس کو اختلاف قرارت قرار دیا +

سوم۔ عرب کی مختلف قوموں میں جو مختلف اقطاع میں رہتی تھیں۔ مختلف لہجے تھے اور ہر ایک قوم اپنے لہجے میں قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھتی تھی اور اختلاف لہجہ کو بھی علما نے اختلاف قرارت میں داخل کیا ہے +

چہارم - اعراب کا اختلاف - قدیم تحریر میں لفظوں پر اعراب دینے کا بھی دستور نہ تھا اور نہ اہل عرب کو کہ عربی خود اُن کی مادری زبان تھی اعراب دینے کی ضرورت تھی - مگر بعض دفعہ جملوں کے دو طرح پر ربط دینے سے اعراب میں اختلاف ہو جاتا ہے اس سبب سے لوگ بعض الفاظ کے اعراب میں اختلاف رکھتے تھے مثلاً وضو کی آیت میں جو لفظ "ارجلکم" واقع ہے بعضوں نے خیال کیا کہ اُس کا عطف "وجوھکم" پر ہے جو اُسی میں واقع ہے اور اسی سبب سے اُنہوں نے "ارجلکم کے "ل" کو مفتوح پڑھا - اور بعضوں نے اس کا عطف "رؤسکم" پر خیال کیا اور "ارجلکم" کے "ل" کو مکسور پڑھا - اگرچہ ایسی مثالیں بہت کم ہیں مگر علما نے اس کو بھی

اختلاف قرأت میں داخل کیا۔ حالانکہ درحقیقت یہ ایک بحث نحو کے قواعد سے متعلق ہے۔ نہ اختلاف قراءت سے +

پنجم۔ عربی زبان سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی مادے کے افعال کے لئے عربی زبان میں متعدد ابواب ہوتے ہیں اور اُن ابواب سے ایک ہی مادہ کے مختلف طرح پر صیغے مشتق کئے جاتے ہیں۔ اور گو وہ لکھنے میں ایک ہی صورت کے ہوں مگر اُن کا تلفظ مختلف ہوجاتا ہے اس وجہ سے بعض لفظوں کو قرآن مجید کے کسی شخص نے کسی باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا اور کسی نے دوسرے باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا۔ عرب میں بعض قومیں اُن ابواب میں سے کسی باب کا استعمال کرتی تھیں اور بعض قومیں کسی باب کا۔ اور اسی سبب سے اُن الفاظ کے تلفظ میں اختلاف ہو جاتا تھا۔ اس قسم کا اختلاف بھی بہت ہی شاذ و نادر قرآن مجید میں ہے۔ علمائے اسلام نے اُس کو بھی اختلاف قراءت میں داخل کیا حالانکہ وہ صرف عربی زبان کے قواعد صرف سے متعلق ہے +

اس بیان سے واضح ہوگا کہ کتب عہد عتیق اور عہد جدید پر عیسائی عالموں نے جن معنے کو اختلاف قراءت کا اطلاق کیا ہے اور جو اسباب اُس کے بیان کئے ہیں اُس سے وہی معنے قرآن مجید کے اختلاف قراءت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر اختلاف قراءت کے وہی معنے قرار دیں جو عیسائی عالموں نے قرار دیئے تو اُس کا قرآن مجید کی نسبت استعمال کرنا صریح غلطی اور خطا ہے +

جو امور کہ ہم نے اوپر بیان کئے ہیں اُن کی توضیح کے لئے ہم چند

حدیثوں کو اس مقام پر نقل کرتے ہیں ۔

پہلی حدیث ابوداؤد اور بیہقی کی ہے اس نے جابر سے بیان کیا

عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ صلعم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجیٔ اقوامٌ یقیمونہ کما یقام القدح یتعجلونہ ولا یتاجلونہ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

ہے کہ جابر کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ ہم لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں عربی و عجمی دونو قسم کے لوگ تھے پس فرمایا کہ پڑھو سب اچھا ہے۔ اور آئندہ ایسی قومیں آئیں گی کہ اس کو سپاٹے سے پڑھیں گی تیر کے سپاٹے کی مانند جلدی کریں گی اور ٹھیر کر نہ پڑھیں گی ۔

دوسری حدیث ترمذی کی ہے اس نے ابی ابن کعب سے بیان کیا

عن ابی ابن کعب قال لقی رسول اللہ صلعم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امۃ امیین منہم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والرجل الذی لم یقرء کتابا قط قال یا محمد ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف (رواہ الترمذی) ۔

ہے ابی ابن کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے ملے پس فرمایا کہ اے جبرئیل میں مبعوث ہوا ایک جاہل امت کی طرف جس میں بوڑھے اور بوڑھیا اور لڑکا و لڑکی اور ایسے آدمی ہیں جنھوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی جبرئیل نے کہا اے محمد قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے ۔

تیسری حدیث بخاری اور مسلم کی ہے اُن دونو نے ابن عباس سے

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلعم قال اقرأنی جبرئیل علی

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو جبرئیل نے

حرف فراجعته فلم ازل استزیده ویزیدنی حتی انتھی الی سبعة احرف قال ابن شھاب بلغنی ان تلک السبعة الاحرف انما ھی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولا حرام متفق علیه ۔

قرآن پڑھایا ایک حرف پر پھر میں نے اُن سے دوہرا کر پڑھوایا پس میں زیادہ برابر پڑھواتا رہا اور وہ زیادہ کرتے گئے کہ سات حرف (یعنی قراءت) تک پہنچے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ ساتوں حرف معلوم ہوئے سو مطلب ایک ہی رہتا ہے۔ کسی حلال و حرام میں اُن سے اختلاف نہیں پڑتا ۔

چوتھی حدیث بخاری اور مسلم کی ہے اُن دونوں نے حضرت عمر سے بیان کیا

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ قال سمعت ھشام بن حکیم بن حزام یقرء سورة الفرقان علی غیر ما اقرءھا وکان رسول اللہ صلعم اقرءنیھا فکدت ان اعجل علیه ثم امھلته حتی انصرف ثم لببته بردائه فجئت به رسول اللہ صلعم فقلت یا رسول اللہ انی سمعت ھذا یقرء سورة الفرقان علی غیر ما اقرءتنیھا فقال رسول اللہ صلعم اقرء فقرء القراءة التی سمعته یقرء فقال رسول اللہ صلعم ھکذا انزلت ثم قال لی اقرء فقرءت فقال ھکذا انزلت ان القرآن انزل علی سبعة

ہے عمر بن خطاب نے کہا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان پڑھتے سنا خلاف اُس کے جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ اور مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا پس قریب تھا کہ میں اُن پر جلدی کروں پھر میں نے اُن کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پھر کر چلے پھر میں اُن کو چادر پکڑ کر رسول اللہ صلعم کے پاس لایا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورہ فرقان اور طرح سے پڑھتے سنا۔ اُس طرح سے نہیں جس طرح آپ نے مجھ کو پڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُن کو چھوڑ دو کہ پڑھیں۔

احرف فاقرؤا ما تیسر منہ (متفق علیہ واللفظ للمسلم)

پس انہوں نے اسی طرح پڑھا جیسا کہ میں ان سے سن چکا تھا پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا اسی طرح اتری ہے۔ پھر مجھ سے کہا پڑھو۔ میں نے پڑھا تو فرمایا اسی طرح اتری ہے۔ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے جس طرح آسان ہو پڑھو۔

پانچویں حدیث۔ حدیث بخاری کی ہے انہوں نے ابن مسعود سے بیان

عن ابن مسعود قال سمعت رجلا قرأ وسمعت النبی صلعم یقرأ خلافها فجئت بہ النبی صلعم فاخبرتہ فعرفت فی وجهہ الکراهة فقال کلاکما محسن فلا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا۔ (رواه البخاری)

کیا ہے کہ۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور رسول اللہ صلعم اس کے برخلاف پڑھتے سنا پس میں اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور اس بات کی اطلاع کی۔ پس میں نے حضرت کے چہرے پر ناگواری دیکھی۔ پھر آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو سو اختلاف مت کرو۔ تم سے پہلوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہو گئے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا اس سے ہر شخص کو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کے اختلاف قراءت اور توریت اور انجیل کے اختلاف قراءت میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ اختلاف قراءت جس کو ہم نے مد اول میں داخل کیا ہے یعنے آیتوں کا آگے پیچھے اور الٹ پلٹ پڑھنا وہ اختلاف حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں قریب قریب معدوم ہو گیا تھا جب کہ زید ابن ثابت نے قرآن مجید کے مختلف حصوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا اور جب حضرت عثمان کی خلافت کے عہد میں جنہوں نے زید ابن ثابت کے جمع کئے ہوئے قرآن مجید کی نقلیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں اس اختلاف کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

جس میں حاضر اور غائب کے صیغوں کا اختلاف جو صرف تی اور ت کے
نقطوں کے سبب تھا وہ باقی رہا۔ موجودہ قرآنوں میں اختلاف قراءت بھی لکھا
جاتا ہے نہایت احتیاط سے حاشیے پر ان اختلافات کو لکھ کر دیا جاتا ہے۔ مگر
قرآن مجید کے پڑھنے والوں کو ظاہر ہے کہ وہ اختلافات نہایت قلیل اور شاذ و
نادر ہیں اور مشہور۔ اُن سے اصلی مطالب اور احکام قرآن مجید میں کچھ فرق
نہیں ہوتا ۔

تلفظ کا اختلاف بھی قریب قریب معدوم ہو گیا ہے۔ کیونکہ قریش کے
تلفظ کو سند قرار دینے میں کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ قریش ہی کے لہجے
اور زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور اسی لہجے اور زبان میں جناب پیغمبر
خدا اس کو پڑھا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اس زبان میں بعض حروف ایسے
ہیں جن کا تلفظ اور قوموں سے ادا نہیں ہو سکتا اس سبب سے اس اختلاف
نے بالکل پیچھا نہیں چھوڑا مثلاً اگر ہم کسی ایک عجمی اور کسی بدو اور کسی تربیت
یافتہ عرب کو قرآن پڑھتے ہوئے سنیں۔ تو فوراً پہچان لیں گے کہ یہ اختلاف
اب بھی موجود ہے گر یہ اختلاف صرف قرآن مجید کے پڑھنے میں محسوس
ہوگا نہ اس کے املا میں اور اسی لئے وہ اختلاف ضبط تحریر میں نہیں آ سکتا
اس کا اندازہ کرنے کو ان لوگوں سے قرآن مجید کے سننے کی ضرورت ہے ۔

اعراب کا اختلاف بھی چند مقام میں جو بہ لحاظ قواعد صرف و نحو کے
وقوع میں آیا ہے اب تک موجود ہے۔ اور اسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیوں
پر لکھ بھی دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اس کی نسبت ہر ایک
امر کی تشریح کی جاتی ہے۔ ابواب کے اختلاف سے جو صیغوں میں تلفظ
کا اختلاف ہے۔ وہ بھی بعض بعض جگہ موجود ہے۔ اس کی بھی تصریح اسی

قسم کے قرآن مجید کے حاشیوں پر کیجاتی ہے اور تفسیروں میں اُن پر پوری بحث ہے ◆

مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان اختلافات سے قرآن مجید کے اصلی معنے اور مقصد میں کچھ اثر واقع نہیں ہوتا۔ اور جو الزام کہ عیسائیوں پر اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کا ہے اُس قسم کا الزام مسلمانوں پر قرآن کی آیات میں تصرف کرنے اور کمی و بیشی کرنے کا یا کسی آیتوں کو چھپا ڈالنے کا الزام عاید نہیں ہوسکتا۔ علم ادب کی ایک شاخ ہے جو بالتخصیص قرآن مجید کی عبارت پڑھنے سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کا نام علم تجوید ہے۔ اُس پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں اور علماء نے شرح و بسط سے اُس کی شرحیں کی ہیں ◆

قرآن مجید کی آیات و ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان

عیسائی عالموں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کے معنے سمجھنے میں جن کا اطلاق علمائے اسلام نے بطور اصطلاح کے آیات قرآنی پر کیا ہے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اُنھوں نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ ناسخ آیتوں نے منسوخ آیتوں کو اس وجہ سے کہ اُن میں کچھ نقص یا کسی قسم کا اشتباہ تھا بیکار کر دیا ہے۔ مگر اُن کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ اسلام نے جو دینیات کے مسائل کے محقق ہیں اُن معنوں سے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں مختلف معنے قرار دئیے ہیں۔ مسلمانوں کا اس بات پر ایمان رکھنا ایک مذہبی فرض ہے کہ خدا تعالیٰ علیم اور علام الغیوب ہے۔ یعنے اس کو ماضی اور حال اور استقبال کا یکساں

علم ہے۔ پس اگر ناسخ و منسوخ کے یہ معنے سمجھے جاویں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اپنے حکم سابق کے کسی حکم مابعد سے بدیں وجہ کہ اس پہلے حکم میں کچھ نقصان تھا منسوخ کر دیا تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ حکم سابق کے وقت خدا تعالیٰ کی صفت علم کامل میں کچھ نقصان تھا اور ایسا عقیدہ اسلام کی رو سے کفر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ علماے اسلام نے جن معنوں میں لفظ ناسخ و منسوخ کو استعمال کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں ؛

ناسخ و منسوخ کے لفظ کا اصطلاحاً دو چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ ایک نبی سابق کی ایسی شریعت پر جو دوسرے نبی کی شریعت سے تبدیل ہو گئی ہو۔ مثلاً حضرت موسےٰ کی شریعت سے پہلے ایک مرد اپنی زوجہ کی حیات میں اُسکی بہن یعنے اپنی سالی سے شادی کر سکتا تھا حضرت موسےٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کی زندگی میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد کر سکتا ہے۔ حضرت موسےٰ نے مرد کو کامل اختیار دیا تھا کہ جب چاہے اپنی زوجہ کو طلاق دے دے اور گھر سے باہر نکال دے۔ اس حکم کو بقول عیسائیوں کے حضرت عیسےٰ نے تبدیل کر دیا اور حکم دیا کہ مرد اپنی زوجہ کو کسی صورت سے طلاق نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اُسنے کسی سے زنانہ کیا ہو۔ آنحضرت نے بھی طلاق دینے کو مرد کے اختیار میں رکھا لیکن اس پر یہ قید لگائی کہ اگر بغیر کسی اشد ضرورت اور معقول وجہ کے ایسا کرے تو وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوگا ؛

الفاظ ناسخ و منسوخ کا استعمال جو علماے اسلام نے شریعت انبیاے سابقین کی نسبت کیا ہے اور جس کا یہ مقصود ہے کہ ناسخ سے وہ شریعت مراد ہے جو شریعت نبی سابق کو بغیر واجب العمل کردے اور منسوخ سے وہ شریعت

سابق مراد ہے جو غیر واجب العمل ہوگئی ہو۔ ان معنوں میں تو قرآن مجید کی آیتوں پر لفظ منسوخ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن مجید کے بعد کوئی ایسی شریعت نازل نہیں ہوئی۔ اور نہ نازل ہوگی جو شریعت اسلام کو غیر واجب العمل کردے۔ مگر ہم انبیاے سابقین کی شریعت کے منسوخ ہونے پر زیادہ بحث نہیں کریں گے بلکہ صرف اس مختصر بیان پر ختم کریں گے کہ علماے اسلام نے شریعت انبیاے سابقین پر بھی ناسخ و منسوخ ہونے کا اطلاق اُن معنوں میں نہیں کیا ہے جو عیسائی خیال کرتے ہیں۔

جو کچھ کہ ہم نے اوپر بیان کیا اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن مجید کی وہ آیت جس کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت کے منسوخ ہونے سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی ہے اور نہ اُس سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت قرآن مجید کی دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے کیونکہ اُس آیت میں جو کچھ بیان ہے وہ انبیاے سابقین کی شریعت کے ناسخ و منسوخ ہونے سے متعلق ہے نہ قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت سے اور وہ آیت یہ ہے۔ اہل کتاب جو کافر ہوئے اور مشرکین یہ

ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی

نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے خدا کی طرف سے کوئی بھلائی اترے۔ اور خدا خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے اور خدا بڑی فضیلت والا ہے۔ ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے اچھی لاتے ہیں یا اُس کے برابر

کل شئ قدیر — کیا تو یہ نہیں جانتا کہ خدا ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے ؛
(سورہ بقر آیت ۹۹ و ۱۰۰) ؛

مذکورہ بالا آیتوں سے کوئی ذی فہم شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کا قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ صاف اس میں اہل کتاب کا ذکر ہے اور اہل کتاب جو اس بات کے مخالف تھے کہ ان کی شریعت کے برخلاف کوئی حکم نہ ہو اس کی نسبت خدا نے کہا کہ ہم جس آیت یعنے حکم شریعت اہل کتاب کو منسوخ کرتے یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مانند حکم بھیج دیتے ہیں ؛

ہمارے نزدیک اس آیت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے بلکہ اس کو صریح شریعت اہل کتاب یا رسوم مشرکین سے علاقہ ہے جن کی طرف خاص اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کی شریعت کے احکام میں شریعت محمدی سے کسی قدر کمی بیشی ہو گئی ہے ؛

دوسرے ناسخ و منسوخ کی اصطلاح کا اطلاق علماء نے قرآن مجید کی آیتوں اور احادیث نبوی پر بھی کیا ہے۔ لیکن نہ ان معنوں میں جو عیسائی سمجھتے ہیں ؛

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں ایسے احکام ہیں جو امر واحد سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مگر وہ احکام مختلف حالات اور موقع پر صادر ہوئے ہیں اور جبکہ وہ حالت باقی نہیں رہتی تو وہ حکم جو اس حالت سے متعلق تھا غیر واجب التعمیل ہو جاتا ہے اور دوسرا حکم جو حالت تبدیل شدہ سے مناسبت رکھتا صادر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں علمائے اسلام حکم اول پر منسوخ اور حکم ثانی پر ناسخ کا اطلاق

کرتے ہیں مگر اس کے یہ معنی کسی طرح نہیں ہوسکتے کہ حکم اول میں کسی قسم کا نقص تھا بلکہ وہ حالت خاص جس کے واسطے وہ حکم مناسب تھا باقی نہیں رہی اس لئے وہ حکم بھی واجب التعمیل نہیں رہا لیکن درحقیقت منسوخ نہیں ہوا کیونکہ اگر اجیانًا وہی حالت پھر ظہور پذیر ہو تو وہی پہلا حکم واجب التعمیل ہوگا اور دوسرا حکم واجب التعمیل نہ رہے گا ✦

مثلًا جب شراب پینے کی امتناع کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کا بھی جو عرب میں بالتخصیص شراب پینے کے لئے مخصوص تھے منع فرمایا۔ مگر جب شراب پینے کی امتناع کا حکم عمومًا سب لوگوں کو معلوم ہوگیا اور اس کا رواج بھی اٹھ گیا اس وقت آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کی اجازت دے دی۔ اسی قسم ایک یہ مثال ہے کہ جب مسلمان مکہ میں رہے جہاں کفار قریش کی حکومت تھی اور مسلمان ان کے محکوم تھے اس وقت تک ان کو اپنے حکام کے ہاتھ سے ہر قسم کی تکلیفوں اور سختیوں کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم رہا۔ لیکن جب کہ مسلمان ان کی عملداری کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے تو اس وقت جہاد کرنے کے احکام صادر ہوئے۔ ان دونو مثالوں میں علمائے اسلام نے اصطلاحًا حکم اوّل کو منسوخ اور حکم ثانی کو ناسخ سمجھا ہے لیکن اگر پہلی صورتیں پھر پیش آویں تو وہی پہلے حکم واجب التعمیل ہونگے ✦

مختلف امور میں بعض احکام شریعت موسوی کے ایسے تھے کہ جب تک خاص احکام ان کی نسبت آنحضرت پر نازل نہیں ہوئے آنحضرت نے انھیں حکموں پر عمل کیا۔ مگر جب خاص حکم نازل ہوئے تو ان کے مطابق کاربند ہوئے اور علماء نے ان احکام موسوی پر بھی منسوخ اور ان احکام خاص پر ناسخ کا

اطلاق کیا۔ ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صرف اصطلاحیں ہیں جو علما نے مقرر کی ہیں۔ محققین علماے اسلام کا عقیدہ ہے کہ الفاظ ناسخ و منسوخ اپنے اصلی اور لغوی معنوں میں قرآن مجید کی نسبت مستعمل نہیں ہوئے ہیں ٭

جعفر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ "میرا کلام قرآن مجید کو منسوخ نہیں کرتا ہے مگر قرآن مجید کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت ایک آیت کو منسوخ کرتی ہے۔ اور ابن عمر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ وہ میرا ایک کلام میرے دوسرے کلام کو منسوخ کرتا ہے جس طرح کہ قرآن کی بعض آیتیں قرآن کی بعض آیتوں کو منسوخ کرتی ہیں" ان حدیثوں کی معتبر سند نہیں ہے اس لئے تسلیم کے قابل نہیں ہیں ٭

اس باب میں ابن ماجہ کی حدیث نہایت صحیح اور معتبر ہے جو ان دونو حدیثوں کے برخلاف ہے اور جن سے اُن لوگوں کی راے کی جو قرآن کی ایک آیت سے دوسری آیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں بخوبی تردید ہوتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔ عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ

عن جدہ قال سمع النبی صلعم قوما یتدارئون فی القرآن فقال انما ھلک من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض وانما انزلنا کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضا فلا تکذبوا بعضہ ببعض فما علمتم منہ فقولو!

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو سنا کہ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں پس فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی سے ہوئے خدا کی کتاب کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے لڑا دیتے تھے

به وما جهلتم فكلوه الى عالمه | اور خدا کی کتاب تو اس لئے اتری ہے
(رواہ احمد و ابن ماجه) | کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو۔ پس
بعض کی بعض سے تکذیب مت کرو۔
اس میں سے جو جانو وہ کہو اور جو نہ جانو اس کو اس کے واقف کار پر چھوڑ دو

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی کسی آیت کی نہ ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے

مگر عالموں کا یہ اختلاف محض لفظی بحث پر مبنی ہے کیونکہ دونو فریق یعنے وہ لوگ جو ناسخ و منسوخ کے ہونے کے قائل ہیں اور جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں دونو کے مباحثوں سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس لئے ہم اس مقام پر ان پہلی دو حدیثوں کے نامعتبر اور غیر مستند ہونے پر بحث کرنی بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ دونو فریقوں کا بہ لحاظ حقیقت حال کے ایک ہی عقیدہ ہے

ایک زمانہ کے بعد جب کہ فقہائے اسلام نے قرآن مجید سے اوامر اور نواہی کا استنباط شروع کیا اور کتب فقہ کا تالیف ہونا شروع ہو گیا تو انہوں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کو اور بھی زیادہ وسیع اصطلاح میں استعمال کرنا شروع کیا جس پر نہ تو ان الفاظ کے لغوی اور لفظی معنے کا اور نہ ان معنوں کا جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ٹھیک ٹھیک اطلاق ہو سکتا ہے

مثلاً انہوں نے دیکھا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں کسی معاملے کی نسبت ایک عام حکم ہے اور پھر کوئی خاص آیت ان کو ایسی ملی کہ جس سے اس عام حکم میں کسی حالت میں استثناء پایا جاتا تھا تو انہوں نے اس

خیال ہے کہ وہ پہلی آئت اپنی عمومیت پر باقی نہیں رہی اُس کو منسوخ اور دوسری آئت کو اُس کا ناسخ قرار دیا حالانکہ یہ صرف ایک فرضی اصطلاح ہے چنانچہ ہم ایک مثال سے اس امر کی زیادہ تر تشریح اور توضیح کرتے ہیں +

قرآن مجید میں ایک یہ آیت ہے کہ - اور جو لوگ تم میں سے وفات

والذین یتوفون منکم و	پاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیاں
یذرون ازواجا وصیۃ لازواجہم	وصیت کرجاویں اپنی بیبیوں کے
متاعًا الی الحول غیر اخراج فان	لئے فائدہ دینا - ایک برس تک بن
خرجن فلا جناح علیکم فیما	نکالے - پس اگر نکل جاویں پس
فعلن فی انفسھن من معروف	نہیں گناہ ہے تم پر اُس چیز میں کہ
واللہ عزیز حکیم (سورۂ بقر آیت ۲۴۲) +	کریں وہ اپنے حق میں کچھ بہتری اور اللہ غالب دانا ہے +

اس آیت کے صاف اور سیدھے معنے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنے مرنے کے بعد ازواج چھوڑ جاویں اُن کے ایک برس کے نان و نفقہ کے لیے وصیت کرجاویں تاکہ عورت (جو کہ اس جہان میں اپنے تمام حوائج ضروری میں اپنے خاوند کی محتاج ہوتی ہے) اپنے رنج و مایوسی کے ایام میں خاوند کے مرجانے سے مصیبت اور تکلیف میں نہ پڑے - ہمارے فقہا نے بیان کیا کہ اس آیت سے تین حکم نکلتے ہیں -

(۱) شوہر پر واجب ہے کہ زوجہ کے سال بھر کے نان و نفقہ کی وصیت کرے +

(۲) زوجہ شوہر متوفی کی جائداد میں سے ایک سال سے زیادہ کے نان و

نفقہ کی مستحق نہیں ہے +

(۳) زوجہ شوہر کی وفات کی تاریخ سے سال بھر تک کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی +

جب کہ فقہا نے اپنی ذہانت سے یہ قرار دیا کہ اس آیت سے یہ تین مسئلے نکلتے ہیں تو ان کو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے :-

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرا فاذا بلغن اجلہن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونہن ولکن لا تواعدوہن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۴ و ۲۳۵) +

اور جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں۔ تو انتظار کرائیں (یہ عورتیں) اپنی جانوں کو چار مہینے اور دس دن۔ پس جب پہنچیں اپنی مدت کو پس تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اس چیز میں کہ وہ اپنے حق میں بھلائی سے کوئی بات کریں اور خدا اس چیز سے خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہیں گناہ ہے تم پر اس بات میں کہ اشارتاً تم نے عورتوں سے پیغام نکاح کیا ہو یا تم نے اپنے دل میں چھپا رکھا ہو۔ خدا جانتا ہے کہ تم ان کو یاد کروگے مگر ان سے خفیہ وعدے مت کرلو بجز اس کے کہ اچھی بات کہو +

اس آیت میں انھیں فقہا نے اس میعاد کی تصریح اور تعیین پائی جس میں عورت کو شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرنا نہیں چاہیئے اور انہوں نے سمجھا کہ یہ تعیین میعاد پہلی آیت کے تیسرے حکم سے جو انہوں نے از خود اپنی ذہانت سے قرار دے لیا تھا مختلف ہے تو انہوں نے پہلی

آیت کے تیسرے حکم کو بہ لفظ منسوخ تعبیر کیا اور پچھلی آیت کو اس کا ناسخ قرار دیا +

اس کے بعد ان کو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے
ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین (سورہ نساء آیت ۱۴) + اور ان کے لئے چوتھائی حصہ ہے تمہارے ترکے میں سے اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو ان کے لئے آٹھواں ہے تمہارے ترکے میں سے بعد وصیت کے جو تم نے کی ہو یا قرضہ ہو +

اس آیت سے انہوں نے یہ دیکھا کہ بیوہ عورت کے لئے اس آیت میں او صاف صاف معین حصہ شوہر کے ترکہ میں سے معین ہے تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ پہلی آیت سے جو انہوں نے پہلا اور دوسرا حکم استخراج کیا تھا وہ دونو حکم بھی اس آیت سے منسوخ ہو گئے اور یہ آیت ان کی ناسخ ہے +

ہر سمجھ دار آدمی یہ بات جانتا ہے کہ مذہب اسلام میں فقہاء کا ایسا درجہ نہیں ہے جیسا کہ عیسائی مذہب میں پوپ کا درجہ ہے جس کو عیسائی خطا اور نسیان سے مبرا سمجھتے ہیں مسلمانوں کے مذہب میں قرآن مجید ہر شخص کی دسترس میں ہے اور ہر شخص کو اس میں حق بات کی تلاش کرنے کا اختیار ہے ہر مسلمان اس بات کا مجاز ہے اگر وہ چاہے تو مذکورہ بالا تینوں مسئلوں کو جو فقہاء نے مذکورہ بالا آیت سے ماخذ کئے گئے ہیں اور جو درحقیقت ایک مسئلہ بھی ان مسئلوں میں سے اس آیت سے اخذ نہیں ہو سکتا نہ مانے اور صاف کہہ دے کہ ان آیتوں میں سے کوئی

آیت بھی ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ نہیں ہے پس کسی آیت کو ناسخ اور کسی کو منسوخ قرار دینا صرف فقہاء کی رائے ہے جو انہوں نے اپنے مسائل کے استنباط کے طریقے کی تسہیل کے لئے اختیار کی ہے مگر اس سے یہ بات کہ درحقیقت قرآن میں ناسخ و منسوخ ہے لازم نہیں آتی +

مگر افسوس یہ ہے کہ عیسائی عالموں نے جو سمجھا ہے اس میں دانستہ یا نادانستہ غلطی کی ہے مشہور و معروف مورخ گبن اور ہمارے زمانے کے بڑے عالم سر ولیم میور نے ناسخ و منسوخ کی اصطلاحوں کے صحیح اور اصلی معنوں سے جن میں ہمارے فقہا نے ان کو مستعمل کیا تھا۔ ناواقفیت کی وجہ سے صریح مغالطہ کھایا ہے اور وہ خیالات بیان کئے ہیں جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں +

گبن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ کہ "مرضی الٰہی کے دائمی اور کامل اندازے کے بجائے آیات قرآن (مجید) محمد (صلعم) کی سمجھ کے مطابق مرتب ہوئی تھیں۔ ہر وحی ان کی حکمت عملی یا خواہش کے مناسب ہے اور آیتوں کا "تناقض اس وسیع قول سے کہ کسی پہلی آیت میں کسی پچھلی آیت سے تبدیل یا ترمیم ہوگئی ہے رفع ہوگیا ہے +

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ تنسیخ کا آسان عقیدہ ۔۔ قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے گر مسلمان اس اجتماع ضدین کی تطبیق کی حتے الامکان کوشش کرتے ہیں۔ تاہم بہ مجبوری ان کو معترف ہونا پڑا ہے کہ قرآن میں کم سے کم دو سو پچیس آیتیں منسوخ ہیں +"

اس خطبہ کے شروع میں ہم نے بیان کیا ہے ۔ کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی تھی۔ اول وحی متلو یعنے کلام اللہ۔ دوم وحی غیر متلو یعنے حدیث۔ یہ ممکن ہے کہ بعض شخصوں نے غلطی سے دوسری قسم کی وحی کو پہلی قسم کی وحی سمجھا ہو اور اُن کو قرآن مجید میں نہ پاکر یہ گمان کیا ہو۔ کہ بعض آئیں منسوخ ہو گئی ہیں اور جو کہ اُن کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اس لئے قرآن مجید میں مندرج نہ ہوئیں مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال جس کو ہُوا خود اس کی غلطی ہے علاوہ اس کے اس بات کے فرض کر لینے کے لئے کہ کوئی آیت ایسی تھی جس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور اس لئے قرآن مجید سے خارج رکھی گئی تھی کوئی سند نہیں ہے۔ چنانچہ ہم اس امر کی نسبت اس خطبے کے اخیر میں پوری بحث کریں گے ؎

کیا جناب پیغمبر خدا قرآن کی کوئی آیت

بھول گئے تھے

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جناب پیغمبر خدا کو تمام قرآن من اولہ الی آخرہ جو نازل ہوا تھا یاد تھا اور کبھی کوئی آیت آنحضرت نہیں بھولے نہ آپ کے دل سے محو ہوئی۔ اور تمام آئیں جو آپ پر نازل ہوتی تھیں آپ کاتبوں سے لکھوا دیتے تھے۔ اس کی سند میں قرآن مجید کی ایک آیت کا اور بخاری کی ایک حدیث کا لکھ دینا کافی ہے قرآن کی آیت یہ ہے کہ " ہم سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ تجھ کو پڑھا دیں گے سو تو نہ بھولیگا

مگر جو خدا چاہے "

(سورہ سبح اسم ایت ۶)

بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر اس طرح پر کی ہے (ہم تجھ کو پڑھا

(سنقرئك) على لسان جبرئيل او سنجعلك قاريا بالهام القراءة (فلا تنسى) اصلا من قوة الحفظ مع انك امي ليكون ذلك اية اخرى لك ... (الا ما شاء الله) نسيانه بان نسخ تلاوته وقيل المراد به القلة والندرة لما روي انه عليه السلام اسقط اية في الصلوة فحسب ابي انها نسخت فسأله فقال نسيتها او نفي النسيان راسا فان القلة تستعمل للنفي (بيضاوی)

دیں گے) جبرئیل کی زبان سے یا تجھ کو قاری کریں گے قراءت کے الہام سے (پس تو نہ بھولے گا) ہرگز حافظے کی قوت سے باوجود اس کے کہ تو اَن پڑھ ہے تاکہ یہ ایک نشانی ہو دوسری تیرے لئے۔ (مگر جو خدا چاہے) اُس کا بھلا دینا اس طرح پر کہ اسکی تلاوت منسوخ کردی اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کم ہونا اور نادر ہونا ہے اس لئے کہ روایت ہے کہ آنحضرت نے ایک آیت نماز میں چھوڑ دی۔ پس ابی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ وہ منسوخ ہوگئی سو حضرت سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں بھول گیا۔ یا بھولنے کی مطلقاً نفی مراد ہے۔ کیونکہ قلت کا لفظ نفی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے

بیضاوی نے اول تو یہ لکھا ہے کہ "فلا تنسی" سے یہ مطلب ہے کہ پیغمبر صاحب قرآن کو ہرگز نہیں بھولنے کے۔ "الا ماشاء اللہ" کے لفظ میں اُس نے تین رائیں قائم کی ہیں۔ ایک یہ کہ منسوخ شدہ آیت کو بھول

بھول جاویں گے - یہ صرف اُس کی راے ہے قرآن مجید سے اس پر کوئی نص نہیں ہے۔ دوسری راے اُس نے ایک حدیث پر قایم کی ہے کہ آپ ایک آیت پڑھنی بھول گئے تھے اگر ہم اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیں تو بھی اُس سے بھول جانا کسی آیت کا بلحاظ دل سے محو ہو جانا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسری راے اُس کی نسیان سے قطعی انکار کی ہے - یہ راے صحیح ہے گو کہ جو وجہ اُس نے لکھی ہے وہ خود اُس کے دل کی پیدا کی ہوئی ہے جس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے +

قرآن مجید کا طرز بیان یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے قادر مطلق ہونے کے اظہار کے لئے ہر ایک حکم اور ہر ایک امر کے ساتھ جملہ استثنائیہ فرماتا ہے مگر اُس سے درحقیقت یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ واقع بھی ہوگا بلکہ اُس سے محض اظہار قدرت مراد ہوتا ہے اس کی سینکڑوں مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں - پس اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ درحقیقت آنحضرت کسی آیت کو بھول گئے تھے یا بھول جاویں گے۔ بلکہ صرف اظہار قدرت کے لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم قرآن کا کوئی جزو نہیں بھولو گے لیکن جس کو خدا چاہے - زمخشری جو علم عربیت کا بہت بڑا عالم ہے یہی بات لکھتا ہے کہ اس جملے سے استثنا مراد نہیں ہے۔ اور اُس کی مثال اس طرح پر دی ہے - کہ مثلاً کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے اُس میں تو بھی شریک ہے۔ مگر جو خدا چاہے - تو اس طرح کہنے سے کسی چیز کا استثنا کرنا شرط نہیں

فی الکشاف کما تقول لصاحبك انت سهیمی فیما املك الا ما شاء الله لا یقصد استثناء شی (کشاف)

سے مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس مقام پر پہلی جملہ استثنائیہ سے کسی آیت کا مستثنا کرنا مقصود نہیں ہے +

بخاری میں اسی کے متعلق دو حدیثیں حضرت عائشہ سے مذکور ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ عایشہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک

عن عایشة سمع النبی صلعم رجلا یقراء فی المسجد فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا وکذا آیة من سورة کذا (بخاری باب نسیان القرآن) +

شخص کو مسجد میں پڑھتے سنا پس کہا کہ خدا اس پر رحم کرے مجھ کو یہ آئیں اس سورۃ سے یاد دلائیں +

دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت عایشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عن عایشة قالت سمع رسول الله صلعم رجلا یقراء فی سورة باللیل فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا وکذا آیة کنت انسیتها من سورة کذا (بخاری باب نسیان القرآن) +

صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک سورۃ پڑھتے سنا رات کو پس فرمایا کہ خدا اس پر رحم کرے مجھ کو فلاں فلاں آئیں یاد دلائیں جن کو میں فلاں سورۃ سے بھول گیا تھا +

اول تو ان دونو حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں ہوا تھا اور اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ حضرت عایشہ خود موجود تھیں۔ کیونکہ اس کا کوئی اشارہ ان حدیثوں میں نہیں ہے اور اس لیئے یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں۔ دوسری وجہ ان حدیثوں کے قابل استدلال نہ ہونے کی یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں نہیں بیان کیا کہ وہ آیت کونسی تھی جس کو آنحضرت بھول گئے تھے اور نہ یہ بیان کیا ہے کہ کس سورۃ کی وہ آیت تھی۔ قطع نظر اسکے مسلمان جو نسیان سے انکار کرتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی آیت آنحضرت

کے سینہ مبارک سے محو نہیں ہو گئی تھی کہ ہمیشہ کے واسطے معدوم ہو گئی ہو۔ اگر اس نسیان کو جو ان حدیثوں میں مذکور ہے تسلیم بھی کر لیں تو اس کا نتیجہ صرف اتنا ہے کہ جس وقت اس شخص نے وہ آیت پڑھی اس وقت آنحضرت کو اس کا خیال نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ خوب یاد دلایا۔ یہ امر بمقتضائے بشریت ہو سکتا ہے کیونکہ ہم بشریت سے آنحضرت کو مبرا نہیں کرتے ہیں۔ اس آیت کا یاد آ جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت کے سینہ مبارک سے وہ آیت محو نہیں ہوئی تھی۔

قرآن مجید حضرت ابو بکر کی خلافت میں کس طرح جمع ہوا

قرآن مجید کے جمع ہونے کا صحیح اور کامل بیان حضرت ابو بکر کی خلافت میں بخاری کی ایک صحیح اور معتبر حدیث میں مذکور ہے جس کو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں وہ حدیث یہ ہے۔ زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ مجھ کو ابو بکر

عن زید ابن ثابت قال ارسل الی ابو بکر رض عند مقتل اهل الیمامة فاذا عمر ابن الخطاب عنده قال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن

نے اہل یمامہ کے قتل کے زمانے میں بلا بھیجا۔ عمر بن خطاب بھی وہاں موجود تھے ابو بکر نے کہا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری کثرت سے قتل ہو گئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اور موقعوں میں بھی قاری کثرت سے مقتول ہوں

وانی اریٰ ان تامر بجمع القرآن قلت
لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول اللہ
صلعم قال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل
عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری
لذلک و رأیت فی ذلک الذی رأی
عمر قال زید قال ابوبکر انک رجل
شاب عاقل لا نتہمک وقد کنت
تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ
فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال
ماکان اثقل علی مما امرنی بہ من
جمع القرآن قال قلت لابی بکر کیف
تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو واللہ
خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی
شرح اللہ صدری للذی شرح لہ
صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القرآن
اجمعہ من العسب واللخاف وصدور
الرجال حتی وجدت اخر سورۃ
التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری
لم اجدھا مع احد غیرہ لقد

تو قرآن بہت سا جاتا رہے گا۔ اور
میری یہ رائے ہوتی ہے کہ تم قرآن
کے جمع کرنے کا حکم کرو۔ میں نے
عمرؓ سے کہا کہ تم وہ کام کیونکر کروگے
جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ
عمدہ بات ہے۔ عمرؓ اسی طرح مجھ سے
اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے
میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور
میں نے بھی اس کام میں وہ فائدہ
دیکھا جو عمرؓ نے سوچا تھا۔ زید کہتے
ہیں کہ ابوبکر نے کہا تم جوان عاقل
آدمی ہو تم پر ہم بدگمانی نہیں کرسکتے۔
اور تم رسول اللہ صلعم کے لئے وحی
لکھا کرتے تھے۔ پس قرآن کی جستجو
کرکے اس کو جمع کرو۔ سو خدا کی قسم اگر
کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر
اتنا گراں نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع
کرنے کا حکم گراں معلوم ہوا۔ میں نے
ابوبکر سے کہا تم لوگ وہ کام کیونکر کروگے
جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

جاءکم رسول من انفسکم عزیز	نے نہیں کیا۔ ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم
علیہ ما عنتم" حتیٰ خاتمۃ براءۃ	یہ اچھا کام ہے۔ ابوبکرؓ اسی طرح اصرار
وکانت الصحف عند ابی بکر حتیٰ	کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا
توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم	سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے
عند حفصۃ بنت عمر (رواہ البخاری)	لئے ابوبکر و عمر کو خیال دلایا تھا۔ پس

میں قرآن کو تلاش کر کے جمع کرنے لگا ہڈیوں اور سفید پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینہ سے یہاں تک کہ سورہ توبہ کا اخیر میں نے ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا اور کسی کے پاس نہیں پایا" لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم" سے براءۃ کے اخیر تک۔ اور سب قرآن ابوبکر کے پاس تھے یہاں تک کہ خدا نے اُن کو وفات دی۔ پھر عمرؓ کے پاس تھے اُن کی زندگی تک پھر حفصہ کے پاس جو عمرؓ کی بیٹی تھیں +

مذکورہ بالا حدیث سے تین امر کی قرار واقعی تصریح ہوتی ہے +

اول۔ حضرت عمرؓ کے اس کہنے سے کہ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری قتل ہو گئے ہیں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ اگر اور مقاموں میں سخت لڑائی ہو اور قرآن کے قاری بہت مارے جاویں تو اکثر حصہ قرآن کا ضائع ہو جائیگا اس قول سے پایا جاتا ہے کہ اُس وقت تک بہت سے قاری جن کو قرآن مجید جس قدر کہ آنحضرت پر نازل ہؤا تھا بخوبی یاد تھا موجود تھے +

دوم۔ ہم کو بدرجۂ یقین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو قرآن مجید حفظ یاد تھا +

سوم۔ اس میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں تھی جو تلاش کے بعد چمڑے یا ہڈیوں یا اَور کسی چیز پر لکھی ہوئی نہ ملی ہو +

ان تمام بیانوں سے جو اوپر مذکور ہوئے اور نیز عبدالعزیز بن رفیع کی حدیث سے جس کو ہم ابھی نقل کریں گے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ کہ زید ابن ثابت نے کل قرآن مجید کو بے کم و کاست جمع کر لیا تھا اور یہ قرآن جو بالفعل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے بجنسہٖ وہی ہے۔ کوئی چیز اس میں چھوٹی ہوئی نہیں ہے ۔

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل ابن عباس کے پاس گئے۔ شداد نے ان سے کہا کہ آیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھوڑا ابن عباس نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں اپنے قرآن کہا اور گئے ہم محمد بن حنفیہ کے پاس اور ان سے بھی پوچھا انہوں نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں +

عن عبد العزیز بن رفیع قال دخلت انا و شداد بن معقل علے ابن عباس فقال له شداد بن معقل اترك النبی صلعم من شیٔ قال ما ترك الا ما بین الدفتین قال و دخلنا علی محمد بن الحنفیة فسألنا فقال ما ترك الا ما بین الدفتین (بخاری)

حضرت عثمانؓ جامع الناس علے القرآن کی خلافت میں قرآن مجید کی نقلوں کا تقسیم ہونا

وہی قرآن جس کو زید ابن ثابت نے جمع کیا تھا حضرت عثمان کی خلافت

تک محفوظ چلا آتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں اُس کی متعدد نقلیں مختلف ممالک میں بھیجیں۔ چنانچہ یہ امر نہایت تفصیل کے ساتھ بخاری کی حدیث میں مذکور ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

حذیفہ بن یمان عثمانؓ کے پاس آئے اور وہ عراق والوں کے ساتھ اہل شام سے لڑتے تھے۔ آرمینیہ اور آذربیجان کی فتح میں۔ تو حذیفہ کو ان لوگوں کا قراءۃ قرآن میں مختلف ہونا رنج دہ ہوا۔ حذیفہ نے عثمانؓ سے کہا اے امیر المومنین اس امت کی خبر لو قبل اس کے کہ قرآن میں مختلف ہو جس طرح یہود و نصاریٰ مختلف ہوئے۔ عثمانؓ نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ صحیفے ہمارے پاس بھیجدو ہم نقل کر کے واپس بھیج دینگے حفصہ نے عثمانؓ کے پاس وہ صحیفے بھیج دیئے۔ عثمانؓ نے زید ابن ثابت و عبد اللہ بن الزبیر و سعد بن العاص و عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا سو ان لوگوں نے اُن کو مصحفوں میں نقل کیا۔ اور عثمانؓ نے تین قریشی گروہوں سے کہا کہ جب تم لوگ اور زید ابن ثابت قرآن کی کسی چیز میں اختلاف

عن انس بن مالک ان حذیفۃ بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اهل الشام فی فتح ارمینیۃ واذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفۃ اختلافهم فقال حذیفۃ لعثمان یا امیر المؤمنین ادرک هذه الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود والنصاری فارسل عثمان الی حفصۃ ان ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها الیک فارسلت بها حفصۃ الی عثمان فامر زید ابن ثابت وعبد الله ابن الزبیر وسعد بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین الثلثۃ اذا اختلفتم انتم وزید ابن ثابت فی شیء من القرآن (وفی حدیث "فی عربیۃ

من عربیۃ القرآن" باب نزول القرآن
بلسان قریش، فاکتبوہ بلسان
قریش فانما نزل بلسانھم ففعلوا
حتیٰ اذا نسخوا الصحف فی المصاحف
رد عثمان الصحف الی حفصۃ وارسل
الیٰ کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما
سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف
ان یحرق قال ابن شہاب واخبرنی
خارجۃ بن زید ابن ثابت انہ سمع
زید بن ثابت قال فقدت آیۃ من
الاحزاب حین نسخنا المصحف وقد
کنت اسمع رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم یقرأ بھا فالتمسنا ھا فوجدنا
مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری "من
المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ
علیہ" فالحقنا ھا فی سورتھا فی
المصحف (رواہ البخاری) +

کرو (اور ایک حدیث میں ہے کہ قرآن
کی کسی عربیت کے متعلق اختلاف
کرو دیکھو باب نزول القرآن بلسان
قریش) تو اس کو قریش کی زبان میں
لکھو کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں
اترا ہے۔ پس ان لوگوں نے ایسا ہی
کیا یہاں تک کہ جب صحیفوں کو مصحفوں
میں نقل کر لیا تو عثمانؓ نے صحیفے حفصہ
کے پاس واپس بھیج دیے - اور جو
قرآن کے نسخے نقل ہوئے ان کو
ملک کے ہر ایک حصے میں بھیج دیا اور
حکم دیا کہ اس کے سوا جو کچھ کہ کسی صحیفہ
یا مصحف میں ہو سب جلا دیا جاوے
ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو خارجہ بن
زید بن ثابت نے خبر دی کہ انہوں نے
زید بن ثابت سے سنا وہ کہتے تھے
کہ میں نے "احزاب" کی ایک آیت
نہیں پائی قرآن کی نقل کرنے وقت - اور میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
سے اس کو پڑھتے سنا تھا۔ پس ہم نے اس کی جستجو کی۔ پس خزیمہ بن ثابت
انصاری کے پاس یہ آیت پائی "من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا
اللہ علیہ" پس اس کو اس کی سورت میں مصحف میں ملا دیا +

یاد رکھنا چاہئے کہ جملہ "اختلافھم فی القراءت" سے وہی اختلاف قراءت مراد ہے جس کا بیان شرح وبسط سے اوپر ہو چکا ہے اور جملہ "فی عربیتہ من عربیۃ القرآن" جس کو ہم نے دو خطوط ہلالی میں لکھا ہے اور جو ایک اور حدیث کا ٹکڑا ہے اس مطلب کو زیادہ تر واضح کرتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں جو نقلیں ہوئی تھیں وہ بالکل مطابق اصل کے تھیں اور اُن میں کسی طرح تغیر و تبدل یا کمی و بیشی نہیں کی گئی تھی۔ لہجہ یا صیغوں کے تلفظ کا جو اختلاف عرب کی زبانوں میں تھا اُس کا بھی کچھ نشان نہ تھا۔

زید ابن ثابت کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ توبہ کا اخیر حصہ خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا تھا لیکن اس روایت میں بیان ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت خزیمہ انصاری کے پاس سے نکلی تھی۔ ان دونو بیانوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ جس زمانے میں زید ابن ثابت نے قرآن کو جمع کیا تھا اُس زمانے میں سورہ توبہ کا آخری حصہ بھی خزیمہ کے پاس سے ملا ہوگا اور سورہ احزاب کی آیت بھی اُنہیں کے پاس سے نکلی ہوگی۔ اس اخیر کی روایت سے یہ سمجھنا کہ احزاب کی آیت بروقت نقل کرنے قرآن کے دستیاب ہوئی تھی یہ غلطی ہے کیونکہ یہ ذکر بھی اس روایت میں اُسی وقت کا ہے جب کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں زید ابن ثابت نے قرآن جمع کیا تھا۔ اور اگر فرض کریں کہ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب کہ قرآن کی نقلیں ہوتی تھیں تو بھی ممکن ہے کہ اُس جمع کئے ہوئے قرآن میں سے وہ آیت کسی طرح خراب ہوگئی ہو اور پھر تلاش سے خزیمہ کے پاس سے ملی ہو۔ یا ابن شہاب کو یا حضرت انس کو اس روایت

کے بیان کرنے میں کچھ اشتباہ واقع ہوا ہو۔

قرآن مجید کا اپنے طرز میں کامل ہونا اسکے الہامی الاصل ہونے کو ثابت کرتا ہے

اس موقع پر ہم بشپ مڈلٹن کے بیان کو جو ایک عالم اور فاضل آدمی تھا نظرانداز نہیں کرسکتے وہ بیان کرتا ہے کہ "یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے اور جملہ عیوب سے جن کا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ہم کو از روے فطرت کے خود بہ خود یہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کو سلیس اور لطیف عمدہ پر اثر ہونا چاہیئے۔ اور اُس کا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جس میں کسی قسم کا نقص ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمکو فلاطوں کی سی لطافت اور سسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیئے۔"

اب چونکہ قرآن مجید اپنی طرز میں کامل ہے اس واسطے اُس کا الہامی الاصل ہونا لازم آتا ہے اور اسی طرح اُس کا الہامی الاصل ہونا اُس کے کامل النوع ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انسان سے جو خود ضعیف البنیان اور مرکب من الخطاء والنسیان ہے کوئی کامل اور بے عیب شے پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسی امر کی نسبت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آتیں دعوےٰ کرتی

ہیں +

پہلی آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے کہ "اور اگر تم شک میں ہو اُس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری پس لاؤ اُس کی سی ایک سورۃ اور بلاؤ اپنے گواہوں کو خدا کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر نہ کرو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو بچو اُس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جو کافروں کے لئے طیار کی گئی ہے" +

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین +

(سورہ بقر آیت ۲۱ و ۲۲) +

دوسری آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے کہ "وہ کہدے اگر تمام انسان اور جن اس بات پر اتفاق کریں کہ اس قرآن کا مثل لائیں تو نہ لاسکیں گے گو ایک دوسرے کے مددگار ہوں" +

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا +

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰)

ان آیتوں کا مقصد و مدعا وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ انسان ضعیف البنیان کی بنائی ہوئی کوئی چیز کامل النوع نہیں ہوسکتی بلکہ صرف اللہ تعالےٰ ہی جو خود ذات کامل ہے ہر شے کامل النوع کا مخرج ہے اور یہ امر اس بات پر غور کرنے سے اور بھی زیادہ واضح اور غیر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ قدرت کی سب سے زیادہ سادہ اور سب سے کم پیچیدہ اشیاء میں سے ایک چیز کی بھی کسی مصنوعی شے نے ہمسری نہیں کی ہے سبقت لے جانا تو درکنار +

اگرچہ یہ بات ممکن ہے کہ انسان کوئی ایسی چیز بناوے جو اور مصنوعی چیزوں

کے وسیع دائرہ میں یکتائی کا دعوےٰ کرے باوجود اس کے کہ اور اشخاص اس کی خوبی تک پہنچنے کے لئے بہت کچھ جد و جہد کریں اور اس تک نہ پہنچ سکیں تاہم اس کو کامل النوع کہنا ٹھیک اور جائز نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی خوبی چار چیزوں سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱) اس کے نہایت صاف اور شستہ دل پر اثر کرنے والی اور رجھانے والی فصاحت و بلاغت سے۔

(۲) اس کے اصول متعلق بہ دینیات سے

(۳) اس کے اخلاقی اصول سے۔

(۴) قانون سیاست اور انتظام مدن کے اصول سے جو اس میں مندرج ہیں۔ ان چار چیزوں میں سے پہلی چیز تو محض اہل عرب سے متعلق تھی کیونکہ قرآن مجید انہیں کی زبان میں نازل ہوا تھا اور وہی دعوے بمثلی کر رہے تھے۔ باقی تین چیزیں تمام جہان کی طرف خطاب کی گئی تھیں اور ہم اپنے مخالفوں اور حریفوں کے روبرو جرأت اور اعتماد سے دعوے کرتے ہیں کہ کسی غیر الہامی شخص نے اس کا مثل نہ تو پیدا کیا ہے اور نہ کوئی قیامت تک پیدا کر سکے گا۔

جو اصول کہ ہم نے اوپر بیان کیے ان سے مشہور مورخ گبن محض ناواقف تھا اور اسی ناواقفی کے سبب سے اس نے مغالطہ کھایا ہے جہاں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ "پیغمبر خدا حرارت مذہبی یا جوش کی حالت میں اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں اور انسان اور ملائک دونو کو اپنے قرآن کے ایک صفحہ کی بھی خوبیوں کی برابری کرنے کے لئے قسم دلاتے ہیں اور جوش سے دعوے کرتے ہیں کہ ایسا بے نظیر

کلام صرف اللہ تعالےٰ ہی کا ہوسکتا ہے یہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھ ایک سرگرم عرب کی طرف خطاب کی گئی ہے جس کا دماغ ایمان اور کیفیت کے واسطے موزوں ہے اور جس کا کان سریلی آوازوں سے مسرت اندوز ہوتا ہے اور جس کی بے علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ طرز بیان کی فصاحت اور بلاغت ترجمے کے ذریعے سے یورپ کے کافروں تک نہیں پہنچ سکتی وہ اُس کے قصّے اور احکام اور بیان کی اُس بے انتہا ناموزوں بے ربطی کو جس سے کسی قسم کا تصور و خیال بہت کم پیدا ہوتا ہے جو کبھی تو خاک پر غلطاں ہوتا ہے اور کبھی بادلوں کے پار ہو جاتا ہے نہایت بے صبری کے ساتھ پڑھتے ہیں" گر ہم بیان کرچکے ہیں کہ قرآن مجید کی بے مثل فصاحت و بلاغت کا دعوےٰ محض اہل عرب کے واسطے مخصوص تھا نہ اور ملک کے لوگوں کے لئے اس لیئے مسٹر گبن کا بیان کچھ اُس دعوے کے مخالف نہیں ہوسکتا ؞

پھر یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ" اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے تو ہومر کی ایلیڈ اور ڈی موستھینز کی فلپکس کس برتر عقل کی طرف منسوب کرنی چاہیئے" گر ہم کسی ایسی مصنوعی شے کے وجود کے امکان کا اوپر اقرار کرچکے ہیں جس کی خوبی سے کوئی اور چیز ہمسری نہ کرسکے اور جو اُسی نوع کی اور مصنوعی اشیاء کے تمام دائرے میں ہمیشہ دعوے یکتائی کرتی رہے باایں ہمہ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ وہ اپنی نوع میں کامل ہو ؞

یہی مورخ پھر بیان کرتا ہے کہ "اوصاف الٰہی کا بیان رسول عرب کی قوت مدرکہ کو اعزاز بخشتا ہے۔ لیکن اُن کے بلند ترین خیالات صحیفۂ ایوب کی ذی شان سادگی کے سامنے جو اُسی ملک میں اور اُسی زبان

ہیں بہت مدت پہلے لکھا گیا تھا لپت ہیں"۔

ہم مسٹر گبن کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ مسٹر گبن میں قرآن مجید اور صحیفہ ایوب کے باہمی تفرق کی نسبت حکم دینے کا مادہ نہیں ہے لیکن ہم بدون خوف اعتراض کے کہہ سکتے ہیں کہ نہایت ذی علم عربی دانوں نے قرآن مجید کو بہ لحاظ فصاحت و بلاغت کے بے مثل قرار دیا ہے اور اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی تحریر اس سے سبقت نہیں لے گئی اور نہ لے جاسکیگی۔ لبید سا بڑا شاعر قرآن مجید کی سورہ بقر کی چند آیتوں کو سنکر متحیر ہو گیا اور اسکی بلاغت کا انسانی قوت سے برتر ہونے کا قرار کیا اور آنحضرتؐ کی رسالت کو قبول کر لیا۔

چند اور عیسائی عالموں نے بھی اسی کی مؤید رائیں قرآن مجید کی نسبت لکھی ہیں جن کو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

مسٹر کارلائل کا بیان ہے کہ "میرے نزدیک قرآن مجید میں سچائی کا جوہر اس کے تمام معانی میں موجود ہے جس لئے کہ اس کو وحشی عربوں کی نظروں میں بیش بہا کر دیا تھا۔ سب سے اخیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب یعنے قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر۔ جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے بلکہ در اصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اسی سے ہو سکتی ہے"۔

مسٹر گاڈفری ہگنز لکھتے ہیں کہ "حضرت مسیح کی انجیل کی طرح قرآن مجید غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے۔ بڑے آدمیوں اور دولت مند آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کی گئی ہے وہ آدمیوں کی بہ اعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا ہے۔ یہ امر اس کے مصنف کی لازوال نیک نامی کا موجب ہے۔ خواہ وہ

محمدؐ عرب کے نامی پیغمبر ہوں یا اُس کے تیسرے خلیفہ عثمانؓ)۔ (واضح ہو کہ گاڈفری ہگنز کا یہ اعتقاد تھا کہ قرآن حضرت عثمانؓ کا تصنیف کیا ہوا ہے) کہ اُس میں ایسا ایک بھی کوئی حکم نہیں بتلایا جا سکتا ہے جس میں پولیٹکل خوشامد و رواداری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو اور جس طرح کہ ویسٹ منسٹر ریویو نے منصفانہ رائے دی ہے کہ اگر کسی خود مختار مشرقی حاکم کو کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ غالباً قرآن مجید کی ایک بے تکلف آیت کسی با جرأت مظلوم کی زبانی ہوگی"۔

ایک اور مصنف نے کوارٹرلی ریویو میں قرآن مجید کی نسبت یہ مضمون لکھا ہے کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز و طرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوب صورتی پائی جاتی ہے اور گیٹے کا یہ قول سچا ہے کہ جس قدر ہم اُس کے قریب پہنچتے ہیں یعنے اُس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھنچتی جاتی ہے یعنے زیادہ اعلےٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخرکار فرحت آمیز تحیر میں ڈال دیتی ہے"۔

وہی مصنف ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "وہ شادی اور غم محبت اور بہادری اور جوش کے وہ عظیم الشان اظہارات جن کی محض ضعیف آوازہائے بازگشت اب ہمارے کانوں پر اثر کرتی ہیں محمدؐ کے وقت میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمدؐ کو سب سے زیادہ نامی اور گرامی لوگوں سے کچھ ہمسری ہی کرنی نہیں پڑی تھی بلکہ اُن پر فوقیت حاصل کرنی تھی اور اپنے کلام کو اپنی رسالت کی علامت اور دلیل گرداننا پڑا تھا"۔

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "وہ ہم دفعتًا از راہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں

نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت
فتح کر لی اور جس قدر زمانہ کہ روم کو اپنی فتوحات حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اُسکا
دسواں حصہ بھی اُن کو نہ لگا - ایسی کتاب جس کی اعانت سے جملہ بنی سام میں
یہی لوگ بہ حیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے جہاں کہ اہل فینیشیا تاجروں کی
حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے - یہی لوگ معہ اپنے
پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھلانے کے واسطے آئے تھے -
یہی لوگ جب کہ تاریکی محیط ہو رہی تھی یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے
اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ - طب - ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما
اور دلچسپ فن سکھلانے اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوتے تھے - اور ہم
لوگوں کو غرناطہ کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کے واسطے رُلانے کو آئے تھے "
مسٹر سیل اس طرح پر لکھتے ہیں کہ " یہ بات علے العموم مسلم ہے کہ قرآن
قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین اور مہذب ترین قوم
ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں لکھا گیا ہے - لیکن اور زبانوں کی بھی
کسی قدر آمیزش ہے گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہے - وہ لا کلام عربی زبان
کا نمونہ ہے اور زیادہ سچے عقیدے کے لوگوں کا یہ قول ہے اور نیز اس کتاب
سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اس کا مثل نہیں لکھ سکتا (گو بعض فرقوں کی
مختلف رائے ہے) اور اسی واسطے اُس کو لازوال معجزہ قرار دیا ہے جو مردے
کے زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے اور تمام دنیا کو اپنی ربانی الاصل ہونے کا ثبوت
دینے کے لئے اکیلا کافی ہے اور خود محمدؐ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے
لئے اسی معجزے کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحائے عرب کو (جہاں کہ
اُس زمانے میں اس قسم کے ہزارہا آدمی موجود تھے جن کا محض یہ شغل اور

وصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت آرائی کی لطافت میں لائق اور فائق ہو جاویں) علانیہ کہلا بھیجا تھا اس کے مقابلے کی ایک سورۃ بھی بنا دو۔ اس بات کے اظہار کے واسطے اس کتاب کی خوبی تحریر کی اُن ذی لیاقت لوگوں نے دراصل تعریف و توصیف کی تھی جن کا اس کام میں مبصر ہونا مسلم ہے منجملہ بے شمار مثالوں کے ایک مثال کو بیان کرتا ہوں۔ لبید ابن ربیعہ کا ایک قصیدہ جو محمدؐ کے زمانے میں سب سے بڑے زباں آوروں میں تھا خانہ کعبہ کے دروازہ پر چسپاں تھا (یہ رتبہ نہایت اعلےٰ تصنیف کے واسطے مرعی تھا) اور کسی شاعر کو اس کے مقابلے میں کسی اپنی تصنیفات کو پیش کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد قرآن کی دوسری سورۃ کی آیتیں اُس کے مقابلے میں لگائی گئیں تو خود لبید (جو اُس زمانے میں مشرکین میں سے تھا) شروع ہی کی آیت پڑھکر بحر تحیر میں غوطہ زن ہوا اور نے الفور مذہب اسلام قبول کر لیا اور بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے برآمد ہو سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ قرآن کا طرز تحریر عموماً خوشنما اور رواں ہے بالخصوص اُس جگہ جہاں کہ وہ پیغمبرانہ وضع اور توریتی جملوں کو نقل کرتا ہے۔ وہ مختصر اور بعض مقامات میں مبہم ہے اور مشرقی ڈھنگ کے موافق پُرحیرت صنعتوں سے مرصع اور روشن اور پرمعنی جملوں سے مزین ہے اور اکثر جگہ اور علی الخصوص اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی درجہ اور رفیع الشان ہے ؛؛

سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مورخوں کی غلطیاں نسبت قرآن مجید کے

عیسائی عالموں نے قرآن مجید کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اگرچہ وہ قریباً لغو اور بیہودہ ہے تاہم اس پر نظر ڈالنے اور ان غلطیوں کو بیان کرنے سے درگذر نہیں کی جاسکتی۔

مسلمان بادشاہوں یا عالموں کو تو خدا نے توفیق نہیں دی کہ قرآن مجید کو خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے اور مختلف ملکوں میں شائع کرتے۔ یورپ کی زبان میں جس قدر اس کے ترجمے ہوئے وہ غیر مذہب کے لوگوں یعنے عیسائیوں نے کئے۔ ابتدا میں جس طرح پر بذریعہ ان ترجموں کے قرآن مجید کا رواج یورپ میں ہوا اس کا بیان گاڈفری ہگنز نے عمدہ طرح پر ان الفاظ میں کہا ہے۔ کہ " اگر عبرانی توریت کا ترجمہ اس طرح پر شائع ہوتا کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شائستہ معنے سے ذلیل اور غیر مہذب معنے میں بدل دیا جاتا اور ہر آیت پر جس کا مضمون کسی جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنے پہنانے کا ذریعہ بنایا جاتا اور ایک بے قدر اور خراب شرح اس کے ساتھ لگی ہوتی تو اس ذریعہ کا کسی قدر تصور بندھ سکتا ہے جس کی وساطت سے یورپ میں قرآن مجید کی اشاعت ہوئی "۔

مگر ہم بعض عیسائی مصنفوں کے جیسے کہ مسٹر سیل ہیں شکر گذار ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کے انگریزی میں ترجمہ کرنے میں بہت کوشش کی

ہے۔ اگر اس میں کہیں غلطی ہے تو مفسرین کی صحیح اور غلط تفسیر میں تمیز نہ کرنے کے سبب سے ہے۔ جو درحقیقت مسٹر سیل کے لئے ایک نہایت مشکل کام تھا۔

مگر ان عیسائی عالموں پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے عجیب عجیب خیالات اور ایسے خیالات جن کی کچھ بنیاد نہیں معلوم ہوتی قرآن مجید کی نسبت ظاہر کئے ہیں مثلاً پریڈو ڈین آف ناروچ نے لکھا ہے کہ "محمد (صلعم) لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ اس کتاب (یعنے قرآن) کا اصلی مسودہ آسمانی دفتر میں رکھا ہوا ہے اور جبرئیل میرے پاس ایک ایک سورۃ کی نقل جس کی لوگوں میں شائع کرنے کی حسب موقع ضرورت ہوا کرتی ہے لایا کرتے ہیں"۔

یہ بیان ایک ایسا بیہودہ بیان ہے جس کی تردید لکھنی بھی بے فائدہ ہے۔ جب کبھی مسلمانوں کی نظر سے ایسا بیان گذرتا ہے تو وہ متعجب اور متحیر رہ جاتے ہیں۔ کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لکھا گیا ہے۔

مشہور مورخ مسٹر گبن نے اسی طرح کی جہالت کی باتیں لکھنے میں کچھ تامل نہیں کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "وجود قرآن بقول آنحضرت صلعم کے یا آپکے متبعین کے غیر مخلوق اور ابدی ذات الٰہی میں موجود ہے اور نور کے قلم سے لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔ اس کی ایک نقل کاغذ پر لکھی ہوئی ریشم اور جواہرات کی جلد میں حضرت جبرئیل فلک اول پر لے آئے تھے"۔

لوح محفوظ کا نام مسٹر گبن نے انگریزی ترجمہ میں دیکھ لیا اور اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں سمجھی اور یہ بات کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا غیر مخلوق ایک فلسفی مسئلہ ہے جس کے سمجھنے تک مسٹر گبن کا خیال بھی نہیں پہنچا۔

ڈین پریڈو کی نادرست گردل چسپ ایجادیں۔ جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں

کچھ کم تعجب انگیز اور تحیر آمیز نہیں ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ " محمد (صلعم) کے پاس کاغذ پر لکھی ہوئی پوری نقل قرآن مجید کی لائی گئی تھی اور اُنہوں نے اُسکو ایک صندوق میں رکھا جس کا نام صندوق رسالت تھا اور ابو بکرؓ نے جو اُنکے جانشین ہوئے سب سے اوّل اُس کو جمع کیا۔ کیونکہ جب مسیلمہ نے اُنہیں کی طرح آخر زمانے میں نبوت کا دعوے کیا تھا تو ایسی ہی کامیابی کی امید میں اسی طرح اُس نے ایک قرآن مرتب کیا اور اس کی ایک کتاب بناکر اپنے متبعین میں شائع کی۔ اُس وقت ابوبکرؓ نے۔ محمد (صلعم) کے قرآن کو بھی اسی طرح مشہور کرنا ضروری سمجھا "۔

یہ چند مثالیں منجملہ اُن سینکڑوں بیہودہ باتوں کے ہیں جو عیسائی مصنفوں کی جملہ تحریرات میں اسلام کی نسبت پائی جاتی ہیں۔ سر ولیم میور نے ایک معقول قاعدہ منصفی کا برتا ہے اور اپنے استدلالات میں مسلمانوں کی دینیات سے کس قدر واقفیت ظاہر کی ہے لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ اُنہوں نے بحث کے واسطے صرف اُن روایتوں کو منتخب کیا ہے جن کو خود مسلمان بھی سب سے زیادہ ضعیف سب سے زیادہ مشکوک اور سب سے زیادہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں یا اُن کے مطلب اور مقصد میں مختلف الرائے ہیں ٭

اُنہوں نے اولاً اپنی تمام لیاقتوں کو اس بات کے ثابت کرنے میں صرف کیا ہے کہ " محمد صلعم کے عہد میں نوشت و خواند عرب میں معدوم نہ تھی اور وحی بالعموم کھجور کے پتوں یا چمڑے یا پتھروں اور ایسی بے جوڑ اشیاء پر جو سر دست دستیاب ہوتیں ۔۔۔ لکھ لی جایا کرتی تھی "۔ مگر اس امر سے ہم نے خود اقرار کیا ہے اور کسی مسلمان کو اس سے کبھی انکار نہیں ہوا بلکہ اس کو

توہم قرآن مجید کے لفظ بہ لفظ محفوظ ہونے کا جیساکہ پیغمبر خدا پر نازل ہوا تھا سب سے قوی دلیل خیال کرتے ہیں +

سر ولیم میور آیات کے منسوخ ہونے کی نسبت کسی قدر طوالت کے ساتھ بحث کرتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ اسلام درست نہیں ہے اور اس کی تائید میں کوئی شہادت بھی نہیں ہے۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ اکثر حصہ قرآن کا صرف عارضی مدعا تھا جو ایسے حالات کی وجہ سے عارضی ہوا تھا جس کی عظمت بہت جلد جاتی رہی اور یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا پیغمبر صاحب کا منشاء اس قسم کی آیات سے اُن کی عام عظمت یا اُن کی ترویج تھی یا نہیں۔ قرینہ اس کو نہیں چاہتا کہ اُن حصوں کے نگاہ رکھنے کی اُنہوں نے کوشش کی ہو +

یہ غلطی جو سر ولیم میور کو ہوئی اکثر عیسائی مصنفوں کو لفظ منسوخ کے معنے نہ سمجھنے کے سبب یا غلط سمجھنے کے سبب ہوئی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ منسوخ کے جو معنے عیسائی مصنف سمجھتے ہیں اُن معنوں میں قرآن مجید کی مطلق کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور اگر اُس لفظ کے وہ معنے لئے جاویں جس میں مسلمان فقیہوں نے اُس لفظ کو اصطلاحاً استعمال کیا ہے تب کوئی آیت عارضی مدعا کی قرآن مجید میں موجود نہ تھی اور سب کی دائمی ترویج مقصود تھی +

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیے میں مارکسی اور ولیس سے مندرجہ ذیل روایتیں نقل کرتے ہیں ایک روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے محمد صلعم کی زبانی ایک آیت کو لکھ لیا اور صبح کو اُس کو کاغذ پر سے اُڑا ہوا پایا جس کی نسبت پیغمبر صاحب نے بیان کیا کہ وہ آسمان پر اُڑ گئی۔

اس کے بعد کی روایتوں میں اس واقعہ میں یہ معجزہ نما مضمون اور اضافہ کر دیا گیا کہ "اس آیت کا اُڑ جانا بہت سے مسلمانوں کے قرآنوں میں آن واحد میں واقع ہوا تھا"

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت جس کے راوی کا بھی نام معلوم نہیں گروشیشی کے کبوتر کی مانند ایک صریح ایجاد ہے اور ہم اس بات سے خوش ہیں کہ سرولیم میور نے بھی کہا ہے کہ "اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے اور بلاشک بناوٹ ہے"۔

سرولیم میور نے ایک نئی اصطلاح "وحی کامل" کی مسلمانوں کے مذہب میں قائم کی ہے اور لکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے محاورے کے موافق ہے۔ اور پھر اُس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ "وحی کامل سے میری مراد بلاشک اس وحی سے ہے جو محمد (صلعم) کے اخیر زمانے میں موجود اور مروج تھی علاوہ اس کے جو شاید ضائع یا غارت یا غیر مستعمل ہو گئی ہو"۔

اس اصطلاح سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ شاید "آیات محکم" کا ترجمہ سرولیم میور نے "وحی کامل" کیا ہو لیکن "آیات محکم" کے وہ معنے نہیں ہیں جو سرولیم میور نے بیان کئے ہیں۔ لیکن اگر ہم سرولیم میور کی اصطلاح کو تسلیم کریں تو وحی کامل کا اطلاق اُن سب وحیوں پر ہوگا جو جناب پیغمبر خدا پر نازل ہوئی تھیں اور ہم اس بات کا یقین دلاتے ہیں اور آگے چل کر ثابت بھی کریں گے کہ کبھی کوئی وحی ضائع یا غارت یا غیر مستعمل نہیں ہوئی ہے

قرآن مجید کی ترتیب کی نسبت سرولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "قرآن جس طرح کہ ہمارے زمانے تک چلا آتا ہے اپنے مختلف حصوں کی ترتیب اور بندش میں مضمون یا وقت کی کسی معقول ترتیب اور نظام کا پابند

نہیں ہے اور یہ قیاس میں نہیں آتا۔ کہ محمد (صلعم) نے اُس کے ہمیشہ اسی تسلسل میں پڑھنے کے واسطے فرمایا ہو۔ مضامین کی ابتر ملاوٹ زمانہ اور معنے کے لحاظ سے جا بجا بے ربطی۔ کسی جزو کا جو مدینے میں نازل ہوا ہو بعض اوقات اُس آیت سے پیشتر واقع ہونا جو بہت عرصہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہو۔ کسی احکام کا ایسے احکام کے پیچھے ملحق ہونا جو اُس کی تنسیخ یا ترمیم کرتا ہو۔ یا کسی دلیل کا دفعتاً ایسے فقرے کے حائل ہو جانے سے منقطع ہو جانا جو اُس کے مقصد کے موافق نہ ہو یہ سب باتیں ہم کو اس امر کے یقین سے باز رکھتی ہیں کہ ترتیب موجودہ یا درحقیقت کوئی کامل ترتیب محمد (صلعم) کی حیات میں مستعمل اور مروج تھی"+

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب اُس طرز میں جس میں کہ قرآن مجید ہے ایسی باقاعدہ ہے اور بہ لحاظ معنے کے اپنی طرز خاص میں ایسی منظوم ہے کہ اُس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ بہت سی کتابیں محض اُس علاقے کی تشریح کی غرض سے تصنیف ہوئی ہیں جو سب سورتوں اور آیتوں کے مابین موجود ہے۔ قرآن مجید کی عبارت ایسی موجز اور مختصر ہے کہ دو آیتوں کے علاقہ باہمی کی جن کے معنے بادی النظر میں ایک دوسرے سے بیگانہ معلوم ہوتے ہیں کسی قدر تشریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو جو اُس سے ناواقف ہوتے ہیں "گو بجنے والی اور سامعہ خراش۔ ابتر۔ خام۔ بے مزی۔ مکرر بیانی۔ طول کلام۔ اولجھاوٹ نہایت خام اور مہمل" جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معلوم ہوتی ہے +

اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کسی مصنف کی تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ وہ خدا کا کلام ہے اور بجنسہ وہی الفاظ لکھ لئے گئے ہیں۔

کلام جب مخاطبین سے کیا جاتا ہے۔ تو بہت سے امور مخاطبین کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں اور متکلم اپنے کلام سے اُن کو محذوف رکھتا ہے۔ مگر جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ ایسا نہیں کرتا۔ عیسائی مصنف اس باریکی پر خیال نہیں کرتے اور نہ شان نزدل آیتوں کی اُنکے ذہن میں ہوتی ہے۔ اس لیئے ان کو آیات کے ربط میں مشکل پڑتی ہے مگر مسلمانوں کو ایسا نہیں ہوتا ؛

ہم افسوس سے بیان کرتے ہیں کہ سر ولیم میور کے اعتراضات اس قدر عام ہیں کہ جواب کے قابل نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی مخصوص آیتوں کا نشان دیتے جن میں اُن کے نزدیک زمانہ اور معنے کے اعتبار سے جابجا بے ربطی ہو یا اُن براہین کا جو اُن کے نزدیک دفعتاً کسی ایسے فقرے کے حائل ہو جانے سے منقطع ہو گئے ہوں جو ان کے مدعا سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اُس وقت ہم یقیناً صاحب موصوف کی دقتوں کو حل کر دیتے اور آیات کے واقعی علاقہ باہمی کا نشان دینے کی ذمہ واری اپنے اوپر لیتے۔ بلحاظ سر ولیم میور کے اُس بیان کے " جو کسی احکام کے پیچھے کسی ایسے احکام کے ملحق ہونے کے باب میں ہے جو اُس کی ترمیم۔ یا تنسیخ کرتا ہو " بارہا ہم لکھ چکے ہیں کہ اُن اصلی معنوں کی ناواقفیت جن میں کہ علماء اسلام نے اصطلاحات ناسخ و منسوخ کو دراصل استعمال کیا تھا ایسے لئیق مصنف کے قلم سے ایسا بیان نکلا ہے ؛

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کے یک جا جمع ہونے کے طریقہ کو بیان کر کے سر ولیم میور حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ " اصلی جلد جو پہلی دفعہ مرتب ہوئی۔

حفصہ رضؓ کے گھر میں دستیاب ہوئی اور ایک پر غور نظر ثانی عمل میں آئی۔ اگر زیدؓ اور ان کے ساتھیوں میں کوئی اختلاف پایا گیا تو ساتھیوں کی رائے کو ترجیح دی گئی اس وجہ سے کہ محاورہ قریش سے واقف تھے۔ اور اس نئے مجموعہ کی اس طرح سے مکی زبان میں تطبیق کر دی جس میں کہ پیغمبر صاحب نے اپنے الہامات کو بیان کیا تھا"۔

سر ولیم میور نے جو کچھ کہ بیان کیا ہے اس کا مخرج دریافت کرنے میں ہم نہایت حیران ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں تو کسی کتاب میں ایسی حدیث یا کوئی روایت نہیں ہے۔ مذکورہ بالا بیان میں تین جملے علانیہ اعتراض کے قابل ہیں۔ (۱) نظر ثانی (۲) اس طرح سے تطبیق کر دی (۳) نیا مجموعہ۔ کسی قسم کی روایت سے ہم کو ثابت نہیں ہوتا کہ زید کے جمع کئے ہوئے قرآن مجید پر کبھی نظر ثانی ہوئی ہو۔ جس حدیث میں کہ اس امر کا تذکرہ ہے اور جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اس میں یہ الفاظ ہیں "فنسخوھا فی المصاحف" یعنے انہوں نے اس کی چند نقلیں کر لیں۔ مگر اس میں پُر غور نظر ثانی کا کچھ ذکر نہیں ۔

اس حدیث میں یہ عبارت بھی ہے کہ "اذا اختلفتم انتم و زید ابن ثابت فی شئ من القرآن" یعنے جب کہ تم میں اور زید ابن ثابت میں قرآن مجید کے اندر کسی چیز میں اختلاف واقع ہو۔ اگرچہ وہ چیز جس میں کہ ان کو اختلاف واقع ہو بہت سے احتمالات کی گنجائش رکھتی ہے لیکن ہم اس کے بعد ہی اس کی تشریح پاتے ہیں جہاں کہ یہ بیان کیا گیا ہے۔ "فاکتبوہ بلسان قریش" یعنے اس کو قریش کی زبان میں لکھو۔ اب یہ صریح ظاہر ہے کہ وہ چیز اختلاف تلفظ کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ بخاری کی حدیث سے جو نقل کی گئی ہے

یہ امر اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ " فی عربیۃ من عربیۃ القرآن" یعنے اگر تم کو قرآن کی عربیت کی کسی عربیت میں اختلاف ہو۔ ان لفظوں سے زیادہ تر تلفظ اور مد اور ادغام اور نون یا تنوین سے علاقہ معلوم ہوتا ہے جو عربی عبارت کے پڑھنے میں مختلف قومیں عرب کی استعمال کرتی ہیں۔ اس جملہ کے کہ " اس طرح سے ملکی زبان سے تطبیق کردی " یہ معنے ہیں کہ کچھ اختلاف واقع ہوا تھا اور جامعین نے اُس کو بدل دیا۔ مگر حدیث سے یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بے شک جامعین کو کہا گیا تھا کہ اگر کچھ اختلاف تم میں ہو تو قریش کے محاورے میں لکھو لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ درحقیقت اُن میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ پس سر ولیم کا یہ کہنا کہ " اُنھوں نے ملکی زبان سے تطبیق کردی " ۔ صحیح نہیں ہے ٭

ہم نہیں جانتے کہ سر ولیم میور نے لفظ " نیا مجموعہ " کس بنا پر استعمال کیا ہے اور کس جگہ سے اُن کو یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اس امر کی نسبت وہ اپنی کتاب کے حاشئے میں اس طرح پر تحریر فرماتے ہیں کہ " اس معاملے کی خرابی اور ناموزونیت سے بچنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ [illegible] اپنے بیرونی لباس کے لحاظ سے زبان عربی کی سات مختلف زبانوں [illegible] نازل ہوا تھا۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ خود محمد (صلعم) ہی اس قسم کے خیال کے بانی اور مؤید ہوئے ہوں بدیں غرض کہ ایک ہی آیت قرآنی کی مختلف الالفاظی کی دقت رفع ہو جاوے " یہ عبارت ایک ایسی طرز اور تعصب سے لکھی گئی ہے جس پر ہم افسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر جو تقوے۔ نیکی۔ صداقت۔ صاف باطنی۔ راستبازی کے واسطے ممتاز ہوں۔ دغا۔ فریب اور ریاکاری

کا الزام لگانا برہان جائز کے معینہ قوانین اور اخلاق اور تہذیب کے مسلّم اصول کے خلاف ہے۔ ہم اس امر کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑتے ہیں اور اُس پر زیادہ بحث نہیں کرتے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ لوگ جو سچے پاکباز اور نفوس لے شعار ہیں گو وہ کسی مذہب اور ملت کے کیوں نہ ہوں ویسی ہی تعظیم اور تکریم کے مستحق ہیں جیسے کہ خود اپنے ہاں کے بزرگ اور مقدس لوگ۔ معہذا کیا سر ولیم میور اس بات سے ناواقف ہیں کہ عربی زبان میں الفاظ کو مد اور بغیر مد اور ادغام اور بغیر ادغام اور با نون تنوین اور بغیر نون تنوین پڑھنے سے۔ جو عرب کی مختلف قوم کے مختلف طریقے تھے تلفظ میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت لفظ میں یا معنے میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا لفظ کا ایک ہی مادہ مختلف صورت سے بلا تبدیل اصلی مادہ لفظ اور معنے کے پڑھا جا سکتا ہے جیسے کہ سورہ الحمد میں لفظ "مالک" کا ہے قدیم تحریر میں اس کی یہ صورت ہے "ملک" یہ لفظ ملک بھی پڑھا جاتا ہے۔ ملّاک بھی پڑھا جا سکتا ہے لام کی تشدید سے۔ اور مالک بھی پڑھا جا سکتا ہے پس اگر اس لفظ کو کسی عرب نے کسی طرح پڑھا ہو با وصف اختلاف تلفظ کے کوئی تبدیل مادہ لفظ یا معنے میں نہیں ہے لیکن قریش کی زبان میں مالک کا لفظ جاری تھا اُس کا قائم رکھنا کون سے اعتراض کا مقام ہے +

سر ولیم میور نے جو کچھ لکھا وہ مقتضاء اُس مقصد کا تھا جس مقصد سے اُنھوں نے کتاب لکھی ہے مگر سب سے زیادہ سچی بات جو اُن کے قلم سے نکلی ہے وہ یہ ہے کہ "دنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ سو برس تک ایسے خالص متن کے ساتھ رہی ہو" اور ہمارا اعتقاد یہ

ہے کہ وہ ہمیشہ تک ایسی رہے گی اور اس امر کی تصدیق اُس پیشین گوئی سے ہوتی ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے خدا فرماتا ہے " انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون " یعنے تحقیق ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم بالتحقیق اُس کی حفاظت کریں گے۔

سر ولیم میور اپنے بیانات کے اثناء میں فرماتے ہیں کہ " اگر ابو بکرؓ کے قرآن کا متن خالص ہوتا تو ایسی جلدی وہ کیونکر خراب ہو جاتا اور اپنے اختلافات کی وجہ سے ایک کامل نظر ثانی کا محتاج ہوتا " ہم نہایت صاف طور سے اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کا قرآن نہ خراب ہوا تھا اور نہ وہ کسی نظر ثانی کا محتاج ہوا تھا اور نہ اُس میں نظر ثانی کی گئی تھی بلکہ صرف اُس کی نقلیں کی گئی تھیں +

" قرآن مجید میں اختلاف کے اسباب جو سر ولیم میور نے بیان کئے ہیں وہ صحت سے بالکل معرا ہیں ہم قراءت مختلفہ کے ذیل میں جس قدر کہ اس مضمون کی نسبت بیان کرنا ممکن تھا شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں +

سر ولیم میور آگے چل کر بیان فرماتے ہیں کہ " لیکن جب کہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید جس حیثیت سے اُس کو پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا اب بجنسہٖ ویسا ہی موجود ہے۔ اس دعوے کے واسطے کہ خود پیغمبر صاحب ہی نے بعض آیات کو جو ایک مرتبہ وحی ظاہر کی گئی ہوں بعد کو تبدیل یا خارج نہ کر دیا ہو کوئی دلیل نہیں ہے " +

مگر ہم کہتے ہیں کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ درحقیقت بعض آیتیں ایسی تھیں کہ پیغمبر خدا نے اُن کو خارج کر دیا تھا اُس وقت تک بلاشبہ یہ بات کہ جس حیثیت سے قرآن پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا بجنسہٖ ویسا ہی موجود ہے

جیسا کہ حدیث عبد العزیز سے اوپر بیان ہو چکا ہے اور تمام وحی قرآنی جو آنحضرت پر نازل ہوئی تھیں قرآن میں موجود ہیں اس بات کی کافی دلیل ہے۔ کہ پیغمبر خدا نے نہ کسی آیت کو تبدیل کیا ہے اور نہ کسی آیت کو خارج کیا ہے۔ مگر ہم کسی جگہ وعدہ کر چکے ہیں کہ اس مضمون پر کسی قدر طوالت کے ساتھ بحث کریں گے پس اس جگہ اس وعدے کو پورا کرتے ہیں +

سر ولیم میور اپنے مذکورہ بالا دعوے کی تصدیق پر مندرجہ ذیل سندیں پیش کرتے ہیں اور اُن بیانات کو کاتب الواقدی سے نقل کرتے ہیں کہ "عمرؓ نے ابی ابن کعب کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ قرآن مجید کا سب سے کامل قاری ہے ہم بہ تحقیق بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں کیونکہ اُبی کہا کرتا ہے کہ میں نے پیغمبر صاحب کو یوں فرماتے سُنا ہے اور میں ایک لفظ بھی جو پیغمبر صاحب نے قرآن مجید میں درج کیا ہے نہیں چھوڑتا ہوں مگر اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کے وہ حصے اُبی کی عدم موجودگی میں نازل ہوئے تھے جو بعض آیتوں کو جن کو وہ پڑھتا ہے منسوخ یا ترمیم کرتے ہیں" +

سر ولیم میور نے جیسا کہ اُن کی تمام تحریر سے پایا جاتا ہے اس مضمون کو چھوڑ دیا ہے اور جو کچھ اُنہوں نے بیان کیا ہے اُس اصل حدیث کے مضمون سے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے سراسر خلاف ہے اور اس عبارت کا کہ "بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں" اُس حدیث میں پتہ بھی نہیں ہے۔ ہم اُس حدیث کو بجنسہ بے کم و کاست ذیل میں مندرج کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضہ نے کہا ہم لوگوں میں اُبی

حدثنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی	بڑے قاری ہیں اور علی رضہ بڑے
قال حدثنا سفیان عن حبیب عن	قاضی ہیں اور ہم لوگ اُبی کا قول چھوڑ
سعید بن جبیر عن ابن عباس قال	دیتے ہیں اور وہ یہ بات ہے کہ اُبی
قال عمر اقرؤنا اُبی و اقضانا علی و انا	کہتے ہیں میں کوئی چیز جو رسول اللہ صلے اللہ
لندع من قول ابی و ذالک ان ابیا یقول	علیہ وسلم سے سُن چکا ہوں نہ چھوڑوں گا
لا ادع شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلعم	اور حالانکہ اللہ تعالے نے کہا ہے -
وقد قال اللہ تعالی ما ننسخ من ایۃ	،، ما ننسخ من آیۃ او ننسہا ،،
او ننسہا (بخاری کتاب التفسیر)	

اُس حدیث سے ظاہر ہے کہ کسی جگہ اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ بعض آیات قرآنی کو جن کو اُبی پڑھا کرتے تھے چھوڑ دیا کرتے تھے - یہ حدیث قرآن مجید سے احکامات استخراج کرنے سے متعلق ہے - اُبی قرآن مجید کی ہر ایک آیت سے جو حکم مستخرج ہوتا تھا استخراج کرتے تھے اور جملہ احکام مستخرجہ کو صحیح خیال کرتے تھے - اُن کی راے یہ تھی کہ ظواہر آیات سے جو معنے یا احکام نکلتے ہوں اُن کے استخراج میں دوسری آیت پر نظر رکھنا ضرور نہیں جیسے کہ اہل ظواہر کا مذہب ہے لیکن حضرت علی مرتضےٰ کی راے اس کے برخلاف معلوم ہوتی ہے - اِس پر حضرت عمر نے کہا کہ ابی سب سے عمدہ قرآن پڑھنے والا ہے اور حضرت علی ہم میں سب سے بڑے قاضی ہیں یعنے سب سے بہتر حکم دینے والے ہیں اور ہم سب سے زیادہ قرآن مجید سے احکام و قوانین مستخرج کرسکتے ہیں اس واسطے ہم چھوڑ دیتے ہیں اُبی کے قول کو یعنے جو اُبی نے قرآن سے حکم کا استخراج کیا ہے اُس کو چھوڑ دیتے ہیں اور حضرت علی سے اتفاق کرتے ہیں - ہماری اس تشریح کی

تصدیق خود اسی حدیث کے اس جملہ سے ہوتی ہے کہ "اقضانا علی" کیونکہ اگر یہ حدیث محض قراءت مختلفہ سے متعلق ہو تو یہ جملہ اس کے بقیہ حصہ سے کچھ علاقہ نہ رکھے گا۔

ہمارے اس بیان کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ بخاری نے جو مسلمانوں کے ہاں نہایت نامی اور مقدس اور مستند محدثین میں سے ہے اس حدیث کو اس مقام پر بیان کیا ہے جہاں کہ وہ احکامات ناسخ و منسوخ سے بحث کرتا ہے نہ اس جگہ جہاں کہ اس نے قراءت مختلفہ کا بیان کیا ہے۔ مگر بخاری نے اسی حدیث کو کسی قدر ترمیم شدہ صورت میں اس مقام پر بھی بیان کیا ہے۔ جہاں کہ اس نے قاریوں کے باہمی اختلاف پر بحث کی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو بھی ہم نقل کرتے ہیں اور اس بات پر بھی بحث کریں گے کہ ان دونو حدیثوں میں کونسی حدیث صحیح ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

حدثنا صدقة بن الفضل قال اخبرنا یحیی عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس قال قال عمر رض علی رض اقضانا وابی اقرءنا وانا لندع من لحن ابی وابی یقول اخذته من فی رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا اترکه لشئ قال الله تعالی ما ننسخ من اٰیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها (بخاری باب القراء)

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رض نے کہا علی رض ہم لوگوں میں سب سے بڑے قاضی ہیں اور ابی ہم لوگوں میں سب سے بڑے قاری ہیں۔ ہم لوگ ابی کی قراءت کو چھوڑ دیتے ہیں اور ابی کہتے ہیں کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے لیا ہے پس اس کو کسی طرح نہ چھوڑونگا اللہ تعالے نے کہا ما ننسخ من اٰیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها یعنے جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں

یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے اچھی یا اس کے برابر لاتے ہیں)*

اس حدیث میں وہ لفظ جس کا ترجمہ ہم نے قراءت کیا ہے "لحن" ہے مگر چونکہ قرآن مجید اور اس کی آیتوں کا ایک ہی لحن ہے اس لئے آیات قرآنی کی تلاوت پر بھی لحن کا اطلاق ہوتا ہے*

یہ پچھلی حدیث دو وجہ سے مشکوک ہے۔ اول یہ کہ گو اس حدیث کے اور نیز حدیث ماسبق دونو کے راوی ایک ہیں مگر پہلی میں لفظ "قول" اور دوسری میں لفظ "لحن" مستعمل ہوا ہے اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ صدقہ ابن فضل اس حدیث کے راوی نے لفظ "لحن" کو بجائے "قول" کے براہ غلطی استعمال کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں دو جملے ہیں ایک "علی اقضانا" اور دوسرا "ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا" ان دونو جملوں کو قرآن کی قراءت مخصوص سے قابل قیاس کوئی علاقہ نہیں ہے اس واسطے ہماری رائے ہے کہ صدقہ نے پہلی حدیث کے سمجھنے میں اور اس دوسری حدیث کے بیان کرنے میں عالانیہ غلطی کی ہے لیکن ہم بغرض اختتام حجت تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ پچھلی حدیث صحیح ہے تو اس سے زیادہ اس کے اور کچھ معنے نہیں ہو سکتے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علی مرتضیٰ کے لحن کو ابی کے لحن پر ترجیح دی۔ بہرکیف سر ولیم میور نے براہ زبردستی اس سے یہ نتیجہ مستنبط کیا ہے۔ کہ "حضرت عمر نے کہا کہ ہم بالتحقیق بعض آیات کو جو ابی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں"*

سر ولیم میور واقدی سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ "ابن عباس نے کہا کہ مجھ کو عبداللہ ابن مسعود کا پڑھنا پسند ہے کیونکہ محمد (صلعم) ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن جبرئیل سے پڑھوایا کرتے تھے۔ اور اپنی

وفات کے سال میں اُس کو دو مرتبہ پڑھوایا تھا اور عبد اللہ دونو مرتبہ حاضر تھے اور جو چیز کہ منسوخ ہوئی تھی اور جس چیز میں ترمیم ہوئی تھی اُس کو مشاہدہ کیا تھا"۔

اِس روایت کے اخیر حصہ کی کوئی معتبر سند نہیں ہے اور نہ ہم اس کو کسی مستند اور صحیح حدیث میں پاتے ہیں اور اگر بالفرض وہ واقدی میں موجود بھی ہو جس میں کہ ہم کو ہمیشہ شک رہے گا۔ تب بھی وہ اعتبار کے مستحق نہیں ہے کیونکہ تمام نامعتبر اور بے سند روایتیں، جو واقدی میں ہیں تام ہو کے قصہ لالہ رُخ سے کچھ زیادہ اعتبار کی مستحق نہیں ہیں۔ اور اگر ہم بغرض اتمام حجت اُس کی اصلیت تسلیم کرلیں تو بھی سرولیم میور کا فرض کیا ہوا یہ عقیدہ کہ "قرآن مجید میں شاید بعض ایسی آیتیں موجود ہوں جو ایک زمانہ میں نازل ہوئی ہوں مگر بعد کو منسوخ یا ترمیم ہوگئی ہوں" کیونکر ثابت ہوتا ہے۔ باقی رہی یہ آیت کہ "مانَنسخ من ایۃٍ او ننسھا نأتِ بخیرٍ منھا او مثلھا" اس پر ہم پہلے بحث کرچکے ہیں اور بتاچکے ہیں کہ وہ شریعت یہود سے علاقہ رکھتی ہے نہ آیات قرآن سے۔

سرولیم میور اپنی کتاب کے حاشیوں کے ضمن میں بعض روایات کو قرآن مجید کی آیتوں کے اخراج یا عدم اندراج کی تمثیلات کے طور پر نقل کرتے ہیں۔

اول۔ بیر معونہ کی روایت کو لکھا ہے کہ "بیر معونہ پر ستر مسلمانوں کے شہید ہونے پر محمد (صلعم) نے اللہ تعالےٰ کی وساطت سے اُن لوگوں کے پیغام کے پہنچنے کا دعوےٰ کیا جس کو مختلف راویوں نے کسی قدر اختلاف کے ساتھ اس طرح پر نقل کیا ہے "بلغوا قومنا عنا انا لقینا ربنا فرضی

عنا ورضینا عنہ (کاتب الواقدی) تمام مسلمان اس کو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اس کے بعد یہ منسوخ یا خارج کر دی گئی"۔

اول تو اس روایت کی صحت ہی میں کلام اور انکار ہے۔ مزید بر آں سر ولیم میور کا یہ فرضی بیان کہ "تمام مسلمان اس کو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اس کے بعد یہ منسوخ یا خارج کر دی گئی" محض بے بنیاد ہے اور کسی معتبر اور مستند روایت میں پایا نہیں جاتا۔ اور اگر بالفرض ہم اس کو صحیح تصور کر لیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غلطی سے وحی غیر متلو یعنے حدیث کو وحی متلو یعنے قرآن سمجھا تھا اور درحقیقت وہ قرآن کی آیت نہ تھی۔

دوسری روایت سر ولیم میور نے متعلق احکام زنا کے لکھی ہے کہ "عمرؓ کی نسبت کہا گیا ہے کہ اپنی خلافت میں بل مدینہ سے اس طرح گفتگو کی "اے لوگو اس بات کی احتیاط رکھو کہ اس آیت کو نہ بھول جاؤ جو زناء کی نسبت سنگساری کا حکم دیتی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم دو سزاؤں کو یعنے بیاہے اور بے بیاہے اشخاص کے زناکاری کی بابت کتاب اللہ میں نہیں پاتے ہیں تو اس کا میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں نے پیغمبر صاحب کو زنا کی پاداش میں سنگسار کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی پر ہم نے ان کے بعد عملدرآمد کیا ہے اور واللہ اگر یہ امر مانع نہ ہوتا کہ لوگ کہہ دیں گے کہ عمرؓ نے ایک نئی بات قرآن میں درج کر دی تو میں نے اس کو قرآن میں درج کر دیا ہوتا کیونکہ میں نے بہ تحقیق اس آیت کو پڑھا ہے کہ "والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ" (کاتب الواقدی اور ولیم)

اول تو اس بیان میں جو واقدی نے لکھا ہے اصلی حدیث کی غلط بیانی

اور غلط نمائی ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ فقرہ کہ " والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ " اصل حدیث میں نہیں ہے اور نہ اس بات کی کوئی سند ہے کہ کبھی مسلمانوں نے اس کو قرآنی آیت سمجھا ہو دوسرے اس فقرے کی عبارت ایسی ناقص اور خراب ہے کہ قطع نظر عربوں سے کوئی عجمی ادنیٰ درجے کا عربی داں بھی اس کو نہ لکھے گا چہ جائے اس کے کہ وہ خدا کا کلام ہو۔ مگر ہم اس امر کو ابتدا سے بیان کریں گے اور اس بیان کے اثنا میں اصلی حدیث کو بھی نقل کریں گے جس سے ثابت ہو گا کہ عربی فقرہ مذکورہ بالا اس میں نہیں ہے ؂

قرآن مجید میں زناء کی سزا یہ ہے - اور تمہاری عورتوں میں سے جو زنا

واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم فان شہدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا (سورہ نساء آیت ۱۹) ؂

کریں تو ان پر چار گواہ لاؤ۔ پس اگر وہ گواہی دیں تو ان کو گھروں میں روک رکھو یہاں تک کہ وہ اپنی موت سے مریں یا خدا ان کے لئے کوئی راہ نکالے

دوسری آیت جس میں زنا کی سزا کی تفصیل ہے وہ یہ ہے ؂

الزانی والزانیۃ فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ

زانی اور زانیہ ہر ایک کو ان میں سے سو کوڑے مارو ؂

(سورہ نور آیت ۲) ؂

بعد اس کے پیغمبر خدا نے زنا کے باب میں اس طرح فرمایا۔ جو ذیل کی روایت میں بیان ہوا ہے ؂

عن عبادۃ بن الصامت قال

عبادہ بن صامت سے روایت ہے

قال خذوا عنی قد جعل اللہ لھن
سبیلا۔ الثیب بالثیب والبکر بالبکر
الثیب جلد مأیۃ ثم رجم بالحجارۃ
والبکر جلد مأیۃ ثم نفی سنۃ (مسلم
باب حد الزنا)

ہے کہ کہا . . . . . لو مجھ سے۔ خدا نے
اُن کے لیے رستہ نکالا ثیب ثیب کے
ساتھ اور باکرہ باکرہ کے ساتھ ثیب کو
سو کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگسار
کیا جاتا ہے۔ اور باکرہ کو سو کوڑے مارے
جائیں گے پھر ایک برس جلاوطن کر دینا ہے؛

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ خود پیغمبر صاحب نے یہودی مرد اور عورت کو جو زناکاری کے مجرم قرار پائے تھے یہودی شریعت کے موافق سنگسار کرنے کی اجازت دی تھی اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہودی کے سوا اور کسی کو بھی آنحضرت نے سنگسار کیا تھا تو بھی اس بات کا ثابت کرنا غیر ممکن ہے کہ بعد نزول اُس آیت کے جس میں زنا کی سزا کا حکم ہے آنحضرت نے ایسا حکم دیا ہو۔ اسی طرح مسلم کی اس حدیث کی نسبت جو اوپر مذکور ہے ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ حدیث سورہ نور کی آیت کے بعد کی ہے +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زنا کی سزا کی نسبت اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا ضرور تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن دو لو آیتوں اور ایک حدیث کی بنا پر۔ جو اوپر مذکور ہوئیں تین مختلف رائیں پیدا ہوئیں +

اوّل۔ سورہ نساء کی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ "اُن کو اپنے مکانوں سے باہر نہ جانے دو۔ یہاں تک کہ موت اُن کو ٹھکانے لگائے یا اللہ تعالےٰ اُن کے واسطے کوئی سبیل نکال دے" اس آیت کے اخیر لفظوں سے بعض لوگ یہ سمجھے۔ کہ وہ سبیل یہی ہے جو مسلم کی حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ بیاہے ہوئے اشخاص کو بجرم زنا سو دُرّے لگانے چاہئیں

اور سنگسار کرنا چاہیئے اور کوارے شخصوں کو سو درے لگانے چاہئیں اور ایک سال کے واسطے جلا وطن کر دینا چاہیئے۔ کچھ عجب نہیں ہے کہ لوگوں نے اُس حکم کو ایک جزو قرآن سمجھا ہو ؛

دوم۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ سورہ نساء کی آیت سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے اور زنا کی سزا خواہ اُس کا مرتکب کوئی بیاہا ہوا شخص ہو خواہ کوارا سو درے قرار پائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلم کی حدیث کی کچھ وقعت نہیں کی اور اُس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں (۱) یہ کہ یہ محقق نہیں ہے کہ وہ قول آنحضرت کا جو مسلم کی حدیث میں ہے سورۂ نور کی آیت کے بعد کا ہے (۲) یہ کہ جب تک کسی امر میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو آنحضرت یہود کی شریعت کے موافق عمل فرمایا کرتے تھے اور اس لئے مسلم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہو سکتی ؛

سوم۔ بعض لوگ اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے کہ سورہ نساء کی آیت تو سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔ مگر چونکہ سورہ نساء کی آیت میں کوئی قطعی سزا مذکور نہیں ہے اس لئے مسلم کی حدیث میں جو سزا ہے وہ بیاہے ہوئے شخصوں کے لئے سزا ہے اور سورہ نور کی آیت میں جو سزا ہے وہ کوارے لڑکوں کے لئے سزا ہے۔ مسعودی کی بھی اسی قسم کی رائے معلوم ہوتی ہے یہ اختلاف رائے آج تک چلا آتا ہے کیونکہ معتزلی اور خارجی جو مسلمانوں کے دو بڑے فرقے ہیں اور معتزلی فرقہ کے لوگ عربیت میں بہت بڑا عالی درجہ رکھتے ہیں۔ اب بھی یہی کہتے ہیں کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے۔ اور اس خطبے کے راقم کی بھی گو وہ اُن دونوں فرقوں سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ہے بلکہ سنی مذہب کی بھی یہی رائے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر وہ رائے

رکھتے تھے جس کا ہم نے تیسری قسم میں بیان کیا ہے اور اس لئے جب کہ
وہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو اکثر اشخاص کے سامنے یہی بیان کیا اور
شاید اپنی تمام سلطنت میں یہی حکم دیا ہو +

واقدی نے اس حدیث کو زیادہ افراط و تفریط کے ساتھ لکھا ہے
اور سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں اُس کو بجنسہ نقل کیا ہے - اصل حدیث
جو مسلم میں منقول ہے ہم ذیل میں مع ترجمہ کے لکھتے ہیں -

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے منبر پر بیٹھے تھے کہا اللہ نے محمد صلے اللہ
علیہ وسلم کو برحق بھیجا - اُن پر مقرر کئے
ہوئے حکم اُتارے سو اُن چیزوں میں
سے جو اُن پر اللہ نے اُتاریں رجم کا
حکم تھا - ہم نے اُس کو پڑھا اور تعین
کیا اور خیال کیا - سو رجم کیا رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے
اُن کے بعد رجم کیا میں ڈرتا ہوں کہ
زیادہ زمانہ گذر جانے پر کوئی کہنے
والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے مقرر کئے
ہوئے احکام میں نہیں پاتے پس
تو گمراہ ہوگئے اُس فرض کے چھوڑنے
سے جس کو خدا نے اُتارا اور رجم حق
ہے خدا کے مقرر کئے ہوئے حکم میں

قال عمر بن الخطاب وهو جالس على
منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان الله بعث محمدا صلى الله عليه وسلم
بالحق انزل عليه الكتاب فكان مما انزل
الله عليه اية الرجم قرءناها ووعيناها
وعقلناها فرجم رسول الله صلى الله
عليه وسلم ورجمنا بعده فاخشى ان
طال بالناس زمان ان يقول قائل
ما نجد الرجم في كتاب الله تعالى فيضلوا
بترك فريضة انزلها الله وان الرجم
في كتاب الله حق على من زنا اذا احصن
من الرجال والنساء اذا قامت البينة
او كان الحبل او الاعتراف +

(مسلم باب حد الزنا)

اُس شخص پر جس نے زنا کیا ہو اور بیاہا ہؤا ہو۔ مردوں اور عورتوں میں سے جب دلیل قائم ہو جاوے یا حمل رہ گیا ہو یا خود اُن کو اقرار ہو (مسلم باب حد الزنا)

اما قوله صلے الله علیه وسلم فقد جعل الله لهن سبیلا فاشارة الی قول الله تعالی فامسکوهن فے البیوت حتی یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا فبین النبی صلعم هذا هو ذلك السبیل واختلف العلماء فی هذه الاٰیة فقیل هی محکمة وهذا الحدیث مفسرا لها وقیل منسوخة بالاٰیة التی فے اول سورة النور وقیل ان اٰیة النور فے البکرین وهذه الاٰیة فے الثیبین (نووی)

لیکن آنحضرت کا قول کہ "خدا نے اُن کے لئے رستہ نکالا" اللہ کے اس قول کی طرف "فامسکوهن فے البیوت حتے یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا" (یعنے پس اُن کو روک رکھو گھروں میں یہاں تک کہ موت اُن کو اُٹھالے یا خدا اُن کے لئے رستہ نکالے) اشارہ ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس رستے کا بیان کر دیا۔ اور عالم لوگ مختلف ہوئے ہیں اس حکم میں پس کہا گیا کہ وہ محکم ہے اور یہ حدیث اُس کی مفسر ہے۔ اور کہا گیا وہ منسوخ ہے اُس حکم سے جو سورہ نور کے اوّل میں ہے۔ اور کہا گیا کہ "نور" کا حکم باکرہ کے باب میں ہے اور یہ حکم ثیبہ کے باب میں ہے (نووی)

قوله فکان مما انزل الله علیه اٰیة الرجم قرأناها وعیناها وعقلناها اراد به اٰیة الرجم "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة" (نووی)

حضرت عمر کا یہ قول ہے کہ "اُن چیزوں میں سے جو خدا نے اُن پر

آتاریں رجم کا حکم تھا ہم نے اس کو پڑھا اور تسبین کیا اور خیال کیا اس سے مراد رجم کا یہ حکم تھا۔ "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ" (یعنے جب بوڑھا اور بوڑھی زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو۔ نووی)

وفی ترک الصحابۃ کتابۃ ھذہ الآیۃ دلالۃ ظاھرۃ ان المنسوخ لا یکتب فی المصحف (نووی)

اور صحابہ نے جو اس حکم کا لکھنا چھوڑ دیا تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ منسوخ قرآن میں نہیں لکھا جاتا (نووی)

قولہ فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ ھذا الذی خشیۃ قد وقع من الخوارج ومن وافقھم (نووی)

حضرت عمر کا یہ قول کہ "میں ڈرتا ہوں کہ جب زیادہ زمانہ گذر جاوے تو کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے مقرر کئے ہوئے حکم میں نہیں پاتے پس لوگ گمراہ ہوں گے ایک فرض کے چھوڑنے سے" یہ ڈر جو حضرت عمر کو تھا خارجیوں اور ان کے موافقوں سے اس کا ثبوت بھی ہو گیا (نووی)

واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البکر مائۃ ورجم المحصن وھو الثیب ولم یخالف فی ھذا احد من اھل القبلۃ الا ما حکی القاضی عیاض وغیرہ عن الخوارج وبعض المعتزلۃ کالنظام واصحابہ فانھم لم یقولوا بالرجم (نووی)

اور اجماع کیا ہے عالموں نے اس پر کہ جو زانی بکر ہو اس کو کوڑے پیٹنا واجب ہے اور بیاہا ہوا اور ثیب ہو اس کو سنگسار کرنا واجب ہے اور اس امر میں اہل قبلہ میں سے ایک شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا

سوائے اس کے کہ قاضی عیاض وغیرہ نے خارجیوں اور بعض معتزلہ سے جیسے نظام اور اس کے متبعین سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ لوگ رجم کے قائل نہیں ہیں (نووی) +

اس ترجمہ میں ہم نے لفظ "آیت" اور "کتاب" کے ترجمہ میں "حکم" کا لفظ مستعمل کیا ہے ہم اس باب میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ خود قرآن مجید اور احادیث میں ان معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں مگر ہمارا مخالف اس ترجمہ پر معترض ہونے کا مجاز ہے اور کہہ سکتا ہے کہ الفاظ "آیت اور کتاب" ہی کیوں نہ مستعمل کیئے اس لیئے ہم دوسرا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس میں "آیت" کا ترجمہ "آیت" اور "کتاب" کا ترجمہ "قرآن" کیا ہے۔ اس ترجمہ کے پڑھنے والوں پر ظاہر ہوگا کہ اگر اس طرح پر ترجمہ کیا جاوے تو حدیث کیسی مہمل اور بے معنے ہو جاتی ہے +

دوسرا ترجمہ

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تھے یہ کہا کہ اللہ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو برحق بھیجا اور ان پر قرآن اتارا۔ سو ان چیزوں میں سے جو ان پر اللہ نے اتاریں رجم کی آیت بھی۔ ہم نے اس کو پڑھا اور سمجھا اور خیال کیا۔ سو رجم کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے ان کے بعد رجم کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ نہ یا وہ زمانہ گذر جاتے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو قرآن میں نہیں پاتے پس تو گمراہ ہونگے اس فرض کے چھوڑنے سے جس کو خدا نے اتارا اور رجم حق ہے قرآن میں اس شخص پر جس نے زنا کیا ہو اور بیاہا ہوا ہو مردوں

اور عورتوں میں سے جب دلیل قائم ہو جاوے یا حمل رہ گیا ہو یا خود ان کو اقرار ہو (مسلم)۔

کیا اس حدیث کے یہ دو فقرے کہ "ہم قرآن میں رجم کا حکم نہیں پاتے" اور یہ فقرہ کہ "بیشک رجم قرآن میں ہے" ایک دوسرے کے نقیض نہیں ہیں؟

اس لفظی بحث کو چھوڑ کر اب ہم اصل مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ عبارت جس کو سر ولیم میور واقدی سے نقل کرنا بیان کرتے ہیں کہ "اور واللہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہہ دیں گے کہ عمرؓ نے ایک نئی چیز قرآن میں درج کر دی تو میں اس کو قرآن مجید میں درج کر دیتا کیونکہ بہ تحقیق میں نے اس آیت کو سنا ہے۔ والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ"۔

اپنی تصنیفات کا حجم بڑھانے کی نیت سے اور نیز اپنی کامل آگہی کی غرض سے ہمارے مفسرین اور اہل سیر نے تمام مہمل اور بیہودہ افسانوں کو جو عوام الناس میں مشہور تھے بہ کمال آرزو جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے اور ہم اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ تمام محققین مسلمان اُن کو محض مہمل تصور کرتے ہیں اور اسلام اُن کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

نووی مسلم کی شرح میں لکھتا ہے کہ لفظ "حکم" سے جس کی طرف اس عبارت میں اشارہ ہے منجملہ اُن احکامات کے جو پیغمبر خدا پر نازل ہوئے تھے آیت رجم بھی تھی اور ہم نے اُس آیت کو دیکھا پڑھا اور سمجھا تھا اور وہ آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ

ہے۔ اس کے بعد نووی یہ بیان کرتا ہے۔ چونکہ آیت مذکورہ کا قرآن مجید میں کہیں پتہ نہیں ہے اس لئے تیقن کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں کی گئی تھیں ⁂

مگر ہر ذی فہم شخص سمجھتا ہے کہ نووی کا یہ بیان نہ تو کوئی حدیث نبوی ہے اور نہ کوئی حکم مذہبی ہے بلکہ ایک مفسر کی محض رائے ہے۔ معہذا یہ رائے بھی تسکین بخش نہیں ہے کیونکہ اس پر یہ اعتراض عائد ہوتے ہیں (۱) یہ کہ نووی نے اس امر کے ثبوت کی کوشش بھی نہیں کی کہ آیت مذکورہ درحقیقت قرآنی آیت تھی (۲) یہ کہ وہ اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں پیش کرتا کہ حضرت عمرؓ کی مراد اسی آیت سے تھی (۳) اس نے ان دونو باتوں کو بلادلیل غلطی سے صحیح تصور کر کے یہ نتیجہ باطل مستنبط کیا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ ہماری اکثر کتب سیرو تفاسیر ایسی ہی روایات اور احادیث سے مملو ہیں جو مفروضات باطل پر مبنی ہیں اور بجز مصنف ہی کے قیاسات کے اور کسی چیز سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ عیسائی مصنف اُن کی تحقیق سے ناواقف ہوتے ہیں اور اُن کو صحیح حدیثیں تصور کر لیتے ہیں اور بہ کمال شوق اسلام کی نسبت بے اصل الزامات اُن پر مبنی کرتے ہیں۔ اس مقام پر ہم کو اس امر سے کہ رجم کا حکم اسلام میں ہے یا نہیں زیادہ بحث نہیں ہے۔ بحث صرف اس قدر ہے کہ جس کو آیت رجم کہا جاتا ہے وہ کبھی قرآن کی آیت نہیں تھی اور نہ کبھی قرآن مجید سے خارج کی گئی تھی ⁂

آیتوں کے اخراج اور عدم اندراج کی بابت۔ سر ولیم میور نے تیسری مثال مارکسی کی نقل کی ہوئی روایت بیان کی ہے؛ جو سو نے کی

گھاٹی کے باب میں تھی اور جو قرآن میں مندرج ہونے سے رہ گئی ہے۔
چوتھی تمثیل میں وہ عبداللہ ابن مسعود کے اس قصے کو پیش کرتے ہیں جس
میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رات کو اپنے ورقوں میں سے
ایک آیت کو غائب پایا۔ پانچویں تمثیلوں میں اس آیت کا ذکر کرتے ہیں جو
مکہ کے معبودان مجازی کے بارے میں تھی۔ لیکن ہم ان کے نہایت شکرگزار
ہیں کہ انہوں نے خود یہ بات کہہ کر کہ یہ سب روایتیں غلط اور موضوع ہیں
اس جھگڑے کو چکا دیا ہے۔ پس ہم کو مردے کے مارنے کی کچھ ضرورت
نہیں رہی +
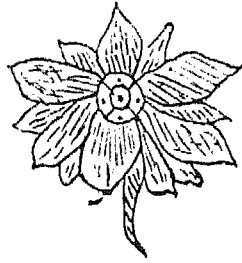
الخطبة الثامنة

فی

احوال بیت اللہ الحرام والسوانح التی مضت علیہا قبل الاسلام

ان اول بیت وضع للناس ببکۃ مبارکا و ھدی للعالمین

عرب کے ملک میں جو نہایت قدیم روایت اُس زمانہ سے جب کہ قرآن مجید کا ذکر بھی نہ تھا برابر چلی آتی ہے اور جس کو عرب کی تمام قومیں بغیر کسی شبہ اور اختلاف کے پشت در پشت مانتی چلی آئی ہیں اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبے کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل اُن کے شریک تھے۔

قرآن مجید میں اس گھر کے بننے کی جو خبر آئی ہے وہ بھی اسی قدر ہے۔

اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل	خدا تعالے فرماتا ہے کہ جب کہ ابراہیم اور اسمٰعیل نے اس گھر کی بنیادیں

منا انک انت السمیع العلیم (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۱) اُٹھائیں تو اُنہوں نے یہ دعا مانگی کہ اے ہمارے پروردگار اس گھر کو ہم سے
قبول کر بے شک تو اس دعا کو سنتا اور دلی نیت کو جانتا ہے" اس دعا سے
جو اُسکے بنانیوالوں نے کی اور قرآن مجید کی اور بہت سی آیتوں سے جو اُس کے
بعد ہیں بخوبی ظاہر ہے کہ یہ خدا کے واسطے یعنے اُس کی عبادت کے لئے
بنایا گیا تھا جیسے کہ اس زمانے میں لوگ مسجد بناتے ہیں ؞

قرآن مجید میں کعبہ کو بالتصریح مسجد کہا گیا ہے۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا
ان المشرکین نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا (سورۂ توبہ آیت ۲۸) ؞ ہے کہ مشرک ناپاک عقیدے کے ہیں وہ اس برس کے بعد سے اس بزرگ مسجد (یعنے کعبے) کے پاس نہ آویں" ؞

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ (سورۂ فتح آیت ۲۷) اور ایک اور جگہ خدا نے فرمایا کہ" خدا نے اپنے رسول کو یہ سچا خواب دکھلایا بالکل ٹھیک کہ بے شک تم داخل ہوگے اس بزرگ مسجد (یعنے خانۂ کعبہ) میں انشاء اللہ" ؞

جس زمانے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اُس زمانے میں کعبے کے
گرد وہ مکانات نہیں تھے جو اب ہیں اور جو حرم کہلاتے ہیں اور جن کا مطلب
یہ ہے کہ مسجد داخل حد حرم ہے لیکن خاص کعبہ وہ مسجد ہے جس کو حضرت
ابراہیم نے بنایا اور اسی خاص عمارت کو قرآن مجید میں مسجد الحرام کہا ہے ؞

قرآن مجید میں کوئی خاص زمانہ کعبہ کی تعمیر کا نہیں بتایا ہے صرف دو صفتیں
اُس کی بیان ہوئی ہیں ایک "بیت العتیق" یعنے نہایت پرانا قدیم گھر دوسرے
"اول بیت وضع للناس" یعنے سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لئے خدا

کی عبادت کرنے کو بنایا گیا جس قاعدے پر حال کے زمانے کے مورخ پرانے
زمانے کا حساب لگاتے ہیں اُس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سنہ
کی بیالیسویں صدی میں یعنے حضرت عیسیٰ سے اُنیسویں صدی ماقبل میں
کعبہ بنا تھا پس اگر اسی حساب کو صحیح مانا جاوے تو بھی ثابت ہوتا ہے کہ
دنیا میں جہاں تک کہ اُس کا حال معلوم ہوا ہے کعبے سے پہلے کوئی گھر خدا
کی عبادت کے لئے نہیں بنایا گیا تھا بلکہ سب سے اوّل کعبہ بنا تھا۔

ہم صرف عربی کی روایت اور قرآن مجید کی آیت ہی کو اس بات کے
ثبوت کے لئے کہ کعبہ حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا ہے پیش کرنے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے
بلکہ اُس کے ثبوت کے لئے ایسی دلیلیں بھی ہیں جو واقعی ایک حقیقت ہیں
اور جن کو اُن لوگوں نے لکھا ہے جن کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا۔
چنانچہ امر مذکورہ کا ثبوت مفصلہ ذیل مقدمات کے ملانے اور اُن سے نتیجہ
نکالنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔

مقدمہ اول ابراہیم نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اسی نواح میں یعنے حجاز میں بسایا جہاں اب کعبہ ہے

ہم اس ثبوت کے لئے ایسی مذہبی یا تاریخی روایتوں پر جو متنازعہ ہیں
اور جن کے الفاظ کے معنے یا مصداق پر بحث ہے توجہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ
ایسے واقعات پر استدلال کرتے ہیں جو سب کو تسلیم ہیں یا جو جغرافیہ کی تحقیقات

سے ثابت ہوتے ہیں اور ان کو ایسے لوگوں نے تحقیق کیا ہے جن کو اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا +

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے ۱ نبایوث ۔ ۲ ۔ قیدار ۔ ۳ ۔ ادبئیل ۔ ۴ ۔ بسام ۔ ۵ ۔ مشماع ۔ ۶ ۔ دوماہ ۔ ۷ ۔ مسا ۔ ۸ حدر ۔ ۹ ۔ تیما ۔ ۱۰ ۔ یطور ۔ ۱۱ ۔ نافیس ۔ ۱۲ ۔ قیدماہ ۔ اور یہ سب حجاز میں آباد تھے جہاں مکہ ہے +

پہلا ۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نبایوث عرب کے شمالی مغربی حصہ میں آباد ہوا ۔ ریورنڈ گاڑی پی کاری ایم اے نے اپنے نقشہ میں اس کا نشان ۲۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۶ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا +

دوسرا ۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا ۔ ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت اس کا حال کے جغرافیہ میں شہر الحذر اور نبت سے پایا جاتا ہے جو اصل میں آلقیدار اور نبایث ہیں اہل عرب کی یہ روایت کہ قیدار اور اس کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی ۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے ۔ کہ عہد عتیق میں قیدار کا مسکن عرب کے اسی حصہ میں یعنے حجاز میں بیان ہوا ہے دوسرے یہ کہ یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ یورنیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں بنو نبی حجاز کی باشندہ تھیں گیڈری جسے قیدری وری یعنے مخفف قیدری اور گڈرونات یعنے قیداری کدرینی یعنے قیدری ۔ چنانچہ اس کا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۸۶ میں مندرج ہے پس بخوبی

ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا +

ریورنڈ گا ٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ عرض شمالی و ۳۷ و ۳۴ درجہ طول شرقی کے درمیان لگایا ہے +

تیسرا۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا ادبئیل ہے بموجب سند جوزیفس کے ادبئیل بھی اپنے اُن دونو بھائیوں کے ہمسایہ میں آباد ہوا تھا +

چوتھا۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا مبسام ہے مگر اُس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا +

پانچواں۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا مشماع ہے ریورنڈ مسٹر فاسٹر کا یہ قیاس صحیح ہے کہ عبرانی میں جس کو مشماع لکھا ہے اُسی کو یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ میں سما اور جوزیفس نے سماس و بطلیموس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اُسی کی اولاد بنی سما کہلاتی ہے پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا قریب نجد کے اوّلاً آباد ہوا تھا +

چھٹا۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا دوماہ تھا مشرقی اور مغربی جغرافیہ دان قبول کرتے ہیں کہ یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا +

ساتواں۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا مسا تھا ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ بیٹا مسوپوٹیمیا میں آباد ہوا مگر یہ صحیح نہیں ہے کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قایم ہے ریورنڈ گا ٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۴ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے +

آٹھواں۔ بیٹا حضرت اسمعیل کا حدد تھا اور عہد عتیق میں حداد بھی اسکا

نام ہے یمن میں شہر حدیدہ اب تک اُسی کا مقام بتلا رہا ہے اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اُسی کے نام کو یادو لاتی ہے زہیری مؤرخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فاسٹر بھی اُسی کو تسلیم کرتے ہیں ؛

نواں - بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ کا تیما تھا اُن کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچ گئے ؛

دسواں - بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ کا یطور ہے ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ اس کا مسکن جدور میں تھا جو جبل کسیونی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے ؛

گیارھواں - بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ کا نفیش تھا ریورنڈ مسٹر فاسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عربیا ڈزرٹا میں اُن کی نسل اسی نام سے آباد تھی ؛

بارھواں - بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ کا قیدما تھا انھوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی غرضکہ اہل جغرافیہ کی تحقیقاتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیل اور اُن کی اولاد کا مسکن حجاز تھا ؛

مقدمہ دوم حجر اسود اور قربانی کی رسم کو اور کعبہ کا بیت اللہ نام ہونے کو خاص ابراہیمؑ سے تعلق ہے

خود حضرت ابراہیم اور تمام اُن کی اولاد میں یہ رواج تھا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بطور ایک نشان کے لنبا بن گھڑا پتھر کھڑا کر دیتے تھے اور

اس کو مذبح یعنے قربانی گاہ اور بیت اللہ قرار دیتے تھے اور وہاں خدا کی عبادت بجالاتے تھے اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے پس کعبہ میں اسی رسم کا برابر جاری چلا آنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیم سے ہے ؁

اس بات کا ثبوت کہ پتھر اور قربانی اور بیت اللہ نام رکھنے کی رسم ابراہیم سے چلی آتی ہے توریت مقدس سے جس کی قدامت میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا ثابت ہوتی ہے ؁

کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ میں لکھا ہے کہ "تب خداوند نے ابراہیم کو دکھلائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا اور اس نے وہاں خداوند کے لیئے جو اس پر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا" اور اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر وہاں سے ابراہیم نے کوچ کیا اور آگے جاکر پھر ایک مذبح بنایا اور خدا کے نام سے یعنے خدا کے گھر کے نام سے اسکو موسوم کیا ؁

اسی کتاب کے تیرھویں باب کی آٹھویں آیت میں ہے کہ بلوطستان ممری میں جو حبرون میں ہے ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لیئے ایک مذبح بنایا ؁

ان تینوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے لیئے مذبح تعمیر کرنا اور خدا کے نام سے اس کو پکارنا اور وہاں خدا کے نام پر قربانی کرنا حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا ؁

یہ طریقہ ان کی اولاد میں بھی جاری تھا چنانچہ کتاب پیدایش باب ۲۶ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ بیرشیع میں اسحاق پسر ابراہیم کو خدا دکھلائی دیا ۔

اور اُس نے وہاں مذبح بنایا اور خدا کے نام سے اُس کو موسوم کیا +
اب ہم کو یہ بتانا رہا کہ یہ مذبح کس طرح بنایا جاتا تھا اس کی تفصیل بھی توریت مقدس میں موجود ہے +
کتاب خروج باب ۲۵ میں لکھا ہے کہ "اگر میرے لئے پتھر کا مذبح بناوے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیونکہ اگر تو اُسپر اوزار لگا دے گا تو اُسے ناپاک کرے گا" +
اور اسی کتاب کے باب ۲۴ ورس ۴ میں لکھا ہے کہ "اور موسےٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں اور صبح کو سویرے اُٹھا اور پہاڑ کے تلے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کے بارہ سبطوں کے موافق بارہ ستون بنائے گئے" +
اور کتاب پیدایش باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ میں لکھا ہے کہ "یعقوب صبح سویرے اُٹھا اور اس پتھر کو جسے اُس نے اپنا تکیہ کیا تھا لے کے ستون کی مانند کھڑا کیا اور اس کے سر پر تیل ڈالا +
اور اُس مقام کا نام بیت ایل (یعنے بیت اللہ خدا کا گھر) رکھا +
اور کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر یعنے بیت اللہ ہوگا" +

ان آیتوں سے بخوبی ثابت ہے کہ ابراہیم اور اس کی اولاد کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کی عبادت کے لئے مذبح ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر بناتے تھے کبھی اُس کے ساتھ کوئی مکان بھی بنا دیتے اور کبھی پتھر کھڑا کرنے کے بعد بناتے تھے اور اُس کو بیت اللہ کہتے تھے +
بالکل یہی حالت کعبہ کی اور حجر اسود کی ہے جو ایک بن گھڑا لنبا پتھر ہے پہلے صرف حجر اسود کھڑا کیا تھا پھر جب وہاں کعبہ بنایا تو اُس کے کونے

میں اُس کو لگا دیا ۔

تورات میں صرف بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں اور بنی اسمٰعیل کا اس میں کچھ ذکر نہیں ہے مگر ملکی روایتوں یا جاہلیت کے اشعار میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے - ارزقی کی کتاب اخبار مکہ سے پایا جاتا ہے کہ بن گھڑا پتھر کھڑا کر کے خدا کی عبادت گاہ بنانا صرف بنی اسرائیل ہی میں نہ تھا بلکہ بنی اسمٰعیل میں بھی بہ کثرت رائج تھا ۔

چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ "بنی اسمٰعیل و جرہم جو مکہ میں رہتے تھے

ان بنی اسمعیل وجرهم من ساکنی مکة ضاقت علیهم مکة فتفسحوا فی البلاد والتمسوا المعاش فیزعمون ان اول ما کانت عبادة الحجارة فی بنی اسمعیل انه کان لا یظعن من مکة ظاعن منهم الا احتملوا معهم من حجارة الحرم تعظیما للحرم وصبابة بمکة وبالکعبة حیث ما حلوا وضعوه فطافوا به کالطواف بالکعبة حتی سلخ ذلك بهم الی ان کانوا یعبدون ما استحسنوا من الحجارة واعجبهم من حجارة الحرم خاصة حتی خلفت الخلوف بعدهم وبدلوا ونسوا ما کانوا علیه

وہاں رہنے کی ان کو گنجائش نہ ہوئی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پڑے پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ اول پتھر کا پوجنا بنی اسمٰعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ جب ان میں سے کوئی مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا حرم کو بزرگ سمجھ کر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اترتے تو اس پتھر کو رکھ لیتے اور اس کے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے پھر اس کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے اسی طرح

بدا بین ابراهیم واسمعیل وغیره عضب والاوثان - (صفحه ۲۰۷) ۔

پشتوں پر پشتیں گذر گئیں اور بھول گئے جو بات پہلی تھی اور ابراہیم اور اسمعیل کے دین کو بدل دیا اور بتوں کو پوجنے لگے -

مسلمانوں کی کتابوں میں اس پتھر کی نسبت نہایت قصہ آمیز روایتیں لکھی ہیں اور ترمذی اور ابن ماجہ و دارمی میں بھی چند عجیب عجیب روایتیں آئی ہیں جیساکہ یہ پتھر نہایت پرانا ہے اور حضرت ابراہیم کے ساتھ منسوب ہونے سے قدیمی ہونے پر تقدس اور زیادہ ہوگیا ہے ویسے ہی لوگوں نے اس کی نسبت جیساکہ پرانی باتوں کی نسبت دستور ہے قصہ آمیز اور تعجب انگیز روایتیں بنا لی ہیں - قرآن مجید میں اس پتھر کا مطلق ذکر نہیں ہے اگر درحقیقت ایسا ہی ہوتا جیساکہ روایتوں کے بنانے والوں نے بیان کیا ہے تو ممکن نہ تھا کہ باوجودے کہ قرآن مجید میں کعبے کے بننے کا ذکر ہے اور اس پتھر کا ذکر نہ کیا جاتا - جس قدر روایتیں اس پتھر کی نسبت آئی ہیں سب مجروح و مرجوح ہیں اور کسی کی سند قابل اعتبار کے نہیں ہے اور نہ اُن کا سلسلہ درستی اور صحت سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے مگر اُن روایتوں کا خلاصہ بیان کرنا خصوصاً اُن کا جو ترمذی وابن ماجہ و دارمی میں ہے خالی از لطف نہ ہوگا ۔

روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ یہ پتھر حضرت جبرئیل بہشت سے لائے تھے اور وہ اول اول دودھ کی مانند سفید تھا لیکن انسان کے گناہوں نے اُسے سیاہ کر دیا - ایک روایت کا یہ مضمون ہے -

کہ وہ بہشت میں کے جواہرات میں کا ایک لعل بے بہا ہے خدا نے اس کی چمک دمک لے لی ہے اگر نہ لیتا تو تمام دنیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک منور ہو جاتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ روز قیامت کے دن اس پتھر کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہو گی جن کے ورتیے سے وہ اُن کو پہچان لے گا اور اُن کے نام بتا دیگا جنھوں نے اس دنیا میں اُس کو بوسہ دیا ہے" ایک لامذہب نے اس روایت کو سنکر کہا کہ جب دنیا میں اُس کی آنکھیں نہیں ہیں تو قیامت میں آنکھیں ملنے سے وہ کیونکر شناخت کرے گا ایک احمق مسلمان نے جواب دیا کہ خدا کی قدرت سے لامذہب بولا کہ تو پھر آنکھیں دینے کی کیا ضرورت ہے۔ بالفرض اگر کوئی ان روایتوں کو صحیح تسلیم کرے تو اُن کے الفاظ کے لغوی معنے نہیں لئے جاویں گے بلکہ اُن کو بطور استعارہ قرار دیا جائے گا اور اس صورت میں اُن کا مقصود یہ ہوگا کہ کسی آدمی کے افعال جو اُس نے دنیا میں کئے ہیں قیامت میں پوشیدہ نہیں رہیں گے۔ اس قسم کے مضامین کو استعارہ میں بیان کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ انہیں کو بآسانی سمجھ لیتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے ہاتھ گواہی دیں گے کہ اُس نے اُن سے کیا کیا ہے اور اسکی زبان اُن سب باتوں کو بیان کرے گی جو اُس کے ہونٹوں سے نکلی ہیں اور جس زمین پر وہ اترا اترا کر غرور اور تکبر کی چال سے چلا تھا وہ اُس کی گواہی دے گی۔ ان سب روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر ایک کام خدا سے مخفی نہ رہے گا اگرچہ

اب بھی مخفی نہیں ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں اور اُن موضوع روایتوں نے ایسی خرابی ڈال دی ہے کہ اصلی و صحیح بات بھی تاریکی میں پڑ گئی ہے۔ مگر ازرقی نے ایک روایت کتاب اخبار مکہ میں لکھی ہے اگر اُس کی زوائد اور مبالغہ آمیز باتوں سے جو اُس میں شامل ہیں قطع نظر کی جاوے تو اُس سے اصلیت اُس کی کسی قدر معلوم ہوتی ہے۔ بعد ایک قصہ بیان کرنے کے اُس میں لکھا ہے کہ "حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح کے زمانے میں ابو قبیس پہاڑ کو سپرد کر دیا تھا اور اُس کو سمجھا دیا تھا کہ جب تو میرے خالص دوست یعنی ابراہیم کو دیکھے کہ وہ میرا گھر بناتا ہے تو اس پتھر کو نکال دیجیو"

وکان اللہ عزوجل استودع الرکن ابا قبیس حین غرق اللہ الارض زمن نوح وقال اذا رایت خلیلی یبنی بیتی فاخرجہ لہ (انتہیٰ) کتاب اخبار مکہ صفحہ ۲۲۔

ہر ایک شخص اس روایت سے سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بات صرف اس قدر ہے کہ یہ پتھر جبل ابو قبیس میں کا جو مکہ کے پاس ہے ایک پتھر ہی حضرت ابراہیم نے مثل اپنی عادت و طریقہ کے اول اس پتھر کو بطور مذبح کے کھڑا کیا جب اُن کی اولاد وہاں مستقل رہنے لگی تو اُنہوں نے مکان، مذبح بھی بنایا اور اُس پتھر کو اُس کے کونے میں لگا دیا۔

اُسی کتاب میں یہ بھی ایک ٹھیک روایت لکھی ہے کہ "وہ دو دفعہ آتشزدگی میں جلنے کے سبب سے اس قدر کالا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے زمانے میں ایک

وانما شد تو سوادہ لانہ اصابہ الحریق مرۃ بعد مرۃ فی الجاہلیۃ والاسلام فاما حریقہ فی الجاہلیۃ

فانه ذهبت امرأة في زمن قريش تجمر الكعبة فطارت شرارة في استار الكعبة فاحترقت الكعبة واحترق الركن الأسود واسود وتوهنت الكعبة فكان هو الذي هاج قريشا على هدمها وبنائها واما حريقه في الإسلام ففي عصر ابن الزبير ايام حاصره الحصين بن نمير الكندي احترقت الكعبة واحترق الركن فتفلق بثلاث فلق حتى شعبه ابن الزبير بالفضة فسواده لذلك (صفحه ۳۲) ❊

عورت کے ہاتھ سے کعبہ کے پردے میں خوشبو جلانے وقت آگ لگ گئی تھی جس کے سبب سے کعبہ اور حجر اسود دونوں جل گئے تھے اور حجر اسود کالا ہو گیا تھا اور ایک دفعہ زمانہ اسلام میں ابن زبیر کے وقت میں کعبہ میں آگ لگی تھی - اور حجر اسود جل کر تین ٹکڑے ہو گیا تھا اور ابن زبیر نے اس کے گرد چاندی کا حلقہ چڑھا دیا تھا ❊

یہ پتھر جو کعبہ کے کونے میں لگا یا گیا تھا اس سے مقصود اس پتھر کی پرستش نہ تھی بلکہ صرف اس لئے لگایا گیا تھا کہ کعبے کا طواف (جس کی حقیقت ہم بیان کریں گے) شروع ہونے اور ختم ہونے کی نشانی ہو چنانچہ کتاب اخبار مکہ ازرقی میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر بناوے اور جب وہ بناتے بناتے وہاں پہنچے جہاں اب حجر اسود ہے تو انھوں نے اسمعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ وہ لوگوں کے لئے ایک نشانی ہو اور اسی سے طواف شروع کیا کریں۔

حدثني جدي قال حدثنا سفيان بن عيينة عن مجاهد عن الشعبي قال لما امر ابراهيم ان يبني البيت وانتهى الى موضع الحجر قال لاسمعيل ائتني بحجر ليكون علما للناس يبتدئون منه الطواف فاتاه بحجر فلم يرضه فاتى ابراهيم بهذا الحجر ثم قال اتاني به من لم يكلني على حجرك ❊ (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۰۹) ❊

وہ ایک پتھر لائے ابراہیم نے اُس کو پسند نہیں کیا۔ پھر ابراہیم کو یہ پتھر مل گیا۔ پھر ابراہیم نے اسمٰعیل کے اُس سوال کے جواب میں کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ کہا کہ اُس نے دیا جس نے تیرے پتھر کے بھروسے پر مجھے نہیں رکھا۔

معتضد باللہ ابوالفضل جعفر ابن معتضد کے عہد میں جو ۲۹۲ھ ہجری میں خلیفہ ہؤا تھا قرامطہ حجر اسود کے کعبہ سے اُکھاڑ لے گئے تھے مدت بعد پھر لاکر رکھ دیا۔

مقدمہ سوم کعبہ بلاشبہ بیت العتیق ہے

ملکی اور مذہبی روایتوں کے سوا غیر مذہب مورخوں کی تحقیقات سے بھی کعبہ کا نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر گبن جیسا کہ وہ نہایت مشہور مورخ ہے ویسا ہی نہایت بڑا عالم اور فلسفی ہے اُس نے اپنی تاریخ میں کعبہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ کعبہ کی صحیح قدامت سنہ عیسوی سے پہلے کی ہے ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایوڈورس یونانی مؤرخ نے تھیبیتا اور سبیین کے بیان میں ایک مشہور معبد یعنی کعبہ کا ذکر کیا ہے جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے" اگر ڈایوڈورس کے زمانے میں کعبہ ایک مشہور و معروف معبد تھا جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے تو ہم کو اُس کی اصلیت کو درحقیقت ایک نہایت قدیمی زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہئے۔

سر ولیم میور صاحب اس پر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں کہ "جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اُس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اُس کے تمام

مراسم کی اصلیت ابراہیم و اسمٰعیل سے ہے کیونکر قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب کی یہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی بلکہ آنحضرت صلعم کے زمانے سے بہت مدت پہلے اہل مکہ کی عام راے تھی ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسلمہ کے اُس کا ذکر نہ ہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو تمام کعبہ کے گرد و نواح میں ابراہیم و اسمٰعیل سے متعلق کیئے جاتے جیساکہ وہ متعلق کیئے گئے ہیں"۔

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلاشبہ یہاں غلطی کی ہے۔ جو کچھ ڈاکٹر دوزی نے لکھا ہے اُس سے عرب کی اُس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اس بات سے کہ مذہب اسلام سے پیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور اُن تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتی ہیں ابراہیم سے تعلق ہے اُس کی اصلیت و صحت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم نے اور تمام مختلف عرب کی قوموں نے اُس کو ابراہیم اور اسمٰعیل سے منسوب کیا تھا۔ عرب ایک بت پرست قوم تھی اور ابراہیم بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھا اس لئے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیم و اسمٰعیل سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسمٰعیل سے منسوب نہ کرتیں باوجود اس مغایرت و منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اس بات کو تسلیم کرنا کہ کعبہ کو اور اُس کے مراسم کو ابراہیم اسمٰعیل سے تعلق ہے علانیہ اُس کی صحت و اصلیت کی دلیل ہے نہ اُس کے برخلاف جیساکہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ اس روایت کا اسلام کے زمانے سے پیشتر بطور حقیقت مسلمہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا ہمارے لئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کے لئے۔

مقدمہ چہارم سر ولیم کے اعتراضوں کی تردید

سر ولیم میور نے اپنی کتاب مسمے لیف آف محمدؐ میں بلا کسی دلیل اور بغیر کسی ثبوت کے ان تمام واقعات سے جن سے کسی مؤرخ نے انکار نہیں کیا انکار کیا ہے اور ایک خیالی اور فرضی بات کو جو ان کے دل میں آئی حقیقت واقعہ قرار دیا ہے جن کی تردید ہم کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے خیال کی فرضی سچائی قائم کرنے کو جو فی نفسہ سچ نہیں ہے حسب تفصیل ذیل وجوہات قائم کی ہیں +

اوّل ۔ انہوں نے یہ بات فرض کر لی ہے کہ مکہ کے قریب اسمٰعیل کا آباد ہونا اور یہ بات کہ یقطان اہل عرب کے مورث اعلےٰ تھے سب بناوٹ اور فقرہ ہے۔ اور ہر قسم کی تواریخی سچائی اور احتمال سے مبرا ہے +

لیکن اس بات کے کہنے سے پہلے سر ولیم میور پر فرض تھا کہ یہ بات بیان کرتے کہ اہل عرب کو اگر وہ نسل میں اور رسومات میں اور مذہب میں یقطان اور اسمٰعیل سے بالکل مختلف تھے تو اس بناوٹ کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور کیوں تمام ملک اور تمام قبیلے جو آپس میں نہایت دشمن اور سخت عداوت رکھتے تھے اور روز خانہ جنگیوں اور باہمی لڑائیاں کرتے تھے اس ایک بات پر متفق ہو گئے تھے +

عرب کی تمام تاریخوں سے جن کو عیسائی مورخوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ یقطان عرب کا مورث اعلےٰ تھا ان تمام باتوں کی کس طرح سر ولیم میور تردید کرتے ہیں کیونکہ ایسے موقع پر بمقابل ثبوت کے صرف انکار کر دینا کافی نہیں ہے +

یونانی مؤرخ اہل جغرافیہ حجاز میں اسمٰعیل کی اولاد کی سکونت کا نشان بتاتے ہیں یونانی مؤرخوں نے حجاز کی اُن قوموں کا ذکر کیا ہے جو اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام سے موسوم تھیں اُن سب واقعی باتوں کو سر ولیم میور کس طرح معدوم کرتے ہیں +

دوم - وہ فرماتے ہیں گر حضرت از راہ خود پسندی کہ "اس عقیدۂ باطل کے اصلی اجزا میں کسی بات کا ایسا کوئی نشان نہیں ہے کہ جو حضرت ابراہیم سے متعلق ہو - حجر اسود کا بوسہ دینا کعبہ کے گرد طواف کرنا - مکہ اور عرفات اور منا میں رسمیات کا ادا کرنا اور مقدس مہینوں اور مقدس ملک کی تعظیم کرنا ان سب باتوں کو حضرت ابراہیم سے یا اُن خیالات اور اصول سے کسی طرح کا تعلق نہیں ہے جو غالباً اُن کی اولاد کو اُن سے پہنچیں یہ باتیں یا تو ٹھیک ٹھیک مختص المقام تھیں یا اُن کو بت پرستی کے اس اصول سے جو جزیرہ عرب کے جنوب میں جاری تھے تعلق تھا اور وہاں سے بنی جرہم یا بنی قطورہ یا ازد یا مینا یا کوئی اور قوم جو یمن سے نقل مکان کرکے مکہ میں آباد ہوئی تھی اپنے ساتھ لائی تھی" +

مگر ہم کو افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے بنی ابراہیم یا بنی اسرائیل کی تمام رسمیات سے جو اُن کے ہاں جاری تھیں یک لخت چشم پوشی کر لی ہے ورنہ وہ دیکھتے کہ ان رسمیات میں اور بنی اسرائیل کی رسمیات میں بالکل اتحاد پایا جاتا ہے +

حجر اسود وہی مذبح ہے جس کو خدا کے حکم سے ابراہیم - اسحاق یعقوب - اور موسیٰ بناتے تھے (دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۲ ورس ۷ و ۸ باب ۱۳ ورس ۱۸ اور باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ و باب ۲۴ ورس ۴) بوسہ کے خاص فعل کی نسبت ہم جدا لکھیں گے اس

مقام پر جو سر ولیم میور نے اُس کا ذکر کیا اُس سے ایک عام مقصد بیان کرنا معلوم ہوتا ہے یعنے پتھر کی تعظیم۔ مگر اُنہوں نے ان پتھروں کی اُس تعظیم کو فراموش کر دیا جو ابراہیم اسحاق و یعقوب و موسے کرتے تھے یہ سب بزرگ ایسے پتھروں کو مقدس جانتے تھے خدا کے نام سے اُن کی تعظیم کرتے تھے یعقوب نے اُس پر تیل ڈالا (دیکھو پیدائش باب ۲۸ ورس ۱۹) جو اُس زمانے کے دستور کے موافق غایت الغایت تعظیم پرستش کے قریب تھی۔ یعقوب نے کہا کہ یہ جگہ خانہ خدا ہو گی دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۸ ورس ۲۲ خدا نے منع کیا کہ اس گھر کے اوپر مت چڑھو تا کہ تمہاری شرم گاہ اُس کے اوپر ننگی نہ ہو جائے (دیکھو کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۶) پس اب کونسا دقیقہ تعظیم کا باقی رہ گیا ہے جو اس قسم کے پتھروں کی نسبت بنی ابراہیم میں جاری نہ تھا جس کے سبب سر ولیم میور۔ حجر اسود کی اس خفیف تعظیم کو (اگر وہ ہو بھی) بنی ابراہیم کی رسم سے جدا کر کے عرب کے بت پرستوں کی رسم بتاتے ہیں ✢

ایک گھر کا خدا کے واسطے بنانا اور بیت اللہ اس کا نام رکھنا جیسے کہ کعبہ ہے اگر ابراہیم کی رسومات سے تصور کیا جاوے تو وہ کون تھا (یعنے موسےٰ) جس نے بمقام گبعون بیابان میں خدا کا گھر بنایا (دیکھو کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۴ و کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۱ ورس ۲۹) ✢

اور وہ کون تھا (یعنے داؤد) جس نے خرمنگاہ ارنان یبوسی کو خدا کا گھر بنانے کو مول لیا اور پتھر و لکڑی و لوہا و پیتل اُس کے بنانے کو جمع کیا۔ (دیکھو کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۲) ✢

اور وہ کون تھا (یعنے سلیمان) جس نے بعد کو خرمنگاہ ارنان یبوسی

میں نہایت عالی شان مکان بنایا جس کو خدا کا گھر اور بیت المقدس نام ملا (دیکھو کتاب تاریخ ایام دوم باب ۴) +

پس کعبہ کی بنا کو اور اس کو خدا کا گھر قرار دینے کو ابراہیم کی طرف منسوب نہ کرنا بلکہ عرب کے بت پرستوں کی رسم بتانا نہایت تعجب کی بات ہے +

مکہ میں خاص کعبہ کے ساتھ جو رسم ادا کی جاتی ہے وہ صرف طواف ہے (جس کی حقیقت ہم بیان کریں گے) سر ولیم میور کو اس رسم کی نسبت ابراہیمی رسم ہونے سے انکار کرنا اس وقت مناسب تھا جب کہ او لاً وہ کسی تاریخ یا توریت مقدس سے یہ بات ثابت کر لیتے کہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب نے جو مذبح اور بیت اللہ بنائے تھے ان میں وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اس واسطے کہ توریت سے موسےٰ کے وقت سے پیشتر صرف خدا کے نام یا عبادت کے لیئے ان گھروں کا بننا تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے عبادت کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا اور ہم کو اس بات کے یقین کرنے کی قوی وجہ ہے کہ اس زمانے میں خدا کی عبادت کا طریقہ یہی تھا جو طواف کی صورت میں پایا جاتا ہے اور اسمٰعیل کی اولاد نے اپنے دادا کے اسی طریقے کو اور اسی ہیئت کو اب تک قایم رکھا ہے +

ہمکو امید ہے کہ سر ولیم میور اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ حج خانہ کعبہ کا نہیں تو حج کو خانہ کعبہ سے کچھ تعلق نہیں ہے پس یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے مذہب میں خانہ کعبہ کا حج ہوتا ہے +

عرفات۔ ایک ایسی چیز ہے جو خاص ابراہیم اور اس کی اولاد سے علاقہ رکھتی ہے ہزاروں جگہ توریت میں آیا ہے کہ خدا ابراہیم کو مرئی ہوا۔

خدا اسحاق کو مرئی ہوا خدا یعقوب کو مرئی ہوا خدا موسے کو مرئی ہوا پس ٹھیک ٹھیک
یہی معنے عرفات کے ہیں جس پہاڑ پر جو قریب مکہ کے ہے خدا ابراہیم و اسمٰعیل کو مرئی
ہوا اُس پہاڑ کا نام جبل عرفات ہے ۔ معلوم نہیں کہ سر ولیم میور نے عرفات
کو کیا سمجھا جو اُس کی نسبت کہا کہ اُس کو ابراہیمی رسوم یا حالات سے کچھ
تعلق نہیں ہے ٭

عرفات ایک ایسی چیز ہے جو تمام دنیا کے بت پرستوں سے کچھ بھی
مناسبت نہیں رکھتی یہ خاص امر ابراہیم کی نسل میں مروج تھا اس مقام
پر ہم اس کے مطلب پر کہ خدا کیونکر دکھائی دے سکتا ہے بحث نہیں
کرنا چاہتے ۔ اور نہ ان الفاظ کے مطلب و مراد سے بحث منظور ہے
بلکہ یہاں صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ عرفات کا استعمال بجز خاندان
ابراہیم کے دنیا کے اور کسی خاندان یا مذہب میں نہ تھا اور اسلیے
عرفات یا جبل عرفات کے نام سے اُس کا خاص تعلق ابراہیم سے ثابت
ہوتا ہے ٭

یہی مقام ہے جہاں حاضر ہونے کو حج کہتے ہیں وہاں کوئی چیز
نہیں ہے پہاڑ تلے کا میدان ہے اُس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور
خدا کی یاد کرتے ہیں اُس کی تسبیح کرتے ہیں اُس قدوس کو قدوس
قدوس کہہ کر یاد کرتے ہیں اُس مجمع میں صرف خطبہ پڑھا جاتا ہے جس
میں خدا کی تعریف ہوتی ہے اور خدا کے احکام سنائے جاتے ہیں
ٹھیک اُسی طرح جس طرح کہ موسے نے کوہ سینا کی تلیٹی میں سنائے
تھے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اس رسم کی اصلیت بت پرستوں سے پائی
جاتی ہے یا خاص ابراہیم سے ٭

منا کا مقام صرف قربانی کے لیئے ہے وہاں بجز قربانی کے اور کوئی رسم نہیں ہوتی تمام توریت قربانی کی رسم سے بھری پڑی ہے ۔ جہاں بیت اللہ بنایا تھا وہاں قربانی ہوتی تھی اور اسی قربانی کے سبب سے بیت اللہ مذبح کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ منا اور خانہ کعبہ نہایت قریب ہے اور اس لیئے قربانی نذر کرنے کے لیئے وہ مقام قرار دیا گیا تھا ۔ ہاں ابراہیم اور یعقوب و اسحاق اور موسے اور داؤد اور سلیمان کی قربانی اور مذہب اسلام کی قربانی میں یہ فرق ہے کہ اس قربانی میں جانور کو مار کر اس کی لاش کو آگ میں جلا دیتے تھے اس خیال سے کہ خدا کو اس کی خوشبو یعنے چراند پسند آتی تھی مذہب اسلام میں وہ قربانی غریب و محتاج لوگوں کو تقسیم کی جاتی ہے تاکہ وہ بھوک کی سختی سے محفوظ رہیں پس اگر اسی امر کے سبب سر ولیم میور نے منا کی رسومات کو بت پرستی کی رسوم تصور کیا ہے تو کچھ افسوس کی بات نہیں ہے کیونکہ ہر ذوی عقل اس پہلی قربانی سے اس پچھلی قربانی کو نہایت عمدہ اور بہتر سمجھتا ہوگا (اس امر کی تحقیق کہ مذہب اسلام میں قربانی کیا چیز ہے ہم جدا اگانہ لکھیں گے) ✣

کسی ملک کو مذہب اسلام نے مقدس نہیں ٹھیرایا بلکہ مقدس جگہ کو جو خاص خدا کی پرستش کو مقدس ہاتھوں سے بنائی گئی تھی مقدس ٹھیرایا ہے یہ بھی ابراہیم ہی کا طریقہ تھا اور برابر اس کی اولاد میں چلا آتا تھا ۔ جہاں وہ خانہ خدا یا مذبح بناتے تھے اس کو مقدس ٹھیراتے تھے ۔ موسے کو خدا نے کہا کہ سینا پہاڑ کے لیئے حد ٹھیرا ۔ اور اس کو مقدس کر کتاب خروج باب ۱۹ درس ۲۳) ۔ وہ کون تھا (یعنی خدا) جس نے کہا کہ مقام

مقدس مرا احترام نمائیند" (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۲) اسی طرح بیت المقدس کو مقدس ٹھیرایا خانہ کعبہ کے لئے بھی جب سے وہ بنا ایک حد ٹھیرائی گئی جو حرم کہلاتی ہے اور اس کو اس مقدس نام کے ادب کے لئے جس کے نام پر وہ پاک جگہ بنائی گئی مقدس ٹھیرایا تھا یہ بھی ایک نہایت عمدہ ثبوت اس بات کا ہے کہ بیت اللہ کو اور حرم کو مقدس ٹھیرانا خاص ابراہیم سے تعلق رکھتا ہے نہ بت پرستوں کی رسم سے +

ہاں سر ولیم میور کی ایک بات کو میں تسلیم کروں گا کہ رجب اور ذیقعد اور ذیحجہ اور محرم کے چار مہینوں کا مقدس ٹھیرانا زمانہ جاہلیت کی رسم تھی اُن کو مقدس اس مراد سے ٹھیرایا تھا کہ اُن مہینوں میں زمانہ جاہلیت عرب لڑائی نہیں لڑتے تھے۔ عرب کی قومیں نہایت مفسد اور خانہ جنگ تھیں برسوں تک آپس میں لڑائی جاری رہتی تھی اور اُن چار مہینوں میں عام قوموں کو مکے میں آنا اور حج کرنا اور کعبے کے بتوں کو پوجنا ہوتا تھا۔ پس اُن سب قوموں نے آپس میں عہد کر لیا تھا کہ ان دنوں میں لڑائی موقوف رہے گی پس یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے اِن مہینوں کا اشہر حرم نام رکھا تھا مگر سر ولیم میور نے جو غلطی کی ہے وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام نے بھی اُن کو مقدس مانا ہے حالانکہ مذہب اسلام نے اُن کی تقدیس کو رد کر دیا ہے اور کوئی مہینا مسلمانی مذہب میں مقدس نہیں رہا ہے۔ اسلام نے کہا کہ چار مہینے جو مقدس ٹھیرائے گئے ہیں اُن میں تم لڑائی کی ابتدا مت کرو لیکن اگر کافر لڑیں تو لڑو +

خدا تعالے سورہ توبہ میں فرماتا ہے کہ "گنتی مہینوں کی اللہ کے ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا نزدیک برس کے بارہ مہینے ہیں خدا

عشر شہرا فی کتاب اللہ خلق السموٰت
والارض منہا اربعۃ حرم ذلک الدین
القیم فلا تظلموا فیہن انفسکم وقاتلوا
المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ
(سورہ توبہ)

کے مقرر کئے ہوئے حکم میں جب سے
کہ آسمان و زمین پیدا کیا (یعنے لوند کے
مہینے کا اُس میں حساب نہیں ہے)
اُنہی میں سے چار مہینے وہ ہیں جن کو
اہل عرب اشہر حرم کہتے ہیں یہی ٹھیک
حساب ہے اب خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم ان چار مہینوں پر کچھ حصر نہیں ہے
بلکہ تم ان بارہ کے بارہ مہینوں میں آپس میں مت لڑو اور تمام کافروں سے لڑو
جس طرح کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مذہب اسلام
میں اشہر حرم نہیں مانے جاتے بلکہ بارہ کے بارہ مہینے ایک سے ہیں ✦

ضمیر فیہن کی اثنا عشر شہرا کی طرف راجع ہے نہ اربعۃ کی طرف ✦

سوم وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے خاص طریقے سیبین[1] ازم اور
بت پرستی اور پتھر کی پرستش تھی اور ان سب کو مکہ کے مذہب سے بڑا تعلق
تھا[1] ✦

ہم کو اس بات کے قبول کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں
جو طریقے مکہ میں جاری تھے اُن میں بہت کچھ رسومات بت پرستی کی شامل
ہو گئی تھیں سیبین ازم یعنے صابئین کا مذہب بھی اپنی اصلی حالت پر باقی
نہیں رہا تھا اس میں ہزاروں باتیں کفر و شرک اور کواکب کی پرستش کی
داخل ہو گئی تھیں اور وہ بگڑا ہوا مذہب اور بت پرستی آپس میں مل کر زمانہ
جاہلیت میں اُس نے نہایت عجیب صورت پیدا کی تھی۔ مگر جو خاص باتیں
ابراہیم کے مذہب کی اُن میں پائی جاتی تھیں اُن کو بھی سر ولیم میور بت
پرستی سے منسوب فرماتے ہیں یہی اُنکی غلطی ہے۔ خانہ کعبہ کو اور ابراہیمی

[1] مذہب صابیہ ۱۲

اور اسمعیلی نماز کے طریقے کو جس کو اب طواف کعبہ کہتے ہیں (اور جس کی اصل ہم بیان کریں گے) سبیین از م یا بت پرستی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ پتھر یا حجر اسود کی پرستش جس کو سر ولیم میور خاص عرب کا دستور بیان کرتے ہیں (اگر درحقیقت وہ پتھر کی پرستش ہی ہو) خاص ابراہیم کا طریقہ تھا جیسا کہ ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں۔ یہ طریقہ خاص ابراہیم سے پیدا ہوا اور یعقوب و اسحاق اور اسمٰعیل اور موسےٰ نے اُس کی پیروی کی جو بن گھڑے اور ننگے پتھروں کو ستون کی مانند کھڑا کرتے تھے اور اُن پر تیل چڑھاتے تھے۔ خواہ یوں کہو کہ مہادیو کی پنڈے کی طرح اُن پتھروں کی پرستش کرتے تھے۔ غرضکہ جو کچھ اُن کی نسبت کہو ہم تسلیم کرلیں گے مگر یہ بات کہ وہ طریقہ ابراہیمی نہ تھا بلکہ خاص عرب کے بت پرستوں کا طریقہ تھا جیسا کہ سر ولیم میور بیان کرتے ہیں تسلیم نہیں ہوسکتا کیونکہ اُن کی غلطی علانیہ ثابت ہے ؎

ان تمام قابل افسوس قیاسات اور فرضی قصوں کے بعد سر ولیم میور نے مکہ کی ابتدا اور مکہ کے مذہب کی ایک فرضی تاریخ بیان کی ہے اور ہر ایک بات کو بلا دلیل اور بغیر ثبوت کے فرض کرلینے کے بعد سر ولیم میور بالطبع (جو درحقیقت ایسا ہی ہونا ضرور تھا) اپنے عالی دماغ اور تر و تازہ سوچ زن ذہن کے ایجادات کو عرب کی واقعی تاریخ سے مطابق کرنا ممکن پاتے ہیں۔ مگر جس طرح کہ سر ولیم میور کا خیال بہت بلند اور فکر بہت تیز ہے اُس کی بہ نسبت اُن کے تمام تیز رفتار کی جولانی بھی کچھ کم نہیں ہے۔ پس وہ ایک لمحہ میں اپنے خیال کو جولانی دے کر اپنے قلم کے چند اشاروں سے تمام ناممکن باتوں پر غالب آتے ہیں۔

تھر جو کہ اُن کے قلم سے نکلی ہوئی وہ باتیں نہ تواریخی واقعات ہیں اور نہ عرب کی مختص المقام روایتیں اور نہ کتاب مقدس کی سچی باتیں بلکہ صرف سرولیم سے عجیب وغریب کام کرنے والے خیال کی ایجادیں ہیں اور کسی قسم کی معتبر سند اور ہر ایک قسم کی تائید وتصدیق سے مبرا ہیں اس وجہ سے ہم اُن کو اپنے اس خطبہ میں ذکر کرنا محض بے فائدہ سمجھتے ہیں ؞

تعمیر ابراہیم

پُرانی باتوں کے ساتھ ہمیشہ قصے وکہانیاں لوگ ملا دیتے ہیں اُن کو مقدس ومتبرک بنانے کو ایسے ایسے واقعات اُن کے ساتھ منسوب کرتے ہیں جن کی کچھ بھی اصل نہیں ہوتی۔ مذہب اسلام میں بھی لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ مکہ کی نسبت جو حالات روایتوں میں مذکور ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے قرآن مجید میں بہت تھوڑے لفظ ہیں اور نہایت مختصر اُن کا مطلب ہے کہ ابراہیم نے خدا کی عبادت کے لئے مسجد بنائی اور خدا سے دعا کی کہ تو اُس کو اپنے مبارک نام پر قبول کر۔ مگر مورخین نے اس پر وہ حاشئے چڑھائے اور وہ واقعات لگائے کہ نعوذ باللہ خدا کو بھی معلوم نہ تھے۔ پس ایک منصف شخص کا یہ کام نہیں ہے کہ اُن جھوٹی باتوں کو جن کو ہم خود جھوٹا کہتے ہیں مذہب اسلام قرار دے اور پھر اس پر اعتراضات کی بنا قایم کرے کیونکہ وہ تو بناے فاسد علے الفاسد ہے اور نہ اُس شخص کو جس کے دل میں اسلام کی جانب سے کچھ شبہ پیدا ہو یہ مناسب ہے کہ ان جھوٹی روایتوں سے ڈگمگاوے کیونکہ وہ تو خود جھوٹی ہیں۔ مگر جو واقعات کہ مبالغہ آمیز تقدس کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اُن میں اصلی واقعات بھی شامل ہوتے ہیں اس لئے ہر عقلمند

ومنصف کو لازم ہے کہ اُن اصلی واقعات کو اُن جھوٹی باتوں سے تا بمقدور چھانٹ لے اور پھر اس پر جو وہ چاہے اپنی رائے قایم کرے *

تمام روایتیں جو مکہ کی نسبت کتابوں میں مندرج ہیں سب کی سب نامعتمد وغیر مستند ومشتبہ ہیں اور اُن میں سچی اصلی بات کے ساتھ بہت کچھ جھوٹ اور قصے وکہانیاں شامل کردئے ہیں۔ مگر جس قدر کہ سچ ہے وہ اُن سے بخوبی میز ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ہم اس خطبے میں اُسی قدر تحریر پر اکتفا کرینگے جس قدر کہ ہمارے نزدیک سچ ہے *

حضرت ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کو پہاڑ کی گھاٹی میں جہاں اس قسم کی عمارتیں بنانے کو بالطبع جگہ پسند کی جاتی ہے جگہ پسند کی اور زیادہ تر پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ چشمہ زمزم کے نہایت قریب تھی وہاں انھوں نے حضرت اسمٰعیل کی شرکت سے کعبہ یعنے مسجد بنائی کتابوں میں اُس کا ارتفاع نو ذرعہ اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک طرف کا طول اکتیس اور ایک طرف کا بتیس لکھا ہے اگر یہ پیمائش صحیح ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نیک زمانے میں پیمائش کے آلات نہ تھے اور قائمے زاویے نہیں نکل سکتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے ہر مقابل کے ضلعے مساوی نہیں بن سکے *

بنا البيت وجعل طوله في السماء تسعة اذرع وعرضه في الارض اثنين وثلاثين ذراعا من الركن الاسود الى الركن الشامي الذي عند الحجر من وجهه وجعل عرض ما بين الركن الشامي الى الركن الغربي الذي فيه الحجر اثنين وعشرين ذراعا وجعل طول ظهرها من الركن الغربي الى الركن اليماني احد وثلاثين ذراعا وجعل عرض شقها اليماني من الركن الاسود الى الركن اليماني عشرين ذراعا (كتاب اخبار مکہ ازرقی صفحہ ۳۱) *

جو پیمائش کہ مذکور ہوئی ہے اُس کے مطابق ہم اس مقام پر نقشہ کعبہ کا

ثبت کرتے ہیں جس سے اُس کی قطع بخوبی معلوم ہوگی۔ دائیں طرف جو حصہ نقطوں سے گھرا ہوا ہے حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبہ میں داخل تھا۔ قریش نے تعمیر کے وقت اُس قدر چھوڑ دیا تھا۔ کعبے کے اندر جو نقطہ دار نشان ہیں وہ اُن ستونوں کے ہیں جو قریش نے بنائے تھے وہ اب نہیں ہیں بعوض اُس کے عبداللہ ابن زبیر نے تین ستون بنائے ہیں جن کے سیاہ نشان بیچ میں بنے ہوئے ہیں۔ غرضکہ جس قدر سیاہ سیاہ ہے وہ اب موجود کعبہ ہے +
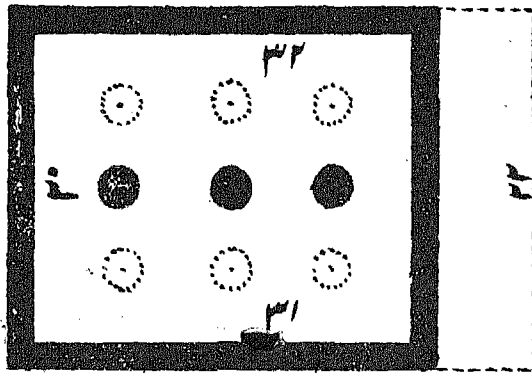
تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں دیواریں ہی دیواریں بنی تھیں چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اُس میں نہ کواڑ چڑھے تھے نہ کنڈی لگی تھی اور بلاشبہ اُس زمانے کی حالت ایسی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا ہی کا گھر بنایا گیا ہو اور

کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس عمارت کے ایک بیرونی گوشے پر طواف کے شمار کرنے کو جس سے اُس کی ابتدا اور انتہا معلوم ہو سکے ایک لمبا پتھر لگا دیا جو حجر اسود کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کے قیاس کرنے کی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ پتھر غالباً اُسی قسم کا پتھر ہے جیساکہ ابراہیم خدا کی عبادت کے لئے کھڑا کیا کرتے تھے جس کو مذبح یا قربانی گاہ یا آلٹر کہتے ہیں۔ اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا جس کو خزانۂ کعبہ کہتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبہ میں آتی تھی وہ اُس میں رکھ دیتے تھے تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

تعمیر بنی جرہم

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمعیل اُس کے محافظ رہے جب اُن کا انتقال ہوا تو بنی جرہم کو اُس میں مداخلت ہوئی کیونکہ وہ اُن کے قریب تر رشتہ دار تھے اور بنی اسمعیل کے خیر خواہ و محافظ تھے۔ مضاض ابن عمر جرہمی جو نانا اسمعیل کے بیٹے کا تھا اُس نے اپنے ہاتھ میں سب اختیار لے لیا بنی جرہم کے اختیار کے زمانہ میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبے میں پانی چڑھ گیا اور کعبہ ڈھہ گیا جس کو بنی جرہم نے اُنہیں بنیادوں پر جو ابراہیم نے بنائی

قالوا وتوفی اسمعیل ودفن فی الحجر کانت امہ قد دفنت فی الحجر ایضا وترک ولدا من رعلۃ ابنۃ مضاض بن عمرو الجرہمی فقام مضاض ولد اسمعیل وکلفہم لاننہم بنو ابنتہ فلم یزل امر جرہم یعظم بمکۃ ویستفحل حتی ولوا البیت وکانوا ولاتہ وحجابہ وولاۃ الاحکام بمکۃ فجاء سیل فدخل البیت فانہدم فاعادتہ جرہم علی بناء ابراہیم وکان طولہ فی السماء

نسخہ (ازرق کتاب اخبار مکہ صفحہ ۴۰) ✤ تھیں اور اسی صورت پر پھر بنالیا اسکی بلندی زمین سے نو ذرعہ تھی ✤

ہم کو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اس کی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے ✤

تعمیر عمالیق

عرب میں جو لوگ آباد ہوئے وہ تین ناموں سے مشہور ہیں۔ایک عرب البائدہ۔ایک عرب العاربہ اور ایک عرب المستعربہ۔عرب البائدہ وہ لوگ کہلاتے تھے جن میں عاد و ثمود اور جرہم الاولے۔اور عمالیق اولے تھے۔وہ قومیں برباد ہوگئیں اور تاریخ کی کتابوں میں ان کا بہت کم حال ملتا ہے اور یہ سب قومیں ابراہیم سے اور بناء کعبہ سے پہلے تھیں ✤

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں جن کی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں ہیں۔حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں بھی ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے تھا۔ جو مکہ میں بستا تھا۔ اس پچھلی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ پالیا تھا اور کعبے کی مختار ہوگئی تھی اس زمانے میں اس قوم عمالیق ثانی نے کعبے کو پھر بنایا۔جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنے سے ٹوٹ پھوٹ جاتا تھا ✤

بعض مورخوں نے ان دونو قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب البائدہ میں جو قوم عمالیق تھی اس کی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور جو کہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی اس لئے لکھدیا کہ عمالیق نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبے کی تھی حالانکہ اس زمانے میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا ✤

مورخوں کی اس غلطی میں پڑنے کا سبب ان کو ایک اور غلط خیال بھی ہے
مسلمانوں میں بہت سی ایسی روایتیں جو دیو پری کے قصے سے کچھ زیادہ
رتبہ نہیں رکھتیں موجود ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ کعبہ پہلے عرش کے نیچے
چار ستون کے چوکھمبے کی طرح بنایا گیا تھا۔ اس کے ستون زبرجد کے تھے
اور یاقوت احمر کی پچی کاری سے ڈھنکے ہوئے تھے۔ اس گھر کا نام تو بیت المعمور
ہوا پھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر اسی کے مقابل اتنا ہی بڑا اور اسی
شکل کا گھر بناؤ انہوں نے بنایا اور وہ اس جگہ بنایا تھا جہاں اب کعبہ ہے
مگر افسوس ہے کہ وہ فرشتے اچھے انجنیر نہ تھے حضرت آدم کے پیدا ہوتے
ہوتے وہ گھر نہ رہا تھا کہ حضرت آدم کو پھر بنانا پڑا مگر نوح کے طوفان نے
پھر اس کو ڈھا دیا تب نوح نے بنایا اسی طرح ٹوٹتا ڈھنتا رہا۔ یہ سب جھوٹی
روایتیں قرآن مجید کے ایک لفظ "عتیق" کی بناء پر بنا لی گئی ہیں جن میں سے
ایک جگہ کی بھی کچھ اصل نہیں ہے۔ اسی قسم کی جھوٹی روایتیں ہیں جنہوں نے
اسلام کی سچائی کو چھپا دیا اور ہر سمجھ دار کے دل میں جب وہ غور کرتا ہے اسلام
کی طرف سے شبہ ڈال دیا۔ مگر ان کو سمجھنا چاہیئے کہ اسلام مشتبہ نہیں ہے۔
بلکہ اس قسم کی روایتیں مشتبہ اور جھوٹی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ بہت سے سادہ
لوح مسلمان اور نادان مورخ ان روایتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جب کہ
انہوں نے قدامت مکہ ایسی پرانی فرض کر لی جو آدم سے بھی پرانی ہے تو
اب ان کو اس بات کے کہنے میں کہ جرہم سے پہلے عمالیق نے تعمیر کی تھی۔
کچھ باک نہیں رہا ٭

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب موسومہ "ڈائی کرانیکن ڈر اسٹ
مکہ" میں حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے کہ پہلے بنی جرہم نے اور اُسکے

بعد عمالیق نے (یعنے عمالیق ثانی نے) کعبہ کی تعمیر کی +

عمالیق ثانی کی تعمیر کا زمانہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر وہ لوگ مکہ پر قابض تھے اس لئے کہ جذیمہ بادشاہ دوم خاندان حیرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عمالیق سے ہوئی تھی جس میں عمالیقوں نے شکست فاش پائی تھی اور یہ واقعہ سنہ عیسوی سے تخمیناً سو برس پیشتر ہوا تھا +

تعمیر قصی

ایک مدت بعد پھر کعبہ میں کچھ نقصان آگیا اور بجز اس کے کہ سیلاب سے نقصان پہنچا ہو جو اب بھی کبھی آ جاتا ہے اور کوئی سبب نقصان کا معلوم نہیں ہوتا۔ اس وقت قصی ابن کلاب نے اس کو بنایا۔ اگرچہ اس تعمیر کا زمانہ بھی ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہے مگر چونکہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قصی چھ پشت پیشتر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تھا اس لئے غالباً یہ تعمیر دو سو برس پیشتر آنحضرت صلعم کی ولادت سے ہوئی تھی +

تعمیر قریش

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہو چکے تھے اور آپ کا سن شریف تخمیناً بارہ چودہ برس کا ہوگا یعنے تیسری دہائی ماقبل سال اظہار نبوت میں کعبہ کے غلاف میں آگ لگی اور کعبے کی دیواریں آتش زدگی کے سبب

فلما احترقت الكعبة توهنت جدرانها من كل جانب وتصدعت وكانت المخوف والاحجار مظلمة و السیول متواترة وبمكة سيول عظام

فجار سیل عظیم علے تلک الحال فدخل الکعبۃ وصدع جدرانها واخافهم ففزعت من ذلک قریش فزعا شدیدا وهابوا هدمها وخشوا ان مسوها ان ینزل علیهم العذاب (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷) ۔

بودی ہو گئیں اور کئی جگہ سے پھٹ بھی گئیں اسی عرصے میں پہاڑی نالوں کی جنھیں عرب سیل عرم کہتے ہیں کثرت ہوئی اور ایک نالہ نہایت زور و شور سے آیا اور خانہ خدا پانی سے بھر گیا اور دیواریں پھٹ گئیں اور گرنے کو ہوئیں تب قریش نے اس کے بنانے کی فکر کی ۔

فبینا هم علے ذلک ینظرون ویتشاورون اذ اقبلت سفینۃ الروم حتے اذا کانت بالشعیبۃ وهی یومئذ ساحل مکۃ قبل جدۃ انکسرت فسمعت بها قریش فرکبوا الیها فاشتروا خشبها واذنوا لاهلها ان یدخلوا مکۃ فیبیعون ما معهم من متاعهم الا لا یعشروهم ... وکان فے السفینۃ رومی نجار بناء یسمی باقوم فلما قدموا بالخشب مکۃ قالوا لو بنینا بیت ربنا فاجمعوا لذلک وتعاونوا علیه وترادوا فے النفقۃ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷) ۔

معلوم ہوتا ہے کہ قریش فن تعمیر عمارت سے بہت کم واقف تھے اور وہ اس فکر میں تھے کہ اس کو کون بناوے اور کیونکر بناویں اس درمیان میں رومیوں کا جو اس زمانے میں عیسائی اور رومن کیتھلک مذہب کے تھے ایک جہاز بندرگاہ مکہ میں آیا اس زمانے میں جدہ بندرگاہ نہ تھا بلکہ شعیب بندرگاہ تھا اور وہاں وہ جہاز ٹوٹ گیا جب قریش نے یہ بات سنی تو وہاں گئے اور اس کی لکڑی مول لے لی اور جہاز والوں کی

خاطرداری کی اور کہا کہ تم مکہ میں آؤ اور اپنا اسباب بیچ لو ہم تم سے محصول بھی نہیں لینے کے۔ اُس جہاز میں ایک عیسائی رومن کیتھلک انجنیر بھی تھا اور باقوم اُس کا نام تھا اُس سے خواہش کی کہ وہ خدا کے گھر کو بنا دے۔ پس لوگوں نے اُس کام میں مدد کی اور اخراجات جمع کرنے کی تدبیر شروع کی ؛

فنقلوا الحجارة ورسول الله يومئذ غلام لم ينزل عليه الوحي ينقل معهم على الحجارة على رقبته

(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷) ؛

سب لوگ مل کر پتھر ڈھوتے تھے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اُس زمانے میں اگرچہ تھوڑی عمر تھی مگر آنحضرت بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے ؛

فلما اجتمع لهم ما يريدون من الحجارة والخشب وما يحتاجون اليه هدوا الى هدمها . . . فهابت قريش هدمه وفالوا منه بيد ان يهدمه فقال الوليد بن المغيرة انا ابدءكم في هدمه انا شيخ كبير فان اصابني امر كان قد دنا اجلي وان كان غيره ذلك لم يرزائي فعلا البيت و في يده عتلة يهدمه بها . . .

جب کہ پتھر و لکڑی سب جمع ہو گئی تو اُنھوں نے کعبے کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر سب وہم و وسواس میں گرفتار تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ڈھا دیں گے تو خدا جانے کیا آفت آوے گی۔ ولید ابن مغیرہ نے اپنا دل کڑا کیا اور کہا کہ میں ڈھانا شروع کرتا ہوں۔ میں بڈھا تو ہو ہی لیا ہوں اگر کچھ آفت آوے گی تو مرنے کو تو جی رہا ہوں۔ چنانچہ ولید ابن مغیرہ کعبہ

فهدمت قریش معه حتی بلغوا الاساس الاول الذی رفع علیه ابراهیم و اسمٰعیل القواعد من البیت (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹) +

کی دیوار پر چڑھا اور کدال سے ڈھانا شروع کیا۔ پھر سب ڈھانے لگے اور بنیاد تک جس پر سے حضرت ابراہیم نے چنائی شروع کی تھی برابر کر دیا +

فلما اجمعوا ما اخرجوا من النفقة قلت النفقة ان تبلغ لهم عمارة البیت کله فتشاوروا فی ذلك فاجمع رایهم علی ان یقصروا عن القواعد و یحجروا ما یقدرون علیه من بناء البیت و یترکوا بقیته فی الحجر علیه جدار مدار یطوف الناس من وراءه ففعلوا ذلك و بنوا فی بطن الکعبة اساسا یبنون علیه من شق الحجر و ترکوا من وراءه من بناء البیت فی الحجر ستة اذرع و شبرا فبنوا علی ذلك (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۹) +

جب سب ڈھا چکے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ سامان انہوں نے جمع کیا ہے وہ اس سب کے بنانے کو کافی نہیں ہے قریش نے کعبے کی عمارت کو بہ نسبت سابق کے دو چند مرتفع بنایا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر و مصالح وغیرہ کی کچھ کمی نہ تھی۔ غالباً لکڑی اس قدر نہ تھی جس سے کل کعبے کی چھت بن سکے اس لئے انہوں نے اس کو چھوٹا کر کر بنایا چھ درعہ اور ایک بالشت زمین حجر کی طرف چھوڑ دی اور اس طرف عرض میں ایک جدید بنیاد کھود کر دیوار چن لی جو اب عمارت نقشہ میں سیاہ بنی ہوئی ہے +

فلما وضعوا ایدیهم فی بناءها قالوا ارفعوا بابها من الارض و اکبسوها حتی لا تدخلها السیول

انہوں نے کعبے کو چار درعہ اور ایک بالشت کرسی دے دی اور اس قدر کرسی پر دروازہ بنایا تاکہ نالے کا پانی

ولا نرقا الا بسلم ولا يدخلها الا من اردتم ان كرهتم احد ادفعتموه ففعلوا ذلك ۔

(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۹) +

حتی انتهوا الی موضع الركن فاختلفوا في وضعه وكثر الكلام فيه وتنافسوا في ذلك . . . فقال ابو امية بن المغيرة يا قوم انما اردنا البر ولم نرد الشر فلا تحاسدوا ولا تنافسوا فانكم اذا اختلفتم تشتت امركم وطمع فيكم غيركم ولكن حكموا بينكم اول من يطلع عليكم من هذا الفج قالوا رضينا وسلمنا فطلع رسول الله صلی الله علیه وسلم قالوا هذا الامين قد رضينا به فحكموه فبسط رداءه ثم وضع فيه الركن فدعا من كل ربع رجلا فاخذوا باطراف الثوب . . . فرفع القوم الركن وقام النبي صلی الله علیه وسلم على الجدر ثم وضعه بيده (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰) +

پھر اندر نہ گھسے اور کوئی شخص بغیر سیڑھی کے نہ چڑھ سکے اور اس حکمت سے جس کو چاہیں نہ جانے دیں ۔

حال کے زمانے میں کعبے کے اندر جانے کو داخلی کہتے ہیں +

جب بناتے بناتے وہاں پہنچے جہاں حجر اسود لگانا تھا تو آپس میں جھگڑا او تکرار ہوئی ۔ ایک قبیلہ کہتا تھا کہ ہم کھڑا کریں گے دوسرا کہتا تھا کہ ہم کھڑا کرینگے بڑی خیر ہوئی کہ ابو امیہ بن مغیرہ کے سمجھانے سے سب لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو سب سے پہلے اس راستے سے آوے وہی فیصلہ کے لئے حکم بنا جاوے ۔ ان سب کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لائے ۔ اگرچہ حضرت کی عمر چھوٹی تھی مگر سب امین امین کہہ کر چلا اٹھے +

آنحضرت نے بتائید روح القدس وہ فیصلہ فرمایا کہ سب متحیر ہو گئے آپ نے ردائے مبارک بچھائی اور حجر اسود کو اس

ہیں رکھا اور سب قوموں کے سرداروں کو کہا کہ سب مل کر چادر پکڑ کر اٹھاویں اور وہاں تک لے چلیں جہاں لگانا ہے۔ سب نے اسی طرح مل کر اٹھایا اور جب کونے کے پاس لائے تو آنحضرت نے اُس کو وہاں رکھ دیا۔ متقدمین و متاخرین علماء اس واقعہ کو واقعہ قبل بعثت کہتے ہیں۔ مگر ہم ان لفظوں سے متفق نہیں ہوں کیونکہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وقت ولادت سے ہی مبعوث تھے۔ النبی نبی ولو کان فی بطن امہ ✦

فبلو احتی ارفعا اربعة اذرع وشبلو انثم کیسوھا ووضعوا بابہا مرتفعا علے ھذا الذرع . . . فقال لہم باقوم الرومی اتحبون ان تجعلوا سقفہا مکبسا او مسطحا فقالوا بل ابن بیت ربنا مسطحا قال فبنوہ مسطحا وجعلوا فیہ ستۃ دعائم فی صفین فی کل صف ثلاث دعائم . . . وجعلوا ارتفاعہا من خارجہا من الارض الی اعلاھا ثمانیۃ عشر ذراعا وکانت قبل ذلک تسعة اذرع فزادت قریش فی ارتفاعہا فی السماء تسعة اذرع اخر . . . وجعلوا میزابہا یسکب فی الحجر وجعلوا درجة من خشب فی بطنہا فی الرکن الشامی یصعد منہا الی ظہرھا (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۱۰) ✦

جب کہ یہ تنازع رفع ہو گیا تو تعمیر شروع ہوئی جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے بلند تھا قریش نے اُس سے دوگنا بلند کر دیا۔ یعنے زمین سے اٹھارہ درعہ اور پہلے صرف نوہی درعہ تھا۔ جب دیواریں بن چکیں تو باقوم سے پوچھا کہ اس کی چھت کیسی بناؤں۔ بنگلہ نمایا چورس۔ سب نے کہا کہ ہمارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ۔ تب باقوم نے اُس کے عوض میں چھ ستون کھڑے کئے اور چورس چھت بنا دی۔ غالباً اس قدر لمبی لکڑی نہ تھی۔

کے اوپر اشتیر پڑ جاتا اسی سبب سے بیچ میں ستون بنانے کی ضرورت ہوتی
اور شاید اسی وجہ سے یا قوم نے جنگلہ تما بنانی چاہی ہو گی تاکہ قینچی پڑ جاوے
اور بیچ میں ستون بنانے نہ پڑیں۔ اُس کی چھت کا پرنالہ اُس جگہ میں
ڈالا جو چھوڑ دیگئی تھی اور کعبے کے اندر ایک کاٹ کی سیڑھی چھت تک
بنائی اور چھت میں ایک روشندان رکھا جس سے کعبے کے اندر اُجالا بھی
رہے اور اس میں سے جب ضرورت ہو کعبے کی چھت پر چڑھ جاویں +

تعمیر عبد اللہ ابن زبیر

معاویہ بن ابی سفیان کے بعد جب یزید نے اپنے تئیں اپنے باپ کا
جانشین کیا تو عبد اللہ ابن زبیر نے اُس سے بیعت میں یعنے اُس کو خلیفہ
تسلیم کرنے میں تامل کر لیا اس پر حصین بن نمیر یزید کی طرف سے فوج لیکر
مکہ پر چڑھ گیا اور کئی دن تک عبد اللہ ابن زبیر سے لڑائی ہوتی رہی۔
عبد اللہ ابن زبیر کے سب لوگ کعبے کے گرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے
اور حصین بن نمیر ابو قبیس پہاڑ پر سے گوپن میں پتھر مارتا تھا اور غلاف
کعبہ اُس کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اتفاق سے ایک خیمہ
میں آگ لگ گئی۔ ہوا تیز چل رہی تھی کعبے میں بھی جا لگی اور تمام کعبہ جل
گیا۔ اُس کی دیواروں میں کاٹ لگا ہوا تھا اُس کے جلنے سے تمام دیوارو
کے پتھر ایسے ہو گئے کہ کبوتر کے بیٹھنے سے بھی گر پڑتے تھے اور کئی
جگہ سے دیواریں شق ہو گئیں۔ یہ واقعہ تیسری ربیع الاول ۶۴ھ ہجری کو
ہوا اُس کے دس گیارہ دن بعد یزید مر گیا۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو ابن
زبیر نے حصین بن نمیر سے کہا کہ دیکھو کعبہ بھی جل گیا امیر بھی مر گیا۔

پھر ہم سے کیوں لڑتے ہو کیا معلوم کہ نیا خلیفہ کیا کرے گا اس پر حصین بن نمیر مع اپنے لشکر کے پانچویں ربیع الثانی سنہ ۶۴ ہجری کو مکہ سے شام کو چلا گیا۔ تب ابن زبیر نے مکہ کے ذی وجاہت اور شریف لوگوں کو بلایا اور کعبے کے ڈھانے میں مشورہ کیا۔ بہت وہمی اور وسواسی باتیں جو ایسے موقع پر ہوتی ہیں ہوئیں۔ آخرکار ابن زبیر نے کعبے کے ڈھانے کا حکم دیا مگر کسی کو ڈھانا شروع کرنے کی بوجہ توہم و وسواس و خوف کے جرأت نہ ہوئی تو خود ابن زبیر کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور ڈھانا شروع کر دیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن زبیر پہ کچھ آفت نہیں پڑی تو اوروں کو بھی جرأت ہوئی اور سب چڑھ گئے اور ڈھانے لگے جمادی الاول سنہ ۶۴ ھ تک سب کعبہ ڈھا دیا گیا مگر ابن عباس اپنے خوف یا وہم یا کعبہ کا منہدم کرنا خلاف طبع ہونے کے سبب مکہ میں نہ آئے ابن زبیر نے بموجب فہمایش ابن عباس کے کعبہ کے چاروں طرف تختے بطور دیوار کے

فلما ادبر جيش حصين بن نمير۔ وكان خروجه من مكة لخمس ليال خلون من ربيع الاخر سنة اربع و ستين دعا ابن زبير وجوه الناس واشرافهم وشاورهم في هدم الكعبة (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۰) +

فامر ابن الزبير بهدمها فما اجترأ احد على ذلك فلما راى ذلك علاها هو بنفسه ياخذ المعول وجعل يهدمها ويرمي بحجارتها فلما رأوه انه لم يصبه شي اجترأوا فصعدوا فهدموها (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۱) +

وكان هدمها يوم السبت نصف من جمادى الاخرة سنة اربع وستين ولم يقرب ابن عباس مكة حين هدمت الكعبة حتى فرغ منها وارسل الى ابن الزبير لا تدع الناس

بغير قبلة انصب لهم حول الكعبة الخشب واجعل عليها الستور حتى يطوف الناس من ورائها ويصلون اليها ففعل ذلك ابن الزبير (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۲) +

فلما هدم ابن الزبير الكعبة وسواها بالارض كشف عن اساس ابراهيم فوجدوه داخلا في الحجر نحوا من ستة اذرع وشبر (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۲) +

ثم وضع البناء على ذلك الاساس ووضع حدات الكتاب باب الكعبة على مداماك على الشاذروان اللاصق بالارض وجعل الباب الاخر بازاء في ظهر الكعبة مقابلته (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۳) +

قالوا وكانت الكعبة يوم هدمها ابن الزبير ثمانية عشر ذراعا في السماء فلما ان بلغ ابن الزبير البناء ثمانية عشر ذراعا قصرت لحال الزيادة التي زاد من الحجر فيها و

کھڑا کر دیا اور کپڑے سے منڈھ دیا اور اندر اندر کام ہوا کیا لوگ اس تختہ کی دیوار کی گرد طواف کیا کئے اور نماز پڑھا کئے۔ جب کہ کعبہ بالکل زمین کے برابر ہو گیا اور حضرت ابراہیم کے ہاتھ کی بنیاد رکھی ہوئی نکل آئی تو ضرور بالطبع ابن زبیر کو رغبت ہوئی ہوگی کہ کل تعمیر ابراہیم پر تعمیر کی جاوے اور جس قدر کہ قریش نے بسبب نہ میسر ہونے سامان کے چھوڑ دیا تھا وہ بھی تعمیر میں شامل کیا جاوے چنانچہ ابن زبیر نے ایسا ہی کیا اور کل بناء ابراہیم پر تعمیر کعبہ شروع ہوئی۔ ایک نہایت عمدہ تجویز جو ابن زبیر نے کی تھی وہ یہ تھی کہ کعبے کے دو دروازے رکھے جاویں ایک جانب شرق جو قدیم سے تھا اور دوسرا جانب غرب تاکہ جو لوگ شرقی دروازے سے کعبے میں داخل ہوں وہ غربی دروازے سے نکل جاویں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جو کرسی قریش نے باقوم کی صلاح

استسمج ذلك اذ صارت عريضة لا
طول لها فقال قد كانت قبل قريش
تسعة اذرع حتى زادت قريش فيها
تسعة اذرع طولا في السماء فانا
ازيد تسعة اذرع اخرى فبناها
سبعة وعشرين ذراعا في السماء
وهي سبعة وعشرون ذراعا
وعرض جدارها ذراعان و
جعل فيها ثلث دعائم وكانت
قريش في الجاهلية جعلت
فيها ست دعائم (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۳)
امر ابن الزبير ابنه عباد بن عبد الله بن الزبير
وجبير بن شيبة بن عثمان ان يجعلوا الركن
في ثوب وقال لهم ابن الزبير اذا دخلت في
الصلوة صلوة الظهر فاحملوه واجعلوه في
موضعه فاني اطول الصلوة فاذا فرغتم فكبروا
حتى اخفف صلوتي وكان ذلك في حر شديد
فلما اقيمت الصلوة وكبر ابن الزبير وصلي بهم ركعة خرج عباد
بالركن من دار الندوة وهو يحمله ومعه جبير بن شيبة بن
عثمان ودار الندوة يومئذ قريبة من الكعبة
فخرقا به الصفوف حتى ادخلاه في الستر الذي
دون البناء وكان الذي وضعه في موضعه
هذا عباد بن عبد الله بن الزبير واعانه

سے دی تھی وہ بھی موقوف کر دی اور
زمین پر دروازوں کو قائم کیا مگر بلندی
جو اس کی قریش کی بلندی سے بھی
نو درعہ بڑھا دی یعنے ستائیس درعہ
کر دی اور بلا شبہ جب کہ کعبہ لنبا ہو گیا
تھا تو اس کی اس قدر اونچا کرنا بھی
نہایت ضرور تھا قریش نے کعبہ کے
اندر چھ ستون قائم کئے تھے چھت
پاٹنے کو ابن زبیر نے صرف تین
ستون بنائے غالباً ان کو بہ نسبت
قریش کے لکڑی لنبی مل گئی تھی ◆

حجر اسود رکھے جانے کا ایک عجیب
حال کتابوں میں لکھا ہے جس کی کچھ
وجہ ہمارے خیال میں نہیں آتی ابن
زبیر نے لوگوں کو ایک دھوکے میں رکھا
اور اپنے بیٹے عباد اور جبیر ابن شیبہ
کو سمجھا دیا کہ جب میں نماز پڑھانے
کھڑا ہوں گا۔ تو بڑی نماز پڑھاؤں گا۔
اس وقت تم حجر اسود کو جو دار ندوہ
میں قریب کعبے کے رکھا ہوا ہے ایک
کپڑے میں لپیٹ کر لے آنا اور جو جگہ

اس کے کھڑا کرنے کی ہے وہاں کھڑا کر دینا جب کھڑا کر چکو تو پکار کر اللہ اکبر
کہنا پس میں نماز ختم کر دونگا چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا کہ جب ابن زبیر
نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے اور ایک رکعت پڑھا چکے تو عباد اور جبیر حجر اسود
کو کپڑے میں لپیٹ کر دار ندوہ میں سے لے آئے جماعتوں کو چیر کر تختوں
کی دیوار کے اندر سے گئے اور اُن دونوں نے حجر اسود کو اُس کی معین
جگہ میں کھڑا کر دیا اور پھر پکار کر اللہ اکبر کہا تب ابن زبیر نے اپنی نماز
ختم کی۔ اس بات پر لوگوں نے بہت کانا پھوسی کی اور بعض لوگ علانیہ
ناراض ہوئے۔ مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ابن زبیر کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ
تھا اور کیوں ایسا دھوکا دینے کی ضرورت ہوئی تھی حقیقت میں کوئی
اور بات ہوئی ہوگی لوگوں نے اپنے قیاسات اس پر لگائے اور انہیں
قیاسات کو بطور واقعہ کے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اپنی روایتوں میں بیان
کیا بہرحال کچھ ہی ہوا خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ حجر اسود کھڑا ہو گیا ؛

تعمیر حجاج بن یوسف

عبداللہ ابن زبیر کی حکومت مکہ میں بہت جلد ختم ہونے والی تھی اور
تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اس بناء پر کو بہت زیادہ قیام نہ ہوگا چنانچہ عبدالملک
ابن مروان جب خلیفہ ہوا تو اُس نے حجاج کو معہ فوج کے عبداللہ ابن
زبیر کے مقابلے کے لئے بھیجا اس لڑائی میں عبداللہ ابن زبیر مارے
گئے اور حجاج مکہ میں چلا آیا تب اُس نے عبدالملک کو لکھا کہ کعبے میں

حتی قتل ابن الزبیر رحمہ اللہ — ابن زبیر نے ایسی چیزیں بنا دی
ودخل الحجاج مکۃ فکتب الی — ہیں جو پہلے نہ تھیں اور ایک بنا

عبد الملك ابن مروان ان ابن
الزبير زاد في البيت ما ليس منه
واحدث فيه بابا اخر فكتب
اليه عبد الملك ابن مروان سد
بابها الغربي الذي كان فتح ابن
الزبير واهدم ما كان زاد فيه
من الحجر واكبسها على ما كانت
عليه فهدم الحجاج منها سبعة
اذرع وشبرا مما يلي الحجر وبناها
على اساس قريش الذي كانت
استفرت عليه وكبسها بما هدم
منها وسد الباب الذي في ظهرها
وترك سايرها لم يحرك منه
شيئا فكل شيء فيها اليوم بناء ابن
الزبير الا الجدار الذي في الحجر
فانه بناء الحجاج وسد الباب الذي
في ظهرها وما تحت عتبة الباب
الشرقي الذي يدخل منه اليوم
الى الارض اربعة اذرع وشبر و
كل هذا بناء الحجاج والدرجة
التي في بطنها اليوم والبابان اللذان

دروازہ بھی بنایا ہے عبد الملک نے
لکھا کہ اس دروازے کو بند کر دو اور
جس قدر ابن زبیر نے زیادہ بنا دیا
ہے وہ سب توڑ دو چنانچہ حجاج
نے چھ ذراع اور ایک بالشت کعبہ
کو توڑ دیا اور قریش کی بنیاد پر وہاں
دیوار بنا دی اور وہ نیا دروازہ بھی
بند کر دیا اور باقی سب چیز بدستور رہنے
رکھی اب کعبے کی جو عمارت ہے وہ
ابن زبیر کی بنائی ہوئی ہے صرف وہ
دیوار جو حجر کی جانب ہے اور غربی دروازہ
کا تیغہ اور شرقی دروازے کی چار ذرعہ
ایک بالشت اونچائی اور کعبے کے
اندر کی سیڑھی اور اسکے دونوں دروازے
حجاج کے بنائے ہوئے ہیں۔

علیہا الیوم فہما لیسا من عمل الحجاج الکتاب

اخبار مکہ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶ +

مورخ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر نے کعبہ کی تعمیر میں جو کچھ نیا بنایا

فلما فرغ الحجاج من هذا کله وفد
بعد ذلك الحارث بن عبد الله ابن
ربيعة المخزومي على عبد الملك ابن
مروان فقال له عبد الملك ما اظن ابا
خبيب يعني ابن الزبير سمع من عايشة
ما كان يزعم انه سمع منها في امر الكعبة
فقال الحارث انا سمعته من عايشة
قال سمعتها تقول ماذا قال سمعتها
تقول قال لي رسول الله صلى الله
عليه وسلم ان قومك استقصروا
في بناء البيت ولولا حداثة عهد
قومك بالكفر اعدت فيه ما تركوا
منه . . . وقال رسول الله صلعم
جعلت لها بابين موضوعين على
الارض بابا شرقيا يدخل الناس منه
وبابا غربيا يخرج الناس منه قال
عبد الملك بن مروان انت سمعتها
تقول هذا قال نعم يا امير المومنين

تھا وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
کی ایک حدیث کے مطابق تھا جس کا
ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عائشہ سے کیا تھا چنانچہ حجاج
جب کعبے کو توڑ تاڑ کر قریش کی تعمیر
کے برابر کر چکے تو حارث ابن عبداللہ
عبدالملک کے پاس گئے ان سے
عبدالملک نے پوچھا کہ ابن زبیر نے
کوئی بات کعبے کی نسبت حضرت عائشہ
سے سنی تھی حارث بن عبداللہ نے
کہا کہ میں نے خود حضرت عائشہ سے
سنا ہے کہ ان سے رسول خدا صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیری قوم نے
کعبے کی تعمیر میں کمی کر دی اگر تیری قوم
کا زمانہ کفر کے زمانے سے نیا بدلا ہوا
نہ ہوتا تو جو کچھ انہوں نے چھوڑ دیا
ہے میں پھر کعبے میں ملا دیتا +
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے

انا سمعت هذا منها قال فجعلت ينكت منكسا بالقضيب في يده ساعة طويلة ثم قال وددت والله اني تركت ابن الزبير وما تحمل من ذلك (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۶) ۔

یہ بھی فرمایا کہ اس میں دو دروازے بنا دیتا ایک شرقی دروازہ جس میں سے لوگ اندر جاتے اور ایک غربی دروازہ جس سے لوگ باہر نکل جاتے عبدالملک نے پوچھا کہ تم نے خود یہ بات سنی ہے انہوں نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین میں نے خود یہ بات سنی ہے۔ عبدالملک یہ سنکر ہاتھ کی لکڑی پر سر ٹیک کے بڑی دیر تک سوچ میں گئے اور پھر کہا کہ بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ میں نے ابن زبیر کے برخلاف کیا ۔

یہ زمانہ جب کہ اس حدیث کا چرچا ہوا ایسے فتنہ و فساد کا زمانہ تھا کہ روایت کی صحت پر بہت کم یقین ہوتا تھا کہ خلافت میں سخت سے سخت واقعات گزر چکے تھے حضرت امام حسینؑ کی نسبت واقعہ کربلا ہو چکا تھا مدینہ منورہ میں قتل ہو چکا تھا مکہ معظمہ میں محاربات ہو چکے تھے اور عبداللہ ابن زبیر قتل ہو چکے تھے اور ہر ایک واقعہ کے ساتھ ایک جدا فرقہ قائم ہو گیا تھا جو ایک کا طرفدار اور دوسرے کا مخالف تھا ۔

بے شک ہمارا دل اور غالباً ہر ایک دل اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہو گا کہ کعبہ بناے ابراہیم پر بنایا جاتا اور دو دروازے اس میں بنانے بھی نہایت عمدہ اور مفید کام تھا مگر یہ بات کہ آنحضرت نے ایسا فرمایا تھا اس کی صحت پر یقین نہیں ہو سکتا۔ اول تو اس معاملہ میں حضرت عائشہ کو مخاطب کرنے اور اس فعل کو جو ایام جاہلیت میں ہوا تھا خاص حضرت عائشہ کی قوم کا فعل قرار دینے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ وہ فعل تمام قوم قریش نے مجبوری کیا تھا جس میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے۔ دوسرے

یہ کہ بعد فتح مکہ تمام قریش اسلام لے آئے تھے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کو موجود تھے خانہ کعبہ کے تمام بتوں کو جن کی پرستش اُن کے باپ دادا نے صدہا سال تک کی تھی توڑ ڈالا تھا اور نکال کر پھینک دیا تھا پس کعبہ کو بڑا کر دینے اور حضرت ابراہیم کی بنیاد پر پورا بنا دینے میں کونسی مشکل تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے لولا حداثة عہد قومك بالكفر اعدت فيه ما تركوا منه" پس یہ حدیث کسی طرح صحیح اور قابل وثوق نہیں ہوسکتی بلکہ اس بات سے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بناے ابراہیم سے جس قدر زمین خانہ کعبہ کی تعمیر سے خارج رہ گئی تھی اُس کی کچھ پرواہ نہیں فرمائی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی کوئی خاص وضع یا اُس کے لئے کوئی خاص قطع مقصود اور مدار علیہ نہ تھی بلکہ صرف وہ ایک مسجد تھی جو حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جب وہ ڈھہ گئی اور دوبارہ بنائی گئی تو جس طرح سے بن گئی بن گئی یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ بعد بن جانے کے خواہ نخواہ پھر توڑ کر اُسیقدر بنائی جاتی کہ حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جیسے کہ عبدالملک ابن مروان نے اپنی نادانی یا حضرت عبداللہ ابن زبیر کی عداوت سے اس [illegible] ہوئی عمارت کو پھر توڑ کر ویسا ہی کر دیا جیسا قریش نے ایام جاہلیت میں بنایا تھا*

غلاف کعبہ

حضرت ابراہیم کے وقت میں اور اس کے بعد کعبے کی دیواریں ویسی ہی دکھائی دیتی تھیں جیسی کہ بنی تھیں مگر سنہ عیسوی سے چھ سو

وكان هو اسعد الحميري (وهو تبع) اول من كسا الكعبة۔

... اری فی النوم انه یکسوها
فکساها الانطاع ثم اری ان
یکسوها فکسوها الوصائل ثیاب
حبرة من عصب الیمن وجعل لها
بابا یغلق (کتاب اخبار مکہ صفحہ
۱۴۳ و ۱۷۴) ؎

برس پیشتر اسعد حمیری نے
کعبے کی دیواروں پر غلاف
چڑھایا ۔ اس نے خواب
میں دیکھا ۔ کہ وہ کعبے کو کپڑا
پہنا رہا ہے ۔ جب جاگا ۔
تو اس نے انطاع کا
غلاف چڑھایا مگر پھر اس نے وہی خواب دیکھا تب اس نے یمن کے کپڑے
کا جو عمدہ ہوتا تھا غلاف چڑھا دیا تب سے کعبے پر غلاف چڑھانے کی رسم
جاری ہو گئی اور جس کے قبضہ اقتدار میں کعبہ رہتا آیا وہ ہر سال پرانے
غلاف پر نیا چڑھاتا گیا اور اس سبب سے مختلف قسم کا بہت سا کپڑا کعبے
کی دیواروں پر چڑھ گیا تھا اور اسی تو بر تو کپڑے کے سبب کئی دفعہ آگ
لگ گئی تھی اور خانہ کعبہ جل گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن زبیر کے
وقت تک پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھانے کا دستور تھا اور اسی
سبب سے ان کے عہد میں بھی کعبہ میں آگ لگ گئی تھی اس کے بعد
سے پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھانے کی رسم جاتی رہی بلکہ ہر سال
پرانا غلاف اتار کر نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور کعبے کے خادم پرانے غلاف
کے ٹکڑے ٹکڑے کر کر بطور تبرک کے تقسیم کرتے ہیں اور حاجی ان
ٹکڑوں کو نہایت شوق سے لاتے ہیں اور اس میں سے ایک چھوٹا سا
ٹکڑا کاٹ کر اپنے دوستوں کو دیتے ہیں ۔ اکثر مسلمان جن کے پاس
یہ ٹکڑے ہوتے ہیں اپنے ساتھ کفن میں رکھ کر قبر میں لے جاتے ہیں
اور خیال کرتے ہیں کہ اس کی برکت سے عذاب سے بچیں گے مگر مسلمانوں

کے بہ سبب اوہام و خیالات ہیں مذہب اسلام ایسی باتوں سے جو کچے سوت سے بھی زیادہ بودی ہیں پاک و صاف ہے مذہب اسلام سے نہ یہ بات مانی جاتی ہے کہ غلاف کعبہ کچھ متبرک ہو جاتا ہے نہ یہ پایا جاتا ہے کہ اس کے قبر میں ساتھ لے جانے سے بجز اس کے کہ وہ بھی مثل جسم و کفن کے خاک ہو جاوے اور کچھ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے اسلام کی رو سے اگر کچھ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے تو وہ صرف اعتقاد توحید سے ہو سکتا ہے نہ کسی اور چیز سے ✤

اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ زمانۂ اسلام میں بھی کعبہ پر غلاف چڑھائے گئے۔ اگرچہ کتابوں میں روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے بعد ابوبکر صدیق و عمر و عثمان رض نے کعبے پر غلاف چڑھایا مگر ہم کو جہاں تک شبہ ہے وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کی نسبت شبہ ہے

كسا البيت في الجاهلية الانطاع ثم كساه النبي صلعم الثياب اليمانية ثم كساه عمر وعثمان القباطي ثم

من كسا الديباج يزيد بن معاوية ويقال ابن الزبير ويقال عبد الملك بن مروان

(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۷۶) ✤

کیونکہ جو روایتیں اس باب میں ہیں وہ درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں باایں ہمہ ان کے تسلیم کر لینے میں کچھ زیادہ بحث نہیں ہے غرضکہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق نے یمن کے کپڑے کا جو نہایت عمدہ ہوتا تھا کعبے کو غلاف چڑھایا اور عمر و عثمان رض نے قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر دیباج کے کپڑے کا غلاف چڑھایا گیا بعضوں کا قول ہے کہ دیباج کا غلاف سب سے اول یزید بن معاویہ

نے چڑھایا بعضے کہتے ہیں کہ عبدالملک ابن مروان نے بعضے کہتے ہیں حجاج بن یوسف نے۔ غرضکہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام خلفاے بنی امیہ اور عباسیہ و دیگر خلفا کے عہد میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا بڑا اہتمام رہا اور سب چڑھاتے رہے زمانہ حال میں سلطان روم کی جانب سے نہایت عظم و شان سے بہت عمدہ غلاف سیاہ رنگ کا جس میں بعض آیات قرآنی نہایت خوش خط بناوٹ میں بنی ہوئی ہوتی ہیں چڑھایا جاتا ہے +

اسلام کی رو سے جو کچھ بحث اس پر ہو سکتی ہے وہ اس قدر ہو سکتی ہے کہ "اما ھذا التعبد الکعبۃ ولتحسینہا فالاول کفر علی مذھب الاسلام والثانی امرلاباس بہ" یعنے یہ کام کس ارادے سے کیا جاتا ہے کعبے کی پرستش کے لئے یا اس کی خوب صورتی اور آرائش کے لئے اگر پہلی نیت سے کیا جاتا ہے تو تو اسلام کی رو سے کفر ہے اور اگر دوسرے ارادے سے کیا جاتا ہے تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے +

آرائش کعبہ کی ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم اور تمام مسجدوں کی آرائش کرتے ہیں مگر چونکہ کعبہ ایک نہایت قدیم مسجد ہے اور ایسے بانی اسلام کے ہاتھ سے بنی ہے جس نے سب سے اول یہ کہا کہ۔ لا احب الافلین انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ اس لئے اس کی قدر ہم کو بہ نسبت اور مسجدوں کے زیادہ کرنی ضرور ہے کیونکہ سب سے پہلی خدا کی پرستش کی نشانی ہے +

اصنام کعبہ

اساف و نائلہ۔ بنی جرہم کے زمانے میں صفا و مروہ کے پہاڑوں پر دو بت رکھے گئے۔ صفا پر جو بت تھا وہ مرد کی شکل تھا اور اساف اسکو کہتے تھے دوسرا بت جو مروہ پر تھا وہ عورت کی شکل کا تھا اور نائلہ اس کو کہتے تھے جو روایتیں حقارت آمیز ان کی نسبت پائی جاتی ہیں وہ قدیم نہیں ہیں غالباً اسلام کے زمانے کی بنائی ہوئی ہیں۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونو انسان تھے۔ اور بنی جرہم ان کو دیوتا سمجھتے تھے اُن کے مرنے کے بعد ان کے دو بت بنائے گئے اور پرستش ہونے لگی۔ فتح مکہ کے روز رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور بتوں کے ساتھ توڑ ڈالا۔

نہیک و مطعم۔ یہ بھی دو بت تھے نہیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا اور مطعم کو مروہ پر۔

ہبل۔ یہ ایک بہت بڑا بت خانہ کعبہ کے اندر تھا کعبے کے اندر دائیں طرف جو خزانہ کا کنواں تین ذرعہ گہرا حضرت ابراہیم کا کھودا ہؤا تھا اُس پر یہ بت کھڑا کیا گیا تھا۔ عمرو بن لحی اس کو ار[illegible] جزیرہ سے لایا تھا۔ احد کی لڑائی میں ابوسفیان نے فتح ہونے کے لئے اسی بت سے مدد چاہی تھی۔

مناۃ۔ یہ بھی بڑا بت تھا اور سمندر کے کنارے پر قدید کے پاس عمرو بن لحی نے نصب کیا تھا اور یہ دونوں بت قبیلہ ازد و غسان کے کہلاتے تھے اور بعضوں کا قول ہے کہ آوس و خزرج و غسان کے کہلاتے تھے جو ازد کی شاخیں ہیں بعضوں کا یہ قول ہے کہ وہ صرف قبیلہ ہذیل کا ایک پتھر تھا اور کچھ عجب نہیں کہ وہ بن گھڑا ایک لمبا پتھر ہو۔

لات و عزے۔ لات ایک بن گھڑا پتھر تھا جس میں لوگ خیال کرتے تھے کہ شان باری کے کسی کرشمے نے حلول کیا ہے اور عزے تین درخت تھے جس میں ذات باری کا حلول سمجھ کر پوجتے تھے۔ جیسے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بہت سے مسلمان اسی طرح پر درختوں کی جو درگاہوں میں ہوتے ہیں پرستش کرتے ہیں ہمارے شہر دہلی میں کبھی شاہ بولا کی بڑ پر بھی منتوں کے ناڑے باندھے جاتے تھے لات تہامہ میں تھا اور عزے طائف میں +

ذات انواط:۔ یہ بھی ایک بہت بڑا سرسبز و شاداب درخت حنین میں تھا۔ جس کو لوگ پوجتے تھے +

ذوالکفین۔ یہ بھی ایک بت تھا جس کو عمر بن حمہ نے بعد فتح مکہ جلایا تھا +

سواع۔ یہ ایک مشہور بت قبیلہ ہذیل کا تھا جس کو عمرو بن العاص نے بعد فتح مکہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے توڑا تھا +

ود۔ ایک بت بنی کلب کا دومتہ الجندل میں تھا +

یغوث۔ پہلے اس کو بنی سبا پوجتے تھے پھر بنی غطیف پوجنے لگے +

یعوق۔ بنی ہمدان میں تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے +

نسر۔ بنی حمیر آل ذے الکلاع کے پوجنے کا بت تھا +

علاوہ ان بتوں کے مشہور روایتوں میں ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت بنے ہوئے تھے اور نہایت استحکام کے ساتھ سیسہ سے جڑ کر کھڑے کئے تھے جو فتح مکہ کے دن سب توڑ ڈالے گئے +

تصاویر خانہ کعبہ

خانہ کعبہ میں فرشتوں کی اور حضرت ابراہیم کی اور حضرت مریم کی حضرت عیسےٰ کو گود میں لئے ہوئے تصویریں تھیں غالباً حضرت مریم اور حضرت عیسےٰ کی تصویر با قوم نے بنائی ہوگی جب کہ اس نے قریش کے زمانے میں کعبہ بنایا تھا۔ جب رسول خدا صلعم کعبے میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت ابراہیم کی تصویر کو دیکھ کر فرمایا کہ خدا ان کو مارے ابراہیم کو تیروں سے شگون لیتا اور فال دیکھتا بنایا ہے پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مریم کی تصویر پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ سب تصویروں کو مٹا دو مگر مریم کی تصویر کو چھوڑ دو۔ اگر یہ واقعات صحت کو پہنچے تو اس کی وجہ صاف پائی جاتی ہے۔ فرشتوں کی کوئی صورت نہیں ہے۔ پس ان کی تصویر بنانا محض جھوٹ اور خلاف واقع تھا حضرت ابراہیم کی تصویر ایسے فعل کی حالت کی بنائی تھی جو شرک میں داخل ہے اور بلاشبہ حضرت ابراہیم اس سے پاک تھے صرف مریم اور حضرت عیسےٰ کی تصویر ایسی تھی جس میں کوئی اشارہ کفر یا شرک یا کذب کا نہ تھا اور نہ وہ پرستش کے لئے بنائی گئی تھی اس کے چھوڑ دینے میں کچھ ہرج نہ تھا*

ادرك (ای عطا ابن ابی رباح) فیها (ای فے البیت) تمثال مریم مزوقا فی حجرها عیسے ابنها قاعدا مزوقا (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۲۰)

زمزم

جب سے کعبے کا نام ہے اسی کے ساتھ اس چشمہ کا نام بھی چلا آتا ہے

بلکہ یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور کعبے کے اس جگہ بننے کا سبب ہے اگرچہ یہ
چشمہ مدت سے خشک ہو گیا ہے مگر اس کی جگہ ایک کنواں کھدوا دیا گیا
ہے جو چاہ زمزم کے نام سے مشہور ہے*

عرب کی سرزمین نہایت خشک ہے یا پہاڑ ہیں یا ریگستان ہے برسات
وہاں بہت کم ہوتی ہے کوئی دریا اس میں نہیں بہتا اس سبب سے پانی
کی بہت قلت ہے کہیں کہیں جنگلوں یا پہاڑوں کی تلیوں میں یا پہاڑ کے
اونچے غاروں میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور لوگ پانی کی تلاش میں پھرتے
ہیں جہاں پانی مل گیا وہیں تنبو تان دئے اور آباد ہو گئے جب وہاں کا
پانی خشک ہو گیا وہاں سے چل دئے دوسری جگہ جہاں پانی مل گیا ڈیرے
ڈال دئے یہی طریقہ قدیم سے عرب کے صحرانشین بدوؤں کا تھا*

اونچے مقاموں میں جو پانی جمع ہو جاتا تھا اور زمین یا پہاڑوں کے
نیچے نیچے سوتوں کی راہ سے پانی کو نکلنے کا کوئی رستہ مل جاتا تھا تو اپنے
مخزن سے دور جا کر بطور چشمہ کے نکل آتا تھا مگر ایسی ایسی سوتیں ایسی
ضعیف ہوتی تھیں کہ سطح زمین سے اگر تھوڑے نیچے بھی ہوں تو معلوم
نہیں ہوتی تھیں اور اگر کہیں کھلا بھی جاتی تھیں تو تھوڑی سی چیز کے
پڑ جانے سے ڈھک جاتی تھیں حال کے زمانے میں بھی بدو اس طرح
کے پانی کی سوتوں کو تھوڑے سے کنکر پتھر کانٹوں کے ڈالنے سے اس
طرح پر چھپا دیتے ہیں کہ کہیں اس کا نشان نہیں ملتا*

زمزم کی نسبت ایسی ایسی دور از کار روایتیں مشہور ہیں جن میں سے
ایک بھی معتبر اور مذہب اسلام کے بموجب صحیح نہیں ہے جتنا کہ یہ چشمہ پرانا
ہے اور اسی قدر تقدس آمیز اور تعجب خیز مبالغہ سے وہ روایتیں بنائی

گئی ہیں۔ اصلیت اس چشمے کی صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ہاجرہ زوجہ حضرت ابراہیم مع اپنے بیٹے اسمٰعیل کے بسبب اس نزاع اور حسد کے جو قدرتی ایک شوہر کی دو جوروؤں میں ہوتی ہے مہر بصحرا نکال دی گئیں اور یہاں پہنچیں تو پانی جو اُن کے پاس تھا ہو چکا پیاس کی شدت ہوئی بسبب نہ ملنے پانی کے مایوسی طاری ہوئی اس گھبراہٹ میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی تھیں اسی جستجو میں اتفاقاً کنکروں اور پتھروں کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا اور اُن کے ہٹانے سے پانی نکل آیا انہوں نے اس تائید غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہ اور اُن کے بیٹے پانی پی کر سیراب ہوئے +

جس طرح کہ عرب کے چشمے چند مدت تک جاری رہتے تھے اور پھر خشک ہو جاتے تھے اسی طرح یہ چشمہ بھی کسی مدت کے بعد خشک ہو گیا اور کسی کو اُس کی طرف خیال بھی نہیں رہا اور سینکڑوں برس اُس پر گذر گئے مگر عام الفیل کے بعد عبد المطلب جد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ جہاں وہ چشمہ تھا وہاں کنواں کھود کر پانی نکالا جاوے چنانچہ انہوں نے کھودنا شروع کیا اس پر بعض لوگ مانع ہوئے اور فساد پر آمادہ ہوئے مگر کسی نہ کسی طرح وہ فساد رفع ہوا اور عبد المطلب اپنے مقصد پر کامیاب ہوئے جو قصے کتابوں میں اس کنوئیں کی نسبت اور عبد المطلب کو اس خاص مقام دریافت ہونے کی نسبت لکھے ہیں اُن میں سے کسی کی کچھ صحت نہیں ہے کچھ عجیب نہیں ہے کہ اُنہوں نے خواب میں دیکھا ہو کہ کنواں کھودنا ہو اور اس سبب سے کنواں کھودنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ یہ کنواں پہاڑ میں کھودا گیا ہے۔ جس میں سے سوتیں مشکل سے نکلتی ہیں چنانچہ اس میں صرف تین سوتیں نکلی تھیں سنہ ۲۲۳ و ۲۲۴ میں اس کا پانی خشک ہو گیا

تھا اس لیئے ۲ دو ذرعہ اور کھدوا گیا تھا مگر سنہ ۲۲۵ میں کثرت سے بارش ہوئی اور اس سبب سے کنوئیں میں بہت سا پانی ہو گیا +

خلافت ہارون رشید میں بھی یہ کنواں بسبب کمی پانی کے قریب دو ذرعہ گہرا کیا گیا تھا۔ اور مہدی اور محمد بن الرشید کی خلافت میں بھی گہرا ہوا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ تمام کنوؤں کا حال ہے ویسا ہی اس کا بھی حال ہے اور تمام عجائب اور غرائب روایتیں جو اس کے پانی کے قبل قیامت نہ سوکھنے کی ہیں وہ سب موضوع ہیں جن کی کچھ بھی اصلیت اسلام میں نہیں ہے +

زمزم کا کنواں اس وجہ سے کہ ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے جس میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی پانی پیا ہے بلاشبہ قابل ادب اور عزت کے ہے لیکن اس کے پانی کے فضائل میں جو روایتیں ہیں وہ سب بے سند اور ضعیف ہیں اور اکثر موضوع ۔ حاجی جو زمزم کا پانی چھوٹی چھوٹی زمزمیوں میں بھر کر بطور تبرک کے ہندوؤں کی مانند دور دور لے جاتے ہیں اور سب لوگ بطور تبرک کے اس کو رکھتے ہیں اور اس پانی کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور بغرض اظہار ادب کھڑے ہو کر پیتے ہیں اس کی کچھ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے جیسے اور کنوؤں کا پانی ہے وہ بھی ویسا ہی کنوئیں کا پانی ہے مزے میں میٹھا نہیں ہے بلکہ کھل ملا ہے جس وقت کھینچیں اگر اسی وقت پی لیں تو شاید پینے کے قابل ہو الا رکھا رہنے سے زیادہ کھل ملا ہو جاتا ہے +

اسماے کعبہ

کعبے کا اصلی نام بیت اللہ ہے یعنے خانۂ خدا یہ ایک نہایت قدیم طریقہ حضرت ابراہیم کے وقت سے جاری تھا کہ جہاں وہ کوئی نشان خدا کی عبادت کے لئے قایم کرتے تھے اُس کو "بیت ایل" یعنے خانہ خدا کہتے تھے مگر چونکہ وہ عمارت جو حضرت اسمٰعیل نے بنائی تھی بشکل مکعب تعمیر ہوئی تھی اس لئے کعبے کے نام سے مشہور ہو گئی ۔

کعبے کا نام بیت عتیق اور مکہ و بکہ و ام القرےٰ بھی آیا ہے پچھلے تینوں نام تغلیباً کعبہ پر اطلاق ہوتے ہیں ورنہ وہ تمام حرم یا شہر پر صادق آتے ہیں ۔

کتابوں میں کعبے کے اور نام بھی لکھے ہیں "ام رحم" "الباسہ" "الحاطمہ" مگر یہ سب وہ نام ہیں جو لوگوں نے بعض صفات کے خیال سے گھڑ لئے ہیں ۔

عمّال کعبہ

جس وقت کعبہ بنایا گیا اُس وقت وہ حضرت اسمٰعیل کے قبضے میں بطور تولیت کے رہا اور اُن کی وفات کے بعد ان کی اولاد اس مقدس مسجد کی سب سے بڑی محافظ تھی مگر بنی اسمٰعیل اور بنی جرہم میں نہایت قریب قرابت تھی اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد بجز قیدار کے عرب کے مختلف مقامات میں جا بسی تھی اس وجہ سے خدا کے گھر کی حفاظت اسمٰعیل کی اولاد سے نکل کر بنی جرہم کے ہاتھ میں چلی گئی تھی ایک مدت

زمانہ کے بعد بنی عمالیق جو حمیر کے خاندان سے تھے اُس پر غالب آ گئے تھے اور خانہ خدا کے مالک مطلق ہو گئے تھے اس موقع پر بنی اسمٰعیل اور بنی جرہم آپس میں متفق ہوئے اور عمالیق کو خانہ خدا سے بے دخل کر دیا اور پھر دوسری مرتبہ بنی جرہم اس مقدس معبد کے مالک ہو گئے +

پھر بنی بکر اور بنو حزہ بنی جرہم کے مقابلہ کو کھڑے ہوئے اور دونو نے اپنی اپنی فوجوں کو جمع کر کے دفعتہً بنی جرہم پر حملہ کیا اور بہت بڑی سخت لڑائی کے بعد بنی جرہم بالکل مغلوب ہو گئے اور بھاگ گئے اور حفاظت اس معبد کی بنی حزہ کے پاس آ گئی پہلا شخص جسنے مکہ کی حفاظت کر کی حکومت اور کعبے کا انتظام اپنے ذمے لیا عمر بن اللحی تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے اوّل کعبے کے اندر ھبل بت کو کھڑا کیا تھا +

چند مدت بعد قصی ابن کنانہ نے جو اجداد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ بنو بکر اور بنو حزہ پر چڑھائی کی خوب مقابلہ ہُوا مگر اُن قوموں کو شکست ہوئی اور قصی نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پانچ پشت اوپر تھا حکومت مکہ اور تولیت کعبہ کی اُن سے چھین لی اور خود حاکم اعلےٰ ہو گیا اور اب قریش کعبہ کی ایک بات کے مالک ہو گئے +

قصی کے بعد عبد الدار اُن کا بیٹا اُن کی جگہ سردار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود عبد الدار سے متعلق تھے وہ اُن کے بھائی عبد مناف کو مل گئے +

کعبے کے متعلق پانچ بڑی خدمتیں تھیں :۔

اول۔ سقیا و رفادہ۔ یعنے حاجیوں کو پانی اور کھانا دینے کا عہدہ +

دوم - قیادہ - یعنے لڑائی کے وقت فوج کی سپہ سالاری کرنا ✦

سوم - لوا - یعنے علم بردار ہونے کا عہدہ ✦

چہارم - حجاب - یعنے کعبے کی حفاظت کا عہدہ ✦

پنجم - دول الندوہ - یعنے دارالندوہ میں پریسیڈنٹ یا صدر انجمن ہونے کا استحقاق ✦

عبد مناف کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوا جس کی وجہ سے ان عہدوں کی تقسیم اس طرح پر ہوگئی ✦

ہاشم کو سقیا اور رفادہ کا عہدہ ملا ✦

عبدالدار کے بیٹے شیبہ نے کعبے کی حفاظت اور دارالندوہ کی صدر انجمنی اور علم بردار ہونے کا عہدہ اپنے قبضے میں رکھا ✦

ہاشم نے بڑی فیاضی اور سیر چشمی و دریا دلی کے ساتھ حاجیوں کی خبرگیری کی خدمت ادا کی چنانچہ سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ ہاشم نے جو اس طرح پر حاجیوں کی تواضع کے لئے مامور کیا گیا تھا شاہانہ عظمت کے ساتھ اُس کو ادا کیا خود اُن کے پاس بڑی دولت تھی اور قوم قریش کے بہت سے آدمیوں نے تجارت کے ذریعے سے بہت سی دولت جمع کی تھی ہاشم نے مثل قصی اپنے دادا کے قوم قریش سے التجا کی کہ تم خدا کے ہمسایہ اور اُس کے گھر کے محافظ ہو جو حاجی اس کے مکان کی تقدس کی تعظیم کرنے کو آتے ہیں وہ اُس کے مہمان ہیں اور یہ مناسب ہے کہ سب سے پہلے اِن مہمانوں کی خاطر و تواضع کرو تم کو خاص خدا نے منتخب کیا ہے اور اس بڑے رتبے کے ساتھ تم معزز ہو پس

خدا کے مہمانوں کی تعظیم کرو اور اُن کو تر و تازہ کرو کیونکہ وہ نہایت دور و دراز
شہروں سے اپنے لاغر اور خراب و خستہ اونٹوں پر سوار ہو کر تمہارے پاس نہایت
تھکے ہوئے اور پریشان آتے ہیں اُن کے بال بکھرے ہوئے اُن کا جسم دور
و دراز کے رستہ سے گرد و غبار میں آلودہ ہوتا ہے پس تم مہمان نوازی کے ساتھ
اُن کی دعوت کرو اور اُن کو بہت سا پانی دو ؛

ہاشم نے اپنے پاس سے بہت سا روپیہ خرچ کر کر ایک عمدہ نظیر قائم کی اور
تمام قوم قریش نے بھی نہایت مستعدی سے مدد کی اور ہر ایک شخص نے اپنے
مقدور کے موافق چندہ دیا اور تمام قوم قریش پر ایک معین محصول لگایا اور
حاجیوں کے جم غفیر کے لئے حوضوں میں کافی پانی کعبے کے قریب کنوئیں
سے بھر دیا اور عرفات کے رستے میں چمڑے کے عارضی حوض بنائے جب کہ
حاجی منا اور عرفات کو روانہ ہوتے تھے اُس روز کھانا تقسیم ہونا شروع
ہوتا تھا اور جب تک وہ ہجوم منتشر نہ ہوتا تھا اُس وقت تک برابر کھانا تقسیم
ہوتا رہتا تھا غرضکہ پانچ چھ روز تک گوشت اور روٹی اور مکھن اور جو سے
جو مختلف طور پر پکائے جاتے تھے اور چھواروں سے جو عرب کا نہایت
عمدہ اور پسندیدہ کھانا ہے ان کی تواضع ہوتی رہتی تھی اس طرح پر ہاشم
نے مکہ کی نام آوری کو بخوبی قائم رکھا مگر خود ہاشم کا نام ایک بہت اعلےٰ
درجے کی خیرات سے اور بھی زیادہ مشہور ہو گیا اور جس نام آوری سے اہل
وطن کی بہت سی ضرورتوں کو رفع کیا جو مدت دراز کے قحط کے سبب سے
نہایت تنگ آ گئے تھے یعنے ہاشم نے ملک شام کا سفر اختیار کیا۔ اور
وہاں بہت بڑا ذخیرہ روٹیوں کا خرید کیا اور اُن کو ٹوکروں میں بھر کر اور
اونٹوں پر لاد کر مکہ کو لائے اور وہاں اونٹ ذبح کئے گئے اور بھونے گئے

اور تمام لوگوں کو کھانا تقسیم کیا گیا فاقہ زدگی اور گریہ وزاری دفعتہً خوشی اور
افراط طعام سے مبدل ہوگئی اور گویا قحط کے بعد اُن کو ایک نئے سر سے
سے زندگی حاصل ہوگئی ٭

ہاشم کے بعد مطلب کو سقیاہ ورفادہ کی خدمت ملی اور اُن کے بعد
عبدالمطلب ابن ہاشم کے پاس وہ خدمت آئی اور انہی کے عہد میں ابرہۃ الاشرم
نے جو اصحاب الفیل کہلاتا ہے کعبے کے ڈھانے کے قصد سے فوج کشی
کی تھی عبدالمطلب کے بعد یہ خدمت زبیر ابن عبدالمطلب کو پہنچی مگر ان سے
بخوبی کام نہ چلا تو انہوں نے ابو طالب اپنے بھائی کو وہ خدمت دے دی انہوں
نے بھی خیال کیا کہ یہ کام نہایت مشکل ہے اور اس میں بہت خرچ کرنا پڑتا
ہے اس لئے انہوں نے اپنے بھائی عباس کے سپرد کر دی لیکن حضرت
عباس کو اس قدر مقدور نہ تھا کہ وہ عہدہ سقیا ورفادہ کا کام خوبی اور شہرت
سے انجام دے سکتے اس لئے یہ عہدے اُن کے خاندان سے منتقل ہو کر
عبد مناف کی دوسری شاخ میں چلے گئے ٭

واقعہ اصحاب فیل

مکہ کے واقعات میں یہ واقعہ بھی ایک بہت بڑے واقعات میں گنا جاتا
ہے اس کا واقعہ عظیم متصور ہونا نہ اس وجہ سے ہے کہ قرآن مجید میں خدا تعالےٰ
نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور نہ اس وجہ سے ہے کہ درحقیقت ایسا عظیم واقعہ
ہے کہ مثل اس کے کبھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی عظمت صرف ہمارے مفسروں اور
جھوٹی روایتوں کے بنانے والوں کی بدولت ہے جنہوں نے سیدھے سیدھے
واقعہ کو ایک عجیب گھڑت اور الف لیلہ کے قصوں سے عجیب تر قصہ کر کے

بیان کیا ہے۔

منش کردہ ام رستم داستاں
وگرنہ یلے بود در سیستاں

میں اپنے اس خطبے میں ان لغو اور بیہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معنے بیان کرنے پر جو مفسرین نے اس قصے کی بابت بیان کئے ہیں بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا جداگانہ مباحثہ ہے مگر جو واقعہ کہ گذرا اُس کو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں +

کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تبع نے تین دفعہ کعبے کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر ظلمت و آفت میں گرفتار ہوئے وہ قصے چنداں مشہور نہیں ہیں مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے ابرہۃ الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن کا تھا۔ اس نے صنعاء یمن میں قریب غمدان کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنے گرجا بنایا تھا اور قلیس اس کا نام رکھا تھا اور یہ بات چاہی کہ لوگ کعبے کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اس لئے اُس نے کعبے کے ڈھانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتھیوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اُترا اُس وقت قریش۔ اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو طیار ہوئے مگر اُنہوں نے ابرہۃ الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی ابرہۃ الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تم سے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ صرف کعبہ ڈھانا مقصود ہے اس گفتگو میں چند روز گذرے اور اسی درمیان میں ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی تمام لشکر برباد ہوگیا بہت سے مر گئے اور بہت سے اُسی حالت میں پھر گئے خدا تعالے نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ اُنہوں نے

کیا تھا اُس پر کامیاب نہیں ہوئے ✦

مفسرین نے اس قصے کو عجیب طرح سے رنگا ہے قرآن مجید میں دو لفظ آئے ہیں طیراً ابابیل اور حجارۃ ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین وضاعین نے جو قصہ چاہا ہے بنا لیا ہے جس کی کچھ اصل نہیں ہے ✦

اسی سال میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہو چکے تھے جو اُس بے نظیر اصلاح کا ذریعہ ہونے والے تھے جو قیامت تک بے نظیر رہے گی عبد المطلب اور ابو طالب ان کی پرورش میں مصروف تھے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سن شریف اس حد کو پہنچا جس میں اُس منصب کے ادا کرنے کا وقت منحصر تھا جس کے لیے آنحضرت پیدا ہوئے تھے تب آپ نے اپنے فطرتی منصب نبوت کو اختیار کیا اور خدائے واحد کی پرستش کا وعظ فرمانا شروع کیا اور بوجہ اُن مصائب کے جو اس کام میں پیش آئے وطن چھوڑنا اور مکہ سے مدینے کو ہجرت کرنا پڑا مکہ اب اپنے تئیں محفوظ سمجھتا تھا اور خوشی اور اطمینان کے ساتھ اپنے بتوں کی پرستش میں مشغول تھا کہ دفعۃً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا محاصرہ کیا اور بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے اس کو فتح کر لیا اُس کے بتوں کو توڑا اور پھر خدائے واحد کی پرستش کو قائم کیا جو قیامت تک محمد رسول اللہ کے نام نامی کے ساتھ قائم رہے گی ✦

الخطبۃ التاسعۃ

فی

حسبہ ونسبہ علیہ الصلوۃ والسلام

ان اللّٰہ اصطفیٰ ادم ونوح وال ابراھیم وال عمران علی

العالمین

عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں نہایت اکھڑ گنوار جاہل بن لکھے اور بن پڑھے تھے۔ علم ادب بھی جس کو ٹھیک ٹھیک علم ادب کہتے ہیں اُن میں نہ تھا اور نہ اور کیسی فن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ہاں دو باتیں اُن میں بے مثل تھیں۔ ایک نہایت موثر اور پرمطلب گنواری فصاحت جو بالتخصیص دہقانیوں میں پائی جاتی تھی۔ اور اس سبب سے اُس کے مضامین بھی جوشوں پر مبنی ہوتے تھے اور دلوں پر زیادہ اثر کرتے تھے۔ دوسرے بے مثل اور بے نظیر حافظہ۔ اگرچہ بن لکھے پڑھوں کا حافظہ ہمیشہ قوی ہوتا ہے مگر عرب والوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اسی قوت حافظہ کے سبب وہ اپنی قوموں کی تمام نسلوں کو یاد رکھتے تھے۔ اور نسلوں کے یاد رکھنے کو نہایت فخر سمجھتے تھے جو رفتہ رفتہ ایک علم ہوگیا اور "علم الانساب" اُس کا نام پڑگیا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ اپنے نسب پر بہت فخر کرتے تھے۔

اور ہر موقع پر اُس کا ذکر کرنے اور اُس پر شیخی بگھارنے سے نہ چوکتے تھے۔
اور اس سبب سے اِن کو صرف اپنا ہی نسب نامہ یاد رکھنا کافی نہ تھا بلکہ اپنے
مخالفوں اور رقیبوں اور ہمسایوں کا نسب نامہ بھی یاد رکھنا ضرور ہوتا تھا تاکہ
اپنی شیخی کے سامنے دوسرے کی شیخی نہ چلنے دیں۔ لکھنا اُن کو آتا نہ تھا
اس لئے اُن کے نسب نامے لکھے ہوئے نہ تھے۔ جہاں تک یاد تھی یا جو
باتیں یاد رکھنے کے قابل تھیں وہ سب برزبان یاد تھیں اُن کا حافظہ
ہی اُن کے لئے لوح محفوظ تھا۔ حافظہ کیسا ہی قوی ہو مگر تمام پشتوں کا
بترتیب یاد رکھنا ایک غیر ممکن بات تھی اس سبب سے بڑے بڑے جلیل القدر
اور مشہور و معروف اشخاص کے نام تو ضرور یاد رہتے باقی لوگوں کے نام
جس قدر زیادہ رہ سکتے تھے اُس قدر رہتے تھے۔ اُن مشہور آدمیوں
کے نام یاد رہنے کا یہ بھی بڑا سبب تھا کہ اُن کے نام اور اُن کے حالات
شعروں میں ہوتے تھے جو بڑے بڑے معرکوں اور میلوں اور لڑائیوں
میں نہایت فخر کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ ان سب رسموں اور عادتوں
کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص اپنے آپ کو اور اپنے ہمسایوں اور اپنے مخالف
اور رقیب کو بخوبی جانتا تھا کہ وہ کس قوم اور کس نسل کا ہے اور کسی کو ایسی
جرأت اور ایسی طاقت نہ تھی کہ اپنی قوم اور نسل کو بدل سکے یا جھوٹ موٹ
اپنے آپ کو کسی ایسی نسل کا جس نسل کا درحقیقت وہ نہیں ہے کہنے لگے۔
مگر باایں ہمہ سلسلہ وار تمام پشتوں کو بتلا دینا ہر ایک کو نام بنام مورث
اعلیٰ تک گن دینا ایک غیر ممکن امر تھا اس لئے ہر شخص اپنے باپ دادا
کے نام وہاں تک بیان کر سکتا تھا جہاں تک یاد ہوتے تھے۔ پھر بیچ
کی پشتوں کو چھوڑ کر اُن کے نام لے دیتا تھا جن کے نام اشعار میں مذکور

ہوتے تھے۔ پس جس مورخ نے ایسے لوگوں کا پورا سلسلہ وار نسب نامہ بیان کرنا چاہا اُس کو یہ سب دقتیں پیش آئیں اور یہ ایسی مشکلیں تھیں جن کا حل ہونا کچھ آسان نہ تھا ✦

ایک اور مشکل عرب کے نسب ناموں میں یہ تھی کہ ایک ہی نام کے کئی کئی شخص نسب ناموں میں ہوتے تھے اور اس سلئے مورخ دھوکے میں پڑجاتے تھے اور پچھلے شخص کو وہ شخص سمجھ جاتے تھے جو اگلوں میں اُسی نام کا کوئی گذرا ہے اور جو پشتیں ان دونوں شخصوں کے درمیان میں نے الحقیقت گذری ہیں اُن کا ذکر چھوٹ جاتا تھا اور جب کہ ایک شخص کے کئی نام ہوتے تھے تو دوسری قسم کا دھوکا پڑتا تھا۔ تجنیس خطی کے سبب سے ایک ہی نام کو بعضوں نے کچھ پڑھا اور بعضوں نے کچھ۔ شام میں اور عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بجائے باپ کے نام کے اُس شخص کا نام لے دیتے تھے جو نسب نامے کے اشخاص میں معروف ومشہور ہوتا تھا یا جس سے نسل گنی جاتی تھی۔ چنانچہ سینٹ متی حواری نے اپنی انجیل میں حضرت عیسےٰ کے نسب نامے میں لکھا ہے کہ "کتاب نسب نامہ عیسےٰ المسیح ابن داؤد ابن ابراہیم" حالانکہ مسیح سے داؤد تک اور داؤد سے ابراہیم تک بہت سی پشتیں ہیں مگر داؤد جو ایک مشہور نام تھا اُنہی کا بیٹا حضرت مسیح کو بتا دیا اور ابراہیم کا بیٹا داؤد کو کہہ دیا جس سے نسل چلی تھی اور بیچ کے سب نام چھوڑ دئے ✦

عرب کے لوگوں کی یہ بھی عادت تھی کہ اپنے باپ داداؤں کے ناموں کو جہاں تک اُن کو یاد ہوتے تھے۔ بیان کرتے جاتے اور جب اُن کی یاد کے نام ختم ہو جاتے تھے تو اخیر یادمیں رہے ہوئے شخص کو اُس

کا بیٹا لکھ دیتے تھے جس سے وہ نسل چلی ہے یا جب وہ ایسے شخص پر پہنچتے تھے جس کو ہر کوئی یقیناً اسی کی اولاد میں جانتا ہے جس سے نسل چلی ہے۔ تو اس شخص کو اسی کا بیٹا کہہ دیتے تھے اور اس سبب سے مورخوں کو ایسے لوگوں کا سلسلہ وار نسب نامہ لکھنے میں اور بھی مشکل پڑی ہے ✣

جب کہ ہم اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سلسلہ وار لکھنا چاہتے ہیں۔ تو اس میں بھی یہ سب مشکلات پیش آتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے نسب نامہ کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور اسی سبب سے کوئی صحیح حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے کی موجود نہیں ہے۔ یہ بات بے شک اُنھوں نے فرمائی کہ "ابراہیم خلیل اللہ میرے باپ اور میرے ولی ہیں" جیسا کہ ترمذی نے عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے مگر کرسی نامہ کے طور پر نہ کبھی اپنا نسب نامہ بیان فرمایا اور نہ اس کے بیان کی ضرورت تھی کیونکہ تمام عرب کے لوگ یقینی بلا کسی شک و تردد کے جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ قبیلہ قریش سے ہیں اور اس بات پر بھی سب کو یقین تھا کہ قبیلہ قریش کا معد ابن عدنان کی اولاد میں ہے عدنان اولاد ہے قیدار ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم کی اور اتنی ہی بات اس امر کے ثبوت کے لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اولاد اسمٰعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں ہیں کافی تھی گو ان کے درمیان میں کتنی ہی پشتیں گذری ہوں جن کی تعداد میں اختلاف ہو ✣

ہاں اس بات میں کچھ شک نہیں۔ کہ جب لوگوں نے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ بترتیب لکھنا چاہا تو اس میں اختلاف ہوا
اسی بناء پر کاتب الواقدی نے ایک قول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے کہ "کذب النسابون" یعنے نسب بیان
کرنے والے جھوٹے ہیں۔ اور مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب
میں ایک روایت بیان کی ہے کہ اسی اختلاف کے سبب جو نسب نامہ

ولذلك راى لتنازع الناس فى
النسب نهى النبى صلى الله عليه
وسلم عن تجاوز معد لعلمه من
تباعد الانساب كثرة الاراء فى
طول هذه الاعصار (مروج
الذهب مسعودى)

میں لوگ کرتے تھے فرمایا ہے کہ معد
ابن عدنان سے آگے مت بڑھو۔
کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نسب نامہ کے بڑے دور تک ہونے
سے اور اس کے زمانہ دراز میں متعدد
رائیں ہونے سے بخوبی واقف
تھے۔ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ "انا ابن الذبیحین" یعنے میں دو قربانی کئے گئے شخصوں کا بیٹا
ہوں اور اس قربانی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اُن دونوں شخصوں سے
اسمٰعیل ابن ابراہیم اور عبد اللہ باپ محمد رسول اللہ مراد ہیں +

وروى عن ام سلمة زوجة
النبى صلى الله عليه وسلم انها
قالت قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم عدنان ابن ادد بن
زيد بن برا بن عراق الثرى
فقالت ام سلمة زيد هميسع

ابو الفدا نے حضرت ام سلمہ زوجہ
النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت
لکھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ کہ عدنان بیٹا ادد کا
اور وہ بیٹا زید کا اور وہ بیٹا برا کا
اور وہ بیٹا عراق الثرے کا ہے ام

وبہ ابلنت و اسمعیل عراق الثری ٭ ام سلمہ نے یہ بھی کہا کہ زید اور ہمیسع ایک ہی شخص کا نام ہے اور برابنت اور اسمعیل اور عراق الثرے ایک ہیں ٭

٭ یہ تمام روایتیں جو اوپر بیان ہوئیں محض غلط اور بے سند ہیں اور ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو کبھی آنحضرت کے نسب نامے کی نسبت ذکر نہیں ہوا۔ صرف اُن کے نسب کا یقین کہ قریش ہیں تمام عرب کے دلوں پر جما ہوا تھا اور اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس زمانے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ پر کچھ بحث ہوتی۔ کئی صدی بعد جب کتابوں کی تحریر کا رواج شروع ہوا اور مؤرخین کو نسب نامے کی تحقیق میں مجبوری ہوئی تو اُنھوں نے اپنی کتابوں کے رونق دینے کو جھوٹی روایتیں خود گھڑ لیں یا افواہاً سنی سنائی اپنے مطلب کے موافق سمجھ کر بلا تحقیق مندرج کر دیں۔ انا ابن الذبیحین کی روایت نہایت غلط ہے۔ اسمٰعیل کبھی قربانی نہیں ہوتے جیسا کہ ہم نے اپنے اُس خطبے میں ثابت کیا ہے جو عرب کے تواریخی جغرافئے پر لکھا ہے اور عبداللہ کی قربانی کا بیان محض غلط ہے۔ ہاں بلاشبہ ترمذی نے جو روایت عبداللہ ابن مسعود سے بیان کی ہے۔ وہ کسی قدر اعتبار کے لائق ہے۔ عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول

عن عبد اللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان لکل نبی ولاۃ من النبیین وان ولیی ابی خلیل ربی

خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کے لئے ایک مربی نبیوں میں سے ہوتا ہے اور میرا مربی میرا باپ میرے پروردگار کا

ثم قرأ ان اولی الناس بابراهیم
للذین اتبعوه وهذا النبی
والذین اٰمنوا والله ولی المؤمنین
(رواه الترمذی) +

دوست (یعنے ابراہیم) ہے پھر قرآن
کی یہ آیت پڑھی کہ سب سے زیادہ
دوست ابراہیم کے وہ ہیں جنہوں
نے اُس کی پیروی کی ہے اور یہ
نبی یعنے محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ سب
ایمان والوں کا دوست ہے۔ پانچ شخص ہیں جن کے تحقیق کیئے ہوئے
نسب ناموں میں معد ابن عدنان سے لے کر ابراہیم تک پشتوں کا بیان
ہؤا ہے۔ ایک بیہقی۔ دوسرے ابن ہشام۔ تیسرے ابن الاعرابی۔ چوتھے
برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی علیہ السلام۔ پانچویں الجرا +

ان میں سے پہلے یعنے بیہقی نے عدنان سے ابراہیم تک دس
پشتیں اس طرح پر لکھی ہیں " عدنان ابن عدد ابن المقوم بن ناحور بن
تارح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم +

اور دوسرے شخص ابن ہشام نے اپنی کتاب المغازی و سیر میں
نو پشتیں اس طرح پر لکھی ہیں " عدنان ابن عدد ابن ناحور ابن سود ابن
یعرب ابن یشجب ابن نابت ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم +

اور اسی کتاب کے دوسرے نسخے میں گیارہ پشتیں اس طرح پر لکھی
ہیں " عدنان ابن اود ابن سام ابن یشجب ابن یعرب ابن الہمیسع ابن
سالز ابن یاعد ابن قیدار ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم +

اور تیسرے شخص یعنے ابن الاعرابی نے اس طرح پر نو پشتیں نسب نامہ
میں مندرج کی ہیں " عدنان ابن اد ابن ادد ابن الہمیسع ابن نابت
ابن سلامان قیدار ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم +

اول تو ان نسب ناموں کو اسمٰعیل تک سمجھنا غلطی ہے کیونکہ اس کے لکھنے والوں نے جہاں تک ان کو نام یاد تھے وہاں تک لکھ کر اس کے مشہور اشخاص قیدار و اسمٰعیل کا نام سے دیا ہے اور بیچ کے نام جو یاد نہ رہے تھے چھوڑ دئے ہیں۔ جن لوگوں نے ان کو پورا سمجھا ہے بڑی غلطی کی اور خود اس زمانے سے جو عدنان اور ابراہیم کے درمیان میں گذرا ہے ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ نسب نامے خود بھی غلط ہیں ابن ہشام کے دونوں نسخے آپس میں مختلف ہیں اور ثابت سکے ذریعے سے اسمٰعیل تک قریش کا نسب نامہ پہنچانا ایک ایسی غلطی ہے جو خود عرب جاہلیت کی روایتوں سے جو تاریخی وقعت کے درجے کو پہنچ گئی ہیں غلط ثابت ہوتی ہے۔ ابن الاعرابی کے نسب نامہ کا بھی کچھ ثبوت روایتاً یا درایتاً نہیں ہے ✤

پس وہ نسب نامے باقی رہ گئے ایک بار وخ یا برخیا کاتب ارمیا نبی کا اور دوسرا الجوا کا۔ ابو الفدا نے بھی لکھا ہے کہ جو نسب نامہ

واما الذی ذکرہ الجوانی النسابۃ فی شجرۃ النسب فھو المختار (ابو الفدا) ✤

الجوا نے لکھا ہے وہی درست ہے وہی اختیار کرنے کے لائق ہے۔ کوئی وجہ اس بات کی نہیں ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کا جو سلسلہ برخیا کاتب الوحی حضرت یرمیا نبی نے اپنے زمانے تک کا لکھا ہے اس پر ہم اعتبار نہ کریں خصوصاً اس وجہ سے کہ معد ابن عدنان حضرت یرمیا نبی کے وقت میں تھے اور بخت نصر کے ہنگامہ میں حضرت یرمیا نبی نے ان کو بچایا تھا اور ساتھ لے گئے تھے اور یہ ایک قوی قرینہ اس

بات کا ہے کہ برخیا کاتب الوحی پر مہابنی کو معد کا نسب نامہ لکھنے کی اسمٰعیل
ابن ابراہیم تک ضرورت پڑی ہوگی - یہ شجرہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد
کا یا یوں کہو کہ معد ابن عدنان کا ابراہیم تک نسب نامہ جو برخیا کاتب الوحی
نے لکھا ہمارے ہاں کی کتابوں میں بھی مندرج ہے - چنانچہ مسعودی
نے اپنی کتاب مروج الذہب میں اس کو بعینہٖ نقل کیا ہے - ہشام
کلبی کی روایت جو واقدی میں ہے اُس میں اُسی شجرہ کو بیان کیا
ہے مگر ناموں کے تلفظ میں بسبب مجانست الفاظ کے اور نقل
کے فرق ہوگیا ہے - مثلاً ایک نے ایک نام لکھا ہے اقناد قاف اور
نون سے دوسرے نے لکھا ہے افتاد فے اور تے سے یا مثلاً ایک
نے لکھا ہے عیبر بالیاء اور دوسرے نے لکھا عیبر بالراء اور غالباً
کاتب نے کشش دار حرف یا کو حرف الراء سمجھ لیا ہے اسی طرح ناموں
کے تلفظ و نقل میں اختلاف ہے ورنہ وہ دونوں واحد ہیں اور وہی
شجرے ہیں جو برخیا کاتب الوحی نے اپنے زمانے تک کے لکھے
ہیں ؂

الجرا کا نسب نامہ درحقیقت اسمٰعیل ابن ابراہیم تک نہیں ہے
بلکہ حمل ابن معد ابن عدنان اول تک ہے یعنے وہاں تک کہ برخیا
کاتب الوحی نے شجرہ لکھا تھا مگر چونکہ الجرا نے بھی ان ناموں کو جو
برخیا کاتب الوحی نے لکھے تھے چھوڑ کر حسب دستور عرب و شام اُسکے
اخیر میں قیدار بن اسمٰعیل اور ابراہیم کا نام لکھ دیا تھا - لوگوں کو شبہ پڑا
کہ یہ مستقل جداگانہ نسب نامہ ہے حالانکہ درحقیقت وہ برخیا کاتب الوحی
کے نسب نامہ کا تتمہ ہے - ایک اور وجہ غلطی میں پڑنے کی یہ بھی ہوتی

ہے کہ برخیا کاتب الوحی اور الجہا کے نسب ناموں میں مکرر نام آتے ہیں خصوصاً
معد اور عدنان کے اور اس سبب سے لوگوں نے اُس کو جداگانہ نسب نامہ
خیال کیا حالانکہ مکرر ناموں کا آنا کوئی امر قابل اشتباہ کے نہیں ہے۔ پس
اب ہم برخیا کاتب الوحی کے نسب نامے کے نیچے الجہا کا نسب نامہ جو اُس کا
تتمہ ہے لگا دیتے ہیں جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ
اسمٰعیل ابن ابراہیم تک پورا ہو جاتا ہے جن وجوہات سے کہ ہم نے الجہا
کے نسب نامہ کو برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ بیان کیا اور دونوں
کی صحت کو تسلیم کیا اُس کی وجوہات یہ ہیں ؛

اول یہ کہ اسمٰعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیاوی مطابق سنہ ۱۹۰۶ قبل مسیح کے پیدا ہوئے
تھے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سنہ ۴۵۷۰ دنیاوی مطابق سنہ ۵۷۰ بعد مسیح کے پیدا
ہوئے تھے پس دونوں ولادتوں میں چوبیس سو چھہتر برس کا فاصلہ ہے
اور اسمٰعیل سے آنحضرت تک اس نسب نامہ کی ستر پشتیں گذرتی ہیں ۔ جو
از روے حساب اُس سلسلہ نسب کے جو علے العموم علوم طبعی کی تحقیقات سے
اختیار کیا جاتا ہے بالکل صحیح ہے یعنے قریب تین پشت کے ایک صدی
میں ؛

دوسرے یہ کہ معد اور ارمیا نبی دونوں ایک وقت میں تھے چنانچہ مروج
الذہب مسعودی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ معد ابن عدنان کے ارمیا
وقد کان لارمیا معہ معد ابن   نبی کے ساتھ ۔ جو حالات گزرے
عدنان اخبار یطول ذکرہا   ہیں وہ بہت طولانی ہیں ۔ وہ حالات
(مسعودی) ؛   یہ ہیں کہ جب بخت نصر نے عرب پر
حملہ کیا اور عدنان اور بنی جرہم کو شکست دی اور مکہ کو لوٹ لیا اور معد

آدمیوں کو پکڑ کر بابل میں لے گیا اُس وقت اللہ تعالےٰ نے معد ابن عدنان کو اس سے بچایا۔ اور ارمیا نبی اور برخیا خدا کے حکم سے معد کو اپنے ساتھ لے گئے اور حیران میں اُن کو بحفاظت رکھا ارمیا نبی کا زمانہ سال دنیوی کے حساب سے پینتالیسویں صدی میں یعنے چھٹی صدی قبل مسیح میں تھا اور جو نسب نامہ ہم نے صحیح قایم کیا ہے اس میں بھی نسلوں کا عام سلسلہ بموجب معد بھی اُسی زمانے میں ہوتا ہے جو ایک نہایت قوی دلیل اُس سلسلہ کی صحت کی ہے اور برخیا کاتب الوحی کی تاریخانہ تحریر اور عام عرب کی مشہور روایت سے عجب طرح پر مطابقت پائی جاتی ہے +

سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد جلد ا صفحہ ۱۹۴ میں لکھا ہے کہ یہ روایت معد اور ارمیا نبی کی صحیح معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و عدنان میں اٹھارہ پشتیں ہیں اور نسلوں کے صحیح حساب سے عدنان کی پیدائش سنہ ۱۳۰ قبل مسیح سے پہلے کی نہیں ہو سکتی حالانکہ بخت نصر کے حملوں کا زمانہ سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے +

مگر سر ولیم میور کو ناموں کے متعدد ہونے سے یہ شبہ پڑا ہے۔ عدنان بھی دو ہیں اور معد بھی دو ہیں ایک دو تھے جو برخیا کاتب الوحی کے شجرے میں ہیں اور دوسرے دو ہیں جو الجرادا کے نسب نامہ میں ہیں پس وہ روایت نسبت پہلے معد ابن عدنان کے ہے۔ سر ولیم میور نے دوسرے معد ابن عدنان کی نسبت وہ روایت تصوّر کی ہے۔ عک بلاشبہ معد کا بھائی تھا مگر اس نے پہلے معد کا نہ دوسرے معد کا جیسا کہ سر ولیم میور نے تصوّر کیا ہے۔ عرب کے ضلع حضرموت میں جو قلعہ قوم عاد کا اور نام حصن الغراب تھا اور جس میں سے ایک کتبہ نکلا جس میں دو پیغمبر کا ذکر ہے اور اُس

میں عک کا بھی نام ہے۔ یہ عک اسی پہلے معد کا بھائی معلوم ہوتا ہے +

ہمارے اس خطبے کے پڑھنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک جو ہمارے مرتبہ شجرہ میں پچاسویں نمبر پر ہے پشتوں کا سلسلہ عموماً تسلیم کیا گیا ہے اور کسی مؤرخ کو اس میں اختلاف نہیں ہے مگر عدنان سے آگے بہ لحاظ ان وجوہات کے جو اوپر مذکور ہوئیں مورخوں میں اختلاف ہے۔ بیہقی کا قول ہے۔

قال البیہقی المذکور وکان شیخنا	میں اختلاف ہے۔ بیہقی کا قول ہے۔
ابو عبد اللہ الحافظ یقول نسب	کہ وہ اس کے استاد حافظ ابو عبد اللہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	کہتے تھے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ
صحیحۃ الی عدنان وما وراء	وسلم کا نسب عدنان تک صحیح ہے
عدنان فلیس فیہ شیٔ یعتمد علیہ	اور اس سے اوپر کوئی ایسی چیز
(ابو الفدا) +	نہیں ہے جس پر بھروسا کیا جاوے"

مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ قول اگر بیہقی کا صحیح ہو تو اس کے استاد کی ایک راے و سمجھ ہے کوئی مذہبی حدیث نہیں ہے جس پر یہ استدلال ہو سکے کہ مذہبی روایات کے بموجب اس کی صحت نہیں ہے +

بلاشبہ اہل عرب بنی اسرائیل سے نہایت قرابت قریبہ رکھتے تھے وہ اسمٰعیل کی اولاد تھے اور یہ اس کے بھائی اسحاق کی۔ وہ ان پڑھ جاہل تھے اور یہ لکھے پڑھے قابل۔ پس یہ ایک قدرتی و طبعی بات تھی کہ جس بات سے وہ ناواقف ہوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے اس کو دریافت کریں یا جس بات کی تفصیل محمد رسول اللہ نے نہیں فرمائی تھی اس کا مفصل حال اپنے اسرائیلی بھائیوں سے پوچھیں۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ حالات و تاریخی واقعات کی نسبت بنی اسرائیل سے روایت

کرنے کو منع نہیں فرمایا تھا بلکہ اجازت دی تھی اور جس کسی بات میں کوئی خاص حکم نہ تھا تو یہود کی تتبع کو جو اہل کتاب تھے مناسب سمجھا تھا۔ پس جب کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے نسب نامہ لکھنے کا خیال ہوا جس کا کبھی مذکور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہ ہوا تھا تو بلا شبہ انہوں نے یہودیوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے جو لکھے پڑھے تھے اور جن کے ہاں تاریخ نویسی اور نسب ناموں کی تحریر کا بھی سلسلہ جاری تھا مدد لی اور انکی کتابوں کی بھی تحقیق کی اور نسب نامہ مرتب کیا اور یہی وجہ ہوئی کہ بسبب مشابہ ہونے حروف تہجی عبری کے پھر اس کی دوسرے خط کوفی میں نقل ہونے پھر خط ثلث میں نقل ہونے اور پھر موجودہ خط عربی میں نقل ہونے سے الفاظ کا الٹ پھیر و تلفظ کا ادل بدل ہوا اور کاتبین کی غلطی سے کوئی نام رہ گیا کوئی بڑھ گیا جو منشاء اختلاف ہے مگر جب کامل غور و فکر سے اس پر لحاظ کیا جاوے تو اس کی صحت بخوبی ہو سکتی ہے جیسے کہ بقدر اپنے فہم کے ہم نے کی ہے۔ چنانچہ انہی واقعات کا ذکر واقدی نے اپنی کتاب میں کیا ہے کہ میں نے اس بات میں کہ معد اولاد قیدار بن اسمٰعیل میں ہے کسی کا اختلاف

ولم ار بينهم اختلافاً ان معداً من ولد قيدار بن اسمعيل وهذا الاختلاف في نسبه يدل على انه لم يحفظ وانما اخذ ذلك عن اهل الكتاب وترجموه لهم فاختلفوا فيه ولو صح ذلك كان رسول الله اعلم الناس به فالامر عندنا على الانتهاء

نہیں دیکھا اور یہ اختلاف جو آپ کے نسب میں ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اہل عرب کو یا مسلمانوں کو نسب نامہ یاد نہیں تھا انہوں نے یہ نسب نامہ اہل کتاب سے لیا ہے انہوں نے اسکو ترجمہ کر دیا اور پھر ان کو اس میں اختلاف ہو گیا۔ اور اگر یہ نسب نامہ صحیح ہوتا تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم

الیٰ معد ابن عدنان ثم امسک عما وراء ذلک الیٰ اسمٰعیل بن ابرھیم (کاتب الواقدی)۔

سب لوگوں سے زیادہ اُس کے جاننے والے تھے۔ پس ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ معد ابن عدنان تک ٹھیرنا
چاہیئے اور اس سے آگے اسمٰعیل تک کچھ نہ کہنا چاہیئے *

واقدی کے اس فقرے کو سر ولیم میور نے بھی اپنی کتاب لائف آف
محمدؐ میں نقل کیا ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات جس میں آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کے اولاد اسمٰعیل ہونے میں شبہ پڑے نہیں ہے یہ بات سچ ہے کہ
ہم کو نسب نامہ ابراہیم تک یاد نہ تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہم نے یہودیوں سے جو
ہمارے اسرائیلی بھائی ہیں یا اُن کی کتابوں سے اُس کی تحقیق کرنے پر
مدد لی ہے۔ جو وجہ اختلاف ہم نے بیان کی ہے اُسی کی طرف واقدی
نے بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
اعلم الناس تھے اگر اُن کے سامنے اس کا تذکرہ ہوتا یا اُس کے بیان
کرنے کی ضرورت ہوتی یا آنحضرت سے پوچھا جاتا تو خدا کی ہدایت سے
بالکل صحیح و درست بتا دیتے۔ مگر نہ اُس کی ضرورت ہوئی نہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اور اسی وجہ سے ہم کو اور ذریعوں سے
تحقیق کرنے کی بھی ضرورت پڑی باقی جو کچھ واقدی نے کہا ہے وہ
خاص واقدی کی رائے ہے۔ اُس کے نزدیک معد بن عدنان تک
نسب نامے کی تحقیقات میں کچھ شبہ نہیں رہا اُس سے زیادہ اُس کو
تحقیق نہیں ہوا اس لیئے وہ کہتا ہے کہ معد بن عدنان سے زیادہ بیان
کرنا کچھ ضرور نہیں مگر ہماری تحقیق یہ ہے کہ برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا
لکھا ہوا شجرہ صحیح ہے اور وہ اسمٰعیل ابن ابراہیم تک پہنچا ہوا ہے *

سر ولیم میور صاحب کا یہ کہنا کہ ہم دل سے قبول کرتے ہیں کہ یہ بات صاف صاف تسلیم کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ عدنان تک خاص عرب کی ملکی روایتوں سے لیا گیا ہے اور عدنان سے آگے یہودیوں سے"۔ مگر ہماری تحقیق اور سر ولیم میور کی تحریر میں اتنا فرق ہے کہ وہ اس عدنان تک عرب کی ملکی روایتوں کا نسب نامہ بتلاتے ہیں جو ہمارے مرتبہ کرسی نامہ میں پچاس نمبر پر ہے اور ہم اس عدنان تک ملکی روایتوں کا نسب نامہ قبول کرتے ہیں جو اکتالیس نمبر پر ہے اور باقی کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہود کی تاریخ سے لیا ہوا ہے +

ہم کو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں کیوں اس امر کے ثابت کرنے میں بے فائدہ سعی کی ہے اور اپنا وقت ضائع کیا ہے اور قواے عقلیہ و دماغیہ کو صرف کیا ہے۔ جس سے ہم مسلمان کبھی منکر نہیں ہوتے یعنے یہ امر کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے مذہب میں ایک تعلق ہے اور پچھلا پہلے پر مبنی ہے۔ اور جب وہ اس امر کو نہایت سعی بے حاصل سے ثابت کر چکتے ہیں تو از راہ طعن ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں بات یہودیوں کے مذہب سے لی ہے گویا مذہب اسلام میں ایسی بات نہیں ہے جو خود اپنے اصول پر قائم ہو۔ بلکہ یہودیوں کے ہاں سے چرایا ہوا ہے اور جیسے کہ مذہب عیسائی بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ویسا ہی مذہب اسلام بھی مذہب یہود کا محتاج ہے۔ اگرچہ یہ امر کہ کونسا مذہب مسلمانی یا عیسائی زیادہ تر بلکہ بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ہر ایک پر روشن ہے مگر ہم خوشی سے اس امر مذکور کو تسلیم کریں گے کیونکہ جو مشابہت ان دونوں ربانی الہامی

مذہبوں میں پائی جاتی ہے اُس سے انکار کرنے کے بدلے ہم اس کو اپنا
نہایت فخر سمجھیں گے کہ ہم مسلمان ہی ہیں جو ہر ایک سچے اور خدا کے
بھیجے ہوئے نبی کے سچے پیرو ہیں۔ ہم ہی یقین کرتے ہیں کہ آدم و نوح
اور ابراہیم و یعقوب و اسحاق و اسمٰعیل و موسےٰ و عیسےٰ اور محمد صلوٰۃ علیہم
اجمعین سب کا ایک ہی دین تھا۔ ہمارے پیغمبر کو خدا نے فرمایا کہ "یہودیوں

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی — اور عیسائیوں سے کہہ دے کہ ایک بات
کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا — کو مان لو جو تمہارے ہاں بھی وہی ہے
نعبد الا اللہ۔ (قرآن) — اور وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا اور کسی

کو مت پوجو"۔ ہم مسلمانوں کا ذاتی فخر یہی ہے کہ ہم یہودیوں سے زیادہ موسےٰ
کلیم اللہ کے اور عیسائیوں سے زیادہ عیسےٰ روح اللہ کے پیرو ہیں۔
جنہوں نے یحییٰ و عیسےٰ اور محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی خبر دی
تھی اور اُن کی پیروی کی ہدایت کی تھی۔ مگر یہودیوں نے ان تینوں کو
اور عیسائیوں نے اس پچھلے کو جس پر ایمان کا خاتمہ تھا نہ مانا۔ مگر سچی
پیروی موسےٰ و عیسےٰ کی ہم مسلمانوں ہی نے کی +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کی نسبت کیا بیہودہ گفتگو
عیسائیوں نے کی ہے۔ خدا تعالےٰ کے اُس وعدے کا پورا ہونا جو اُسنے
بنی اسرائیل سے موسےٰ کی زبانی کیا کہ "میں تمہارے بھائیوں یعنے بنی
اسمٰعیل میں سے موسےٰ کی مانند ایک نبی پیدا کروں گا" کچھ اس بات پر
منحصر نہ تھا کہ بنی اسمٰعیل کی نسلیں محمد سے لے کر اسمٰعیل تک ہم کو کامل
ترتیب اور پوری تعداد سے یاد ہوں اور نہ اس بات پر اُس کا انحصار تھا کہ
وہ کرسی نامہ ہم عرب کی ملکی روایتوں سے یاد کریں یا یہود کی روایتوں اور

برخیا کاتب الوحی ارمیاہ نبی کی تحریروں سے۔ وہ تو اسمٰعیل کی اولاد میں سے ایک کے لیئے ہونا تھا سو محمد رسول اللہ کی نسبت پورا ہوا۔ تمام عرب اور یہود اور عرب کے قرب وجوار کی تمام قومیں اور تمام اگلے اور پچھلے مورخ خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا کسی اور ملک کے مسلمان ہوں یا کسی اور مذہب کے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں رکھتے بلکہ بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ بنی ہاشم قریش اسمٰعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں ہیں۔ محمد رسول اللہ نے قریش کو پکار کر مخاطب کیا کہ "ابیکم ابراہیم" جس کو سب نے تسلیم کیا اور کون ایسا شخص ہے کہ جس میں اس قدر جرأت ہو کہ وہ سچ بات کو تسلیم نہ کرے۔ چنانچہ ہم اس مقام پر چند ایک عالم مورخوں کی نقل کرتے ہیں۔ ابو الفدا لکھتا ہے

ونسبه صلعم الی عدنان متفق علیه من غیر خلاف وعدنان من ولد اسمٰعیل بن ابراھیم الخلیل علیه السلام من غیر خلاف لکن الخلاف فی ھذہ الاباء الذین بین عدنان واسمٰعیل فعد بعضھم منھا نحو اربعین رجلا وعد بعضھم سبعة (ابو الفدا)

کہ نسب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عدنان تک متفق علیہ ہے بغیر اختلاف کے اور اس میں بھی کہ عدنان اولاد اسمٰعیل ابن ابراہیم میں ہے۔ کچھ اختلاف نہیں ہے لیکن ان پشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے جو عدنان اور اسمٰعیل کے درمیان میں ہیں۔ پس بعضوں نے تو چالیس پشتوں کے قریب گنی ہیں اور بعضوں نے سات " جن لوگوں نے جس شبہ سے سات گنی تھیں اس کی تفصیل ہم اوپر بیان کرچکے ہیں پس اصل میں وہ بھی کچھ اختلاف نہ تھا بلکہ صرف سمجھ کی غلطی تھی +

مشہور مورخ مسٹر گبن جو تمام عالم میں مشہور ہے لکھتا ہے کہ "محمدؐ کو حقیر اور مبتذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک احمقانہ افترا ہے۔ ایسا افترا کرنے سے بجائے اسکے کہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹاویں اُس کی خوبیوں کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں اسمٰعیل سے ان کی نسل کا ہونا ایک قومی تسلیم کی ہوئی بات اور ملکی روایت سے ثابت شدہ امر ہے۔ بالفرض اگر کرسی نامہ کی پہلی نسلیں بخوبی معلوم نہ ہوں اور ابہام میں ہوں تو اور بہت سی پشتیں ایسی ہیں جو صاف صاف شریف و نجیب ہیں وہ قریش اور بنی ہاشم ہیں جو اہل عرب میں نہایت نامی اور مکہ کے فرماں روا اور کعبے کے موروثی محافظ تھے۔"

ریورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب بھی یہی گواہی دیتے ہیں اور اُنکی گواہی ایسی ہے جو غالباً اُنھوں نے خوشی سے نہ دی ہوگی وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اب تک ہم نے قیدار کا سُراغ قدیمی جغرافئے سے لگایا ہے اب اس بات کا دیکھنا باقی ہے کہ قدیمی روایات عرب کی روایتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے کیا ثبوت حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ یورپ کے نکتہ چینوں کی رائے میں عرب کی ایسی روایت جس کی تائید میں اور کوئی ثبوت نہ ہو گو کیسے ہی اعتراض کے قابل ہوگی۔ روایت کی جانچ اور پڑتال کے جو قوانین مسلمہ ہیں اُن کے مطابق اُن پر غور کرنے سے اس بات کا انکار کرنا ناممکن ہے کہ وہ روایت مذہبی اور دنیاوی دونوں طرح کی تاریخ کے مطابق ہے۔ خاص عرب کے لوگوں کی یہ خاص قدیمی روایت ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتداء میں حجاز میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قوم قریش اور خصوصاً مکہ کے بادشاہ اور کعبے کے متولی ہمیشہ اس بزرگ کی نسل میں ہونے کا دعوے کرتے تھے اور خاص حضرت محمدؐ نے اسی بنیاد پر کہ اسمٰعیل کی نسل اور قیدار کی اولاد ہیں اپنی قوم کی دینی اور دنیوی عظمتوں کے استحقاق پر تائید کی ہے۔

صرف سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں علماء کی متفق رائے سے اختلاف کیا ہے ہم اُس اختلاف کے جانچنے پر مستعد و آمادہ ہیں۔ انہوں نے صرف اپنی قیاسی باتوں سے اُن حقیقتوں پر اعتراض کیا ہے جو آفتاب کی طرح روشن ہیں اور مذہبی اور دنیوی دونوں طرح کی تاریخ سے بلا کسی شبہ کے ثابت ہوتی ہیں چنانچہ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ " جو کوششیں ہمیشہ مذہب اسلام کی روایتوں اور عرب کے قصوں کو توریت اور یہودیوں کی روایتوں سے مطابق کرنے کے واسطے کی گئی ہیں اُس کو بھی ہم اسی سبب سے منسوب کر سکتے ہیں۔ اس کلیہ کو خاص حضرت محمدؐ کے حالات حیات سے بہت کم تعلق ہے لیکن وہ اُن کے بزرگوں اور عرب کی قدیمی روایتوں سے ایک وسیع اور موثر تعلق رکھتا ہے۔ یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد میں سے خیال کیا جاوے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی اولاد میں سے ثابت کئے جاویں اُن کی حین حیات میں پیدا ہوئے تھے اور اس پر محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلہ گھڑے گئے تھے اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے تھے"۔

مگر سر ولیم میور کے اس خیال کی غلطی کیسی علانیہ ظاہر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں ہوا کہ کوئی نسب نامہ ابراہیم تک درست کیا جاوے نہ کبھی اس بات کا دھیان ہوا کہ آنحضرت کو اولاد ابراہیم ثابت کرنے میں کوشش ہو۔ یہ ایک ایسی بات ثابت شدہ محقق تھی کہ جس میں کسی کو کسی جدید ثبوت کے تلاش کی حاجت نہ تھی۔ کیا آفتاب نصف النہار کے اثبات کا دن دہاڑے کسی کو خیال آ سکتا

ہے؛ تمام قرآن مجید میں کہیں اس بات پر زور نہیں ڈالا گیا۔ تمام معتبر کتابیں حدیثوں کی اس مباحثہ سے خالی ہیں۔ چند نامعتبر روایتیں جو کئی صدی بعد وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوئیں اور اُس وقت پیدا ہوئیں جب کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا اور مصنفوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ لکھنا چاہا۔ اُن کا بھی سلسلہ سند آنحضرت تک نہیں پہنچایا گیا۔ پس یہ قیاس کرنا کیسا غلط قیاس ہے کہ یہ خواہش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئی تھی ہمارے علماء نے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ لکھنا چاہا تو اُس کی تحقیقات کی اور اُس کی نسبت جو اُن کی راے اور تحقیقات نہ ہوئی بلاکسی تامل کے بلاکسی خیال کے بلاکسی تردد کے بلاکسی دھکڑ پکڑ کے نہایت بے پروائی اور سادگی وصفائی سے لکھ دی۔ جس سے خود یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کے دل میں نہ کبھی اس امر میں شبہ تھا نہ اُن کو تردد تھا نہ کبھی اُن کو اس بات کے ثابت کرنے کی فکر تھی اور نہ کبھی وہ چوری وفریب اُن کے دل میں تھا اور نہ کبھی اُس کے ثبوت کے درپے تھے جس کا قیاس سر ولیم میور نے اپنی راے میں کیا ہے پس وہ اُن کا قیاس محض غلط ہے اور مطلق اعتبار کے لائق نہیں ہے *

اب ہم اس خطبے کے خاتمے میں اپنے پیغمبر کا نسب نامہ جس طرح پر کہ ہمنے تحقیق کیا مندرج کرتے ہیں اور چونکہ مجھ کو بھی اس بات کا فخر حاصل ہے کہ میں بھی اُسی آفتاب عالم تاب کے ذروں میں سے ہوں اس لئے اپنے نسب نامہ کو بھی اُس کے ساتھ شامل کر دیتا ہوں تاکہ جو روحانی ارتباط مجھ کو اُس سرور دوجہان سے ہے اور جو خون کا اتحاد مجھ میں اور اس سرور عالم میں ہے اور جس کے سبب «لحمك لحمی و دمك دمی» کا ہمارا موروثی خطاب ہے۔

اس ظاہری ارتباط سے بھی معزز ہو جاوے +

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

نسب نامۂ محمد رسول اللہ تا حضرت ابراہیم ؑ معہ نسب نامۂ مؤلف۔

خلبات تا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

۱ ابنا ابراہیم سنہ ۱۹۹۶ قبل مسیح
۲ اسمٰعیل سنہ ۱۹ قبل مسیح
۳ قیدار
۴ عوام
۵ عوص اول
۶ مُر
۷ سمات
۸ رزاح
۹ ناجب
۱۰ سعر
۱۱ ابہام
۱۲ افناد
۱۳ عیسے
۱۴ حسان
۱۵ عنقا

۱۶ ارعوا
۱۷ بلخی
۱۸ بحرے
۱۹ ہری
۲۰ یسن
۲۱ حمران
۲۲ الرعا
۲۳ عبید
۲۴ عنف
۲۵ علقی
۲۶ ناحی
۲۷ ناحور
۲۸ ناجم
۲۹ سکالح
۳۰ بدلان

۳۱ یلدرم
۳۲ حیا
۳۳ نابسل
۳۴ ابی العوام
۳۵ عتساویل
۳۶ برو
۳۷ عوص دوم
۳۸ سلامان اول
۳۹ الہمیسع اول
۴۰ اددا اول
۴۱ عدنان اول سنہ [illegible] قبل مسیح
۴۲ معد اول سنہ ۵۰۰ قبل مسیح [illegible]
اہمسر ارمیا نبی
۴۳ حمل
۴۴ نابت
۴۵ سلامان دوم
۴۶ الہمیسع دوم
۴۷ الیسع
۴۸ ادد دوم
۴۹ اد
۵۰ عدنان دوم

۵۱ معد ثانی
۵۲ نزار
۵۳ مضر
۵۴ الیاس
۵۵ مدرکہ
۵۶ خزیمہ
۵۷ کنانہ
۵۸ النضر
۵۹ مالک
۶۰ فہر
۶۱ غالب
۶۲ لوے
۶۳ کعب
۶۴ مرہ
کلاب
۶۷ عبدمناف
۶۸ ہاشم
۶۹ عبدالمطلب
۷۰ عبداللہ
محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم

۲ فاطمہ زہراؑ — امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب ابن عبد المطلب

۳ امام حسینؑ

۴ امام زین العابدینؑ

۵ امام محمد باقرؑ

۶ امام جعفر صادقؑ

۷ امام موسےٰ کاظمؑ

۸ امام علی موسےٰ رضاؑ

۹ امام محمد تقیؑ

۱۰ سید موسےٰ مبرقعؒ

۱۱ سید ابی عبداللہ احمد

۱۲ سید محمد اعرج

۱۳ سید محمد احمد

۱۴ سید احمد

۱۵ سید موسےٰ

۱۶ سید احمد

۱۷ سید محمد

۱۸ سید علی

۱۹ سید جعفر

۲۰ سید محمد

۲۱ سید عیسےٰ

۲۲ سید ابوالفتح

۲۳ سید علی

۲۴ سید یار حسین

۲۵ سید کاظم الدین حسین

۲۶ سید جعفر

۲۷ سید باقر

۲۸ سید موسےٰ

۲۹ سید شرف الدین حسین

۳۰ سید ابراہیم

۳۱ سید حافظ احمد

۳۲ سید عزیز

۳۳ سید محمد دوست

۳۴ سید برہان

۳۵ سید محمد عماد

۳۶ سید محمد ہادی — سید محمد مہدی

۳۷ سید محمد متقی

۳۸ سید محمد

۴۰ سید محمد احمد — ولادت ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۶ ہجری مطابق ۹ مئی ۱۸۸۹ء

سید احمد شوکت — بندۂ خطبات — ولادت پنجم ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۴ء

۳۹ سید حامد
۴ ولادت
۲۴ صفر
سنہ ۱۲۶۵ھ
مطابق
۲۰ جنوری
سنہ ۱۸۴۹ء

سید محمود ..
ولادت ۱۱ رجب
سنہ ۱۲۶۶ ہجری
مطابق ۲۴ مئی
سنہ ۱۸۵۰ء

الخطبة العاشرة

فی

البشارة المذکورة فی التورٰة والانجیل

یجدونه مکتوبا عندهم فی التورٰة والانجیل

توریت ز وصف تست معمور
انجیل ز نام تست مشهور

قرآن مجید کے بموجب ہم مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ توریت اور انجیل دونوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی ایسی صاف صاف بشارتیں مذکور ہیں جن میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا ✦

خدا تعالے سورہ اعراف میں فرماتا ہے کہ " جو لوگ کہنا مانتے ہیں۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التورٰة والانجیل یامرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبٰت

رسول ان پڑھے نبی کا جس کا ذکر اپنے پاس لکھا پاتے ہیں توریت اور انجیل میں وہ ان کو اچھی باتوں کے کرنے کو کہتا ہے اور بری باتوں کے کرنے

ویحرم علیہم الخبائث ویضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیہم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون (سورہ اعراف آیت ۱۵۶)

سے منع کرتا ہے اور ستھری چیزوں کو اُنکے لئے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے اور اُنکا بوجھ اُن پر سے اُتارتا ہے اور جو سختیاں اُنکے گلے کا طوق ہو رہی تھیں اُنکو دور کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اُس پر ایمان لائے اور اُس کا ادب کیا۔ اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی تابعداری کی جو اُس کے ساتھ اُترا وہی لوگ ہیں نجات پانے والے۔

پھر دوسری جگہ خدا تعالے نے سورہ صف میں فرمایا ہے کہ "جب کہا عیسے مریم کے بیٹے نے کہ اے بنی اسرائیل بے شک مجھ کو خدا نے رسول

واذ قال عیسی بن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھذا سحر مبین (سورہ صف آیت ۶)

کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوا ایک پیغمبر کی جو میرے بعد ہوگا اور اُس کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ پیغمبر یعنے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُنکے پاس آیا کھلی ہوئی دلیلیں لے کر تو اُنہوں نے کہا یہ تو علانیہ جادو ہے"۔

مسلمان کل عہد عتیق کو۔ جس میں حضرت موسے کی پانچوں کتابیں اور زبور وصحف انبیا داخل ہیں توریت کہتے تھے۔ کیونکہ اُن سب کے سرے پر جو کتاب تھی اُس کا نام توریت تھا۔ اور عہد جدید کی کتابوں کو سوا سے

اعمال و حواریوں کے ناموں سے انجیل کہتے تھے۔ کیونکہ وہ سب کتابیں
انجیل کے نام سے موسوم تھیں۔ قرآن و حدیث میں بھی ان ہی معنوں
میں لفظ توریت و انجیل کا وارد ہوا ہے۔ پس قرآن مجید سے یہ تو پایا گیا
کہ توریت و انجیل میں ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ اور لقب
بھی مذکور ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ کس جگہ توریت و انجیل میں یہ ذکر ہے۔
اس سبب سے مسلمان عالموں نے توریت و انجیل میں اُسکی تلاش شروع کی۔
مگر انھوں نے عہد عتیق و عہد جدید کی کتابوں کو نہایت ابتر و پریشان حالت
میں پایا۔ کیونکہ کوئی اصلی قلمی نسخہ توریت و انجیل کا دنیا میں موجود نہ تھا اور
جس قدر نقلیں موجود تھیں وہ آپس میں نہایت مختلف تھیں۔ یہودیوں
کے جو بڑے نامی دو مدرسے تھے تو جو کتابیں مشرقی مدرسے میں مروج
تھیں اُن میں اور مغربی مدرسے کی کتابوں میں نہایت اختلاف تھا اور
ساریہ یونانی زبان میں توریت کے جو ترجمے تھے وہ بھی آپس میں
مختلف تھے۔ اور جو ترجمے مشرقی زبانوں میں ہوئے تھے وہ بھی ایسے
ہی مختلف تھے اور ہرگز یہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ سب ایک ہی اصلی
کتاب کے ترجمے ہیں۔ علاوہ اس کے مسلمان عالم مذہبی روایتوں اور
کلام الٰہی کی تصدیق کے لئے سند مسلسل کے عادی تھے اور ہر مسلمان
اپنی مذہبی کتاب اور مذہبی روایت کو اپنے اُستاد اور اپنے اُستاد کے
اُستاد (اور علیٰ ہذا القیاس) کی زبانی گواہی یا سند سے اصل تک اُسکا
ثبوت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کے بھی مکتوبی نسخوں کے
بھروسے پر نہ تھے بلکہ اُس کے ہر ہر لفظ کی اور زیر و زبر تک کی مسلسل
سند اپنے پاس رکھتے تھے مگر توریت و انجیل کی ایسی مسلسل سند بھی

کوئی موجود نہ تھی بلکہ اُن موجودہ نقلوں کی صداقت کے لئے بھی کوئی ایسا سلسلہ ثبوت کا جس سے کچھ شبہ نہ رہے موجود نہ تھا علاوہ اس کے جب مسلمان عالموں نے توریت میں بعض مقام پر ایسی باتیں لکھی ہوئی پائیں جو نہایت اخلاق کے برخلاف تھیں اور بعض ناپاک افعال پاک اور مقدس بزرگوں اور نبیوں کی طرف منسوب تھے جن کا واقع ہونا اُن بزرگوں سے مسلمان کسی طرح یقین نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ خود مذہب اسلام نے اُن کو تعلیم کی تھی کہ تمام انبیاء معصوم تھے اور افعال قبیحہ ایسے پاک اور معصوم بزرگوں سے سرزد ہونے غیر ممکن ہیں تو وہ اُن مقاموں کو دیکھ کر نہایت حیران اور متعجب ہو گئے اور اُن کے دل میں اس بات کا شبہ پیدا ہوا کہ توریت و انجیل میں تحریف ہوئی ہے ؎

اور جب اُن کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد آئی کہ یہودی بدل ڈالتے

یحرفون الکلم عن مواضعه — یعنی لفظوں کو اُن کی جگہ سے "
(سورہ نساء آیت ۴۸ و سورہ — تو اُن کا وہ شبہ درجہ یقین کو پہنچ
مائدہ آیت ۱۶) ؎ — گیا اور انہوں نے توریت و انجیل

میں زیادہ تر تفتیش کرنے کی ہمت نہ کی۔ اور یہ خیال کر کے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت و انجیل میں تحریف کر دی ہے اور خصوصاً وہ مقامات جہاں جہاں ہمارے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں تھیں بدل دی ہیں تلاش کرنی چھوڑ دی اور اپنی کم ہمتی اور کاہلی اور ہمت چھوڑ دینے کے الزام سے بچنے کے لئے تحریف کے الزام کو بطور سپر کے بنا لیا ؎

مگر یہ خیال انہی لوگوں کا تھا جو علم اور تحقیق کے اعلے درجے پر

نہیں پہنچے تھے اور استقلال کے ساتھ تحقیقات بھی نہیں کی تھی بلکہ اوپری
اوپری باتوں میں پھنس رہے تھے۔ برخلاف اس کے بڑے بڑے عالم
اور فاضل اور دین دار لوگ جن کا نام دنیا میں بھی مشہور تھا اور آخرت
میں بھی مشہور ہوگا نہایت استقلال اور تحمل سے اُس کی تحقیقات میں
مصروف تھے اور اُس کی جڑ تک پہنچ گئے تھے اُن کا یہ قول تھا۔ کہ
قرآن مجید میں جو تحریف کا الزام یہودیوں و عیسائیوں پر خدا نے لگایا
ہے اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُنھوں نے جان بوجھ کر قصداً توریت
انجیل کے لفظوں کو بدل دیا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ لفظوں کے معنے
پھیر دئے ہیں۔ چنانچہ امام محمد اسمعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "یحرفون
الکلم عن مواضعہ" کی تفسیر میں لکھا ہے "ای یا ولونہ
علے غیر تاویلہ" پس وہ لوگ تحریف لفظی کے قائل نہ تھے۔ البتہ یہ بات
تسلیم کے قابل تھی کہ قلمی نسخوں میں کاتبوں کی سہو اور غلطی سے بہت سی
غلطیاں پڑ گئی تھیں اس لئے اُن بزرگوں نے پہلی قسم کے عالموں کی
مانند ہمت نہیں ہاری اور تلاش و تفتیش سے باز نہیں رہے اور خدا تعالےٰ
نے اُن کی سعی کو مشکور کیا اور نہایت کامیابی سے اُنھوں نے توریت
اور انجیل اور یہودیوں کی روایتوں میں وہ مقام ڈھونڈ نکالے جہاں پیغمبر
خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارتیں موجود
تھیں۔ چنانچہ وہ سب روایتیں ہم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اور قرآن مجید
کی تفسیروں میں اور کتب سیر و تواریخ میں مندرج ہوتی چلی آتی ہیں ۔
اگرچہ میں اُن بزرگ عالموں کی کوشش اور محنت کی نہایت قدر
کرتا ہوں اور اُن بزرگوں کا مسلمانوں پر نہایت احسان مانتا ہوں اور اُن کو

ہر طرح قابل ادب سمجھتا ہوں۔ مگر میں اپنے اس خطبہ میں اُن سب کا ذکر کرنا ضرور نہیں سمجھتا ہوں - کیونکہ جو کچھ اُن عالموں نے اپنی انتھک محنت سے نکالا ہے گو وہ کیسا ہی مفید ہو الا نقص سے خالی نہیں ÷

اوّل - تو یہ نقص ہے کہ وہ بزرگ ایک عام طور پر لکھ دیتے ہیں کہ یہ بشارت توریت میں ہے اور وہ بشارت انجیل میں ہے اور اُس خاص مقام کا جہاں سے وہ مطلب اخذ کیا ہے کچھ پتہ و نشان نہیں تبلاتے ÷

دوم - اُن بشارات کے بیان کرنے میں اُس خاص کتاب کا بھی نام نہیں بیان کرتے جہاں سے وہ بشارت نکالی ہے یعنے یہ نہیں تبلاتے کہ وہ بشارت حضرت موسےٰ کی کتابوں میں ہے یا زبور میں یا صحف انبیاء میں اور جو پرانے قدیم نسخے چلے آتے تھے اور جن میں اختلاف عبارت بھی تھا اور اُن کے جدا جدا نام تھے اُن میں سے بھی کسی نسخے کا نام نہیں تبلاتے کہ کون سے نسخہ میں یہ بشارت تھی اور نہ جس کتاب سے وہ بشارت لکھی ہے اُس کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں بلکہ اُس کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں جو مذکورہ بالا نسخوں میں سے کسی کے ساتھ مطابق نہیں ہوتا ÷

سوم - اُن کتابوں کے سوا جو آج [illegible] وقت مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں داخل ہیں اور کتابیں بھی تھیں جو اب دستیاب نہیں ہوتیں یا غیر معتبر اور مشتبہ سمجھی جاتی ہیں اور اس سبب سے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ بشارتیں جو اُن بزرگوں نے لکھی ہیں اور موجودہ نسخوں میں نہیں پائی جاتیں وہ کن نسخوں سے لی گئی ہیں یعنے اُن کتابوں سے جو اب دستیاب نہیں ہوتیں یا اُن سے جو غیر معتبر و مشتبہ سمجھی جاتی ہیں ÷

چہارم - اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ بعض بشارتیں کتابوں میں لکھی ہوئی

موجود نہ تھیں بلکہ سینہ بسینہ بطور روایت کے چلی آتی تھیں جیسے کہ انجیل متی میں
حضرت مسیح کے ناصری کہلانے کی بشارت کا اس طرح پر ذکر ہے کہ "وہ آیا اور
اس شہر میں رہا جس کو ناصرۃ کہتے تھے تاکہ وہ بشارت پوری ہو جو انبیاء کہتے
آتے تھے کہ وہ ناصری کہلاوے گا" (متی باب ۲ و ۲۳) حالانکہ یہ بشارت کسی
نبی کی کتاب میں مندرج نہیں ہے پس وہ بشارتیں جن کو مسلمان عالموں نے
زبانی روایتوں سے لیا ہے اُن کی بھی کوئی معتبر سند نہیں بتائی گئی تو وہ بھی
نقص سے خالی نہیں اور اس لئے اُن کا بھی اس خطبے میں ذکر کرنا کچھ مناسب
نہیں ۞

پنجم۔ بعض بشارتیں اب بھی اُن کتابوں میں موجود ہیں جن کو عیسائی
نامعتبر سمجھتے ہیں اور گو ہمارے پاس کافی ثبوت اس بات کا ہو کہ وہ صحیح ہیں
لیکن ہم اپنے اس خطبے میں اُن کا بھی ذکر نہیں کرنے کے بلکہ صرف اُن ہی
بشارتوں کا ذکر کریں گے جو موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں موجود ہیں۔
جس کو تمام یہودی اور عیسائی مانتے ہیں تاکہ کسی کو اس میں دم مارنے کا مقام
نہ رہے ۞

ششم۔ علاوہ اس کے موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں دو
قسم کی بشارتیں موجود ہیں۔ ایک ایسی ہیں کہ اگر بغیر تعصب و طرفداری و ضد کے
اُن پر غور ہو اور اُن کے معنوں میں تحریف نہ کی جاوے تو وہ صاف صاف
ہمارے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں اور دوسری قسم
کی ایسی ہیں کہ اُن سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیغمبر کے ہونے کی بشارت
ہے مگر یہ بات صاف نہیں معلوم ہوتی کہ کس پیغمبر کی بشارت ہے اور اس لئے
ہر ایک قوم یہ دعوے کر سکتی ہے کہ وہ بشارت ہمارے پیغمبر سے متعلق ہے۔

اس قسم کی بشارتیں بھی جھگڑے سے خالی نہیں اس لیئے ہیں اُن کا بھی اس خطبے میں ذکر نہیں کرنے کا۔ پس ہمارے اس خطبے کے پڑھنے والے خیال کریں گے کہ بوجوہات مذکورہ بالا جس قدر بشارتوں کو میں نے چھوڑ دیا ہے اُن کی تعداد بمقابل اُن بشارتوں کے جن کا اس خطبے میں ذکر کیا ہے بہت زیادہ ہے *

توریت و انجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارتیں ایسی مہمل اور مجمل طور سے بیان ہوتی ہیں کہ پہیلی اور معمے کی مانند ہو گئی ہیں۔ اور جب تک اُن کی تشریح نہ کی جاوے اور اُن کا حل نہ بتایا جاوے تو اُن کا مطلب ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پس اگر ہم یکایک جناب پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کو بیان کرنا شروع کر دیں تو ضرور بعض لوگوں کے دل میں خیال جاوے گا کہ یہ کیسی مجمل اور مشکل بشارت ہے۔ اس لیئے اول ہم اُن بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں جو حواریوں کے کہنے کے مطابق عہد عتیق میں حضرت عیسے علیہ السلام کی نسبت آئی ہیں اور اُس کے بعد اُن بشارتوں کو لکھیں گے جو توریت اور انجیل میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت آئی ہیں۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک تو یہ کہ ہمارے اس خطبے کے پڑھنے والے اس بات سے واقف ہو جاویں گے کہ بشارتوں کے بیان کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح کنایہ اور اشارے سے بطور پہیلی یا چیستاں کے بیان ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت عیسے کی نسبت جو بشارتیں ہیں اور جو بشارتیں کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہیں اُن کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمارے پیغمبر صاحب کی بشارتیں حضرت عیسے کی بشارتوں کی بہ نسبت بہت زیادہ روشن اور نہایت صاف صاف ہیں جنکی

صحت کو مخالف کا دل بھی قبول کرلیتا ہے +

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت یہ بشارتیں ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں

۱- جب احاز یہود کے بادشاہ پر رصین بادشاہ ارم اور فقح بادشاہ رملیا بادشاہ اسرائیل نے چڑھائی کی تو احاز بادشاہ یہوداہ بہت گھبرایا۔ اُس زمانے میں حضرت اشعیاہ پیغمبر تھے اُن سے التجا کی اُنہوں نے احاز کو تسلی دی اور فرمایا کہ تو خوف نہ کر تیرے دشمن تجھ پر غالب نہ ہوں گے۔ اور اُس خوف کے رفع ہونے کی مدت اور اپنے قول کی صداقت کا یہ نشان بتایا۔" ایک کنواری کو حمل رہے گا اور وہ بیٹا جنے گی۔ اور اُس کا نام عمانوئیل رکھا جاوے گا اور جب وہ ذرا ہوشیار ہوگا تو جو خوف تجھ کو دشمنوں سے ہے جاتا رہے گا اور تیرے لئے بہت اچھے دن آویں گے" (یہ مضمون اشعیاہ نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں مندرج ہے) پھر اُسی کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں مذکور ہے کہ وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ماہیر شالال حاشبز" رکھا گیا اور جب وہ ہوشیار ہوا تو احاز کو دشمنوں کا جو خوف تھا جاتا رہا +

بایں ہمہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ یہ بشارت حضرت عیسےٰ کی ہے جو کنواری مریم سے پیدا ہوئے ہیں چنانچہ سینٹ متی فرماتے ہیں کہ "جب حضرت مسیح کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو اس سے پہلے کہ وہ ہم بستر ہوں روح قدس سے حاملہ پائی گئی تب اُس کے شوہر یوسف نے جو راستباز

تھا نہ چاہا کہ اُس کی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان
باتوں کے سوچ میں تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اس پر خواب میں ظاہر ہو کے
کہا۔ اَے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے مت
ڈر کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے سو روح قدس سے ہے اور وہ بیٹا جنے گی
تو اُس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچاویگا
یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا۔ کہ دیکھو
ایک کواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے
جس کا ترجمہ یہ ہے۔ خدا ہمارے ساتھ۔" (انجیل متی باب ۱۔ ۸ لغایت ۲۲) +

پس اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ کیسی مجمل اور مشتبہ پیشین گوئی ہے اور کس
وقت اور کس مطلب کے لئے کہی گئی تھی۔ مگر حضرت متی نے اس کو اشارۃً
وکنایۃً حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت قرار دی ہے +

۲۔ حضرت میکا نبی نے بہت سی باتیں آئندہ کی اشارات وکنایات میں
کہی ہیں کہ یہ ہوگا اور وہ ہوگا اُس میں اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ" اے بیت لحم
افراتاہ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں چھوٹا ہے لیکن میرے لئے ایک شخص
جو بنی اسرائیل میں سلطنت کرے گا اُس کا ہونا بہت قدیم زمانے سے
مقرر ہو چکا ہے تجھ میں سے نکلے گا" (کتاب میکاہ باب ۵۔ ۲) +

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی بھی حضرت مسیح کی ہے کیونکہ
جب ہیرود بادشاہ نے سردار کاہنوں اور یہودیوں کے فقیہوں کو جمع کرکے
پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا تو انہوں نے میکاہ نبی کی کتاب کی اس آیت پر
استدلال کرکے کہا کہ بیت لحم میں پیدا ہوگا (انجیل متی باب ۲۔ ۴ لغایت ۶)
اور چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بیت لحم میں پیدا ہوئے اور گو دنیاوی سلطنت

آن کو بنی اسرائیل پر نہیں ہوئی مگر سینٹ متی نے سلطنت کو روحانی سلطنت قرار دیا اور اس پیشین گوئی کو حضرت عیسےٰ کے ہونے کی پیشینگوئی ٹھیرایا ✦

حضرت ہوسیع نبی نے لغز و کنایہ میں کچھ فرماتے فرماتے یہ فرمایا کہ "جب اسرائیل بچہ تھا میں اس کو میں پیار کرتا تھا اور اپنے بیٹے کو میں نے مصر سے بلایا" (کتاب ہوسیع باب ۱۱-۱) ✦

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ بھی حضرت عیسےٰ کے متعلق بشارت ہے کیونکہ جب ہیرود نے حضرت عیسےٰ کے پیدا ہونے کے بعد اُن کے مار ڈالنے کے لئے اُن کی تلاش کی تو خداوند کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ "اٹھ اس لڑکے کو اور اس کی ماں کو لے کر مصر کو بھاگ جا" (متی باب ۲-۱۳ لغایت ۱۵) اور جونکہ ہیرود بادشاہ کے مرنے کے بعد حضرت عیسےٰ مصر سے واپس آتے تھے تو حضرت راستے ہی میں تھے تو سینٹ متی نے اس بشارت کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے متعلق کر دیا (متی باب ۲-۱۹ لغایت ۲۱) ✦

۴- حضرت یرمیاہ نبی نے بنی اسرائیل کی مصیبتوں کو بیان کرتے کرتے یہ فرمایا کہ "خداوند فرماتا ہے کہ رامہ میں ڈھاڑیں مار کر رونے اور نالہ کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے کہ راخیل اپنے بیٹوں کے لئے روتی ہے اور تسلی نہیں پاتی کیونکہ وہ نہیں ہیں" (کتاب یرمیاہ باب ۳۱-۱۵) ✦

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک بشارت حضرت عیسےٰ کے متعلق ہے کیونکہ جب حضرت عیسےٰ پیدا ہوئے تو ہیرود بادشاہ نے اس شبہ میں کہ کونسا بچہ ہے جو عیسےٰ ہوگا بیت لحم اور اس کی سرحدوں

کے سب لڑکوں کو جو دو برس کے اور اس سے چھوٹے تھے قتل کروایا۔"
(انجیل متی باب ۲-۱۶) +

اب سینٹ متی نے صرف اس قدر لگاؤ سے کہ ان بچوں کے مارے جانے سے راماہ میں رونا اور پیٹنا ہوا فرمایا کہ یہ پیشین گوئی حضرت عیسےٰ کے متعلق ہے (انجیل متی باب ۲-۱۷ و ۱۸) +

۵- حضرت اشعیاہ پیغمبر نے یہ بیان کرتے کہ "وہ اب بیت المقدس (اورشلیم) میں تکلیف باقی نہ رہے گی" یہ بھی فرمایا کہ "تنگی کی ظلمت جس میں زمین مبتلا ہوتی ہے باقی نہ رہے گی جس طرح کہ اگلے زمانے میں زبولان کی زمین اور نفتالی کی زمین کو حقیر کر کے آخرکار اسی طرح دریائے اردن (فرات) کے کنارے جلیل میں بڑے قبیلے ہونگے جو قوم کہ اندھیرے میں چلتی ہے نور عظیم دیکھے گی اور موت کے سائے کی زمین کے رہنے والوں پر ایک نور چمکے گا (کتاب اشعیاہ باب ۹-۱ و ۲) +

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہ بشارت بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ہے کیونکہ جب حضرت عیسےٰ نے سنا کہ حضرت یحییٰ پیغمبر گرفتار ہوگئے تو وہ جلیل کو چلے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں جو دریا کے کنارے زبولون اور نفتالی کی سرحد میں ہے جا رہے (متی باب ۴-۱۲ و ۱۳) +

سینٹ متی نے صرف اتنی بات پر کہ حضرت عیسےٰ دریا کے کنارے جا رہے تھے حضرت اشعیاہ نبی کے اس قول کو حضرت عیسےٰ کی بشارت قرار دیا۔ (انجیل متی باب ۴- ۱۴ لغایت ۱۶) +

۶- حضرت ملاکی نبی نے اسرائیل کو خدا کی عدول حکمی پر ملامت

کرتے کرتے یہ فرمایا۔ کہ "اب میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ کو تیار کرے گا اور جس خداوند کی تفحص میں ہو یعنے رسول کے عہد اور اس سے خوش ہو یکایک اپنی ہیکل میں آجاوے گا لشکروں کا خداوند فرماتا ہے کہ وہ اب آتا ہے" (کتاب ملاکی باب ۳-۱) +

اور جس وقت اشعیاہ نبی نے بنی اسرائیل اور بیت المقدس کو تسلی دی تو اس وقت یہ فرمایا کہ "پکارنے والا پکارتا ہے کہ بیابان میں خداوند کے لئے ایک راہ تیار کرو اور جنگل میں ایک شاہراہ میرے خدا کے لئے درست کرو (کتاب اشعیاہ باب ۴۰-۳) +

حضرت متی اور مارک اور لوک تینوں حواری اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں بشارتیں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی ہیں اس لئے کہ حضرت یحییٰ پیغمبر نے جب لوگوں کو اصطباغ دیا تو انہوں نے گویا حضرت عیسٰے کیلئے راہ بنائی اور حضرت یحییٰ یہ کہا کرتے تھے کہ "میرے بعد ایک اور آنے والا ہے جو مجھ سے بھی زیادہ قوی ہے" پس حضرت یحییٰ کا اصطباغ دینا تو راہ بنانا ہوگیا اور حضرت یحییٰ کا یہ کہنا کہ میرے بعد ایک اور آنے والا ہے پکارنے والی کی آواز ہو گئی اور وہ دونوں بشارتیں حضرت عیسٰے پر صادق آگئیں (متی باب ۳-۱ و ۲ و ۳ و ۱۱) انجیل مارک باب ۱-۲ و ۳ و ۴ و ۷ و ۸ انجیل لوک باب ۳-۲ لغایت ۱۴) +

ہم مسلمان حضرت یحییٰ ابن ذکریا علیہ السلام کو پیغمبر حق جانتے ہیں مگر یہودی اُن کو پیغمبر نہیں مانتے اور عہد عتیق میں اُن کا کچھ ذکر نہیں ہے اور نہ کوئی صحیفہ حضرت یحییٰ کا موجود ہے۔ پس جو اقوال حضرت یحییٰ کے انجیلوں میں مذکور ہیں وہ زبانی روایتوں سے لکھے گئے ہیں اور جن لوگوں سے انجیلوں کے لکھنے والوں نے وہ اقوال سنے اُن کا نام نہیں بتایا۔ عیسائی یقین کرتے ہیں کہ وہ سب روح القدس کی

تائید سے لکھا گیا ہے۔ جس کی صحت یقینی ہے۔ گر ہم مسلمان جس طرح کہ اپنے پیغمبر کے حواریین یعنے صحابہ و تابعین کے کلام کی سند چاہتے ہیں اُسی طرح حضرت عیسے علیہ السلام کے حواریوں کے کلام کو سند کا محتاج سمجھتے ہیں ورلانفرق بین احد من رسلہ ؕ

ان چند بشارتوں کے ذکر کرنے سے جن کو حواریوں نے حضرت عیسےٰ کی بشارتیں قرار دیا ہے ہمارے اس خطبے کے پڑھنے والے سمجھ جاویں گے۔ کہ انبیاء سابق نبی لاحق کی بشارت کیسے دھندلے لفظوں میں اور کیسے کنایہ اور اشارے سے گھم گھم ہیں دیتے تھے جس کا سمجھنا پہیلی اور معما اور چیستاں سے بھی زیادہ مشکل ہوتا تھا اور اب ہم اپنے پیغمبر خدا رسول اللہ کی بشارتیں بیان کرتے ہیں جن کو لوگ دیکھیں گے کہ وہ ان کی بہ نسبت کیسی صاف اور روشن ہیں ؕ

بشارات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توریت میں سے

بشارت اوّل

حضرت موسےٰ کی پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ نے
حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت یہ وعدہ کیا ہے ۔
اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے ۔

وَل یشمعیل شمعتیخا ھنه بیرختی اوتو و
ھفریتی اوتو وھربیتی اوتو بمئود مئود شنیم
عاسار نسیئم یولید و نتاتیو لگوی گادول ۔

وَیومیر الوھیم الابراھم ال یرع
بعینیخا عل ھنعر و عل اماتخا کل اشر توممر
الیخا سارہ شمع بقولہ کی بیصحق یقرا لیخا
زرع وگم ات بن ھاآمه لگوی اسیمنو کی زرعخا
ھو ۔

عربی ترجمہ

قد سمعت دعاك لاسمعيل وها نا باركته واثمرته و فضلته كثيرا كثيرا يولد اثني عشر خليفة واجعله جيلا كبيرا۔

وقال الله لابراهيم لا يضيق صدرك على المولد وعلى امتك كلما تقول لك سارة فاسمع لقولها فانه باسحق يدعى نسلك واجعل ابن الامة ايضا امة لانه نسلك۔

اردو ترجمہ

میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اُسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی اُس سے بارہ امام پیدا ہونگے اور اُس کو بڑی قوم کروں گا (توریت کتاب اول باب ۱۷۔ ۲۰) ۔

کہا اللہ نے ابراہیم سے تیری نظروں میں بُرا نہ معلوم ہو اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی وجہ سے جو کچھ تجھ سے سارہ کہے اُس کی بات مان سے کیونکہ اسحاق سے تیری نسل کہلائے گی اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم کروں گا کیونکہ وہ تیری نسل ہے (توریت کتاب اول باب ۲۱۔ ۱۲ و ۱۳) ۔

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح بشارت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کی برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس طرح پر پورا ہوا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کو جو اسمٰعیل کی اولاد سے تھے تمام دنیا کے لئے دنیا کے ختم ہونے تک نبی مقبول مقرر کیا ✤

جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسمٰعیل سے یہ عہد کیا تھا کہ اُس کی اولاد میں بارہ سردار پیدا ہوں گے - چنانچہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے پیدا ہوئے اور جس برکت دینے کا اسمٰعیل سے وعدہ ہوا تھا - وہ دنیاوی برکت تھی نہ روحانی ✤

مگر یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہو تی - ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم کرے گا کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں اول یہ کہ "میں نے اس کو برکت دی" دوم یہ کہ "اسے بارآور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی" سوم یہ کہ "اُس کو بڑی قوم کروں گا" پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ ان تینوں جدا جدا لفظوں کے ایک ہی معنے ہیں یعنے اولاد کا زیادہ ہونا ✤

جب کہ حضرت اسحٰق بیرشبع میں پہنچے تو خدا تعالےٰ نے خواب میں اُن سے یہ وعدہ کیا تھا کہ "تیرے باپ ابراہیم کا خدا ہوں تو مت ڈر میں تیرے ساتھ ہوں تجھ کو برکت دوں گا اور اپنے بندہ ابراہیم کے سبب تیری نسل کو بہت کروں گا" (توریت کتاب اول باب ۲۶ - ۳ - ۲۴) ✤

جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسمٰعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسمٰعیل کے وعدے میں استعمال ہوا اسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق [illegible] بھی بولا گیا - پس یہ کہنا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ [illegible] دنیاوی تھا اور اسحاق

سے جو وعدہ تھا وہ روحانی تھا*

ہم کو اس بات پر بھی غور کرنی چاہئے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ کیا تھا۔ توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کنعان میں پہنچے تو خدا نے اُن سے کہا کہ یہ زمین تیری اولاد کو دوں گا۔ (توریت کتاب اول باب ۱۲-۷) *

اور جب کہ حضرت لوط حضرت ابراہیم سے جُدا ہو گئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا کہ آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دوں گا اور تیری اولاد کو زمین کی ریت کی مانند کروں گا۔ جو کوئی ریت کے ذروں کو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکے گا۔ (توریت کتاب اول باب ۱۳-۱۴ و ۱۵ و ۱۶) *

پھر ایک دفعہ خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہو گی جتنے آسمان کے ستارے جن کو گن نہیں سکتا (توریت کتاب اول باب ۱۵-۵) *

پھر خدا نے ابراہیم سے ایک اور پختہ وعدہ کیا کہ یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دوں گا (توریت باب ۱۵-۱۸) *

اور جب کہ حضرت ابراہیم ضعیف تھا نوے برس کے ہو گئے تھے تب پھر خدا نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا کہ تجھ میں اور مجھ میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھ کو زیادہ سے زیادہ کروں گا۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہو گا۔ تجھ سے قومیں پیدا ہوں گی۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے اور تیری اولاد سے بھی یہ ہمیشہ کا عہد ہو گا اور کنعان کی زمین بہ وراثت دائمی تجھ کو دوں گا (توریت کتاب اوّل باب ۱۷-۱-۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸) *

یہ تو وعدے تھے جو خدا نے حضرت ابراہیم سے کئے تھے۔ اب ہم

دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحاق و یعقوب سے کیا وعدہ کیا تھا +

توریت میں لکھا ہے کہ جب یعقوب بیرسبع سے حاران کی جانب روانہ ہوئے تو ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھ کر سو رہے۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی ہے اور خدا کے فرشتے اس پر اترتے چڑھتے ہیں اس پر خدا نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا ہوں۔ یہ زمین جس پر تو سوتا ہے تجھ کو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کے ریت کی برابر ہو گی اور چاروں طرف پھیل جاوے گی (توریت کتاب اول باب ۲۸ ۔ ۱۲ و ۱۳ و ۱۴) +

یہ بات بھی زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے جو ابراہیم سے عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قایم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا عہد تھا۔ چنانچہ زبور داؤد میں خدا کا کلام اس طرح لکھا ہے کہ " وہ عہد جو میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحاق سے اُس کی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھ کو دیتا ہوں تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو (زبور ۱۰۵) ۹ و ۱۰ و ۱۱) +

اب دیکھو کہ اسی وعدے کا پورا کرنا خدا نے بتلایا۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسے مواب کے میدان سے نبو پہاڑ پر چڑھ کر یریحو کے سامنے ہے تو خدا نے موسے سے کہا کہ " یہ وہ زمین ہے جس کی نسبت میں نے بقسمیہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دوں گا۔ پس یہ زمین میں تجھ کو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر تو وہاں نہیں جانے کا " (توریت کتاب پنجم باب ۳۴ -۴) +

یہ تمام وعدے جو خدا نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ

گئے تھے ہم نے منتخب کرکے ہر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھ دئے ہیں اور اُس کے بعد ہم دو سوال کرتے ہیں اول یہ کہ جو وعدے خدا نے ابراہیم کی اولاد کے لئے کئے ہیں وہ وعدے اسمٰعیل اور اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جاتے ؛ حالانکہ خود خدا نے بھی کہا ہے کہ اسمٰعیل بھی ابراہیم کی اولاد ہے جیسا کہ باب ۲۱ آیت ۱۳ میں مذکور ہے ✤

دوسرا سوال ہمارا یہ ہے کہ جو وعدہ خدا نے اسحاق و یعقوب کی نسبت کیا تھا یعنے ملک کنعان دینے اور اولاد زیادہ کرنے کا اُس میں کیا ایسی چیز ہے جس سے وہ روحانی قسم کا سمجھا جاتا ہے اور جو وعدہ اسمٰعیل کی نسبت کیا تھا اُس میں کس چیز کی کمی ہے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاتا ہے ✤

جو لوگ کہ انصاف سے ان باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ بہ یقین جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا اُن کی اولاد میں انبیا پیدا ہوئے۔ ملک فتح کئے۔ کنعان بھی فتح کیا۔ اسمٰعیل سے بھی خدا نے برکت کا وعدہ کیا۔ اُس کی اولاد میں سب سے آخر ایک پیغمبر آخر الزمان پیدا کیا۔ تمام دنیا کو اس سے برکت دی۔ اسمٰعیل کی اولاد نے بھی ملک فتح کئے کنعان کو جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھ چلا گیا تھا پھر فتح کیا اور ابراہیم ہی کی نسل میں پھر اُس ورثہ کو لے آئے اور جب تک خدا کی مرضی ہے۔ وہ ابراہیم کا ورثہ اُن کے حصے میں رہے گا اگرچہ بقا سے اصلی صرف خدا کی ذات کو ہے ✤

الا کل شئ ما خلا اللہ زائل

بشارت دوم

خدا تعالےٰ نے حضرت موسےٰ کو بہت سے احکام بتلائے اس میں یہ بھی فرمایا۔

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

نَابِی مِقِرْبِخا مِآحِیخا کامولی یَاُقِیم لِخَا یِہُوَاہ الوہیخا الاوُتِشْمَاعُوْن : نَابِی اقِیم لاہِم مِقِرِبْ احیہم کَامُوخا وِنَتَّتِی دِبَارای بِفِیو وِدِبِّر الیہم اِث کُل اشِرّ اصَوُّنُو +

عربی ترجمہ

الھک الموجود یقیم لک نبیا من بینک من اخوتک مثلی لہ تسلمون : نبی من بین اخوتھم۔ اقیم لھم مثلک و القی کلامی بفیہ وکل ما آمرہ یقول لھم +

اردو ترجمہ

قایم کرے گا تیرا معبود موجود تیرے لئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھ سا۔ اس کو مانیو۔ ان کے بھائیوں میں سے نبی

تیرا ساقایم کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں دوں گا اور جو کچھ میں اُس سے کہوں گا وہ اُن سے کہہ دے گا (توریت کتاب پنجم باب ۱۸۔ ۱۵ و ۱۸) ✣

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور ایسی مستحکم بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ خدا نے حضرت موسےٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسےٰ کے مبعوث کرے گا اور کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں اور بنی اسمٰعیل میں بجز محمد رسول اللہ صلعم کے اور کوئی نبی نہیں ہوا اور اُس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ بشارت ہمارے ہی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی ✣

علاوہ اس کے ان آیتوں میں وہ لفظ ہیں جن پر غور کرنا چاہیئے۔ اول یہ کہ "اپنا کلام اُس کے منہ میں دونگا" دوم یہ کہ "مثل تیرے" یعنے موسےٰ کے ان دونو لفظوں کا مصداق سوائے محمد رسول اللہ صلعم کے اور کوئی نہیں ہے ✣

یہودی اور عیسائی دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاے بنی اسرائیل پر سوائے احکام عشرہ موسےٰ کے جو وحی آتی تھی اُس کے لفظ وہی نہیں ہیں جو توریت زبور و صحف انبیاء میں لکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ انبیاء کو صرف مطلب القاء ہوتا تھا اور پھر وہ اس کو اپنی زبان و محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اناجیل اربعہ جو اب معتمد اور قابل سند عیسائیوں میں تسلیم ہوتی ہیں اُن کے الفاظ تو وہ ہیں ہی نہیں جو حضرت عیسےٰ کی زبان مبارک سے نکلے تھے

کیونکہ حضرت عیسے کی عبرانی زبان تھی اور وہ انجیلیں یونانی میں تحریر ہوئی ہیں. ہاں البتہ قرآن مجید ایسا ہے کہ اس کے لفظ پیغمبر کے منہ میں رکھے گئے اور وہی لفظ پیغمبر نے لوگوں کو پڑھ کر سنائے۔ پس یہ الفاظ اس بشارت کے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں دونگا" سوائے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق ہی نہیں آتے +

اب دوسری بات پر غور کرو کہ حضرت موسے کی مانند کون سا پیغمبر ہوا ہے۔ بنی اسرائیل میں تو کوئی پیغمبر مثل حضرت موسے کے نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت عزیر پیغمبر نے جب توریت کو بعد قید بابل کے تحریر فرمایا تو اس میں یہ لکھا ہے کہ

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے :۔

ولُو قام نابی عود ببیر ایئل کموشه اشیر مدا عوئهوا یا نیم ال بانیم +

عربی ترجمہ

وما قام نبی وما بعد باسرائیل کموسی الذی عرف الله بالمشافهة +

اردو ترجمہ

اور پھر قایم نہ ہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسے کی مانند جس نے

پہچانا اللہ کو روبرو۔ (توریت کتاب پنجم باب ۳۴۔ ۱۰) +

پس اب بنی اسرائیل کے بھائیوں میں دیکھنا چاہیئے کہ کون پیغمبر ہُوا وہ بجز محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے۔ ہاں اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ وہ مثل حضرت موسےٰ کے ہیں یا نہیں۔ سو مفصلہ ذیل باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ہی ایسے پیغمبر ہیں جو مثل موسےٰ کے ہوئے ہیں۔

۱۔ حضرت موسےٰ نے اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کی۔ اسی طرح حضرت محمد کو بھی اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی +

۲۔ حضرت موسےٰ نے بھی ہجرت کرکے شہر یثرب میں جس کو اب مدینہ کہتے ہیں اور جو یثرون بانی شہر کے نام پر کہلاتا تھا پناہ لی۔ اسی طرح حضرت محمدؐ نے بھی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کرکے اُسی شہر مدینے میں پناہ لی +

۳۔ حضرت موسےٰ پر کلام خدا کا بلفظہ نازل ہُوا جو دس احکام ہیں۔ حضرت محمد پر بھی کلام خدا کا بلفظہ نازل ہُوا جو موجود ہے اور کلام اللہ کہلاتا ہے +

۴۔ حضرت موسےٰ کو بھی کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہُوا۔ حضرت محمد کو بھی وحدانیت خدا کے وعظ کرنے سے جو کافر مانع ہوں اُنسے جہاد کرنے کا حکم ہُوا۔ البتہ جہاد حضرت موسےٰ کا نہایت سخت قاتل خونریز تھا۔ اور حضرت محمد کا جہاد نہایت ملائم اور امن چاہنے والا اور امن دینے والا اور جانوروں کا بچانے والا تھا +

۵۔ حضرت موسےٰ نے اپنی متفرق اور پامال قوم کو مصر سے نکال کر ایک جا جمع کیا۔ حضرت محمدؐ نے بھی تمام متفرق اور مختلف عرب کی قوموں کو جو آپس میں نہایت دشمن اور کینہ ورتھیں جن کے باہم ہر سال خون کے نالے بہتے تھے اکھٹا کر دیا بلکہ ایک دل و یک جان کر دیا اور اس پر عمدہ بات یہ کہ سب کو ایک خداے واحد ذوالجلال کی پرستش کرنے والا کر دیا اور ایسا قوی کر دیا کہ کوئی اُس کے مقابل نہ تھا +

۶۔ حضرت موسےٰؑ نے ملک فتح کئے اور بنی اسرائیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قایم کی۔ حضرت محمدؐ نے بھی ملک فتح کئے اور بنی اسمٰعیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قایم کر دی۔ اگرچہ اتنا فرق ہے کہ حضرت موسےٰ کا اصلی مقصد بادشاہت قایم کرنی اور ملک کنعان پر قبضہ کرنے کا تھا اور حضرت محمدؐ کا مقصد دنیاوی بادشاہت کا نہ تھا اصلی مقصد کے ساتھ وہ بھی اتفاق سے قایم ہو گئی تاکہ توریت کی بشارت مثل موسےٰ کے پوری ہو جاوے +

۷۔ حضرت موسےٰ کو خدا تعالےٰ کی جانب سے شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنے توریت) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں۔ حضرت محمدؐ کو بھی شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنے قرآن) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں۔ اور غالباً کوئی اور پیغمبر سواے حضرت موسےٰؑ اور حضرت محمدؐ کے ایسا نہیں ہوا۔ جس کو ایسا قانونِ شریعت عطا ہوا ہو کیونکہ تمام انبیاے بنی اسرائیل اور خود حضرت عیسےٰ سب کے سب موسےٰ کی شریعت کے تابع تھے۔ کسی کو خاص شریعت عطا نہیں ہوئی تھی +

۸۔ عیسائی مصنفوں نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت محمدؐ مثل حضرت موسےٰ کے تھے۔ مسٹر رینان نے حضرت عیسےٰ کے حالات زندگی کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت موسےٰ اور حضرت محمدؐ صرف غور ہی کرنے والے اور سوچنے والے نہ تھے بلکہ وہ دونوں کام کرنے والے بھی تھے۔ اپنے ہم وطنوں اور ہمعصروں کے لئے کام تجویز کرتے تھے اور اسی کے ذریعے سے اُن دونوں نے انسانوں پر حکومت کی ۔

۹۔ کوارٹرلے ریویو نمبر ۲۵۴ میں جو آرٹیکل اسلام پر چھپا۔ اس آرٹیکل کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ حضرت محمدؐ کو اپنے وطن میں رہنا مشکل معلوم ہوا اور اس لئے اُنہوں نے ہجرت کی تاکہ کسی دوسرے مقام پر جاکر وعظ کریں جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسے اور اور نبیوں نے ہجرت کی تھی ۔

اُن کے پیروؤں نے اطاعت اور وفاداری کا وعدہ کیا اور جب یہ ہو چکا تو اُنہوں نے اُن میں سے بارہ آدمی منتخب کئے۔ حضرت عیسےٰ نے بھی بارہ حواری چنے۔ حضرت موسےٰ نے بھی بنی اسرائیل کی قوم سے اپنی نسبت زیادہ عمر کے لوگ منتخب کئے تھے ۔

سنہ ۱۰ ہجری میں اخیر مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چالیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور کوہ عرفات پر مثل حضرت موسےٰ کے اُن کو برکت دی اور اپنی اخیر نصیحتیں کیں اور خصوصاً یہ نصیحت فرمائی کہ کمزوروں اور مفلسوں اور عورتوں کو پناہ دو اور سود خوری سے پرہیز کرو ۔

آنحضرت نے بھی مثل حضرت موسےٰ کے اخیر مرتبہ مسلمانوں سے پوچھا

کہ میں نے کسی کا کچھ نقصان تو نہیں کیا اور کسی کا کچھ قرض تو مجھ پر نہیں ہے؟ انتہیٰ +

یہ سب تمثیلیں وہ تھیں جو کوارٹرلے ریویو میں لکھی ہیں۔ پس اب سوائے اُس کے جو براہ تعصب صاف اور روشن بشارت سے آنکھ بند کرلے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بشارت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے +

جو آیتیں توریت کی ہم نے اوپر بیان کی ہیں اُن میں سے ایک کے یہ الفاظ ہیں کہ " قایم کرے گا تیرا معبود جو تیرے لئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے " اس لفظ " تجھ میں سے " پر ہم نے خطبات احمدیہ میں جو انگریزی زبان میں چھپی ہے کچھ بحث نہیں کی تھی۔ سبب اس کا یہ تھا کہ دوسری آیت میں یہ لفظ نہیں تھا اور اُس میں نہایت صفائی سے بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنے بنی اسمٰعیل میں سے نبی مبعوث ہونا ظاہر تھا۔ اور جب کہ حضرت موسے کی پانچویں کتاب کے چونتیسویں باب کی دسویں آیت سے جو اوپر لکھی گئی صاف ثابت تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی مثل موسے کے نہیں ہوا تو صاف متیقن ہوگیا تھا کہ بنی اسمٰعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی ہیں نبی موعود ہونے والا تھا۔ مگر مولوی چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ بشارت مثل موسے میں اُس پر بحث کی ہے وہ ارقام فرماتے ہیں کہ لفظ " تجھ میں سے " اصل صحیح نسخہ توریت میں نہ تھا بلکہ کاتبوں کی غلطی سے یہ لفظ بڑھ گیا ہے اور اُس کے ثبوت پر نہایت مضبوط تین دلیلیں پیش کی ہیں +

اول۔ یہ کہ اسی آیت کو پطرس حواری نے اعمال حواریین میں

نقل کیا ہے اور اُس میں یہ فقرہ " مجھ میں سے " نہیں ہے +

دوسرے - یہ کہ استینان حواری نے بھی اس آیت کو نقل کیا ہے اُس میں بھی وہ فقرہ نہیں ہے +

تیسرے - یہ کہ توریت کے یونانی ترجمے میں جو سپٹواجنٹ کہلاتا ہے اور نہایت قدیم اور بہت معتبر ترجمہ ہے اُس میں بھی یہ فقرہ نہیں ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم صحیح نسخوں میں یہ الفاظ نہ تھے +

وہ یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں جو ضمیر واحد کی ہے وہاں اصل میں جمع کی تھی جیسے کہ اُن حواریوں کی تحریروں اور یونانی ترجمے سے پایا جاتا ہے +

ہم نے اس بحث کو جناب مولنا و بالفضل اولنا جناب مولوی عنایت رسول صاحب چڑیاکوٹی کے سامنے پیش کیا جو عبرانی زبان اور توریت مقدس کے بہت بڑے عالم ہیں اور غالباً ہم مسلمانوں میں آج تک عبرانی اور کالڈی زبان و توریت و زبور و صحف انبیاء کا ایسا کوئی عالم نہیں گذرا۔ جناب ممدوح نے فرمایا کہ ترجموں کی طرف ہم کو التجا لے جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور جب کہ یونانی ترجمہ توریت کا حضرت مسیح سے پیشتر ہو چکا تھا۔ تو حواریوں نے بھی غالباً اُسی ترجمہ سے نقل کیا ہوگا۔ تو پس گویا دلیل صرف ایک یونانی ترجمہ پر عود کرتی ہے اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ترجمے کے استدلال سے اصل متن پر کچھ الزام لگاویں مگر جن لفظوں پر بحث ہے وہ ہمارے مطلب کے بہت زیادہ مفید و مویّد ہیں +

آیت جس کے لفظوں پر بحث ہے یہ ہے کہ "قایم کرے گا تیرا معبود موعود تیرے لئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں مجھ سا۔ اُس کو مانیو" یہ قول حضرت موسےٰ کا ہے اور مخاطب اس کا کوئی شخص خاص نہیں ہے بلکہ کل قوم بنی اسرائیل ہے اور تمام قوم جو جنس واحد ہے اسی کی طرف ضمیر خطاب واحد کا استعمال کیا ہے ✣

اب اس مقام پر حضرت موسےٰ کو یہ بتانا تھا کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہونے کا بلکہ برادران بنی اسرائیل میں سے ہوگا پس اگر اس مقام پر صرف یہی کہا جاتا کہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا تو یہ بات بخوبی روشن نہوتی کہ بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا کیونکہ اگر قوم کو صرف یہ کہا جاوے کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا تو اُس وقت یہ احتمال کہ اسی قوم میں سے کوئی ہو زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے اولاً حضرت موسےٰ نے فرمایا کہ "تجھ میں سے" اور پھر اس کا بدل واقع ہوا "تیرے بھائیوں میں سے" تو اس سے صاف متیقن ہوگیا۔ کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا نہ بنی اسرائیل میں سے۔ پس اسی طرز کلام سے بنی اسرائیل میں سے اُس نبی موعود کے مبعوث ہونے کا احتمال بالکل زائل ہوجاتا ہے اور الفاظ کہ "تیرے بھائیوں میں سے" الفاظ "تجھ میں سے" کا بیان تصور نہیں ہوسکتے کیونکہ اگر مقصود یہ ہوتا کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل میں سے ہوگا تو خود الفاظ "تجھ میں سے" ہی زیادہ تر اس مطلب کا بیان کرتے تھے بہ نسبت الفاظ "تیرے بھائیوں میں سے" کے۔ پس کسی طرح یہ پچھلے الفاظ پہلے الفاظ کی تفسیر اور بیان نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وہ پہلے الفاظ کے بدل واقع ہوئے ہیں۔ جن سے اُس نبی موعود کا بنی اسمٰعیل سے ہونا متعین ہوجاتا ہے ✣

انقلس نے جو نہایت قدیم ترجمہ کالڈی زبان کا ہے اس مقام پر ترجمہ بصیغہ واحد کیا ہے یعنے بجاے اس کے کہ تیرے بھائیوں میں سے" اُس نے ترجمہ کیا ہے "تیرے بھائی میں سے" اس کا سبب یہ ہے کہ عبرانی میں جو لفظ "ماحیخا" ہے اُس کے حرف یا، کو اگر علامت اضافت سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ واحد ہونا چاہئے۔ اور اگر علامت جمع سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ جمع ہونا چاہئے۔ بہرحال ایک بڑے یہودی عالم کی یہ راے ہے کہ وہ حرف یا علامت اضافت ہے اور جب ترجمہ بصیغہ واحد ہو تو صاف بنی اسرائیل کے بھائی کوئی دوسری قوم ہونی چاہئے اور اس صورت میں بنی اسمٰعیل میں سے نبی موعود کا ہونا متعین ہوجاتا ہے۔ اور "ماحیخا" کا بجز بدل ہونے کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا *

مولوی چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ بشارت مثل موسےٰ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ کہنا کہ بموجب محاورہ توریت کے بھائیوں کے لفظ سے ہمیشہ بنی اسرائیل ہی مراد ہوتے ہیں محض غلط ہے۔ بلکہ کتاب استثنا باب ۲۳۔ ۸ میں بنی قطورہ پر اور کتاب استثناء باب ۲۔ ۴ و باب ۲۔ ۸ و باب ۲۳۔ ۸ و صحیفہ اشعیاہ باب ۲۰۔ ۱۴ و صحیفہ عبدیا آیت ۱۰ میں بنی عیشاؤ پر اور کتاب پیدائش باب ۱۶۔ ۱۲ و باب ۲۵۔ ۱۸ میں بنی اسمٰعیل پر لفظ بھائیوں کا بولا گیا ہے۔ اور جو کہ ان میں سے بجز اسمٰعیل کے اور کسی کو برکت نہیں دی گئی تھی اسلئے بنی اسمٰعیل ہی میں سے نبی موعود کا مبعوث ہونا متعین اور منحصر ہوگیا تھا *

بشارت سوم

حضرت موسے پیغمبر اور حضرت حبقوق نبی نے نبی عربی حجازی محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مبعوث ہونے کی اس طرح بشارت دی ہے ؛

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَیومِرْ یھوا مِسِّینَا بَا وِزَارَح مِسِّعِیر لامو ھو فیَع مِھرْ پَارَان وِ آتَا مِر بِبوث قُودش میمینو اِیش دات لامو ؛

اِلُوہ مِتِّیمان یَابُو وِقادُوش مِھَر پاران سلہ کیسّہ شماییم ھوْدُو وثِھلّا تُومَالِیئا ھاارِص ؛

عربی ترجمہ

وقال ان اللہ طلع من سینا۔ واشرق [illegible] من السعیر ومن جبل فاران تجلے۔ بیمینہ شریعۃ بیضاء بجنود الملائکۃ اتی۔ یاتے اللہ من جنوب والقدوس من جبل فاران۔ زین السموات الارض بحمد ملئان ؛

اردو ترجمہ

اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا (توریت کتاب پنجم باب ۳۳-۲) ٭

آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمانوں کو جمال سے چھپا دیا اس کی ستایش سے زمین بھر گئی اور (کتاب حبقوق باب ۳-۳) ٭

ان آیتوں میں جو کہ فاران سے خدا کا ظاہر ہونا اور شریعت کا اس کے ہاتھ میں ہونا بیان ہوا وہ علانیہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کے نازل ہونے کی کہ وہی شریعت ہے بشارت ہے ٭

یہ بات عرب کے قدیم جغرافیہ سے اور بڑے بڑے عالموں کی تحقیق اور تسلیم سے اور توریت کے محاورات سے بخوبی ثابت ہو گئی ہے کہ مکہ کے پہاڑوں کا نام فاران ہے۔ چنانچہ امر مذکورہ کے ثبوت کی کافی دلیلیں بیان کرتے ہیں۔

اکتوبر ۱۸۶۹ء کے کوارٹرلی ریویو میں اسلام پر ایک آرٹیکل چھپا ہے جو ایک بہت بڑے عالم یہودی زبان جاننے والے کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے صفحہ ۲۹۹ میں لکھا ہے کہ سٹیفر نے اُن خاص آیتوں کی جن میں سینا اور سعیر اور فاران کی بشارت

مذکور ہے اس طرح پر تشریح کی ہے کہ "خدا سینا سے نکلا" (یعنے عبرانی زبان میں شرع دی گئی (جس سے مراد توریت ہے) اور "سعیر سے چمکا" (یعنے یونانی زبان میں بھی شریعت دی گئی (جس سے مراد انجیل ہے اور مسلمان کل عیسائیوں کو رومی کہتے تھے) اور "فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اور اس کے ہاتھ میں شریعت روشن" (یعنے عربی زبان میں شریعت دی گئی (جس سے مراد قرآن مجید ہے) پس اس عالم کے قول سے ثابت ہے کہ فاران وہی جگہ ہے جہاں سے مذہب اسلام ظاہر ہوا یعنے حجاز یا مکۂ معظمہ ✤

چند سطروں کے بعد اسی آرٹیکل کا لکھنے والا پھر لکھتا ہے کہ "اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سینا اور سعیر اکثر بجائے اسرائیل اور عیسائی کے مستعمل ہوتے ہیں اور ادوم بجائے روم کے اور فاران تو صاف عرب کے لیے مستعمل ہے۔ صرف اس میں شبہ ہے کہ مکہ کے گرد کے پہاڑوں کا یہ نام ہے یا نہیں" مگر ہم اس شبہ کو بھی مٹا دیں گے اور قدیم جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت کر دیں گے کہ مکے کے گرد کے پہاڑ ہی فاران ہیں ✤

توریت کتاب اول باب ۲۱ آیت ۲۰ میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو اپنے پاس سے نکال دیا تو وہ دونوں بیرشبع کے بیابان میں پھرا کئے اور اسی باب کی اکیسویں آیت میں لکھا ہے کہ بیابان فاران میں ساکن ہوئے ✤

قرآن مجید سے بھی حضرت اسمٰعیل کی سکونت بیابان میں معلوم

ہوتی ہے - قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل کے اُس زمانے کی
سکونت کا ذکر ہے جب کہ حضرت ابراہیم اُن کے پاس آئے تھے -
اور خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے اُسی کے پاس حضرت اسمٰعیل کی سکونت
مستقل طور پر کر دی تھی - اور یہ بات توریت سے بھی پائی جاتی ہے
کہ پہلے حضرت اسمٰعیل بیابان میں خانہ بدوش تھے پھر بیابان فاران
میں سکونت اختیار کی +

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعا اس طرح پر مذکور ہے کہ "اے

اللھم انی اسکنت ذریتی	خدا میں نے اپنی اولاد میں سے
بواد غیر ذی زرع عند بیتک	تیرے بزرگ گھر کے پاس بن
المحرم - (قرآن) +	کھیتی کے میدان میں آباد کیا

ہے" لفظ "مدبر" جو توریت میں عبرانی زبان کا آیا ہے اور لفظ -
"واد غیر ذی زرع" جو قرآن مجید میں آیا ہے اُن دونوں کے
ایک ہی معنے ہیں - پس توریت مقدس اور قرآن مجید میں یہ بات تو متفق
ہے کہ حضرت اسمٰعیل وادی میں آباد ہوئے - مگر اُس وادی کے نام اور
مقام میں بحث باقی [illegible] توریت مقدس سے تو اس کا نام فاران
معلوم ہوا [illegible] مجید سے اُس کا مقام وہ معلوم ہوا جہاں کہ اب
کعبہ ہے اور اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ مکہ معظمہ جہاں کعبہ بنا ہوا ہے -
وادی فاران میں واقع ہے تو یہ امر بھی متفق علیہ ہو جاوے گا +

اب ہم اس بات سے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے یعنے کعبے کے
پاس حضرت اسمٰعیل کا آباد ہونا اُس سے قطع نظر کرتے ہیں اور جو
بات توریت میں ہے اور جس کو یہودی اور عیسائی دونوں تسلیم کرتے

ہیں اُسی کو مدار اپنے استدلال کا قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل وادی فاران میں ساکن ہوئے تھے ॥

اب ہم کو قدیم جغرافئے سے اس بات کی دریافت باقی رہی کہ حضرت اسمٰعیل کس جگہ آباد ہوئے تھے کیونکہ جو مقام ان کی سکونت کا ثابت ہو جاوے گا وہی وادی فاران ہوگا ॥

اس مطلب کے حل کرنے کے لئے تین سوال قابل غور ہیں :-

اول - یہ کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل اور ان کی ماں کو گھر سے نکال کر کس مقام پر چھوڑا ؟

دوم - یہ کہ حضرت اسمٰعیل اور ان کی ماں بیابان میں پھرنے کے بعد کس مقام پر آباد ہوئیں ؟

سوم - یہ کہ وہ اسی جگہ رہتی رہیں جہاں انہوں نے پہلی دفعہ سکونت اختیار کی تھی یا کسی اور مقام پر جا رہی تھیں ॥

قرآن مجید میں ان باتوں کا کچھ تذکرہ نہیں ہے لیکن چند روایتیں اور کچھ حدیثیں اس کے متعلق ہیں - حدیثوں کا جو اس معاملے سے متعلق ہیں یہ حال ہے کہ وہ کافی اعتبار کے لائق نہیں - اور نہ وہ مرفوع ہیں یعنے ان کی سند پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک نہیں ہے - پس وہ بھی مثل روایتوں کے نامعتبر ہیں - اور روایتیں تو کسی طرح قابل اعتبار کے ہیں ہی نہیں کیونکہ ان میں نہایت اختلاف ہے اور مختلف اوقات کے واقعات سب ایک جگہ گڈمڈ کر دئے ہیں پس پہلے سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اس سے زیادہ کچھ دریافت نہیں اور وہ یہ

ہے۔ کہ "حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو روٹیاں اور پانی کی ایک چھاگل دے کر نکال دیا اور وہ بیر شبع کے بیابان میں پھرا کیں" (توریت کتاب اول باب ۲۱ آیت ۱۶) +

دوسرے سوال کا جواب اُس مقام کی تحقیق کرنے پر منحصر ہے جہاں حضرت اسمٰعیل آباد ہوئے اور اُس مقام کی تحقیقات کا اس سے زیادہ عمدہ اور قابل اطمینان کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم پرانے جغرافیہ پر متوجہ ہوں اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد کے رہنے کے مکانات کے کھنڈروں کی تحقیقات کریں جہاں وہ ملیں وہی مقام سکونت حضرت اسمٰعیل کا ہوگا اور وہی مقام وادی فاران بھی ضرور ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بات مسلمہ ہے کہ وادی فاران میں آباد ہوئے تھے +

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے:۔ ۱۔ نبایوث ۔ ۲۔ قیدار ۔ ۳۔ ادبئیل ۔ ۴۔ مبسام ۔ ۵۔ مشماع ۔ ۶۔ دوما ۔ ۷۔ مسا ۔ ۸۔ حدر ۔ ۹۔ تیما ۔ ۱۰۔ یطور ۔ ۱۱۔ نافیس ۔ ۱۲۔ قیدماہ +

پہلا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نبایوث عرب کے شمال مغربی حصے میں آباد ہوا۔ ریورنڈ [illegible] بی کاری ایم ۔ اسے نے اپنے نقشے میں اُس کا [illegible] ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۶ و ۳۴ درجہ طول شرقی کے درمیان لگایا ہے +

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ نبایوث کی اولاد عربیا پیٹرا سے مشرق کی طرف عربیا ڈرزٹا تک اور جنوب کی طرف خلیج الاسک و حجاز تک پھیل گئی تھی +

اسٹرابو کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ نبایوت کی اولاد نے اس سے بھی زیادہ ملک گھیر لیا تھا اور مدینے تک اور بندر حورا اور بندر ینبوع تک جو بحر قلزم کے کنارے پر ہے اور مدینے سے جنوب مغرب میں واقع ہے ان کی عملداری ہو گئی تھی ❊

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوت کی اولاد صرف پتھریلے میدانوں میں نہیں پڑی رہی بلکہ حجاز اور نجد کے بڑے بڑے ضلعوں میں پھیل گئی ❊

ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ نبایوت کی اولاد عرب کے بہت بڑے حصے میں پھیل گئی ہو۔ اِلّا یہ بات کہ نبایوت کی سکونت اور اس کی اولاد کی سکونت عرب میں تھی بخوبی ثابت ہے ❊

دوسرا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدار نبایوت کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں۔ [illegible] زیادہ ثبوت اس کا حال کے جغرافیہ میں شہر الحدر اور منت سے پایا جاتا ہے جو [illegible] میں القیدار اور نبایوت ہیں۔ اہل عرب کی یہ روایت کہ [illegible]ار اور اس [illegible] اولاد حجاز میں آباد ہوئی۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عہد [illegible] قیدار کا مسکن عرب کے اسی حصے میں یعنے حجاز میں بیان ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ یورنیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں۔ کیڈری یعنے قیدری و رنی یعنے مخفف قیدری اور کڈورنائٹی یعنے قیداری

کربتی یعنے قبدری چنانچہ اس کا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں مندرج ہے۔ پس بخوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا ✤

ریورنڈ کارٹری پی کاری نے اپنے نقشے میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۸ درجہ عرض شمالی و ۳۶ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے ✤

تیسرا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا اوبئیل ہے۔ بموجب سند جوزیفس کے اوبئیل بھی اپنے ان دونوں بھائیوں کے ہمسائے میں آباد ہوا تھا ✤

چوتھا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا مبسام ہے مگر اس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا ✤

پانچواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا مشماع ہے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا یہ قیاس صحیح ہے کہ عبرانی میں جس کو مشماع لکھا ہے اسی کو یونانی ترجمہ سپٹو ایجنٹ میں مسما اور جوزیفس مساس و بطلیموس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا قریب نجد کے اولاً آباد ہوا [illegible] ✤

چھٹا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا دوماہ تھا۔ مشرقی اور مغربی جغرافیہ دان قبول کرتے ہیں کہ یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا۔ معجم البلدان میں

دومة الجـ[illegible] . قد جا[illegible] فی [illegible] الواقدی دوماه الجندل وعدها ابن السقفیة من اعمال المدینة سمیت بدوم ابن اسمعیل بن ابراھیم وقال الزجاجی دومان ابن

لکھا ہے کہ دومة الجندل کا نام واقدی کی حدیث میں دوماه الجند[illegible] ہے اور ابن سقفیہ نے اس کو اعمال مدینہ میں گنا ہے اس کا نام دوم [illegible]

اسمعیل وقیل کان لاسمعیل ولد اسمه دما ولعله مغیر منه وقال ابن الکلبی دوماه ابن اسمعیل قال ولما کثر ولد اسمعیل عم بالتهامة خرج دوماه بن اسمعیل حتی نزل موضع دوماه وبنی له حصنا فقیل دوماه ونضب الحصن الیه ... قال ابو عبید السکونی دومة جندل حصن وقری بین الشام و المدینة قرب جبل طے ... دومة من القریات من وادی القری -

(معجم البلدان)

اسمعیل ابن ابراہیم کے نام پر موسوم ہوا ہے اور زجاجی کا قول ہے کہ اسمعیل کے بیٹے کا نام دومان ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسمعیل کا ایک بیٹا تھا اُس کا نام دما تھا اور شاید اُس کے اصلی نام کو بگاڑ دیا ہے اور ابن کلبی کا قول ہے کہ دوماہ اسمعیل کا بیٹا تھا اور اسی کا قول ہے کہ جب تہامہ میں حضرت اسمعیل کی بہت سی اولاد ہو گئی تو دوماہ وہاں سے نکلا اور بمقام دومہ قیام کیا اور وہاں قلعہ بنایا اور اُس کا نام دوماہ اپنے نام پر رکھا اور ابو عبید سکونی کا قول ہے کہ [illegible] جندل قلعہ اور گاؤں شام اور مدینے کے درمیان میں [illegible] قریب [illegible] کے اور دوماہ وادی قری کے گاؤں میں سے ہے - ریورنڈ مسٹر فارسٹر [illegible] کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تک یہ ایک مشہور جگہ عرب میں موجود ہے +

ساتواں بیٹا حضرت اسمعیل کا مسا تھا - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں - کہ یہ بیٹا مسوپوٹیمیا میں آباد ہوا مگر یہ صحیح نہیں ہے - شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا اور

یمن کے کھنڈرات میں اب تک سبا کا نام لکھا ہے۔ ریورنڈ کارٹری پلی کاری نے اپنے نقشے میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجے اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۴ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قایم کیا ہے ۔

اسمٰعیل اور ان کی تمام اولاد اولاً حجاز میں تھی۔ بلاشبہ جب اولاد جوان ہوئی اور کثرت ہو گئی تب مختلف مقاموں میں جا کر سکونت اختیار کی۔ مگر عمدہ بات قابل غور یہ ہے کہ سب کا پتہ عرب ہی میں یا حجاز کے آس پاس پایا جاتا ہے ۔

آٹھواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا حدد تھا اور عہد عتیق میں حداد بھی اس کا نام ہے۔ یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام بتلا رہا ہے۔ اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اسی کے نام کو یاد دلاتی ہے۔ زہیری مورخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں ۔

نواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا تیما تھا۔ ان کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ [illegible] تک پہنچ گئے ۔

دسواں [illegible] حضرت اسمٰعیل کا یطور ہے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ اس کا مسکن جدور میں تھا جو جبل کبیر فی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے ۔

گیارھواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نافیش تھا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عربیا ڈزرٹا میں ان کی نسل اسی نام سے آباد تھی ۔

بارھواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدماہ تھا۔ انہوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے خیال کیا ہے کہ قیدماہ کاظمہ میں آباد ہوا تھا جو خلیج فارس پر ہے اور جس کا تذکرہ ابوالفدا نے کیا ہے۔ مگر یہ خیال اُن کا غلط ہے۔

مسعودی نے صاف لکھا ہے کہ اصحاب الرس اسمٰعیل کی اولاد

اصحاب الرس کانوامن	میں سے تھے اور دو قبیلے تھے۔
ولد اسمعیل وھم قبیلتان	ایک کو قدمان کہتے تھے اور دوسرے
یقال لاحدھما قدمان و	کو یامین اور بعضوں کے نزدیک
الاخری یامین وقیل رعویل	رعویل اور یہ یمن میں تھے ÷
وذلک بالیمن (مروج الذھب	
مسعودی) ÷	

اب اس تحقیقات سے جو جغرافیہ کی رُو سے نہایت قابل اطمینان کے ہے دو باتیں ثابت ہو گئیں۔ ایک یہ کہ حضرت اسمٰعیل اور اُن کی تمام اولاد عرب میں آباد ہوئی۔ دوسرے یہ کہ مرکز اس خاندان کی آبادی کا حجاز تھا جہاں [illegible] اولاد کا مسکن ہوا تھا۔ اور پھر اُس مرکز سے اور طرف عرب [illegible]۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت اسماعیل نے حجاز میں سکونت اختیار کی [illegible] اسی کا قدیم نام فاران ہے جو حضرت موسےٰ اور حضرت حبقوق نے اپنی بشارتوں میں بتایا ہے ÷

توریت ساری کا عربی ترجمہ جس کو آرکیپون نے ۱۸۱۱ء میں بمقام گلدونی نیا ورم چھاپا فاران کو حجاز بتلایا ہے۔ چنانچہ اُس ترجمہ

کی بعینہ یہ عبارت ہے۔

وسکن ببریہ قران (الحجاز) واخذت لہ امہ امرءۃ من ارض مصر (عربی ترجمہ توریتہ ساری) لفظ حجاز جو دو ہلالی خطوں میں ہے مترجم نے اسی طرح لکھا ہے۔

اگرچہ یہ بات نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ وادی حجاز اور وادئے فاران دونوں ایک ہیں اور اسمٰعیل کے خاندان کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اُس کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر باایں ہمہ عیسائی اُس کو تسلیم نہیں کرتے اور موقع فاران کی نسبت مفصلہ ذیل تین رائیں قرار دیتے ہیں +

اول۔ یہ کہ اُس وسیع میدان کو جو بیر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک پھیلا ہؤا ہے فاران کہتے ہیں اور اُس کی حد عموماً اس طرح پر قرار دیتے ہیں +

حد شمالی۔ کنعان — حد جنوبی۔ کوہ سینا

حد غربی۔ ملک مصر — حد شرقی۔ کوہ سعیر

اور کہتے ہیں کہ [illegible] بہت سی چھوٹی چھوٹی وادی علیحدہ علیحدہ بنا[illegible]ل ہیں۔ مثلاً شور۔ بیر شبع۔ ایتھان۔ سینا۔ سن۔ [illegible] ادیم وغیرہ +

دوسرے یہ کہ قادیش جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں [illegible] جس کا نام بیر شبع تھا اور فاران دونوں ایک ہیں +

تیسرے۔ یہ کہ فاران اُس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہے اور جہاں بہت سی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں

اور پرانی قبریں اور مینار یں وغیرہ اب تک موجود ہیں۔ مسٹر دپر کا بیان ہے کہ اس مقام پر ایک قصبہ تھا اگر چہ ملا حضرت عیسےٰ کے بعد پانچویں صدی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی اُن کا قول ہے کہ چوتھی صدی میں اس مقام پر عیسائی رہتے تھے۔ اور ایک بشپ بھی وہاں رہتا تھا؛

ہماری رائے میں یہ تینوں توجیہیں محض غلط ہیں اور کسی طرح توریت مقدس کے بیان کے مطابق نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم ان تینوں توجیہوں کی تردید کرتے ہیں؛

اگرچہ یہ تینوں توجیہیں نہایت مختصر تقریر سے رفع ہو سکتی ہیں کہ جب ان مقاموں میں حضرت اسمٰعیل یا اُن کی اولاد کے رہنے کا کوئی نشان تک نہیں ہے تو پھر کیونکر وہ مقام فاران تصور ہو سکتے ہیں۔ مگر ہم اس سے قطع نظر کر کے ہر ایک توجیہ کی جدا جدا تردید بیان کرینگے

توجیہ اوّل کی تردید

پہلی توجیہ کا منشا یہ ہے کہ فاران ایک [illegible] وادی ہے اور اس میں شور و سینا وغیرہ سب داخل ہیں۔ اس توجیہ کی تردید کے لئے توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کر دینی کافی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاران ایک مستقل اور جداگانہ وادی ہے اور وادیوں سے مل کر نہیں بنا ہے؛

۱۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۱ میں لکھا ہے "بنی اسرائیل

نے بیابان سینی سے کوچ کیا اور باول بیابان پاران میں ٹھیر گیا۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بیابان سینی ایک جدا بیابان اور پاران جدا بیابان ہے ؛

۲۔ توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ۶ میں لکھا ہے کہ "درکدلاعمر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحارا کے نزدیک ہے مارا" پس اس آیت سے ثابت ہے ۔کہ سعیر جدا ہے اور وادی پاران علیحدہ ہے ؛

۳۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۲ آیت ۱۶ و باب ۱۳ آیت ۳ میں لکھا ہے کہ "بنی اسرائیل حصیروت سے چلے اور بیابان فاران میں ٹھہرے اور وہاں سے زمین کنعان کی تلاش کو سرداران قوم روانہ کیئے" اس سے صاف ثابت ہے کہ حصیروت سے آگے فاران اور ان سب وادیوں سے علیحدہ وادی ہے ؛

۴۔ پھر اسی کتاب کے باب [illegible] آیت ۲۵ و ۲۶ میں لکھا ہے کہ "وہ سردار کنعان کو دیکھ کر پھرے تو بیابان فاران میں سے قادیش میں پہنچے" پس کنعان [illegible] وقت پہلے بیابان فاران پڑتا ہے اور [illegible] اور یہ بالکل ٹھیک ہے کیونکہ قادیش جہاں ابراہیم نے بیر شبع بنایا اور بیابان فاران باہم پیوستہ ہیں ۔قادیش شمالی سرحد فاران پر واقع ہے ؛

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے ۔کہ بیر شبع ابراہیم والا اور قادیش ایک ہیں ۔ اس لیئے کہ وہ قادیش میں بنایا گیا تھا اور اسحاق نے جو بیر شبع بنایا وہ علیحدہ اور قریب فلسطین کے واقع ہے ۔ ا[illegible]

کو علحدہ علحدہ خیال میں رکھنا ضرور ہے ❊

یہ دونوں آیتیں توریت اور کتاب حبقوق نبی کی جن میں ہمارے پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بشارتیں مندرج ہیں اور جن پر ہم بحث کر رہے ہیں ان سے بھی ظاہر ہے کہ فاران وسعیر سب علحدہ علحدہ مقام ہیں ❊

۵- کتاب اول سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۸ میں ہدد اور اس کے ہمراہیوں کے مصر میں جانے کے حال میں لکھا ہے کہ ”وہ مدیان سے نکلے اور فاران میں آئے اور وہاں سے آدمی ساتھ لے کر مصر کو گئے“ مدیان وہ شہر ہے جس کو عرب میں مدین کہتے تھے اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کی جانب ہے تبوک سے تخمیناً چھ منزل جانب جنوب واقع ہے اور یہ شہر عین وادئ فاران میں واقع تھا جو ٹھیک حجاز ہے - اس سے دو مطلب ایک حجاز اور وادئ فاران کا متحد ہونا دوسرے وادئ فاران کا ایک مستقل جدا وادی [illegible] ثابت ہوتے ہیں ❊

توجیہ دوسری

دوسری توجیہ یہ تھی کہ فاران اور وادی قادیش دونوں ایک ہیں - اس توجیہ کی تردید میں بھی توریت کی چند آیتیں لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہ دونوں الگ الگ متعدد ہیں ❊

۱- توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ۶ و ۷ میں لکھا ہے کہ ”کدرلاعمر [illegible] حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحرا کے نزدیک ہے

مارا اور وہاں سے پھر کر عین مشپاط میں جو قادیش ہے آئے" اس سے بخوبی ثابت ہے کہ پاران اور قادیش دونوں علیحدہ ہیں متحد نہیں +

۳- توریت کتاب چہارم باب ۱۳ آیت ۲۶ میں لکھا ہے کہ " وہ سردار جو حضرت موسے نے بھیجے تھے از طرف فاران قادیش میں پہنچے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیش و فاران جدا جدا دو مقام ہیں +

آیت جس کا ہم نے ذکر کیا اس کے ترجمے میں لوگوں نے کسی قدر غلطی کی ہے۔ اس لئے ہم اس آیت کو معہ ترجمہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں +

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَیَیلِخُو وَیَابُوُال مُوشِه وَاِلْ آهَارُونَ وَاِلْ کُلْ عَدَتْ بِنِی اِسْرَائِیل اِلْ مِدَ بَرْ پَارَانْ قَادِیشَه +

عربی ترجمہ

ورحلوا وجا[illegible]ھارون والی کل جماعة بنی اسرائیل [illegible] فاران بالقاد[illegible] +

اردو ترجمہ

اور کوچ کیا اور آئے موسے اور ہارون اور تمام جماعت بنی اسرائیل کی پاس طرف میدان فاران کے قادیش میں +

انقلاس نے اس مقام پر قادیش کو مقام نہیں خیال کیا بلکہ اس کے معنے نائل کے لئے ہیں۔ یعنے فاران میں واپس آئے بہ نیل مرام پس اگر یہ معنے لئے جاویں تو اس آیت سے قادیش اور فاران کے ایک ہونے پر کسی طرح استدلال نہیں ہو سکتا +

توجیہ سوم کی تردید

تیسری توجیہ یہ ہے کہ پاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے جہاں کھنڈرات بھی پائے گئے ہیں۔ یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے۔ ہم اس بیان کے وجود سے جو کوہ سینا کے نشیب میں واقع ہے انکار نہیں کر سکتے۔ مشرقی جغرافیہ دانوں کی تحریروں سے ثابت ہے کہ تین مقام فاران کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک کوہستان حجاز یعنے مکہ معظمہ اور ابو النصر بن قاسم بن قضاعۃ القضاعی [illegible] الاسکندری جو حجاز کا رہنے والا تھا وہ حجاز ہی کے رہنے کے سبب [illegible] فی کہلاتا تھا۔ دوسرا فاران کوہ طور یا سینا کے پاس تھا اور تیسرا فا[illegible] تھا چنانچہ یہ تفصیل کتاب مشترک یاقوت حموی میں لکھی ہے +

جو فاران کہ نواح سمرقند میں تھا وہ تو بحث سے خارج ہے۔ صرف [illegible] فاران سے بحث ہے جو کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے۔ مگر اس کی نسبت اس قدر اور تحقیقات کرنی باقی ہے کہ آیا اس مقام پر فاران حضرت ابراہیم کے بلکہ حضرت موسے کے وقت میں تھا یا نہیں۔ اور [illegible] کی وادی ہے جس کا ذکر توریت میں ہے اور جہاں بیرشبع کے بیابان

میں پیدا ہونے کے بعد حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ نے قیام کیا تھا۔ اور یہ وہی مقام ہے جہاں اسمٰعیل کی اولاد آباد ہوئی۔ ان باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے جیسا کہ اگلی بحثوں میں بیان ہو چکا۔ مگر با ایں ہمہ جو دلیلیں عیسائیوں نے اس فاران کی نسبت لکھی ہیں اور جس کو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ایک نہایت عمدگی اور غور سے جمع کر دیا ہے ہم ان سب کی ہم تردید بیان کرتے ہیں تاکہ بحث بخوبی پوری ہو جاوے ٭

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ ورتوریت کتاب اول باب ۲۵ ورس ۱۸ میں لکھا ہے "کہ اسمٰعیل کی اولاد حویلاہ سے شور تک جو اشور کو جاتے ہوئے مصر کے برابر پڑتا ہے آباد ہوئی" اس آیت کو لکھ کر وہ کہتے ہیں کہ "اقرار خدا کا پورا ہو گیا کہ بنی اسمٰعیل شور سے حویلاہ تک یعنے عرب میں مصر کے کنارے سے دریائے فرات کے موہانہ تک پھیل گئے ٭

پہلی غلطی اس مصنف کی یہ ہے [illegible] حویلاہ کو دریائے فرات کے موہانہ پر قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ مقام [illegible] کا بانی حویلاہ ہے اور جس کا نام توریت کتاب اول [illegible] آیا ہے یمن کے قریب واقع ہے۔ چنانچہ [illegible] پی کاری [illegible] م۔ اے کے نقشے میں ہم اس کا نشان ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۲ درجہ ۳۰ دقیقہ طول شرقی پر لگایا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ٭

دوسری غلطی اس مصنف کی یہ ہے کہ وہ شور کو عربیا پیٹریا کے مغرب میں بتاتے ہیں اور یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ شور کے بیابان سے وہ وسیع میدان بتایا جاتا ہے جو سوریا کے جنوب سے مصر تک پھیلا ہوا ہے ٭

توریت کی جس آیت کا ریورنڈ مسٹر فاسٹر نے ذکر کیا یعنے کتاب اول
باب ۲۵ آیت ۱۸ اُس میں دو لفظ ہیں شور اشورہ اور کسی نام کے ساتھ
لفظ بیابان کا نہیں ہے شور کا نام حال میں سرا ہے اور کچھ شک کا
مقام نہیں ہو سکتا کہ حال کا نام اشورہ کا اُس سرا ہے پس صاف
ظاہر ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد اس قطعہ زمین میں آباد ہوئی جو مین کی شمالی
سرحد سے سرا کی جنوبی سرحد تک ہے - اور یہی امر مطابق واقع کے
بھی ہے اور توریت مقدس کے بیان کے بھی مطابق ہے اور اسی مقام میں اسمٰعیل کی اولاد کی
آبادیوں کے نشان ملتے ہیں اور یہی ٹکڑہ زمین کا حجاز کہلاتا ہے اور اسی کا قدیم نام فاران
تھا اور یہ ہمارا بیان اس بات سے اور زیادہ صحیح ہو جاتا ہے کہ جو مسافر وہاں سے اس سمت
کو جاتا ہے تو ٹھیک مصر سامنے ہوتا ہے جیسا کہ توریت مقدس میں لکھا ہے ✦

ریورنڈ مسٹر فاسٹر سینٹ پال کے خط سے جو گلیشین کے نام لکھا
تھا ایک نیا نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ سینا اور ہاجر متحد ہیں - مگر یہ بھی سراسر
غلطی ہے - ہم سینٹ پال کے [illegible] وہ عبارت لکھتے ہیں اور پھر اس کا
مطلب بیان کر کے ریورنڈ مسٹر فا[illegible] کی غلطی بتاتے ہیں ✦

سینٹ پال کے خط کی یہ عبار[illegible]ت کے تابع ہوا چاہتے
ہو کیا تم نہیں سنتے کہ شریعت کیا [illegible]ی ہے - یہ [illegible]ہام کے
دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا بیوی سے جو لونڈی سے تھا -
[illegible] طور پر پیدا ہوا جو بیوی سے تھا سو وعدہ کے طور پر پیدا ہوا - یہ
باتیں تمثیلیں ہیں اس لئے کہ یہ دو عہد ہیں - ایک تو سینا پہاڑ سے جس
سے نرے غلام پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہاجرہ ہے - کیونکہ ہاجرہ عرب
کا کوہ سینا اور یہاں کے یروشلم کا جواب ہے جو اپنے لڑکوں کے ساتھ

غلامی میں ہے۔ پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے سو یہی ہم سب کی ماں ہے "
(نامہ سینٹ پال بنام گلیشین باب ۴ آیت ۲ لغایت ۲۶) +

اس مقام پر جو یہ لفظ آیا ہے کہ "یہ ہاجرہ ہے" اس سے اس بات پر کہ کوہ سینا اور ہاجرہ ایک ہے استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس مقام پر امر مذکور بیان نہیں ہوا بلکہ سارا بیان بطور تمثیل کے ہے +

سینٹ پال اُن لوگوں کو جنہوں نے صرف ظاہری احکام شریعت کی پابندی اختیار کی تھی اور اُس کے نتیجہ یعنے روحانی نیکی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اُن کو نصیحت کرتے ہیں۔ یہ بات یہودیوں میں مشہور تھی کہ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ ایک حضرت اسمٰعیل لونڈی سے (گو کہ یہ امر غلط ہے مگر یہ مقام اس کی بحث کا نہیں ہے) دوسرے حضرت اسحاق بیوی سے۔ اور یہ بھی مشہور تھا کہ حضرت اسمٰعیل تو جسمانی ہیں اور حضرت اسحاق روحانی جو بموجب وعدے کے پیدا ہوئے ہیں۔ اب سینٹ پال حضرت اسحاق کی اولاد یعنے بنی اسرائیل کا بھی جسمانی ہونا اور صرف عیسائیوں کا روحانی بیٹا ہونا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس لئے کہتے ہیں۔ کہ جسمانی اور روحانی ہونا [illegible] حقیقت میں یہ دو عہد ہیں۔ اب وہ کہتے ہیں [illegible] کوہ سینا [illegible] ہے۔ جس سے بنی اسرائیل اسحٰق کی اولاد مراد [illegible]۔ مگر اس عہد سے بھی غلام ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنے صرف ظاہری شریعت میں پڑے ہوئے۔ اب وہ یہ کہتے ہیں کہ [illegible] ہاجرہ " ہے " یعنے یہی معنے لونڈی کی اولاد ہونا ہے اور اس کی دلیل میں بیان کرتے ہیں کہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور یروشلم کا جواب ہے جو یعنے یروشلم اپنے لڑکوں یعنے بنی اسرائیل کے ساتھ غلامی میں

ہے۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ روحانی یروشلم کا ہم کو بیٹا ہونا چاہئے اور مثل لونڈی کی اولاد کے غلامی کی حالت کو چھوڑ دینا چاہئے۔ پس اس مقام سے ہاجرا اور کوہ سینا کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کوہ سینا سے علیحدہ عرب میں (حجاز) میں تھیں جن کو تمثیلاً عرب کا سینا بیان کیا ہے اور یروشلم کا مقابل +

روورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اول تواریخ ایام کی آیت ۹ و ۱۰ کی سند پر بیان کرتے ہیں کہ ہگری یعنے بنی ہاجرہ کنارہ دریائے فرات زمین گلعاد میں ساکن تھے اور وہاں چند آبادیوں کے ایسے نام بھی تلاش کئے ہیں جو بنی اسمٰعیل کے ناموں کے مشابہ یا مطابق ہیں +

مگر اس کہنے سے کیا فائدہ ہے۔ بلاشبہ زمانے کے دور میں بنی اسمٰعیل حجاز میں سے نکلے اور تمام عرب میں خلیج فارس تک پھیل گئے۔ فاران کی تحقیقات میں اس مقام کو تلاش کرنا چاہئے جہاں حضرت اسمٰعیل آباد ہوئے سو وہ ثابت ہو گیا کہ حجاز میں اور مکہ کے آباد ہوئے۔ پس وہی مقام فاران کا ہے۔ بعد کو وہ کتنی دور تک ملک [illegible] میں پھیل گئے ہوں اس سے کچھ بحث نہیں ہے +

جو فاران کوہ سینا کے مغربی [illegible] میں ہے [illegible] کے کھنڈرات ملے ہیں وہ توریت کا فاران نہیں ہے اور حضرت موسٰے کے زمانے تک آسر [illegible] جو دنہ تھا۔ حضرت موسٰے جب مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور انہوں نے بحر احمر کی غربی شاخ کی نوک کو پار کیا جس کے پانی کو بسبب سمندر کے جزر کے خدا نے ہٹا دیا تھا شور کے جنگل میں پہنچے اور جب اس کے جنگل کو طے کیا اور رافیدیم میں مقام ہوا تو وہاں

عمالیق آئے اور موسےٰ سے لڑے - چنانچہ یہ سب حال توریت کتاب دوم باب ۱۷ آیت ۸ لغایت ۱۳ میں مندرج ہے - ان آیتوں میں جو یہ لفظ مندرج ہیں کہ "عمالیق آن کر لڑے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمالیق افیدیم کے باشندے نہ تھے اور کیونکر ہو سکتے تھے - کیونکہ وہ مقام محض بے آب تھا - مگر اس مقام پر اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ افیدیم کوہ سینا کے مغرب میں یعنے شرقی مصر میں واقع ہے ❊

اب یہاں سے حضرت موسےٰ مشرق کی طرف یعنے کوہ سینا کی طرف چلے اور بیابان کوہ سینا میں پہنچ گئے اور اس سفر میں وہ مقام فاران جسکا غربی کوہ سینا میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے گذر گیا اور حضرت موسےٰ نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ❊

اب بنی اسرائیل کوہ سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے - اس راہ میں حضرت موسےٰ فرماتے ہیں کہ "بنی اسرائیل بیابان سے نکلے اور بادل بیابان فاران میں ٹھیر گیا (توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۲) ❊

پس اب بخوبی [illegible] کے وقت میں بیابان فاران جانب [illegible] شرق کوہ سینا کے [illegible] تھا جو قریب قادیش کے واقع ہے اور وہی بیابان حجاز کا ہے نہ غربی نشیب کوہ سینا کے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب العاربہ کی ایک قوم جو اولاد میں فاران بن عوف [illegible] کے تھی اور جو بنی فاران کے نام سے کہلاتی تھی کسی زمانے میں وہاں جا کر بسی ہوگی اور اس سبب سے وہ مقام فاران مشہور ہو گیا ہوگا - مگر وہ فاران ہرگز وہ فاران نہیں ہے جس کا ذکر توریت میں ہے ❊

تمام مشرقی مورخ اور جغرافیہ دان اسبات پر متفق ہیں کہ جو کوہستان حجاز میں واقع ہیں وہی فاران ہیں۔ ان کے اس قول کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ حمیر جو عرب کا بادشاہ تھا اس کا بیٹا عوف تھا جو نجد میں تھا اور جس کے نام سے کوہستان نجد معروف ہیں جیسا کہ کتاب مراصد الاطلاع علے اسماء الامکنۃ والبقاع میں لکھا ہے اور تاریخ ابو الفدا سے ثابت ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا اور نہایت قیاس غالب ہے کہ متصل نجد کے جو زمین و کوہستان حجاز کے واقع ہیں وہ اس فاران کے نام سے موسوم ہوئے مگر جو کہ اس مقام پر ایک ادنا ہی اور متبرک چیز یعنے کعبہ معظمہ قایم ہو گیا اس سبب سے بجاے پہلے نام فاران کے مکہ یا کعبہ کا نام مشہور ہو گیا۔ فاران سنہ [illegible] دنیوی میں تھا [illegible] حضرت موسے سے ۴۵۳ برس پیشتر۔ پس اسی فاران کا نام حضرت [illegible] کی کتاب میں آیا ہے۔ جہاں سے شریعت کے ظاہر ہونے اور [illegible] دی گئی تھی۔ جو خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلے [illegible] علیہ وسلم کے [illegible] نے اور قرآن مجید کے نازل ہونے سے پوری ہوئی ٭

عوف بفتح اوله وسكون ثانيه وآخره فاء جبل بنجد ... وعوق بالفتح ارض في ديار غطفان بين نجد وخيبر (مراصد الاطلاع) ٭

اب باقی رہ گیا تیسرا سوال اور وہ یہ تھا کہ حضرت اسمٰعیل جہاں رہتے تھے وہاں سے کسی دوسری جگہ تو نہیں گئے۔ اس بات کو کوئی بھی مورخ کیا عیسائی اور کیا مسلمان نہیں بیان کرتا کہ حضرت اسمٰعیل نے مقام سکونت [illegible] کیا تھا۔ پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہی ملک حجاز یہاں حضرت

اسمٰعیل نے اول سے اخیر تک سکونت اختیار کی تھی فاران ہے جس کا ذکر حضرت موسےٰ کی کتاب میں آیا ہے ۞

بشارت چہارم

حضرت سلیمان اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور جب نہیں مل سکتے تو خدا تعالےٰ کی مناجات، اور اپنے محبوب کی تعریف اس طرح پر کرتے ہیں ۞

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

دُودِی صَح وِ اَدُوم دَگُول مِیرَبَابَه رُوشُو کِیتِم پَا
زِقِصُوتَاو تَلتَلِیم شِحُورُوت کَئُورِیب عِینَاو کِیُونِیم
عَلْ افِیقِی رُحَصُوت بِحَالَاب یُوشِبُوث عَلْ مِیلِیث
لِحَایَاو کَعَرُوغَت هَبُو[illegible]م مِغدِل لُوث مِرقَاحِیم :
سِفتُوتَاو شُوشَنِیم [illegible]فُوت مُور عُوبِیر
یَادَاو گَلِیلِی [illegible] [illegible]آئِیم بَترشِیش
مِعَاو [illegible] [illegible]ین مِعُلِّ[illegible]ت سَپِّیرِیم شُوقَاو
عَمُّودِی شِیش مِیُسَّادِیم عَلْ آدنِی پَاز مَرئِیهُو
کَلبَانُون بَاحُور کَارَازِیم : حِکُّو مَمتَقِیم وِ[illegible]
مُحَمَّدِیم زِه دُودِی وِزِه رِعِی بِنُوت یِرُو
شَلَایِم ۞

عربی ترجمہ

جیبی ضم ادمات سید بین الالاف قصته متلتلة
حالك كالغراب راسه لامعة الالماس عيونه كحامة
على عين الماء معسوله بالحليب قائمة الخنيتام عذاره
صلاية الطيب كمعرج البشام شفتناه ورد تقطر مسرا
بطنه صحيفة العاج مرصص بالدرر يداه مصوغتان
من الذهب مملوتان بالجوهر سيقاته اعمدة الرخام
موسسة على قواعد الذهب صورته مثل لبنان كالصنوبر
حنكه حلو وكله مشتهى هذا خليلي وذا حبيبي بنات
اورشليم ✤

اردو ترجمہ

میرا دوست نورانی گندم گون ہزاروں میں [illegible] اس کا سر
ہیرے کا سا چمک دار ہے۔ اس کی زلفیں مسلسل اور کوے کی سی کالی
ہیں اس کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے پانی کے کنڈل پر کبوتر دودھ
میں دھلی ہوئی نگینے کی مانند جڑی ہیں اس کے رخسارے ایسے ہیں
جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی اور چمکے پر خوشبودار گری ہوئی
اس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکتی ہے آگے

ہاتھ ہیں سونے سے ڈھلے ہوئے اور جواہر سے جڑے ہوئے اُس کا
پیٹ جیسے ہاتھی دانت کی تختی جواہر سے لپی ہوئی اُس کی پنڈلیاں
ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے
اُس کا چہرہ مانند مہتاب کے جوان مانند صنوبر کے اس کا گلا نہایت
شیریں اور وہ بالکل محمدؐ یعنے تعریف کیا گیا ہے یہ ہے میرا دوست
اور میرا محبوب اے بیٹیوں یروشلیم کی (کتاب تسبیحات سلیمان باب ۵
آیت ۱۰ لغایت ۱۶) ✤

اگرچہ اس مقام پر حضرت سلیمان نے خدا کی تسبیح میں گیت گایا
ہے اور اُس کی مناجات کی ہے مگر ضرور وہ ایک کسی بڑے شخص قابل
تعظیم وادب کے آنے کے متوقع ہیں اور اُس کی بشارت دیتے ہیں
اور اُسی کو اپنا محبوب بناتے ہیں اور اپنے محبوب کی شاعرانہ تعریف
کرتے ہیں اور پھر صاف بتاتے ہیں کہ وہ میرا محبوب (محمد) ہے
صلے اللہ علیہ وسلم ✤

محمد کے معنے تعریف کئے گ[illegible]کے ہیں پس حضرت سلیمان نے
اپنی مناجات میں ا[illegible]کرتے کرتے اُس کا نام ہی
لے دیا کہ اگر [illegible]معنے لو تو وہ [illegible] ایک لفظ تعریف ہے ورنہ وہ
صاف صاف نام تو ہے ہی ✤

یہ مقام ایسا ہے جس میں صاف نام محمد صلے اللہ علیہ و[illegible] بتا
دیا گیا ہے مگر ہمارے خطبے کے پڑھنے والوں کے دل میں شبہ جائیگا
کہ اگر یہ نام بتانا تھا تو محمد کہا ہوتا محمدیم کیوں کہا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی
چاہئے کہ عبرانی زبان میں یے اور میم علامت جمع کی ہے اور جیسے کوئی

بڑے قدر کا شخص اور عظیم الشان ہوتا ہے تو اس کے اسم کو بھی جمع بنا لیتے ہیں جیسا کہ خدا کا نام الوہ ہے اس کی جمع الوھیم بنالی ہے اور اسی طرح بعل جو ایک بت کا نام تھا جس کو نہایت عظیم الشان سمجھتے تھے اس کی جمع بعلیم بنالی تھی اور یہی قاعدہ اسم استروث میں لگایا گیا ہے جو دوسرے بت کا نام ہے پس اسی طرح اس مقام پر بھی حضرت سلیمان نے بہ سبب ذی قدر اور عظیم الشان ہونے اپنے محبوب کے اس کے نام کو بھی صیغہ جمع کی صورت میں بیان کیا ہے اور سچ ہے محمد سے زیادہ کون شخص محمدیم کہلانے کا مستحق ہے پس یہ ایسی بشارت ہے جس میں صاف صاف نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا بتایا گیا ہے ؏

بشارت پنجم

حجی نبی ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی اس طرح بشارت دیتے ہیں

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے

وھِرعَشْتِی اِتْ کُلْ ھَلُوییمْ وبَاؤُ حِمْدَتْ کُل ھَگُوییمْ ومِلَّتِی اِتْ ھَبَّایِتْ ھَزِّہ کَابُوْدْ امرْیھوا صِبَاؤُتْ ؏

عربی ترجمہ

وازلزل الامم کلہا ویأتی حمدہ جمیع الامم واملاء هذا البیت مجدا قال رب الخلایق +

اردو ترجمہ

سب قوموں کو ہلا دوں گا اور حمد سب قوموں کا آوے گا اور اس گھر کو بزرگی سے بھروں گا کہا خداوند خلایق نے (کتاب حجی نبی باب ۲ آیت ۷) +

اس آیت میں لفظ (حمدث) جو آیا ہے اس سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بشارت نکلتی ہے [illegible] یورنڈ مسٹر پارک ہرسٹ حمد کے مادے کی نسبت کہتے ہیں کہ " [illegible] کی پاک چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے " اسی ما[illegible] حامد اور محمود ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ [illegible] کے نام مبارک [illegible] ہیں اور اس بشارت میں لفظ حمدث کے کہنے سے صاف اشارہ ہے کہ جس شخص کے مبعوث ہونے کی اس میں بشارت ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اس کا نام حمد [illegible] سے مشتق ہے اور وہ کوئی نہیں سوائے محمد مصطفے احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے +

عیسائی مذہب کے پادری خیال کرتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت [illegible]

عیسےٰ کے مبعوث ہونے کی ہے مگر یہ خیال دو وجہ سے صحیح نہیں اول
اس لئے کہ حضرت متی نے جس قدر بشارتیں عہد عتیق میں حضرت
عیسےٰ کی کی ہیں اُن سب کو بالتفصیل اپنی انجیل میں لکھا ہے کیونکہ وہ
انجیل عبرانی زبان میں یہودیوں کی ہدایت کے لئے لکھی گئی تھی اور
اسی سبب سے تمام بشارتیں جو توریت وزبور و صحف انبیا میں حضرت
عیسےٰ کی نسبت تھیں اُن سب کو حضرت متی نے لکھا تھا مگر اس بشارت
کا ذکر حضرت متی نے نہیں کیا اگر یہ بشارت حضرت عیسےٰ سے متعلق
ہوتی تو ضرور حضرت متی اُس کا ذکر کرتے +

دوسرے یہ کہ حمد کے مادہ سے حضرت عیسےٰ کے نام پر کسی طرح
اشارہ نہیں ہوسکتا بلکہ یہ اشارہ خاص اُسی شخص کے نام کا ہے جسکا
نام اسی مادہ سے مشتق ہوا ہے اور اس لئے بشارت حضرت عیسےٰ کی نہیں
ہے بلکہ اُس کی بشارت ہے جس کی نسبت حضرت عیسےٰ نے بشارت
دی تھی کہ ”یاتی من بعدی اسمہٗ احمد +

گاڈفری ہیگنس نے بھی اپنی کتاب میں استدلال قول ریورنڈ
پارک ہرسٹ صاحب کے لکھا [illegible] ت عیسےٰ کی نہیں
ہوسکتی بلکہ اُس شخص کی ہے جس کے آنے کی خبر [illegible] حضرت
عیسےٰ نے دی تھی +

بشارت ششم

حضرت اشعیاہ نبی کی رو سے اُن لوگوں کا ذکر جو خدا کی یکی

پرستش از سر نو قایم کریں گے اس طرح پر کرتے ہیں +

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَرَاٰئَا رِخْب صِمِدْ پَارَ شِیمْ رِخِب حَمُور رِخِب گَامَالْ

وِهِقْشِیْب قِشِب رَبْ قَاشِب +

عربی ترجمہ

ورائی امرکب الفارسین راکب حمار راکب جمل و

المقنت التفا تا جیدا +

اردو ترجمہ

اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی [illegible] سوار گدھے کا اور ایک سوار

اونٹ کا اور خوب متوجہ ہوا (کتاب اشع[illegible] نبی باب ۲۱ و آیت ۷) +

اس آیت میں [illegible] نے دو شخصوں کی طرف اشارہ

کیا ہے جو خدا [illegible] پرستش از سر نو [illegible] کریں گے اُن میں سے ایک

کو گدھے کی سواری کے نشان سے بتلایا ہے اور اس میں کچھ شک

نہیں ہے کہ اس سے حضرت عیسےٰ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ [illegible]

ممدوح گدھے پر سوار ہو کر یروشلیم (بیت المقدس) میں داخل ہوئے

تھے اور بلاشبہ حضرت عیسےٰ نے خدا کی سچی پرستش قایم کی اور یہودیوں

نے جو مکاری اور دغابازی سے شریعت کے صرف ظاہری احکام [illegible]

ریاکاری سے پابندی اختیار کی تھی اور دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو
بالکل چھوڑ دیا تھا اُس کو بتایا اور سچی پرستش خدا کی قایم کی +

دوسرے شخص کو اونٹ کی سواری کے نشان سے بتلایا اور اُس
میں کچھ شبہ نہیں کہ اس سے حضرت محمد رسول اللہ کی طرف اشارہ
ہے جو عرب کی خاص سواری ہے بچے سے بوڑھے تک اور عالم سے
جاہل تک جس سے چاہو پوچھو اونٹ کا نام لیتے ہی عرب کا اشارہ
سمجھ جاوے گا - اور جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے میں داخل
ہوئے تو اونٹ پر سوار تھے اور بلاشبہ محمد رسول اللہ نے خدائے واحد
کی پرستش قایم کی حضرت عیسے کے بعد جو لوگوں نے حضرت عیسے کو
خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قایم کیے پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا اور
خدائے واحد کی پرستش میں خلل آگیا تھا اُس کو مٹایا اور پھر سے
خدا کی سچی پرستش قایم کی اور یوں فرمایا " یا اھل الکتاب تعالوا
الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ +

بشارات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انجیل میں سے

بشارت اول

عید فسح سے تھوڑی مدت پہلے جب حضرت عیسے کو معلوم ہوا کہ اب

اُن کا وقت بہت قریب آگیا ہے اور اب وہ گرفتار ہونے والے ہیں
تو اُنہوں نے اپنے حواریوں کو بہت سی نصیحتیں کیں اُن ہی نصیحتوں
میں یہ بھی فرمایا کہ "یہ امور میں نے تم سے کہے۔ جب کہ تمہارے ساتھ
ہوں۔ لیکن پیرکلیطاس پاک روح جس کو باپ بھیجے گا میرے نام سے
ہر بات تم کو سکھاوے گا اور یاد دلاوے گا تم کو تمام وہ باتیں جو کہ میں نے
تم سے کہی ہیں (انجیل یوحنا باب ۱۴-۲۵ و ۲۶) +

تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں یہ بھلا ہے تمہارے لئے کہ یہاں
سے میں چلا جاؤں کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو پیرکلیطاس تمہارے
پاس نہ آوے گا (انجیل یوحنا باب ۱۶-۷) +

بالفعل جو انجیل کے نسخے موجود ہیں اُن میں لفظ پیرکلیطاس
اسی املا سے لکھا ہوا ہے جس طرح کہ ہم نے لکھا ہے مگر ہم مسلمان یہ
یقین نہیں کرتے کہ حضرت عیسےٰ نے یہ یونانی لفظ بولا تھا کیونکہ اُن کی
زبان عبرانی تھی جس میں کالڈی یعنی خالدیہ کے زبان کے لفظ
بھی ملے ہوئے تھے عبرانی و خالدی [illegible] ایک ہیں پس ہم مسلمانوں
کا یہ یقین ہے کہ حض[illegible]م پر فارقلیط کا لفظ فرمایا
تھا جیسا کہ [illegible] صاحب کی [illegible] رائے ہے مگر جب انجیلیں
یونانی زبان میں لکھی گئیں تب اُس کی جگہ یونانی لفظ لکھا گیا یا یہ
کہ ابتدا میں اس لفظ کا ترجمہ پیرکلیطاس نہیں کیا گیا جس
کے معنے تسلی دینے والے بیان کئے جاتے ہیں بلکہ اُس کا ترجمہ پیرکلیو
طاس کیا گیا تھا جو ٹھیک فارقلیط کے لفظ کا ترجمہ ہے اور جس کا
ترجمہ عربی زبان میں ٹھیک ٹھیک لفظ احمد ہے بلا شبہ اس بات

کا ثبوت کہ یہ لفظ پیریکلیوطاس ترجمہ ہوا تھا اور پیریکلیطاس نہیں تھا
ہمارے ذمہ ہے چنانچہ ہم اس کو بتائید روح القدس بخوبی ثابت کرینگے
اس لفظ پر بہت بڑے بڑے عالموں نے بحث کی ہے اور ہم سمجھتے
ہیں کہ ان میں کے اقوال کا ذکر کرنا شاید کافی ہوگا +

سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد جلد اول صفحہ ۰ میں ارقام فرماتے
ہیں کہ "یوحنا کی انجیل کا ترجمہ جو ابتدا میں عربی زبان میں ہوا اس میں
اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ہوگا یا کسی خودغرض جاہل راہب
نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جعل سازی سے اس کا استعمال
کیا ہوگا جس کو مسلمان اپنے پیغمبر کی بشارت قرار دیتے ہیں +

اول تو ہم مسلمانوں کو یوحنا کی انجیل کے کسی ایسے عربی ترجمے
کی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے پہلے آنحضرت صلے اللہ
کے زمانے میں موجود ہو مطلق اطلاع نہیں ہے نہ ہمارے اگلے بزرگوں
نے اس کا کچھ ذکر کیا ہے اور ایسے ترجمے کے موجود ہونے کا کچھ ثبوت
پیش کیا گیا ہے عرب میں حضرت [illegible] متی کی اصلی انجیل جو عبرانی زبان میں
تھی اور اب معدوم ہے البتہ [illegible] کا ذکر ہمارے ہاں
کی قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے [illegible] یوحنا کی انجیل [illegible] نہیں ہے -
باقی رہی یہ بات کہ کسی خودغرض راہب نے یہ جعل سازی کی ہو اس
مر[illegible] یقین نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کسی خودغرض راہب کے اس لفظ
میں جعل کرنے کا ہم یقین کریں گے جیسا کہ سر ولیم میور صاحب نے
فرمایا ہے تو ہم کو بہ مجبوری اس بات کا یقین کرنا پڑے گا کہ بعض دیندار
راہبوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں چھپانے کو بھی

انجیل مقدس میں تحریفیں کی ہیں جیسا کہ عموماً مسلمان یقین کرتے ہیں
مگر ہم کو ایسی بدگمانیوں پر تحقیق سے باز رہنا نہیں چاہیئے بلکہ استقلال
سے تفتیش کرنی چاہیئے۔ کہ اگلے عالموں نے اس پر کیا بحث کی ہے
اور فیلالجی یعنی علم مطابقت السنہ جو اس زمانے میں نہایت ترقی پر
ہے اُس سے کیا ثابت ہوتا ہے ؛

گاڈفری ہگینس (رحمۃ اللہ علیہ) جو ایک بہت بڑے عالم حال
کے زمانے میں گذرے ہیں اور انگریز تو تھے ہی اور انگریزی زبان
اُن کی زبان ہی تھی مگر یونانی اور عبرانی و کالڈی زبان بھی
خوب جانتے تھے اور علم مطابقت السنہ سے بھی واقف تھے۔
اُنھوں نے اس کی کیا تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان
بیان کرتے آئے ہیں اور اب بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ بشارت
حضرت عیسےٰؑ نے محمد رسول اللہ کی دی ہے جس طرح حضرت اشعیاہ
نے کیخسرو کی پیشین گوئی کی تھی اور [illegible] دونوں پیشین گوئیوں میں دونوں
کا نام بتا دیا گیا تھا ؛"

گاڈفری ہگ[illegible] مقام پر مسلمانوں کی طرف سے
ایک مجا[illegible] کرتے ہیں۔ [illegible] اس کے بعد محققانہ اُن کی
مجادلانہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے یہ ہے کہ وہ مسلمان کہتے ہیں کہ
حضرت عیسےٰ نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیا تھا [illegible]
لفظ سے نہیں لیا جو لفظ کہ اب انجیلوں میں موجود ہے۔ بلکہ وہ
لفظ پیریکلیوطاس تھا جس کے معنے بزبان عربی احمد کے ہیں
اور ابتداءً انجیل میں بھی لفظ تھا مگر ریچ بات کے چھپا لیے گئے

لیے اس کی تحریف کردیا ہے اور عیسائی اس بات سے انکار نہیں
کرسکتے کہ ان کی کتب موجودہ میں بہت سی تحریفیں یا اختلاف
قرارت ہیں اور مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ اس عبارت کے چھپانے
کے لیے تمام قلمی نسخے غارت کردیے گئے قلمی نسخوں کے غارت
ہوجانے کا انکار نہیں ہوسکتا اور یہ وہ بات ہے جس کی نسبت
جواب باصواب دینا مشکل ہے اور قدیمی نسخوں کی نسبت تو یہ
ہے کہ چھٹی صدی کے قبل کا کوئی بھی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے*
اگر اس کا جواب یہ دیا جاوے کہ ترتولین اور قدیمی مصنفوں
کی عبارت سے ثابت ہوسکتا ہے کہ انجیلوں کی صحیح قرارت آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پیشتر ایسی ہی تھی جیسے کہ اب
ہے اور اس لیے ان میں تحریف نہیں ہوئی تو اس صورت میں
ان قدیمی نسخوں میں بھی تحریف کا ہونا ثابت کرنا پڑے گا اور
کیا عجب ہے کہ ان میں بھی [illegible] ہو جن لوگوں نے انجیل مقدس
کے قدیمی قلمی نسخوں کو غارت کردیا انہوں نے ایک وصلی کو جس
پر قدیمی مصنف کی تصنیف [illegible] لکھتے ہیں کیا دریغ
کیا ہوگا - اس بات کو اول درجے کے دین دار [illegible] نے تسلیم
کیا ہے کہ انجیل میں اور اور مقصدوں کے لیے تحریف ہوئی ہے
[illegible] ہے کہ جو لوگ ایک مطلب کے لیے تحریف کریں گے وہ
دوسرے مطلب کے لیے کیوں نہ کریں گے اور جو کہ تسلیم کیا گیا
ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے پس اگر غلط لکھا گیا ہو تو گمان غالب یہ
ہے کہ ابتدا کے عیسائی مورخوں نے جو دنیا میں سب سے بڑھ کر

جھوٹ بولنے والے ہیں اپنے خاص مطلب کے لئے جھوٹ بولا ہو اور یہ گمان نہایت ضعیف ہے کہ یوحنا حواری نے جو عبرانی شخص تھا کوئی غلطی کی ہو کیونکہ وہ عبرانی و یونانی دونوں زبانوں کو سمجھتے تھے اور اگر بالفرض وہ عبرانی زبان کے بڑے عالم نہ ہوں اور اسی وجہ سے اُنہوں نے یونانی لفظ کلیطاس کو بجاے کلیوطاس غلطی سے لکھ دیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ یوحنا کی انجیل کے اصل متن میں تحریف ہوئی ہے ✤

اس کے بعد گاڈفری ہیگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے ایک اور مجادلانہ تقریر لکھتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا بیان ہے کہ یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ عیسائی اگر مناسب سمجھتے تو نہایت عمدہ قلمی نسخوں کو محفوظ کر سکتے تھے جس طرح کہ اُنہوں نے بہت سے ولیوں کی لاشوں کو نہایت آسانی سے محفوظ رکھا ہے چنانچہ یوحنا اور مریم اور پطرس اور پولس وغیرہ کی لاشیں ہر روز اٹلی میں نظر آتی ہیں ✤

پس مسلمان ضرور [illegible] ار عیسا[illegible] سے کہیں گے کہ اس غلط ترجمے کے چھپا[illegible] کل [illegible] نسخے غارت کر دئے یا اُن میں جھو[illegible] دیا گیا اور اگر ایسا [illegible] تھا تو وہ غارت کیوں کر دئے گئے۔ اور یہ عیسائیوں کو ان کا جواب باصواب دینے میں بہت کچھ دقت ہوگی کیونکہ قلمی نسخوں کے غارت ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ موجود نہیں ہیں ✤

اس لئے گاڈفری ہیگنس صاحب نے محققانہ طور پر گفتگو شروع

کی ہے اول وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو بشارتیں ان آیتوں میں مندرج ہیں
اُن سے بہت سے قدیم عیسائی کسی شخص کے مبعوث ہونے کی پیشینگوئی
سمجھتے تھے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رومی پادریوں اور پروٹسٹنٹ
نے جو اُس لفظ کے معنوں میں تحریف کی ہے اور اُس سے صرف روح القدس
کا حواریوں پر آنا مراد لیا ہے ابتدا میں یہ رائے عام نہ تھی۔ چنانچہ دوسری
صدی میں ترتولین کے زمانے سے پہلے مانٹینی اس ایک شخص پیدا
ہوا تھا جس کو بہت لوگ سمجھتے تھے کہ وہی پیریکلیٹوس ہے جس کے
بھیجنے کا حضرت عیسٰے نے وعدہ کیا تھا اُس کے دشمنوں نے اُس کی
نسبت بے اصل بات مشہور کی تھی کہ وہ روح القدس ہونے کا دعوے
کرتا ہے ایسے ہی لوگوں نے مانٹینی اس کے سبب انجیلوں میں تحریف
کی اور یہ ماجرا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بہت پہلے
ہو چکا تھا مانٹینی اس کے زمانے کے بعد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کے زمانے سے بہت پیشتر مینیس کو بھی اُس کے پیرووں نے
جو بڑے عالم اور طاقت ور تھے [illegible]ہی شخص سمجھا تھا جس کے مبعوث ہونے
کی حضرت عیسے نے بشارت [illegible] ہو کے انجام سے
ثابت ہوتا ہے کہ مینیس شخص موعود تھا اور اس سے [illegible] پر تھے +
بعد اس کے کہ ڈاکٹر ہیتنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے لکھتے
ہیں کہ مسلمان کہتے ہیں کہ اس لفظ سے جو عیسائی روح القدس کا
حواریوں پر آنا مراد لیتے ہیں وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اگر اسکے
معنے تسلی دہندہ کے ہوں تو وعدہ تو ایک تسلی دہندہ کے آنے کا
تھا جو یہ کہتا کہ ظہور بارہ زمانہ [illegible] کا وہی شخص موعود ہے محض

فضول ہے علاوہ اس کے حواریوں کے قوانین اور خود عیسائیوں کی کتاب سے کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ روح القدس کا حواریوں میں آ جانا تشفی دہندہ موعود کا آنا ہوا اور صرف زبان سے کہہ دینے سے ایسے دعوے کی تصدیق نہیں ہو سکتی ہے۔

علاوہ اس کے پنٹی کاسٹ کی ضیافت میں حواریوں پر روح القدس نازل ہو چکی تھی۔ کیونکہ بموجب قول عیسائیوں کے ایک بریدہ زبان آتش نے ہر ایک حواری پر طاری ہو کر اسی لمحہ ان کو سب زبانیں بولنے کی طاقت بخشی تھی اور یوحنا کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عیسیٰ نے اپنے جانے سے تھوڑے عرصہ پیشتر یہ فیض ان کو عطا کر دیا تھا یعنے پنٹی کاسٹ کی ضیافت کو جسکا ہم ذکر کر رہے ہیں دو مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ فیض مذکور عنایت کیا گیا تھا عیسائی مذہب کی تمام مذہبی کتابوں میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ یہ زبانہائے آتشین جن سے کہ سب زبانیں بولنے کی طاقت عطا ہوتی تھی تشفی دہندہ موعود تھیں جو ایسا ہوتا تو ضرور کتاب مذکور میں ہوتا۔

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جاوے کہ وہ عطایا جن کا بیان متی کی انجیل میں ہے اور روح القدس جس کا بیان یوحنا کی انجیل کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت میں ہے صرف چند روز کے لئے تھا اور پھر لے لیا تھا اور بعد کو ہمیشہ کے لئے آیا۔ تو مسلمان کہیں گے کہ یہ صرف ایک حیلہ ہے جس کی تصدیق انجیل کے کسی لفظ سے نہیں ہوتی۔

اسی بحث میں گاڈفری ہیگنس صاحب نے ایک نہایت عمدہ قول فیصل لکھا ہے کہ یعنے اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہ لفظ وہی ہے جو اس زمانے

کے عیسائی کہتے ہیں اور اس کے معنے بھی روح القدس ہی کے ہوں۔ تو مسلمان عیسائیوں سے کہیں گے کہ تم کہتے ہو کہ انجیل میں بشارت ہے۔ کہ روح القدس آوے گی یہ درست ہے کہ روح القدس آئی مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں آئی جن کو روح القدس سے الہام ہوتا تھا۔ پس تمہاری پیچیدہ عبارت کے یہی صحیح معنے ہیں اور یہی معنے درستی کے ساتھ ہوسکتے ہیں +

یہ لفظ تو گاڈفری ہیگنس صاحب کے تھے اور میں اس پر اتنا اور زیادہ کرتا ہوں کہ جو عام ہدایت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور تمام جزیرہ عرب بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے لگا اور تمام دنیا میں وحدانیت کا ڈنکا بج گیا اور حضرت عیسےٰ پر جو اتہام خدا کے بیٹے ہونے کا کیا تھا وہ مٹ گیا اور اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ ضرور وہ روح القدس اور روح الصدق محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی +

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ

اس کے بعد گاڈفری ہیگنس صاحب اسبات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ لفظ

پیرکلیطاس نہیں ہے جس کے معنے تسلی یا تشفی دہندہ کے بیان کئے جاتے ہیں بلکہ یہ لفظ پیرکلیوطاس ہے جس کے معنے احمد کے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی دلیل کو بابت ترجمہ لفظ پیرکلیوطاس کے بجائے پیرکلیطاس کے اس طرز تحریر سے بہت مدد ملتی ہے جو سینٹ جیروم نے انجیل کے لیٹن ترجمہ میں اختیار کی ہے یعنے اُس ترجمہ میں لیٹن زبان میں پیرکلیطاس لکھا تھا۔ پیرکلیوطاس کی جگہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے سینٹ جیروم نے لیٹن میں ترجمہ کیا اُس میں لفظ پیرکلیوطاس تھا نہ پیرکلیطاس

لفظ پیرکلیطاس کے معنے پر پادریوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ مشہور عالم ای کیلس کہتا ہے کہ ارنشائی نے بہت مناسب کہا ہے کہ اس کے معنے نہ حامی کے ہیں نہ تشفی دہندہ کے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں تحقیق خیال کرتا ہوں کہ پیرکلیطاس یا تو روح القدس کو کہتے ہیں یا معلم یا مالک کو یعنے بتانے والا خدا تعالے کی سچائی کا اور میں اُس کی رائے سے دربابِ صحیح نہ ہونے ترجمے کے مطابقت کرتا ہوں گو میں اُس کو ڈاکٹر یعنے عالم متبحر کا لقب نہیں دیتا بلکہ ماسٹر یعنے معلم کا لقب دیتا ہوں اس لئے کہ جو معنے اُسنے لفظ مذکور کے لکھے ہیں بہتیروں نے اختیار کئے ہیں البتہ اُس کے اثبات کا جو طرز اُس نے اختیار کیا ہے وہ عجیب ہے اُس کو چاہئے تھا کہ لفظ مذکور کو کسی محقق [illegible] تصنیف میں تلاش کرتا اور اُس کے معنوں کی تشریح اُس لفظ کے استعمال سے ثابت کرتا اُس نے ان سب باتوں کو چھوڑ کر جس زبان کے لفظ سے یہ نکلا ہے (یعنے کالڈی زبان سے) اُس کے [illegible] اور استعمال سے اپنا بیان ثابت کرنے پر استدلال رکھا ہے ؂

بہت بڑے عالم اور معزز بشپ مارش نے کہا ہے کہ لفظ پیرکلیطاس

کے تین ترجمے ہیں اور ہم کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو نسا چاہیں پسند
کرلیں اول معنے حامی کے ہیں جو معتبر اور یونانی اکابر کے نزدیک مسلم
ہیں دوسرے معنے مبین کے ہیں اور یہ وہ معنے ہیں کہ انستانی نے بحوالہ
لفظ فارقلیط کے جو کالڈی دبان کا لفظ ہے کئے ہیں۔ تیسرے معنے واعظ
کے ہیں جس کو خود بشپ مارش نے بحوالہ ایک عبارت مصنف فائلو کے تسلیم
کیا ہے پس یہ صاف ظاہر ہے کہ اس مشہور لفظ کے معنوں میں اور اس
پیغمبر کی قسم میں جس کے بھیجنے کا حضرت عیسےٰ نے وعدہ کیا تھا بہت اشتباہ
و شک تھا۔

یہ لفظ کا ترجمہ ہیگنس صاحب کے ہیں مگر میں اس پر اکتفا اور زیادہ
کرتا ہوں کہ اگر بشپ مارش ہی کے معنے تسلیم کئے جاویں اور اس لفظ کو
پیرکلیطوس ہی مانا جاوے اور اس کے معنے واعظ ہی کے قرار دئے جاویں
تو بھی بجز محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے حق میں یہ
بشارت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حواریین جنہوں نے انجیل کا وعظ کیا
وہ اس سے پہلے روح القدس سے معمور ہو چکے تھے اور وہ سب اس
قل انما انا بشر مثلکم [illegible] وقت موجود تھے ان کی نسبت تو یہ
یوحی الی انما الٰہکم الٰہ واحد [illegible] کہا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ میں جو کہ
(سورۃ الکہف ۱۱۰) ۔ کیونکہ وہ موجود تھے [illegible] رسول اللہ
جب آئے تو انہوں نے صاف صاف بتایا کہ میں بھی تم سا ایک آدمی ہوں
صرف [illegible] مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے کہ بے شک تمہارا خدا وہی ایک خدا ہے کچھ
قل لا املک لنفسی نفعا اس سے بھی زیادہ صاف فرمایا۔
ولا ضرا الا ما شاء الله ولو کنت کہ میں اپنی جان کے لئے بھی کچھ

اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون (سورۂ اعراف آیت ۱۸۸) ✤

فائدہ یا نقصان پہنچانے پہ قادر نہیں ہوں بجز اُس کے جو خدا چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا ہوتا تو بہت کچھ بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی برائی چھوتی بھی نہیں میں تو اُن قوموں کو جو ایمان لاتی ہیں ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں ✤

اور پھر اور بھی صاف فرمایا کہ " میں تو تم کو صرف ایک بات کا سمجھے

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (سورۂ سبا آیت ۴۵) ✤

لا الہ الا اللہ کا وعظ کرتا ہوں پھر تم خالصاً للہ دو دو ایک ایک کھڑے ہو اور سوچو کہ جو شخص تمہارے ساتھ ہے اُس کو کچھ جنون نہیں وہ تو تم کو صرف عذاب میں پڑنے سے پہلے ڈرانے والا ہے " اس کے سوا اور

بہت سی جگہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف سے فرمایا کہ " خدا تم کو اس بات کا وعظ کرتا ہے اور [illegible] وعظ کرنا اور پیغمبر کا وعظ کرنا برابر ہے۔ پس سوائے محمد رسول اللہ کے کسی پیغمبر نے ایسا صاف صاف نہیں فرمایا کہ میں تو صرف وعظ کہنے والا ہوں پس اگر اس لفظ کے معنے واعظ ہی کے ہوں جیسا کہ بشپ مارش نے کہا ہے تو بھی وہ سچا واعظ [illegible] محمد رسول اللہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ✤

بعد اس کے گاڈفری ہگنس صاحب کہتے ہیں کہ " یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ لفظ مذکور (یعنے فارقلیط) جیسا کہ بشپ مارش نے لکھا ہے کہ یقیناً علیحدہ

مسیح نے استعمال کیا تھا مسلمانوں کے دعوے کو بہت کچھ سہارا دیتا ہے وہ کہتے ہیں کہ میری راے میں اہل اسلام لفظ فارقلیط کو یونانی میں پیریکلیوطاس بنا لینے کا اُسی قدر اختیار رکھتے ہیں جس قدر کہ عیسائی پیریکلیطاس کا بلکہ اُن کی راے میں غلبہ کا پلہ مسلمانوں کی طرف ہے کیونکہ عیسائی مجاز نہیں کہ پچھلے جزو میں لفظ زبان خالدی کے حرف ید یعنے یاے تحتانی کو جو شل حرکت کسرے کے ہے یا حرف ایتا کو جو یاے تحتانی ممدود معروف کے برابر ہے حرف ایوتا کے عوض میں لیں +

حرف ید حروف تہجی زبان خالدیہ کا دسواں حرف ہے اور شمار میں اس کے عدد بھی دس ہیں پس اگر لفظ مذکور ایک زبان سے دوسری زبان میں بدلا جائے تو اُس یونانی حرف سے بدلنا چاہئے۔ جو دس کے معنے میں آیا ہے اور جو ابتدا میں حروف تہجی میں دسواں تھا قبل اس کے کہ یونانیوں کا حرف ڈگاما جاتا رہے جیسا کہ میں نے اُس کو کثرت سے اپنے اُس جواب مضمون میں ثابت کیا ہے جو در باب جنوب مغربی ترکستان کے قدیمی پادریوں کے لکھا ہے +

مگر میں علاوہ اس کے [illegible] کہتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا لفظ فارقلیط تھا اور یہ کہ اس لفظ کے معنے ستودہ کے ہیں جیسا کہ سیل صاحب کا بھی قول ہے تو اس کا ترجمہ اس لفظ یونانی پیریکلیطاس [illegible] غلط ہے یعنے اختلاف قرات کی جہت سے اور یہ کہ بشپ مارش اور انشاقی دونوں کے کل ترجمے غلط ہیں اور لفظ مذکور اُس لفظ سے مبدل کرنا چاہئے جو ستودہ کے معنے رکھتا ہو اور وہ قع میں یہ لفظ پیریکلیوطاس ہونا چاہئے +

مگر اس کا ترجمہ فارقلیط علم کے معنے سے کرنا کرنا چاہیئے بلکہ اسم صفت کے طور پر کرنا چاہیئے چنانچہ اہل اسلام بمعنے احمد کے لیتے ہیں اگر یہ لفظ حضرت عیسےٰ کا استعمال کیا ہوا زبان خالدیہ یا عبرانی یا عربی کا ہو تو اس سے وہی مراد پائی جانی چاہیئے جو اس کے معنے ان زبانوں میں تھے اگر وہ خالدیہ کا لفظ عربی مصدر سے مشتق ہو تو اس کے وہی معنے چاہئیں جو عربی مصدر کے ہیں۔ اور تب اس کے معنے ستودہ یا شخص ممتاز کے ہوں گے +

اگر ناظرین غوص کریں گے تو معلوم کرلیں گے کہ لفظ کلیوطاس کو ہومر اور ہسیڈ دونوں نے بجائے ستودہ آدمی کے استعمال کیا ہے اس طرح سے میری دانست میں اہل اسلام کی دلیل اس سلیقہ کے ساتھ ہے کہ اگر ان کو ان کی غلطی پر معقول کیا جائے تو عجب نہیں کہ بہت مشکل پڑے یہ ادنےٰ بات ہے مگر ان کی دلیل کی تردید میری نظر سے نہیں گذری +

مگر مجھ کو اس مشہور لفظ فارقلیط کی نسبت کچھ اور بھی کہنا ہے اس کو بشپ مارش نے جس کے قول کو عیسائی صادق جانتے ہیں ایک مسلمان کی منتخب کی ہوئی دلیل میں تسلیم کرلیا ہے کہ وہ سریانی یا خالدیہ یا عربی ہے مگر یونانی نہیں ان زبانوں میں سے ایک کو یا دو کو ضرور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ضرور بولتے ہوں گے یا ادنےٰ درجہ یہ کہ سمجھتے ہوں گے اور یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ لفظ مذکور کے یونانی ترجمے کی نسبت آپ کو کچھ بحث ہوئی ہو کیونکہ حضرت عیسےٰ کے کلاموں کے یونانی ترجموں سے عرب کے لوگوں کو کیا غرض تھی۔ عرب میں ان ترجموں کا کیا کام تھا۔ ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے جو ان کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتے تھے بجز ایسے لوگوں کے جو اس اصل زبان کو سمجھتے تھے جس کو حضرت

عیسےٰ بولتے تھے آپ نے لفظ مذکور اسی طرح پر لیا ہوگا جیسے کہ منقول چلا آتا تھا یا جیسا کہ سیل صاحب نے اُس کو لکھا ہے جس کے معنے ستودہ کے ہیں اور اس سے زیادہ غالبًا آپ نے کبھی دریافت نہیں کیا۔ یہ خیال کرنا کیسا بیہودہ ہے کہ اپنی خاص زبان کے ایک لفظ کے معنے کی تشریح غیر زبان میں ڈھونڈھتے۔ آپ نے لفظ مذکور کو مثل اُس زمانے کے دوسرے فرقوں کے شخص انسانی پر محمول کیا اور یہ اجازت نہیں دی کہ اس کو ثالث ثلثہ کہیں جیسا کہ اس زمانے کے موحد بھی کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اُس کو احمد کے معنے میں لیا ہو اور اس کی نسبت کبھی جھگڑا یا شک نہ کیا ہو +

یہ تمام تقریر گاڈفری ہگینس صاحب کی ہے جو انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے کی ہے مختصر یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی بحث لفظ پیرکلیطاس پر ہے۔ جو یونانی انجیل میں بجائے لفظ [illegible] اصلی نسخوں میں تھا مختصر [illegible] یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں حضرت عیسےٰ کی زبان یونانی نہ تھی پس انہوں نے جو لفظ فرمایا تھا وہ عبرانی یا خالدی زبان کا تھا جو دونوں ایک ہیں۔ پس ہم مسلمان کہتے ہیں کہ وہ لفظ فارقلیط تھا۔ یونانی انجیلوں میں اس کے بجائے جو لفظ ہے فارقلیط کا ترجمہ ہے۔ ہم مسلمان کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یونانی میں پیرکلیوطاس کیا گیا تھا جو درحقیقت صحیح ترجمہ ہے اور اس کا ثبوت بھی جہاں تک ہوسکا دیا گیا ہے اگر یہ کہا جائے کہ نہیں پیرکلیطاس ہی اس کا ہمیشہ سے ترجمہ چلا آتا ہے تو ہم مسلمان یہ کہیں گے یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ فارقلیط کا ترجمہ پیرکلیطاس نہیں ہے بلکہ پیرکلیوطاس ہے اور اس کا فیصلہ عبری و خالدی زبان کے لغت کی تحقیق پر موقوف ہوسکتا ہے اور جو کہ

مشہور ہے کہ انجیل یوحنا درحقیقت حضرت یوحنا حواری کی لکھی ہوئی ہے
اس لئے ہم یقین نہیں کرسکتے کہ حضرت یوحنا نے فارقلیط کے ترجمہ میں
غلطی کی ہو اور جو دلیلیں مذکور ہوئیں اُن سے بھی پایا جاتا ہے کہ اُنہوں
نے غلطی نہیں کی اس لئے اصل میں وہ لفظ پیریکلیوطاس ہے۔ بمعنی
احمد نہ پیریکلیطاس بمعنے تسلی دہندہ *

اکثر عیسائی خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس بشارت کو
انجیل برنباس سے اخذ کیا ہے۔ اور جارج سیل صاحب نے بھی
ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں یہی خیال کیا ہے بلکہ اُنہوں نے لکھا ہے
کہ یہ آیت قرآن مجید کی یاتی من بعدی اسمہ احمد " اُسی انجیل
میں سے اخذ کی گئی ہے اور شاید اخیر زمانے کے ایک آدھ کچے
مسلمان اور جاہل مولوی نے کہیں سن سنا کر کہ برنباس کی انجیل میں
بھی یہ مطلب آیا ہے شاید اس کا حوالہ دے دیا ہو مگر قدیم عالموں اور
بڑے بڑے محققوں نے اس بشارت کی بابت برنباس کی انجیل کا خواہ
وہ صحیح ہو یا غلط نام تک نہیں لیا جارج سیل صاحب کی غلطی ہے
جو وہ ایسا کہتے ہیں *

بشارت دوم

جب بعد مصلوب ہونے اور قبر میں دفن کئے جانے کے حضرت
عیسیٰ زندہ ہو کر اُٹھے اور حواریوں سے ملے اور اُن کے سامنے مچھلی
کھائی اور شہد کھایا تو بیت عنیا میں جانے اور آسمان پر چلے جانے

سے تھوڑی دیر پہلے آنہوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا "اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھیرو شہر یروشلیم میں جب تک کہ تم پر عطا ہو قوت اوپر سے (انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)"

چند سطروں کے بعد لوقا اپنی انجیل ختم کرتے ہیں اور کچھ ذکر اس وعدے کے پورا ہونے کا نہیں کرتے بلکہ لکھتے ہیں کہ حضرت عیسے یہ کہکر آسمان پر چلے گئے تو تمام حواری اُن کو سجدہ کرکے بڑی خوشی سے یروشلیم کو پھرے اور ہمیشہ ہیکل میں خدا کی تعریف اور شکر کرتے رہے اور انہی لفظوں پر لوقا کی انجیل ختم ہوتی ہے اور اُس وعدے کے وفا ہونے کا کچھ ذکر نہیں ہوتا پس ثابت ہوتا ہے کہ لوقا کی زندگی تک یا کم سے کم اس انجیل کے لکھے جانے کے وقت تک وہ وعدہ جس کو لوقا سمجھے تھے پورا نہیں ہوا تھا۔

لوقا کے نزدیک روح القدس کا زبانہا ے آتشیں میں حواریوں پر نازل ہونا (اگر وہ اس کے بعد نازل بھی ہوئے ہوں) اس وعدے کا پورا ہونا نہیں تھا کیونکہ اگر ہوتا تو وہ اُس وعدے کے پورا ہونے کا ذکر ضرور لکھتے پس ضرور ہے کہ یہ وعدہ کسی اور شخص کے مبعوث ہونے کا تھا۔

اب ہم کو اُس شخص کی تلاش کرنی مناسب ہے جس کے آنے کی حضرت عیسے نے بشارت دی جب ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسے نے حواریوں سے فرمایا کہ "اُس وعدے کے آنے تک تم شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہو" تو ہم کو تعجب ہوتا ہے کہ اُس وعدے کے آنے اور شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہنے سے کیا تعلق ہے۔ اگر

بالفرض اُس وعدے سے حواریوں پر روح القدس کا نازل ہونا ہی مراد تھی تو بھی یروشلیم میں رہنے اور روح القدس کے آنے سے کوئی ضروری مناسبت نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر حوارین شہر کے باہر چلے جاتے تو بھی اُن کے پاس روح القدس اسی طرح آسکتی تھی۔ جیسے کہ شہر میں رہنے کی حالت میں آسکتی تھی پس شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہنے سے یہ مطلب نہیں ہے جو اُس کے لفظی معنوں سے نکلتا ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب تک وہ وعدہ پورا ہو تم یروشلیم سے وابستہ رہو اور اُسی کی عزت و تعظیم جیسی کہ پیشتر سے کرتے آئے ہو کرتے رہو اُسی کی طرف اپنا سر جھکاؤ اپنا مُنہ اُسی کی طرف رکھو۔ جب تک وہ وعدہ پورا ہو چنانچہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور وہ وعدہ پورا ہوا۔ اور یروشلیم میں رہنے کا زمانہ منقطع ہو گیا اور بیت اللہ میں رہنے کا زمانہ آیا باپ کا وعدہ پورا ہوا۔ اور اوپر سے عطا ہو گئی بیت المقدس کی طرف جو مدت دراز سے قبلہ تھا موقوف ہوا اور مکہ میں ابراہیم کے بنائے ہوئے خانۂ خدا اور کعبہ معظم کی طرف قبلہ اہل ایمان قرار پایا ۔ یہ بشارت صاف ہمارے پیغمبر کے مبعوث ہونے اور بیت المقدس کے قبلہ رہنے کے زمانے کے اختتام اور بیت اللہ الحرام کے قبلہ ہونے کی بشارت ہے ؛

قال اللہ تبارک وتعالے قد نرےٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا فول وجھک شطر المسجد الحرام

بشارت سوم

جب کہ حضرت یحییٰ پیغمبر ہوئے تو یروشلم سے یہودیوں نے کاہنوں
اور لیویوں کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ ان سے پوچھیں کہ وہ کون
ہیں چنانچہ وہ لوگ گئے اور اُن سے یہ گفتگو ہوئی کہ اُس نے
یعنے حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا اور اقرار کیا کہ میں کرسٹاس
یعنے عیسیٰ مسیح نہیں ہوں اور انہوں نے پوچھا اُس سے پھر کون
کیا تو الیاس ہے؟ اور اُس نے کہا میں نہیں ہوں - تو وہ نبی ہے؟
اور اُس نے جواب دیا نہیں تب انہوں نے اُس سے کہا کہ کون تو ہے
تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو جنہوں نے کہ ہم کو بھیجا ہے اپنے
تئیں تو کیا کہتا ہے اُس نے کہا میں ہوں آواز اُس کی جو کہ جنگل
میں چلاتا ہے سیدھا کرو رستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیا نے کہا اور
وہ جو بھیجے گئے تھے فریسی تھے اور انہوں نے اُس سے پوچھا اور
اُس سے کہا کہ تو کیوں اصطباغ کرتا ہے جب کہ تو نہ کرسٹاس یعنے
عیسیٰ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی (یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ لغایت
۲۵) +

ان اوپر کی آیتوں میں تین پیغمبروں کا ذکر ہے ایک حضرت الیاس
کا اور دوسرے حضرت یحییٰ کا تیسرے اس پیغمبر کا جو علاوہ حضرت
عیسیٰ کے ہونے والا تھا یہودی یقین کرتے تھے پیغمبر الیاس جن کو
مسلمان خضر کہتے ہیں مرے نہیں بلکہ حضرت مسافروں کی نظروں سے

غایب ہو گئے ہیں اور یہودیوں کو حضرت عیسےٰ مسیح کی نسبت یہ یقین
تھا اور اب بھی ہے کہ وہ کسی نہ کسی دن آویں گے لیکن ان آیتوں
سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ حضرت مسیح کے ایک اور پیغمبر کے آنے
کی بھی اُمید رکھتے تھے اور وہ پیغمبر ایسا مشہور تھا کہ بجائے نام کے
صرف اشارہ ہی اُس کے بتانے کو کافی تھا جیسے کہ ہم مسلمان بھی
پیغمبر کے نام کی جگہ صرف آنحضرت اشارے میں لکھتے بولتے ہیں اور
یہ مشہور پیغمبر کون ہو سکتا ہے بجز اُس کے جس کے سبب خدا تعالےٰ
نے ابراہیم و اسمٰعیل کو برکت دی اور جس کی نسبت خدا تعالےٰ نے موسےٰ
سے کہا کہ تیرے بھائیوں میں تجھ سا پیغمبر پیدا کروں گا اور جس کی نسبت
حضرت سلیمان نے کہا کہ میرا محبوب سرخ و سفید سب میں تعریف کیا
گیا محمد ہے یہی میرا محبوب ہے اور یہی میرا مطلوب اور جس کی نسبت
حجی نبی نے فرمایا کہ حمد تمام قوموں کا آوے گا اور جس کی نسبت حضرت
عیسےٰ نے فرمایا کہ میرا جانا ضرور ہے تاکہ فارقلیط آوے۔ اب میں نہایت
مضبوطی سے کہتا ہوں کہ یہ نامی اور مشہور پیغمبر حضرت محمد ہیں واللہ
حضرت محمد ہیں ؛

اَلْخُطْبَةُ الحَادِی عَشَر

فی

حقیقة شق الصدر وماهیة المعراج

وما جعلنا الرءیا التی اریناک الا فتنة للناس

اس خطبے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور معراج کی اصلیت کا بیان ہے +

جو واقعات کہ ہم اس خطبے میں بیان کرتے ہیں اُن کی اصلیت کی نسبت اور جن الفاظ میں وہ بیان ہوئے ہیں اُن کے صحیح معنوں کی نسبت اکثر علمائے دین نے بحث کی ہے اور اس کی تحقیقات کو انتہا درجے تک پہنچایا ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین اور شارحین نے اپنی پیچ در پیچ تاویلات اور لاطائل براہین سے بجائے اس کے کہ شکوک کو رفع کریں یا غلطی کی تصحیح کریں اُن الفاظ کے

معانی کو اور بھی تاریکی میں ڈال دیا ہے ۔

قرآن مجید کی رو سے ہم کو شرح صدر پر جس کو آخرکار لوگ شق صدر کہنے لگے اور نفس معراج کی صحت و صداقت پر بغیر کسی شبہ کے ایمان لانا چاہیئے - پس جو امر کہ بحث طلب ہے اور جس پر ایک مدت تک علماء اسلام کی توجہ مبذول رہی ہے اس بات سے علاقہ رکھتا ہے کہ شرح صدر یا شق صدر کی اصل حقیقت اور معراج کی ماہیت کیا تھی - اُن دونوں کی حقیقت بیان کرنے کے لئے اولاً قرآن مجید کی اُن آیتوں کو نقل کرتے ہیں جو اُن سے متعلق ہیں ۔

آیت اول - الم نشرح لک صدرک ۔

کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو نہیں کھول دیا ہے ۔

آیت دوم - سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر ۔

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے دور کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اُس کو اپنی نشانیوں میں سے دکھلا دیں بے شک وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ۔

آیت سوم - وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ۔

اور نہیں کیا ہم نے اس رؤیا کو جو تجھ کو دکھلایا مگر آزمائش واسطے لوگوں کے ۔

جو آیتیں کہ اوپر لکھی گئیں اُن میں سے صرف پہلی آیت شق صدر سے علاقہ رکھتی ہے اور باقی آیتیں معراج سے متعلق تصور کی گئی ہیں - ظاہر

ہے کہ پہلی آیت میں سینہ کے چیر پھاڑ کا کہیں ذکر نہیں ہے اور اُس کے اصلی اور اصطلاحی معنے جیسے کہ اکثر مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہے اُس کشادگی کے ہیں جو دل اور سینے میں عقلی اور روحانی وسعت سے عرفان الٰہی اور وحی کے منبع ہونے کے لیئے کی گئی تھی +

باقی رہیں وہ حدیثیں اور روایتیں جو شق صدر اور معراج سے علاقہ رکھتی ہیں لیکن وہ باہم اس قدر مختلف اور متعارض اور متناقض ہیں کہ کوئی بھی قابل اعتبار کے نہیں ہے اور اُن کی صحت کی کافی سندیں بھی نہیں ہیں ہشامی ذیل کا قصہ حلیمہ سے نقل کرتا ہے کہ اُس نے بیان کیا کہ "ایک روز محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ گھر کے قریب مویشی میں کھیل رہے تھے وہ دونوں دفعتاً میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور رو کر کہنے لگے کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور اُن کا سینہ چاک کر ڈالا۔ میں اور میرا خاوند اُس مقام پر گئے دیکھا کہ آنحضرت کا مارے خوف کے رنگ فق تھا۔ ہم نے اُن کو چھاتی سے لگایا اور اُن کے اضطرار کا باعث پوچھا اُنھوں نے جواب دیا کہ دو آدمی سفید پوش میرے قریب آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا دل چیرا اور اُس میں سے کوئی چیز نکال لی۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی +

اسی طرح کی ایک روایت ہشامی نے بغیر کسی سند کے صرف یہ بیان کرکے کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت سے کہا کہ آپ کچھ اپنی تعریف بیان فرمایئے اس پر پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ "میں اُن برکتوں کا مشتاق ہوں جن کے عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا اور میں وہ شخص ہوں جسے

آنے کی بشارت حضرت عیسٰے نے دی تھی۔ جب کہ میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا میری ماں کو معلوم ہؤا کہ اُن سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل منور ہو گئے۔ ایک دن میں اپنے دودھ بھائیوں کے ساتھ مویشی چرا رہا تھا کہ دفعتًا دو آدمی، جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ میں ایک سونے کا طشت برف اور پانی سے بھرا ہؤا لئے ہوئے تھے میرے پاس آئے اور مجھ کو زمین پر لٹا کر میرے سینے کو چاک کیا اور میرے دل کو نکال کر چیرا اور اس میں سے ایک سیاہ قطرہ دبا کر نکال ڈالا۔ اُس کے بعد اُنہوں نے دل کو اور سینے کو برف سے دھو دھلا کر پاک صاف کر دیا۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس کو ایک طرف رکھ کر اور دس آدمیوں کو دوسری طرف رکھ کر تولو مگر میں وزن میں زیادہ ہؤا تب اُس نے سو آدمیوں سے مجھے تولا اس پر بھی میں وزن میں بڑھتی رہا۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُس کو چھوڑ دو کیونکہ اگر تم اس کو تمام جہان کے مقابلے میں تولو گے تب بھی یہ کم نہ نکلے گا۔

واقدی نے بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا ہے اور کتاب شرح السنۃ میں عرباض ابن ساریہ سے آنحضرت کے مذکورہ بالا فضائل کا بیان ہوا ہے۔ اور دارمی میں ابوذر غفاری سے آنحضرت کے تولے جانے کی روایت بھی بیان ہوئی ہے۔ مگر ان روایتوں میں جو اختلاف ہے وہ غور کے قابل ہے۔ حلیمہ سے جو روایت ہے اُس میں برف کے پانی اور طشت کا اور دل کے دھونے کا کچھ ذکر نہیں ہے اور ہشامی کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا تولا جانا شق صدر کے بعد حلیمہ کے گھر پر ہؤا تھا۔ مگر دارمی میں جو ابوذر غفاری سے روایت ہے اُس میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں ہے

اور اس سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت کا تولا جانا بطور اس کے کہ میں ہوا تھا۔ بایں ہمہ تمام روایتیں نہایت نامعتبر ہیں اور قصہ اور کہانی ہونے سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں +

عیسائی مصنف ایک بڑی غلطی میں پڑے ہیں۔ وہ اپنے ہاں کی مقدس کتابوں کو جن میں کتب تواریخ اور ملوک الاعتقادات وغیرہ داخل ہیں اور توریت و انجیل کے اُن تمام مقاموں کو جن میں تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں بمنزلہ وحی یعنے کلام الٰہی کے سمجھتے ہیں اور اُن سب کو ہر طرح کی غلطی اور خطا سے پاک جانتے ہیں حالانکہ اُن میں بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اُنھوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مسلمان بھی اپنی حدیثوں اور روایتوں کو ایسا ہی بے نقص سمجھتے ہوں گے اور اس خیال خام سے اُنھوں نے مسلمانوں کی تمام حدیثوں اور روایتوں کو ناقابل خطا تصور کر کے اسلام پر نہایت سخت طعن و تشنیع کی ہے لیکن وہ خود بڑی غلطی میں پڑے ہیں کیونکہ مسلمان اپنے ہاں کی روایات و احادیث کو اُسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے کہ اور تواریخ کے واقعات کو دیکھتے ہیں اور اُن کو ویسا ہی ممکن الخطا خیال کرتے ہیں۔ مسلمان اپنے ہاں کی حدیثوں اور روایتوں کو اس وقت صحیح سمجھتے ہیں جب کہ اُن کے لئے کافی ثبوت اور معتبر سند پاتے ہیں ورنہ اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ یہ روایتیں جو ہشامی اور واقدی میں بیان ہوئی ہیں یا وہ روایتیں جو شرح السنہ اور دارمی میں مذکور ہیں صحت سے بہت دور ہیں۔ محققین علمائے اسلام اُن کو محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور بیہودہ افسانے جو محض جہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں خیال کرتے ہیں۔ پس عیسائی مورخوں نے اس بات میں بڑی غلطی کی ہے کہ اُن نامعتبر روایتوں

کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کیا ہے ؛

البتہ شق صدر کے معاملے میں ایک روایت ہے جو ایک معتبر کتاب میں لکھی ہے یعنے مسلم میں اور اس لیئے وہ اس لائق ہے کہ علمائے اسلام اس پر توجہ کریں اور اس بات کی تحقیق و تدقیق کریں کہ وہ روایت صحیح ہے یا بے اصل کیونکہ مسلم میں اس روایت کے مندرج ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ کہ اس کی صحت میں کچھ شبہ نہیں بلکہ صرف علماء کی توجہ کا استحقاق رکھتی ہے اور اگر بعد تحقیق کے معلوم ہو کہ وہ صحیح نہیں ہے تو گو کہ وہ مسلم نے بیان کی ہو ویسی ہی نامعتبر تصور ہوگی جیسے کہ اور کسی نے بیان کی ہوئی ؛

مسلم میں ہے کہ انس بن مالک نے کہا کہ " ایک روز جب کہ پیغمبر صاحب مکہ میں اور لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت جبرئیل ان کے پاس آئے اور ان کا دل چیرا اور اس میں سے ایک قطرہ نکال کر کہا کہ تجھ میں یہ شیطان کا حصہ تھا تب اس کو ایک سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا اور اسکو بجنسہ جہاں رکھا ہوا تھا وہیں رکھ دیا۔ اور لڑکے بھاگ کر زہیرہ آنحضرت کی دودھ پلائی کے پاس گئے اور کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالا۔ وہ فوراً محمد کے پاس دوڑی آئی اور ان کا رنگ فق پایا۔ انس کا بیان ہے کہ اسیون کا نشان جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سینے پر محسوس ہوتا تھا میں نے خود دیکھا تھا ؛ "

قطع نظر اس کے کہ اس روایت سے وہ تمام روایتیں جن میں حلیمہ کے گھر شق صدر ہونے کا بیان ہوا ہے غلط اور باطل قرار پاتی ہیں یہ روایت بھی چار مستحکم دلیلوں سے قابل اعتبار کے نہیں۔ اول یہ کہ انہی انس نے ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کا ہونا شب معراج میں بیان

کیا ہے اور وہ زمانہ اس زمانہ سے جو اس روایت میں مذکور ہے بالکل مختلف
ہے۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ انس کے بعد کے راوی نے انس کی اس لمبی
روایت میں سے جو معراج سے متعلق ہے اور جس کا بیان آگے ہوگا ایک
ٹکڑا توڑ کر اور اس میں بھی کمی بیشی کر کے بیان کیا ہے جس سے اس روایت
کی بے اعتباری اور اس مضمون کا کہ سیون کے نشان انس نے دیکھے
تھے لغو اور بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس روایت میں انس
کا یہ قول کہ میں نے آنحضرت کے سینے پر سیون کے نشان بچشم خود دیکھے
تھے بیان کیا گیا ہے حالانکہ یہ بات غیر ممکن ہے کیونکہ اگر مانا جاوے۔ کہ
آنحضرت کا سینہ درحقیقت چیرا گیا تھا جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے۔
تو اس کی سیون کے نشان کا محسوس ہونا ناممکن تھا کیونکہ یہ سیون جراح
کی سیون اور ٹانکوں کی مانند نہ تھی کسی روایت کی اصلیت کے امتحان کرنے
کا یہ بھی طریقہ ہے کہ اگر وہ کسی ایسے امر کو بیان کرے جو خود اس معجزے کے
جو اس روایت میں بیان ہوا ہے برخلاف ہو تو ایسی روایت محض بے اصل
ہوگی۔ پس اس دلیل سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت محض بے اصل
و نامعتبر ہے اور انس کے بعد راوی نے اس میں بالکل غلطی کی ہے۔
تیسرے یہ کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ نے آنحضرت صلعم کے حلیے کا مفصل
بیان کیا ہے مگر کسی نے اس سیون کے نشانوں کا جس کا بیان اس
روایت میں ہے ذکر نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو بہت سے صحابہ اس کا ذکر
کرتے۔ چوتھے یہ کہ انس بروقت وقوع اس واقعہ کے موجود نہ تھے اور نہ
انہوں نے ان اشخاص کے نام بیان کئے ہیں جن کی وساطت سے
ان کو یہ روایت پہنچی۔ روایت کے نامعتبر قرار دینے کو ایک مستحکم اصول

یہ قرار پایا ہے کہ اگر راوی کسی ایسے واقعہ کو بیان کرے جس میں وہ خود موجود نہیں تھا تو وہ روایت قابل اعتبار کے نہیں ہے گو کہ وہ راوی صحابہ میں سے کیوں نہ ہو ✦

شق صدر کے متعلق روایتیں ایسی مختلف ہیں کہ اُن کی باہمی تطبیق نہیں ہوسکتی اور اس لیئے وہ سب کی سب نامعتبر ہیں۔ مصنف مواہب لدنیہ نے سب سے زیادہ ناوانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھ کر بعوض اُس کے کہ اُن کو نامعتبر ٹھیراتا یہ تسلیم کیا ہے کہ واقعہ شق صدر پانچ مرتبہ واقع ہوا تھا۔ اول اُس وقت جب کہ پیغمبر صاحب اپنی دائی حلیمہ کے پاس رہتے تھے۔ دوم مکہ میں جب کہ آنحضرت کی عمر دس برس کی تھی سوم غار حرا میں۔ چہارم شب معراج میں۔ پنجم ایک دفعہ اور جس کے وقت کی تعیین خود مصنف نہ کرسکا۔ یہ تمام روایتیں ایسی ہیں جن پر تمام ذی علم اور تعلیم یافتہ مسلمان ذرا بھی اعتبار نہیں کرتے اور یہ روایتیں محققین علمائے اسلام کے نزدیک طفلانہ افسانوں سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں ✦

شق صدر کی نسبت صرف ایک روایت جس میں شب معراج میں شق صدر کا ہونا بیان کیا گیا ہے اعتبار کے لائق ہوسکتی ہے اور اس واقعہ کو ہم معراج کے ساتھ بیان کریں گے مگر معراج کے تمام واقعات جو کچھ کہ ہوں بطور رویا کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوئے تھے۔ پس جو بیان شق صدر کا اُس روایت میں ہے۔ وہ بھی رویا سے متعلق ہے ✦

اب ہم معراج کے حالات بیان کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں۔ معراج

کے مقدم واقعات جن پر توجہ کی جا سکتی ہے یہ ہیں۔ آنحضرت کے سینہ مبارک کا شق کیا جانا۔ آپ کا براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس کو جانا اور وہاں سے آسمان پر تشریف لے جانا۔ وہ واقعات اور مکالمات جو آسماؤں پر پیش آئے۔ مگر مطلق ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کے در حقیقت واقع ہونے کا کبھی دعوے کیا ہو۔ قرآن مجید سے اور نیز اُن روایتوں سے جو راویوں نے معراج کی نسبت بیان کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مکہ سے بیت المقدس گئے ہیں اور اگر اس روایت کو جس میں شق صدر کا بھی ذکر ہے صحیح مانا جاوے تو یہ بھی آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ اُن کا سینہ چاک کر کے اُن کا دل پانی سے دھویا گیا ہے اور اُسی خواب میں آنحضرت نے اور بھی کچھ خدا کی نشانیاں دیکھیں جس کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں ۔

اول ہم اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ معراج صرف ایک رویا تھا۔ بخاری میں لکھا ہے۔ کہ ابن عباس نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ للناس کہا کہ یہ آنکھ کا رویا ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اس رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس کو لے جائے گئے تھے ۔

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ قال ھی رویا عین اریھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس (بخاری) ۔

قتادہ کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

چت لیٹے ہوئے تھے۔

حسن کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات کو میں مقام حجر میں سوتا تھا۔

انس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوتے تھے اور جب تمام قصہ معراج کا انس بیان کرچکے ہیں تو اس کے اخیر میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ لفظ بیان کئے ہیں کہ "پھر میں جاگ اٹھا اور میں مسجد حرام میں تھا۔"

ام ہانی کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز پڑھ کر ہم میں سو رہے اور فجر کے پہلے ہم نے انکو جگایا۔

عبد ابن حمید کی روایت میں ہے کہ معراج کا حال بیان کرنے میں آنحضرت نے فرمایا "کہ میں سوتا تھا" یا یہ کہا کہ "چت لیٹا ہوا تھا" یا یہ کہا کہ "سوتے اور جاگنے کے بیچ میں تھا۔"

یہ روایتیں جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا آیندہ لکھی جاویں گی۔ یہ سب روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ معراج کے جو واقعات کہ بیان ہوئے ہیں وہ خواب کے واقعات ہیں اور اگر ان روایتوں کی معتبری پر شبہ کیا جاوے تو اتنی بات ضرور اس سے ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانے کے لوگ جب کہ یہ روایتیں لکھی گئیں معراج کے واقعات کو رویا کے واقعات سمجھتے تھے علاوہ اس کے بہت سے علمائے محققین نے جن میں امیہ اور حذیفہ بھی داخل ہیں جو معتبر اصحاب میں سے ہیں بالاتفاق معراج کو ایک رویا قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سند ونسخ ثابت ہوتا ہے۔

شفاے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ ایک گروہ عالموں کا اس طرف

فذهب طائفة الى انه اسرى بالروح وانه رؤيا منام مع اتفاقهم ان رؤيا الانبيا حق و وحي والى هذا ذهب معاوية وحكى عن الحسن والمشهور عنه خلافه واليه اشار محمد ابن اسحاق (شفا) ؛

گیا ہے کہ معراج روحانی تھی اور وہ سوتے میں ایک رویا تھا۔ اسی کے ساتھ اُن سب نے اسبات پر اتفاق کیا ہے کہ انبیا کا رویا حق اور وحی ہے اور اسی بات کی طرف معاویہ بھی گئے ہیں اور حسن سے بھی یہی روایت کی گئی ہے لیکن اُن کی مشہور روایت اس کے برخلاف ہے اور اُس کی طرف محمد ابن اسحاق نے اشارہ کیا ہے ؛

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ محمد بن جریر طبری سے اُس کی تفسیر میں

وحكى عن محمد بن جرير الطبري في تفسيره عن حذيفة انه قال ذلك رؤيا وانه ما فقد جسد رسول الله صلعم وانما اسرى بروحه وحكى هذا القول ايضا عن عائشة رض و عن معاوية رض (تفسير كبير)

نقل کی گئی ہے کہ حذیفہ نے کہا کہ وہ (یعنے واقعہ معراج) رویا تھا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم نہیں گیا تھا اور معراج صرف روحانی تھی اور یہی قول عایشہ رض اور معاویہ رض سے بیان کیا گیا ہے ؛

مگر علماے متاخرین نے مذہبی گرم جوشی سے یہ بات قرار دی کہ معراج جسمانی تھی اور تمام واقعات جو واقع ہوئے ہیں نے الحقیقت واقع ہوئے تھے۔ لیکن اس ادعا کی نسبت اُن کے پاس کوئی سند قرآن مجید

کی موجود نہیں ہے بلکہ بعض الفاظ کے معنوں پر جوش و خروش کے ساتھ بحث کر کے اس امر کو قایم کرتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ لفظ "اسرے" کا اطلاق رویا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کے معنے رات کے سفر کے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس لفظ سے واقعی رات کا سفر مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ دلیل کرتے ہیں کہ "لفظ "بعبدہ" کا اطلاق جس کے معنے اپنے بندے کے ہیں روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے کیونکہ انسان دونوں چیزوں سے مرکب ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ سفر یعنے معراج جسمانی ہوئی ہو۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ لفظ رویا کے معنے دیکھنے کے ہیں اگرچہ اُس سے بالعموم خواب میں دیکھنے کے معنے لئے جاتے ہیں لیکن اُس کا اطلاق فے الواقع آنکھ کے دیکھنے پر بھی ہو سکتا ہے اور اس لئے ممکن ہے کہ "رویا" کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس سے پچھلے معنے مراد ہوں۔ اس پر وہ یہ دلیل اور اضافہ کرتے ہیں کہ ابن عباس کی روایت میں جو لفظ "رویا عین" استعمال ہوا ہے۔ تو "عین" کی قید لگانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رویا کے لفظ سے فے الواقع آنکھ کا دیکھنا مراد ہو ؎

باقی حدیثوں کا جن میں آنحضرت کا سوتا ہوا ہونا مذکور ہے یوں فیصلہ کرتے ہیں کہ یا تو آنحضرت معراج کے شروع ہونے کے وقت اس طرح پر لیٹے ہوئے ہوں گے جیسے کہ عموماً لوگ سونے کے واسطے لیٹتے ہیں یا معراج سوتے میں شروع ہوئی ہو گی اور پھر جاگ گئے ہونگے اور جاگنے کی حالت میں ختم ہوئی ہو گی ؎

مگر ہر شخص جس میں ذرا بھی سمجھ ہے اور ذرا بھی استدلال کا مادہ

رکھتا ہے واضح ہوگا کہ مذکورہ بالا دلیلیں کیسی پوچ اور ضعیف ہیں اِن
دلیلوں کے پیش کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو جوشِ مذہبی میں
اندھے ہو کر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن تمام روایتوں پر جو ذرا بھی مذہب
سے علاقہ رکھتی ہیں گو وہ کیسے ہی بیہودہ اور محال اور قابلِ تضحیک ہی
کیوں نہ ہوں آمنّا و صدقنا کہنا چاہئے۔ بلاشبہ اُن مسلمانوں کا یہ جاہلانہ
اعتقاد اُن کی نامعقولیت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن عیسائیوں کا یہ
بیان کہ ہر مسلمان کو ان سب بیہودہ باتوں کو امورِ دینی سمجھ کر بلا وسواس
اُن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور بھی زیادہ بیہودہ پن ہے۔ دیدہ
دانستہ ناانصافی اور عامیانہ جہالت کس قدر گہرے اور تاریک گڑھے
میں پڑ کر وہ عیسائی پیدا ہوگا جس وقت کہ اس نے یہ کہا کہ جملہ مسلمان
اس کو ایک اصل امرِ دینی سمجھتے ہیں اور اس مذہب کے تمام لوگوں کا
اس قصے پر ایسا مستحکم اعتقاد ہے جیسے کہ عیسائی انجیل کے کسی امر
پر عقیدہ رکھتے ہیں ٭

عیسائیوں کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی کتاب مذہب اسلام یا
اس کے بانی کے حالات میں لکھتے ہیں تو اُن کا ارادہ انصاف یا تحقیق
کا نہیں ہوتا بلکہ قلم اُٹھانے سے پہلے وہ قصد کر لیتے ہیں کہ جہاں تک
ہو سکے اُس کو لغو اور بیہودہ ظاہر کیا جائے۔ پس وہ اُن تمام لغو اور
مہمل روایتوں کو جن کو خود مسلمان تسلیم نہیں کرتے ایک نعمت غیر مترقبہ
سمجھ کر مسلمانوں کے خاص امورِ دینی بغیر کسی دلیل کے قرار دیتے ہیں
اور اس پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں۔ عیسائیوں نے باستثنائے
معدودے چند کے اُس مقدس شخص کے احکام و طریقہ کو جس کے پیرو

وہ اپنے تئیں بتاتے ہیں اور جس کے حلم اور نیک خصلت سے وہ محض بے بہرہ ہیں بالائے طاق رکھ کر اُن لوگوں پر جو خدائے واحد برحق پر ایمان رکھتے ہیں ایسے الفاظ سے طعن و تشنیع کی ہے جن کا ملحد اور لامذہب لوگوں پر بھی استعمال کرنا نازیبا ہے اُسی قسم کی ناانصافانہ سخت کلامیاں ہیں جو عیسائیوں نے معراج اور شق صدر کے باب میں لغو اور نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر مسلمانوں پر کی ہیں ۔

مگر ہم اُن عیسائی مصنفوں کا شکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے انصافانہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس واقعہ کو خواب کا واقعہ بیان کرتے تھے اور اُنہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ راویوں نے جو زیادتیاں اس میں کر دی ہیں اُن سے بانی مذہب اسلام پر کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اکتوبر کے کوارٹرلے ریویو نمبر ۲۵۴ میں ایک عیسائی مصنف نے یہ رائے لکھی ہے کہ "جو کچھ ہم کو اس مقام پر بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اپنے بعض سرگرم پیرووں کا ذمہ وار نہیں قرار دینا چاہئے جب کہ اُنہوں نے اس خواب کو جس کے ہم پلہ تمام دواِیرن کاڈی میں شاید ہی کوئی خواب ہوا اور جس نے البتہ کسی قدر رنگ اس سے دانستہ اُڑایا ہے لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کو ہمیشہ خواب کہتے کہتے تھک گئے ایک مہمل اور لایعنے چیز کے ساتھ بدل دیا"۔

اگرچہ ہم نے اُن روایتوں کی جو معراج سے متعلق ہیں بخوبی قدر و منزلت جیسی کہ اُن کی ہے بیان کر دی ہے لیکن اب ہم اُن تمام نامعتبر روایتوں کو اور اُن تمام بے بنیاد قصوں کو جو اُن میں مذکور ہیں بغرض

احکام محبت واقعی تسلیم کر لیتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان تمام قصوں
پر اعتقاد رکھنا مسلمانوں کے ہاں ایک خاص امر دینی ہے اور پھر ہم ان
متعصب عیسائیوں سے جو ان روایات کی بنا پر مذہب اسلام پر طعن و
تشنیع کرتے ہیں پوچھتے ہیں کہ وہ کیوں اس قدر دندناتے ہیں جب کہ
وہ خود اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں پر یقین رکھتے ہیں ۔ کیا ان کا یہ
اعتقاد نہیں ہے اور وہ اسباب کو دینی امر خیال نہیں کرتے کہ حضرت الیاس
آسمان پر انسانی جسم و شکل کے ساتھ بدون چکھنے ذائقہ موت کے ایک
آتشیں گاڑی میں بذریعہ ایک آندھی کے اٹھائے گئے ہیں ؟ اور کیا
عیسائی اس بات پر عقیدہ نہیں رکھتے کہ حضرت عیسےٰ مسیح مرنے کے
بعد اٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور خدا تعالے کے دست راست کی
طرف بیٹھے یعنے خود اپنے ہی دست راست کی طرف کیونکہ وہ خود خدا تھے
(متی باب ۲۸ ورس ۷ مرقس باب ۱۶ ورس ۱۹) +

اس واسطے ہم تمام عیسائیوں کو جو ایسی خراب اور ایذا رساں نظیر
کی تقلید کی جانب مائل ہیں ان کے احکام مرقوم الذیل کی پیروی کرنے
کی صلاح دیتے ہیں کہ " تو اس ذرہ کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے
دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ میں جو شہتیر ہے اس کو نہیں دیکھتا ۔ تو اپنے
بھائی سے کس طرح کہہ سکتا ہے کہ بھائی تو مجھ سے اپنی آنکھ کا ذرہ
نکلوا لے جب کہ تجھ کو خود اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا ۔ اے مکار
پہلے تو اپنی آنکھ میں سے شہتیر تو نکال لے تب تجھ کو اپنے بھائی کی آنکھ
میں کا ذرہ نکالنے کے لئے صاف نظر آنے لگے گا " (لوقا باب ۶
ورس ۴۱ و ۴۲) +

گرم جوش پیرو ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو جب نظم یا نثر میں بیان کرتے ہیں تو اُس میں شاعرانہ خیالات ملا دیتے ہیں۔ اسی طرح معراج کے حالات نظم و نثر میں جو لوگوں نے بیان کئے ہیں اُس میں بھی شاعرانہ خیالات ملا دیئے ہیں۔ یہ امر مسلمان گرم جوش پیروؤں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ عیسائی گرم جوش پیروؤں کا بھی یہی حال ہے۔ ایک مقدس عیسائی نے حضرت عیسےٰ کے آسمان پر چلے جانے کے قصے کو نہایت شاعرانہ رنگینی سے نظم کیا ہے جس کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں ✣

اُس نے آسمان کی طرف مراجعت کی اور اُس کے پیچھے صدائے مرحبا اور دس ہزار چنگوں کی شریلی آوازیں تھیں جو زمزمہ ہائے ملکوتی کا سماں باندھ رہی تھیں زمین اور ہوا اُن کی آواز سے گونج رہی تھی تمام افلاک و بروج سے صدائے بازگشت آ رہی تھی۔ سیارے اپنے اپنے مقامات پر سننے کے لئے ٹھیر گئے تھے جب کہ یہ نورانی جلوس طنطنہا سے شادکامی کے ساتھ عالم بالا کا عازم ہوا۔ اُنہوں نے یہ نغمہ گایا اے لازوال دروازہ کھل جاؤ۔ اے آسمانوں اپنے دروازوں کو وا کر دو اور اس بڑے نجات دہندہ کو جو اپنے کام کو اختتام پر پہنچا کر شان و شوکت کے ساتھ آتا ہے اندر لے لو اور اب خدا تعالےٰ اپنی عاطفت سے نیک لوگوں کے مکانوں میں قدم رنجہ کرے گا اور اپنی خوشی سے اپنے قاصدان اولے الاجنحہ کو رحمت آسمانی کے پیغام دے کر متواتر وہاں بھیجا کرے گا ✣

پس کیا کسی مسلمان کو زیبا ہے کہ ان شاعرانہ خیالات کو مذہب عیسوی میں داخل قرار دے کر اُن پر بیہودہ طعن و تشنیع شروع کرے ✣

اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی کیا نشانیاں دیکھیں یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں بجز اس کے کہ آنحضرت نے خدا کی کچھ نشانیاں دیکھیں اور کچھ مذکور نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید کے طرز کلام پر اگر ہم غور کریں اور اس سے ان نشانیوں کا استنباط کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں آیت اور آیات کا لفظ احکام پر اطلاق ہوا ہے اور دکھلانے کا لفظ کسی بات پر کامل یقین کرا دینے کی نسبت بولا جاتا ہے۔ پس آیت معراج کے ان الفاظ کے "لنریہ من ایاتنا" کے یہ معنے ہوئے "تاکہ یقین کرا دیں ہم اس کو اپنے بعض حکموں سے" پس وہ نشانیاں یہی احکام تھے جو عالم رویا میں ان کو وحی کئے گئے۔ اب ہم کو تلاش کرنی چاہئے کہ وہ کیا احکام تھے۔ جب ہم اس مقدس سورت کو بہ غور پڑھتے ہیں اور بخوبی چھان بین کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام جو آنحضرت پر منکشف ہوئے اور جو اسی سورت میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں:۔

لا تجعل مع اللہ الٰہا اخر فتقعد مذموما مخذولا (۱ آیت سورہ ۲۲)	مت مقرر کر ساتھ اللہ کے معبود اور پس بیٹھ رہے گا تو مذمت کیا گیا ہلاکت میں سونپا ہوا
وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا	اور حکم کیا تیرے پروردگار نے کہ نہ پوجو مگر اسی کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر پہنچیں تیرے نزدیک بڑھاپے کو دونوں میں سے ایک یا دونوں پس مت

کریما (آیت ۲۴) ❖	کہہ اُن کو اُف اور مت ڈانٹ اُن کو۔ اور کہہ اُن کو معزز کہنا ❖
واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا (آیت ۲۵) ❖	اور نیچا کر اُن دونوں کے لیئے ذلت کا بازو مہربانی سے اور کہہ اے پروردگار رحم کر اُن پر جس طرح پالا اُنہوں نے مجھ کو چھٹپن میں ❖
وات ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا (آیت ۲۸) ❖	اور دے رشتہ دار کو اُس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو۔ اور فضول خرچی مت کر ❖
ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا (آیت ۳۱) ❖	اور مت کر اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کی طرف اور مت کھول دے اسکو بالکل کھول دینا کہ بیٹھ رہے تو ملامت کیا ہوا اور ماندہ ❖
ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطا کبیرا (آیت ۳۳) ❖	اور مت مار ڈالو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے ہم اُنکو اور تمکو روزی دیتے ہیں بیشک اُنکا مار ڈالنا بڑا گناہ ہے
ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا۔ (آیت ۳۴) ❖	اور زنا کے پاس مت جاؤ بیشک وہ بے حیائی اور بری راہ ہے ❖
ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق (آیت ۳۵) ❖	اور مت مار ڈال اُس جان کو جسکو خدا نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ ❖
ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن حتی یبلغ	اور مت چھوؤ یتیم کے مال کو مگر پسندیدہ طریقہ سے یہاں تک

اشدہ و اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا + (آیت ۳۴) +

کرو وہ پہنچے اپنی جوانی کو اور پورا کرو عہد کو بے شک عہد پوچھا جاوے گا

واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم (آیت ۳۵) +

اور پورا کرو پیمانے کو جب ناپو اور وزن کرو سیدھے ترازو سے +

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا (آیت ۳۶) +

اور اس بات کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھ کو علم نہیں ہے۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہوگا +

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (آیت ۳۷) +

اور زمین میں اکڑتا ہوا مت چل۔ یقیناً تو زمین کو پھاڑ نہ ڈالے گا۔ اور لمبائی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا +

کل ذلک کان سیئہ عند ربک مکروہا (آیت ۳۸) +

ان سب باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے +

ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ ولا تجعل مع اللہ الہا اخر فتلقی فی جہنم ملوما مدحورا (آیت ۳۹) +

یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ تیرے پروردگار نے وحی بھیجی تیری طرف حکمت سے۔ اور مت قرار دے خدا کے ساتھ دوسرا خدا کہ ڈالا جائے گا دوزخ میں ملامت

کیا ہوا راندہ ہوا ؛

پچھلی آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان احکام کی وحی خدا تعالےٰ نے دی تھی اور جو کہ یہ تمام احکام اسی سورۂ معراج میں بہ لفظ وحی بیان ہوئے ہیں اُس سے یقین ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں احکام کا انکشاف ہوا تھا ؛

بعض روایتیں اس خواب میں اور بہت سی چیزوں کے ظاہر ہونے کا بیان کرتی ہیں مگر اُن کی صحت کے واسطے کوئی بھی معتبر سند نہیں ہے اور ایسی بہت کم روایتیں ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک پہنچتا ہو ؛

معلوم ہوتا ہے کہ ان راویوں نے کوئی بات قرآن مجید سے اور کوئی بات حدیثوں سے بلا تنقیح اُن کی صحت کے اور کوئی بات کسی راوی کی زبانی روایت سے اور کوئی دوسری بات کسی دوسرے راوی کی زبانی روایت سے چُن کر اور اُن سب پر اسنے بے دلیل اور وہمی خیالات کا اضافہ کر کے قصہ گھڑ لیا ہے۔ علاوہ اس کے یہ سب روایتیں کچھ عقل ہی کے برخلاف نہیں ہیں بلکہ خود دینِ اسلام کے عقاید اصولی کے اس قدر خلاف ہیں کہ اُن پر ذرہ برابر بھی اعتقاد رکھنا محال ہے ؛

علاوہ اس کے یہ روایتیں ایک دوسری سے ایسی مخالف اور متناقض ہیں کہ ہم کو کوئی شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک کی دوسری سے تطبیق کر سکے۔ اس مقصد سے کہ جو کچھ ہم نے اوپر کیا ہے ہماری اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن میں بہ خوبی آ جاوے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن سب روایتوں کو اس مقام پر نقل کریں اور اُن کے اختلافات

دکھانے کیلئے اُن کو علیحدہ علیحدہ اٹھارہ حصوں میں تقسیم کریں ؛

اول ۔ اُن اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو مقام وقوع معراج سے متعلق ہیں

عن قتادہ عن انس ابن مالک عن مالک بن صعصعة ان النبی صلے الله علیه وسلم حدثهم عن لیلة اسری به بینما انا فے الحطیم وربما قال فے الحجر (قتادة) ؛

مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے شب معراج کا قصہ بیان کیا تو فرمایا کہ اس بیان میں کہ "میں حطیم میں تھا" اور کبھی فرمایا "حجر میں" ؛

عن ابن شهاب عن انس قال کان ابوذر یحدث ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال خرج عن سقف بیتی وانا بمکة (ابن شهاب) ؛

انس سے روایت ہے کہ ابوذر حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق کی گئی اور میں مکہ میں تھا ؛

عن ام هانی انها قالت

ام ہانی نے کہا کہ رسول اللہ صلعم

ما اسری برسول الله صلے الله علیه وسلم الا وهو فی بیتی تلك اللیلة (ام هانی) ✤	کو معراج نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ اس رات کو میرے گھر میں تھے ✤
وقد روی عمر ابن الخطاب فی حدیث الاسراء عنه علیه السلام انه قال ثم رجعت الی خدیجة وما تحولت عن جانبها (شفاء) ✤	حضرت عمر بن خطاب نے معراج کی حدیث میں آنحضرت سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا پھر واپس آیا میں خدیجہ کی طرف اور انہوں نے کروٹ نہیں بدلی تھی ✤

دوم۔ اُن اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو بروقت شروع معراج آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت سے متعلق ہیں

مضطجعا (قتادہ)	لیٹے ہوئے (قتادہ) ✤
وعن الحسن بینما انا نایم فی الحجر جاءنی جبرئیل فهمزنی لعقبه فقمت فجلست فلم	اس درمیان میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا جبرئیل میرے پاس آئے پھر ٹھوکا دیا ایڑی سے پس

فی روایة عبد بن حمید — ہمام سے روایت ہے کہ اس میں بیان
عن همام بینا انا نایم — ہیں کہ میں سویا ہوا تھا اور کبھی فرمایا
وربما قال مضطجع وفی الروایة — کہ لیٹا ہوا تھا اور دوسری روایت
الاخری بین النایم والیقظان — میں ہے کہ سونے اور جاگنے کے
(شفاء قاضی عیاض) — درمیان میں (شفاء عیاض)

وحکوا عن عائشة انها — عائشہ رض سے بیان کرتے ہیں
قالت ما فقدت جسد رسول الله — کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ
صلی الله علیه وسلم — صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم گم نہیں کیا
(شفاء) — (شفاء)

سوم متعلق شق صدر

اذ اتانی ات فشق ما بین — کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا
هذه الی هذه یعنی من ثغرة — اور یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا
نحره الی شعرته — یعنی سینے کی ہڈی سے بالوں تک
(قتادہ) — (قتادہ)

فنزل جبرئیل ففرج — پس اترے جبرئیل اور چاک
صدری — کیا میرا سینہ
(ابن شهاب) — (ابن شہاب)

۴ چہارم۔ واقعات بعد شق صدر

فاستخرج قلبی ثم اتیت
بطست من ذهب مملوء ایمانا
فغسل قلبی ثم حشی ثم
اعید (قتادہ) +
وفی روایۃ ثم غسل البطن
بماء زمزم وملئ ایمانا وحکمۃ
(قتادہ) +
ثم غسلہ بماء زمزم
ثم جاء بطست من ذهب ممتلی
حکمۃ وایمانا فافرغہ فی صدری
ثم اطبقہ (ابن شہاب) +

پس میرا دل نکالا ایک طشت سونے
کا لائے جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر
میرے دل کو دھویا گیا پھر بھر دیا گیا
اور ویسا ہی کر دیا گیا (قتادہ) +
ایک روایت ہے کہ پھر پیٹ کو
زمزم کے پانی سے دھویا جو ایمان
اور حکمت سے بھرا ہوا تھا (قتادہ) +
پھر اس کو دھویا زمزم کے پانی
سے پھر ایک طشت سونے کا لایا
گیا جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا
تھا۔ پس اس کو میرے سینے میں
اونڈیلا اور پھر برابر کر دیا +

(ابن شہاب)

۵ پنجم۔ متعلق براق

ثم اتیت بدابۃ دون
البغل وفوق الحمار ابیض

پھر ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا
خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا۔

یقال له البراق یضع خطوه عند اقصی طرفه (قتادہ)

سفید رنگ کا۔ جس کا نام براق تھا۔ جس حد تک اس کی نظر جاتی تھی اس کا قدم وہیں پڑتا تھا ÷ (قتادہ)

عن ثابت البنانی عن انس ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال اتیت بالبراق وهو دابة ابیض طویل فوق الحمار ودون البغل یقع حافره عند منتهی طرفه (ثابت) ÷

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا جو ایک سفید لانبا چارپایہ ہے گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا۔ اس کا سم وہاں پڑتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ جاتی تھی (ثابت) ÷

عن انس ان النبی صلی الله علیہ وسلم اتی بالبراق لیلة اسری به ملجما مسرجا (انس) ÷

انس سے روایت ہے کہ جس رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی براق لایا گیا۔ زین کسا ہوا اور لگام چڑھا ہوا

(انس) ÷

ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء (ابن شہاب) ÷

پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو آسمان تک چڑھا لے گیا۔ (ابن شہاب) ÷

ششم متعلق سوارئ براق

فحملت علیه (قتادہ) ÷

پس میں اس پر سوار کرایا گیا (قتادہ) ÷

فرکبته (ثابت) ÷

پس میں اس پر سوار ہوا (ثابت) ÷

فاستصعب علیه فقال له جبرئیل امحمد تفعل هذا فما رکبك احد اکرم علی الله منه فارفض عرقا (قال الترمذی هذا حدیث غریب) (انس)

پس براق کو دشوار گذرا۔ جبرئیل نے اس سے کہا اے محمد کو کیا تو ایسا کرتا ہے کوئی شخص تجھ سے زیادہ بزرگ تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ پس وہ پسینے سے تر ہو گیا

ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے (انس) +

ہفتم - واقعات بیت المقدس پہنچنے کے

حتی اتیت بیت المقدس فربطته بالحلقة التی یربط بها الانبیاء (ثابت) +

یہاں تک کہ میں بیت المقدس آیا۔ پس میں نے اس کو اسی حلقے میں باندھ دیا جس میں اور انبیاء باندھا کرتے ہیں (ثابت) +

عن بریدة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما انتہینا الی بیت المقدس قال جبرئیل باصبعه فخرق بها الحجر فشد به البراق (رواه الترمذی) +

بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے۔ جبرئیل نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا پس پتھر پھٹ گیا اور اس سے براق کو باندھ دیا۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا۔ +

قتادہ اور اس کے سوا اور راویوں نے جناب پیغمبر خدا کے بیت المقدس میں جانے اور وہاں چند رسوم کے ادا کرنے کا جن کو اب ہم بیان کریں گے کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔

ہشتم۔ رسوم جو بیت المقدس میں ادا کی گئیں

قال ثم دخلت المسجد
فصلیت فیہ رکعتین +
(ثابت) +
عن ابی ھریرۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لقد رأیتنی فی الحجر
وقریش تسالنی عن مسرای
فسالتنی عن اشیاء من
بیت المقدس لم اثبتھا
فکربت کربا ما کربت مثلہ فرفعہ
اللہ انظر الیہ ما یسالونی عن
شیء الا انباتھم وقد رایتنی
فی جماعۃ من الانبیاء فاذا
موسیٰ قایم یصلی فاذا رجل
ضرب جعد کانہ من رجال
شنؤۃ واذا عیسیٰ قایم

فرمایا آنحضرت نے پھر داخل ہوا
میں مسجد میں اور دو رکعت نماز اس
میں پڑھی (ثابت)
فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے میں حجر میں تھا قریش
میری معراج کا حال پوچھ رہے
تھے۔ پس انہوں نے مجھ سے
بیت المقدس کے متعلق چند باتیں
پوچھیں جو مجھے یاد نہیں رہی تھیں
پس مجھ کو ایسا صدمہ ہوا کہ کبھی
نہیں ہوا تھا۔ پس خدا نے بیت المقدس
کو میرے سامنے کر دیا کہ میں اس کو
دیکھنے لگا۔ پھر جو بات انہوں نے
پوچھی میں نے سب بتا دی اور میں نے
اپنے کو جماعت انبیاء میں دیکھا۔
یکایک موسےٰ نظر آئے کہ کھڑے

يصلي اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي فاذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلوة (صلوة العصر) فاممتهم فلما فرغت من الصلوة قال لي قائل يا محمد هذا مالك خازن النار فسلم عليه فالتفت عليه فبدأني بالسلام (رواه مسلم)

نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک پیچیدہ مو آدمی تھے گویا شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں۔ پھر عیسےٰ نظر آئے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروۃ بن مسعود ثقفی اُن سے صورت میں بہت ملتے ہیں۔ پھر ابراہیم نظر آئے۔ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اُن سے بہت ملتا ہوا تمہارا ساتھی ہے (حضرت نے اُس سے اپنے کو مراد لیا) پھر نماز عصر کا وقت ہوا میں اُن سب کا امام بنا۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا اے محمد یہ مالک ہے دوزخ کا داروغہ سو اس کو سلام کرو۔ میں اُن کی طرف متوجہ ہوا تو اُنھوں نے خود سلام میں پیش دستی کی ۞

(اِس کو مسلم نے روایت کیا ہے)

عن جابر انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لما كذبني قريش قمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس فطفقت اخبرهم

جابر سے روایت ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا جب قریش نے مجھ کو جھٹلایا اور میں حجر میں کھڑا ہوا تھا۔ پس خدا نے بیت المقدس کو میرے

عن ایاته وانا انظر الیه (متفق علیه) ٭

سامنے کر دیا۔ میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور بیت المقدس کی علامتیں بتاتا جاتا تھا (متفق علیہ) ٭

وفی حدیث ابی ھریرۃ ثم سار حتی اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسه الی صخرۃ فصلی مع الملٰئکة فلما قضیت الصلوۃ قالوا یا جبرئیل من هذا معك قال هذا محمد رسول الله خاتم النبیین قالوا و قد ارسل الیه قال نعم قالوا حیاه الله من اخ وخلیفة فنعم الاخ ونعم الخلیفة ثم القوا ارواح الانبیاء فاثنوا علی ربھم وذکر کلام کل واحد منھم وھم ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ وداؤد وسلیمان ثم ذکر کلام النبی صلی الله علیه وسلم فقال وان محمدا صلی الله علیه وسلم اثنی علی ربه فقال

ابوہریرہ کی حدیث میں ہے پھر چلے آنحضرت یہاں تک کہ بیت المقدس آئے پھر اُتر کر اپنے گھوڑے کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ پھر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز ہولی تو لوگوں نے پوچھا اے جبرئیل تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ جبرئیل نے کہا محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء۔ لوگوں نے کہا کیا اُنکے پاس پیغام بھیجا گیا۔ اُنھوں نے کہا۔ ہاں سب نے کہا۔ خدا اُن کو ... رکھے۔ بڑے اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں۔ پھر انبیاء کی روحوں سے ملاقات ہوئی۔ سبھوں نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی اور ہر ایک کا کلام بیان کیا (ابوہریرہ نے) اور وہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ و داؤد و سلیمان تھے۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام بیان کیا۔ (ابوہریرہ نے) پس کہا محمد صلے اللہ

كلكم اثنى على ربه وانا اثنى
على ربي الحمد لله الذي
ارسلني رحمة للعالمين وكافة
للناس اجمعين بشيرا ونذيرا
وانزل علي القران فيه
تبيان كل شيء وجعل امتي
خير امة وجعل امتي وسطا
وجعل امتي هم الاولون
وهم الاخرون وشرح لي
صدري ووضع عني وزري
ورفع لي ذكري وجعلني فاتحا
وخاتما فقال ابراهيم بهذا
فضلكم يا محمد (شفاء قاضي
عياض) *

علیہ وسلم نے اپنے خدا کی تعریف
بیان کی۔ تو کہا کہ تم سب لوگوں نے
اپنے خدا کی تعریف کی اور اب میں
اپنے خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں۔
حمد ہے اس خدا کو جس نے مجھ کو تمام
عالم کے لئے رحمت کر کے بھیجا۔
اور تمام لوگوں کے لئے خوش خبری
دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا۔
اور مجھ پر قرآن اتارا جس میں ہر ایک
شے کی توضیح ہے اور میری امت
کو اور امتوں سے افضل کیا اور میری
امت کو وسط کیا اور میری امت کو
قرار دیا۔ کہ وہی پہلے ہیں اور وہی
پچھلے ہوں گے۔ اور میرا سینہ
کھول دیا اور بوجھ مجھ سے اتار دیا اور میرا چرچا بلند کیا۔ اور مجھ کو فاتح
کیا اور خاتم کیا۔ پس ابراہیم نے کہا۔ اسی سے محمد تم سب سے بڑھ
گئے ۔ *

(شفاء قاضی عیاض) *

٦

وانكر ذلك رأى الصلوة
في البيت المقدس حذيفة
بن اليمان وقال وربه ما زال

اور انکار کیا اس کا دیکھنے بیت المقدس
میں نماز کا حذیفہ بن یمان نے اور
کہا بخدا رسول اللہ براق کی پیٹھ

عن ظهر البراق حتى رجع (شفا) سے الگ نہیں ہوئے واپس آنے تک (شفاء) +

نہم۔ واقعات بروقت خروج از بیت المقدس

ثم خرجت فجاءني جبرئيل بإناء من خمر وإناء من لبن فاخترت اللبن فقال جبرئيل اخترت الفطرة (ثابت)

پھر میں نکلا پس جبرئیل میرے پاس شراب کا ایک ظرف اور دودھ کا ایک ظرف لائے۔ پس میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ جبرئیل نے کہا تم نے فطرت کو اختیار کیا +

(ثابت)

دہم۔ واقعات فلک اول

فانطلق جبرئيل حتى اتى السماء الدنيا فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد ارسل اليه قال

پس چلے جبرئیل یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے اور کھلوایا لوگوں نے کہا۔ یہ کون ہیں؟ کہا جبرئیل۔ پھر لوگوں نے کہا اور تمہارے ساتھ کون ہے کہا محمد۔

ثم قيل مرحبا فنعم المجی جاء ففتح فلما خلصت فاذا فيها آدم فقال هذا ابوك آدم فسلم عليه فسلمت عليه فرد السلام ثم قال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح (قتادہ) +

اچھے نبی کو مرحبا (قتادہ) +

ثم عرج بنا الى السماء (وساق مثل معناہ) قال فاذا انا بآدم فرحب بی و دعا لی بخیر (ثابت) +

فلما جئت الى السماء الدنیا (وساق مثل معناہ) اذا رجل قاعد على یمینه اسودۃ وعلى یسارہ اسودۃ اذا نظر قبل یمینه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قلت لجبرئیل

لوگوں نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ لوگوں نے کہا مرحبا خوب آئے پھر کھل گیا (آسمان) پھر میں جب پہنچا آدم نظر پڑے جبرئیل نے کہا۔ تمہارے باپ آدم ہیں۔ ان کو سلام کرو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا اچھے بیٹے کو مرحبا

پھر مجھ کو آسمان پر لے کر چڑھے (اور اسی طرح بیان کیا) فرمایا یکایک آدم نظر پڑے پس مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی (ثابت) +

پس جب میں آسمان دنیا تک پہنچا (اور اس کے مثل بیان کیا) یکایک ایک شخص نظر پڑے جن کے داہنے بائیں سیاہ شکلیں ہیں۔ جب داہنی جانب دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ انہوں نے

من هذا قال هذا ادم وهذه الاسودة عن يمينه وعن شماله نسم بنيه فاهل اليمين منهم اهل الجنة والاسودة التي عن شماله اهل النار فاذا نظر عن يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى (ابن شهاب)

کہا اچھے نبی کو مرحبا اچھے بیٹے کو مرحبا۔ میں نے جبرئیل سے کہا یہ کون ہیں کہا یہ آدم ہیں۔ اور ان کے دائیں اور بائیں جانب کی سیاہ صورتیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ سو دہنی جانب والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے اہل دوزخ ہیں۔ پس جب وہ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں ۔

(ابن شہاب)

عن انس قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم بينا انا قاعد ذات يوم اذ دخل جبرئيل عليه السلام فوكز بين كتفي فقمت الى شجرة فيها مثل وكرے الطائر فقعد في واحدة وقعدت في الاخرے فنمت حتى سلت الخافقين

انس سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت نے میں بیٹھا ہوا تھا ایک دن یکایک جبرئیل آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان زور دبایا پس میں ایک درخت کی طرف گیا جس میں پرندے کے گھونسلے بھی تھے پس ایک میں جبرئیل بیٹھے اور ایک میں میں پھر میں سو گیا یہاں تک کہ خافقین سے

ولو شئت لمست السماء
وانا اقلب ونظرت جبرئيل
كانه حلس لاطئ فعرفت
فضل علمه بالله علي وفتح
لي باب السماء ورايت النور
الاعظم واذادون الحجاب
وفوجة الدر والياقوت
ثم اوحى الله الي ما شاء ان
يوحي (شفاء قاضي عياض)

آگے بڑھ گئے اور اگر میں چاہتا
تو آسمان کو چھو لیتا۔ اور میں
پلٹے کھاتا تھا مگر جبرئیل کو دیکھا تو
وہ گویا عرق گیر تھے (بیٹھے) وہ اپنی
جگہ جمے رہے (پس) میں نے ان کا
افضل ہونا علم الٰہی میں اپنے سے
جان لیا۔ اور میرے لئے آسمان
کے دروازے کھولے گئے اور
میں نے نور اعظم دیکھا۔ اور
یکایک میرے سامنے حجاب تھا۔ اور موتی و یاقوت کے دریچے۔ پھر
خدا نے میری طرف وحی کی جو وحی چاہی

(شفاء قاضی عیاض)

وذكر البزار عن علي ابن
ابي طالب رض لما اراد الله تعالى
ان يعلم رسوله الاذان
جاءه جبرئيل بدابة يقال
لها البراق فذهب يركبها
فاستصعب عليه فقال لها
جبرئيل عليه السلام اسكني
فوالله ما ركبك عبد اكرم

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ
اپنے رسول کو اذان سکھائے
تو جبرئیل ان کے پاس ایک
چارپایہ لائے جس کو براق کہتے
ہیں پس آپ اس پر چڑھنے
لگے۔ سو اس کو دشوار لگا۔ جبرئیل
نے اس سے کہا ٹھیر۔ بخدا محمد

علی اللہ من محمد صلی اللہ
علیہ وسلم فرکبتہا حتے
اتی بہا الی الحجاب الذی یلی
الرحمن تعالی فبینا ھو کذلک
اذ خرج ملک من الحجاب فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یا جبرئیل من ھذا قال
والذی بعثک بالحق نبیا انی
لاقرب الخلق مکانا وان ھذا
الملک ما رأیتہ منذ خلقت
قبل ساعتی ھذہ فقال الملک
اللہ اکبر اللہ اکبر فقیل لہ
من وراء الحجاب صدق عبدی
انا اکبر انا اکبر ثم قال الملک
اشھد ان لا الہ الا اللہ فقیل
من وراء الحجاب صدق عبدی
انا اللہ لا الہ الا انا وذکر
مثل ھذا فی بقیۃ الاذان
الا انہ لم یذکر جوابا من
قولہ حی علی الصلوۃ حی
علی الفلاح وقال ثم اخذ الملک

صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اچھا
شخص خدا کے نزدیک بجز نہیں
سوار ہوا ہے۔ پس میں اُس پر
سوار ہوا۔ یہاں تک کہ اُس پردے
کے پاس آیا جو خدا کے قریب
ہے۔ اسی درمیان میں پردے سے
ایک فرشتہ نکلا۔ پس آں حضرت
نے کہا اے جبرئیل یہ کون ہے۔
جبرئیل نے کہا اُس کی قسم جسنے
تجھے نبی برحق مبعوث کیا ہے خلق اللہ
میں سب سے زیادہ مقرب بارگاہ
ہوں مگر اس فرشتے کو اس وقت
سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
جب سے میں پیدا ہوا۔ پس فرشتہ
نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر۔ پس
پردے کی اوٹ سے آواز آئی۔
سچ کہا میرے بندے نے۔ میں
بڑا ہوں۔ میں بڑا ہوں۔ پھر
فرشتے نے کہا میں گواہی دیتا ہوں
کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ۔
پردے سے آواز آئی کہ سچ کہا۔

بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقدمہ امام اهل السماء فیهم ادم ونوح قال ابوجعفر محمد بن علی الحسین راویہ اکمل اللہ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم الشرف علی اهل السموات والارض (شفاء) +

یہ ہے بندے سنے ہیں خدا ہوں مجھ بہرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اسی طرح ذکر کیا اوان کے بقیہ ہیں۔ مگر حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کا جواب نہیں ذکر کیا اور کہا پھر فرشتے نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھایا۔ پس آنحضرت نے آسمان والوں کی امامت کی جس میں آدم ونوح تھے۔ ابوجعفر محمد بن علی الحسین جو راوی ہیں انہوں نے کہا کہ خدا نے آنحضرت کو اہل زمین اور آسمان دونوں پر بزرگی بخشی (شفاء)

یازدہم - واقعات فلک دوم

ثم صعد بی حتے اتے السماء الثانیۃ (وساق مثل ماتقدم) اذا بیحیی وعیسٰے وهما ابنا خالۃ (وساق مثلہ) قالا مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح (قتادہ) +

پھر مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک دوسرے آسمان پر آئے (اور اسی کے ہم مضمون بیان کیا) ناگاہ وہاں یحیٰے و عیسٰے تھے اور وہ دونوں بھائی ہیں اور اسی طرح بیان کیا ان دونوں نے کہا نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا (قتادہ) +

ثم عرج بنا الی السماء پھر مجھ کو دوسرے آسمان پر لے کر

الثانیة (وساق مثله) فاذا انا بابنی الخالة عیسے ابن مریم ویحیی بن ذکریا صلعم فرحبا بی ودعوا لی بخیر (ثابت) ٭

چڑھے (اور اسی طرح بیان کیا) پس ناگاہ میں دو بھائیوں عیسے بن مریم و یحیے بن زکریا کے پاس تھا۔ انہوں نے مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی ٭

(ثابت)

حتی عرج بی الی السماء الثانیة (وساق مثله) قال انس فذکر انه وجد فی السموات آدم و ادریس وموسی وعیسی و ابراهیم ولم یثبت کیف منازلهم غیر انه ذکر انه وجد فی السماء الدنیا وابراهیم فی السماء السادسة (ابن شهاب) ٭

یہاں تک کہ مجھ کو دوسرے آسمان تک چڑھا لے گئے (اور اسی طرح بیان کیا) انس نے کہا کہ پس ذکر کیا آنحضرت نے کہ پایا آسمانوں میں آدم و ادریس و موسے و عیسے و ابراہیم کو اور ان کے مقامات نہیں متعین کئے۔ ہاں اس قدر ذکر کیا کہ آدم کو آسمان دنیا میں پایا اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں ٭

(ابن شہاب)

وفی روایة رای یوسف فی الثانیة ویحیی وعیسی فی الثالثة (لمعات) ٭

ایک روایت میں ہے کہ یوسف کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور یحیے و عیسے کو تیسرے آسمان میں (لمعات) ٭

دوازدہم - واقعات فلک سوم

ثم صعد بی الی السماء
الثالثة (وساق مثله) اذا
یوسف (وساق مثله) قال
مرحبا بالاخ الصالح والنبی
الصالح (قتادہ) +

پھر مجھ کو لے کر تیسرے آسمان پر
چڑھے (اور اسی طرح ذکر کیا) ناگاہ
یوسف (اور اسی طرح ذکر کیا) انہوں
نے کہا نیک بھائی و نیک نبی کو
مرحبا +

(قتادہ)

ثم عرج بنا الی السماء
الثالثة (وساق مثله) فاذا
هو بیوسف صلعم واذا هو
قد اعطی شطر الحسن ورحب بی
ودعالی بخیر (ثابت) +

پھر مجھ کو لے کر تیسرے آسمان
پر چڑھا (اور اسی طرح ذکر کیا) پس
ناگاہ وہ یوسف صلعم تھے اور ان کو
حسن کا ایک حصہ ملا ہے - مجھ کو
مرحبا کہا اور دعائے خیر دی +

(ثابت)

وفی روایة رای ادریس
فی الثالثة (لمعات) +

اور ایک روایت میں ہے ادریس
کو تیسرے آسمان میں دیکھا
(لمعات) +

وفی روایة رای یحیی و
عیسی فی الثالثة (لمعات)

اور ایک روایت میں ہے یحیی
و عیسے کو تیسرے آسمان میں
دیکھا (لمعات) +

سیزدہم - واقعات فلک چہارم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الرابعة (وساق مثله) فاذا ادریس (وساق مثله) (قتادہ)

پھر مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر آئے (اور اسی طرح بیان کیا) ناگاہ ادریس نظر پڑے اور اسی طرح بیان کیا) (قتادہ) +

ثم عرج بنا الی السماء الرابعة وذکر مثله فاذا انا بادریس فرحب لی ودعا لی بخیر قال الله ورفعنا مکانا علیا (ثابت) +

پھر چوتھے آسمان پر لے کر چڑھے (اور اسی طرح ذکر کیا) ناگاہ وہاں ادریس نظر پڑے سو مجھ کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی خدا نے کہا ہے ہم نے ان کا درجہ اونچا کیا + (ثابت)

وفی روایة راٰی ادریس فی الثالثة وھارون فی الرابعة (لمعات) +

ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے آسمان میں دیکھا اور ہارون کو چوتھے میں (لمعات) +

چہاردہم - واقعات فلک پنجم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الخامسة (فذکر مثله) فاذا

پھر مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر آئے (پس اسی طرح

هارون (فذكر مثله قتادة)

ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے۔ (پھر اسی طرح ذکر کیا) (قتادہ)

ثم صعد بي السماء الخامسة (فذكر مثله) فاذا بهارون فرحب لي ودعالي بخير (ثابت)

پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھے (پس اسی طرح ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے۔ انہوں نے مجھ کو مرحبا کہا۔ اور دعائے خیر دی (ثابت)

وفي رواية اخرى رأيت ادريس في الخامسة (اللمعات)

دوسری روایت میں ہے کہ ادریس کو پانچویں آسمان میں دیکھا (لمعات)

پانزدہم۔ واقعات فلک ششم

ثم صعد بي حتى اتى السماء السادسة (فذكر مثله) فاذا موسىٰ (فذكر مثله) (قتادة)

پھر مجھ کو چھٹے آسمان تک لے کر چڑھے (پس اسی طرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے (پس اسی طرح بیان کیا) (قتادہ)

ثم عرج بنا الى السماء السادسة (فذكر مثله) فاذا انا بموسىٰ فرحب لي ودعالي (ثابت)

پھر مجھ کو چھٹے آسمان کی طرف لے کر چڑھے (پس اسی طرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے سو مجھ کو مرحبا کہا اور دعا دی (ثابت)

فلما جاوزت بكى قيل له ما يبكيك قال ابكي لان غلاما

پس جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا گیا کیوں روئے

بعث بعدی یدخل من امتہ الجنۃ اکثر من یدخلھا من امتی۔ (قتادہ)۔

کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ ایسا نوعمر میرے بعد مبعوث ہوا اور اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں جائیں گے (قتادہ)+

انہ وجد ۔ ۔ ۔ ابراھیم فی السماء السادسۃ (ابن شہاب)+

انہوں نے پایا ۔ ۔ ۔ ۔ ابراہیم کو چھٹے آسمان میں (ابن شہاب)+

وفی حدیث شریک انہ رای موسی فی السابعۃ + شفا قاضی عیاض

اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسے کو ساتویں آسمان میں دیکھا+ (شفا قاضی عیاض)

شانزدہم۔ واقعات فلک ہفتم

ثم صعد بی الی السماء السابعۃ (فذکر مثلہ) فاذا ابراھیم قال ھذا ابوک ابراھیم (فذکر مثلہ) قال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح ۔ (قتادہ)+

پھر مجھ کو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسی طرح ذکر کیا) ناگاہ وہاں ابراہیم تھے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم ہیں (پس اسیطرح ذکر کیا) انہوں نے کہا کہ اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو مرحبا (قتادہ)

ثم صعد بی الی السماء السابعۃ (فذکر مثلہ) فاذا

پھر مجھ کو ساتویں آسمان پر لے کر چڑھے (پس اسی طرح ذکر کیا) وہاں

بابراهیم مسند الظهره الی البیت المعمور واذا هو یدخله کل یوم سبعون الف ملک لا یعودون الیه (ثابت) ✤

ابراہیم تھے بیت معمور کی طرف اپنی پیٹھ ٹیکے تھے۔ اور وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے (ثابت) ✤

وفی حدیث شریک انه رای موسیٰ فی السابعة (شفاء قاضی عیاض) ✤

شریک کی حدیث میں ہے کہ موسے کو ساتویں آسمان میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض) ✤

ہفتدہم۔ واقعات سدرۃ المنتہیٰ

ثم رفعت بی الی سدرة المنتهی فاذا نبقها مثل قلال هجر واذا ورقها مثل اذان الفیلة وقال هذا سدرة المنتهی (قتادہ) ✤

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ پہنچا سو اسکے پھل ہجر (ایک گاؤں کا نام ہے) کی ٹھلیا کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے تھے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے ✤

(قتادہ)

ثم ذهب بی الی سدرة المنتهی واذا ورقها کاذان الفیلة واذا ثمرها کالقلال (ثابت) ✤

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے سو اس کے پتے ہاتھی کے کان کے سے تھے اور پھل ٹھلیا کے برابر ✤

(ثابت)

واذا اربعة انهار يخرج
ان باطنان وظاهران ظاهران
قلت ما هذان يا جبريل قال
اما الباطنان فنهران في الجنة
واما الظاهران فالنيل والفرات
(قتادہ)

وفي رواية ابي هريرة
من طريق الربيع بن انس فقيل
لي هذه السدرة المنتهى ينتهي
اليها كل واحد من امتك خلى
احد على سبيلك وهي سدرة
المنتهى يخرج من اصلها انهار
من ماء غير آسن وانهار من
لبن لم يتغير طعمه وانهار
من خمر لذة للشاربين وانهار
من عسل مصفى وهي شجرة يسير
الراكب في ظلها سبعين عاما
وان ورقة منها مظلة الخلق
فغشيها نور وغشيها الملائكة
قال فهو قوله تعالى اذ يغشى
السدرة ما يغشى فقال الله

وہاں چار نہریں تھیں دو باطن ہیں
دو ظاہر ہیں۔ میں نے کہا اے
جبرئیل یہ دونوں کیا ہیں۔ کہا دونوں
باطن کی تو جنت کی دو نہریں ہیں اور
جو ظاہر ہیں وہ نیل و فرات ہیں۔
(قتادہ)۔

اور ابو ہریرہ کی ایک روایت میں
ہے پس مجھ سے کہا گیا یہ سدرۃ المنتہیٰ
ہے۔ تیری امت میں سے ہر ایک کی
پہنچ یہیں تک ہے سوائے ایک کے
جو تیرے رستے پر ہے اور یہی سدرۃ
المنتہیٰ ہے جس کی جڑ سے پانی کی
نہریں نکلی ہیں جو بگڑتا نہیں۔ اور
دودھ کی نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں۔
اور شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لئے لذت بخش
ہیں اور صاف شہد کی نہریں اور وہ ایک درخت
ہے کہ سوار اس کے سائے میں ستر
برس چلا جاتا ہے اور اس کا ایک پتا
تمام خلق پر سایہ کرتا ہے۔
پس اوپر نور چھا رہا ہے۔
اور فرشتے چھا رہے ہیں۔

تبارك وتعالى لهسل فقال
صلى الله عليه وسلم يا رب
انك اتخذت ابراهيم خليلا
واعطيته ملكا عظيما وكلمت
موسى تكليما واعطيت داود
ملكا عظيما والنت له الحديد
وسخرت له واعطيت سليمان
ملكا عظيما وسخرت له الجن
والانس والرياح والشياطين
واعطيته ملكا لا ينبغي لاحد
من بعده وعلمت موسى
التورية وعيسى الانجيل و
جعلته يبرئ الاكمه والابرص
واعذته من الشيطان الرجيم
فلم يكن عليهما سبيل فقال
له ربه تعالى اتخذتك حبيبا
فهو مكتوب في التورية محمد
حبيب الرحمن وارسلتك
الى الناس كافة رحمة لعلمك
لا تجزن بهم خطيئة حتى
يأتيهم وانك عبدي ورسولي

کرتا ہے - پس اوپر تر جھاڑتا
ہے - اور فرشتے جھاڑتے ہیں
خدا کے اس قول سے -
اذ یغشی السدرۃ ما یغشی ربیع
جب سدرۃ المنتہیٰ کو چھپا لیا اس چیز نے جو چھپ
لیا یہی مراد ہے - پس کہا خدا سے
بزرگ و پاک نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم
سے مانگ پس کہا صلے اللہ علیہ وسلم
نے اے پروردگار تو نے ابراہیم کو
خلیل بنایا اور اس کو ایک بڑا ملک
عنایت کیا - اور موسے سے کلام
کیا اور داؤد کو ایک بڑی سلطنت
عطا کی اور ان کے لئے لوہے کو
نرم کر دیا اور مسخر کر دیا اور سلیمان
کو ایک بڑا ملک عطا کیا اور ان کے
لئے جن اور آدمی اور ہوائیں اور
شیاطین مسخر کر دیے اور ایسا ملک
دیا کہ ان کے بعد پھر کسی کو نہیں مل
سکتا اور موسے کو توریت سکھائی اور
عیسے کو انجیل اور ان کو ایسا کر دیا
کہ وہ کوڑھی اور برص کو اچھا کر دیتے

وجعلتك اول النبيين خلقا و
اخرهم بعثا واعطيتك سبعا
من المثاني ولم اعطها نبيا
قبلك وجعلتك فاتحا وخاتما
(شفاء قاضي عياض) +
قال فلما غشيها من امر الله
ما غشي تغيرت فما احد من خلق الله
يستطيع ان ينعتها من حسنها (ثابت)

تجھے اور اُن کو مردود شیطان سے
محفوظ رکھا سو شیطان اُن دونوں
پر قابو نہیں پا سکتا پس کہا خدا نے
محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے
تجھ کو حبیب بنایا سو توریت میں لکھا
ہے کہ محمد حبیب الرحمن ہیں۔ اور میں نے
تجھ کو تمام خلق اللہ پر بھیجا اور میں
نے تیری امت کو ایسا کیا کہ وہ اگلے
بھی ہیں اور پچھلے بھی اور تیری امت کی خطا محسوب نہیں ہوتی جب تک وہ
یہ گواہی دیتے رہیں کہ تو میرا بندہ اور پیغمبر ہے۔ اور میں نے تجھ کو سب
نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب کے اخیر میں بھیجا اور میں نے تجھ کو
دوہرے لفظوں سات آیتوں والی دی اور تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں
دی۔ اور میں نے تجھ کو فاتح اور خاتم کیا +

قال فلما غشيها من امر الله
ما غشي تغيرت فما احد من
خلق الله يستطيع ان ينعتها
من حسنها (ثابت) +

فرمایا کہ جب چھا گیا اُس پر خدا کے
حکم سے جو چھا گیا تو وہ متغیر ہو گیا۔
سو خلق اللہ میں سے کوئی شخص
اُس کی خوب صورتی کی تعریف نہیں
کر سکتا (ثابت) +

وقال ابن شهاب حتى انتهيت
سدرة المنتهى فغشيها الوان لا ادري
ماهي وقال ثم ادخلت الجنة

اور ابن شہاب نے کہا یہاں تک کہ
میں سدرۃ المنتہے پہنچا سو اُس کو
ایسے رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں

فاذا فيها جنابذ اللؤلؤ واذا ترابها المسك (كما سيجيء) +

یا کاتا وہ کیا ہیں اور کہا پھر داخل کیا گیا میں بہشت میں سو وہاں موتی کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) +

وعن عبد الله قال لما اسری برسول الله صلے الله عليه وسلم انتهى به الى سدرة المنتهى وهي في السماء السادسة اليها ينتهي ما يهبط به من فوقها فيقبض منها قال اذ يغشى السدرة ما يغشى قال فراش من ذهب (عبد الله ابن مسعود) +

اور عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچائے گئے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے۔ اسی تک ختم ہوتا ہے جو اس پر اوپر سے اترتا ہے۔ سو وہ اس کو پکڑ لیتا ہے کہا اذ یغشی السدرۃ ما یغشی سے مراد سونے کا پتنگا ہے +

(عبد اللہ ابن مسعود)

وفي حديث شريك انه رأى موسى في السابعة قال بتفضيل كلام الله تعالى له قال ثم علا به فوق ذلك بما لا يعلمه الا الله تعالى فقال موسى لم اظن ان يرفع علي احد (شفاء قاضي عياض)

اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسے کو ساتویں آسمان میں دیکھا۔ خدا کی باتوں کی تفصیل ان سے بیان کی کہا پھر اتنے اوپر گئے۔ کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پس کہا موسے نے مجھ کو گمان نہیں تھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی جائیگا۔

(شفاء قاضی عیاض)

ثم رفع لی البیت المعمور (قتادہ) | پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا۔ (قتادہ)

ثم اتیت باناء من خمر واناء من لبن واناء من عسل | پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے ظروف لائے گئے۔

فاخذت اللبن فقال ھی الفطرۃ انت علیھا وامتک (قتادہ) | پس میں نے دودھ کو لے لیا پس کہا کہ یہی فطرت ہے تو اور تیری اُمت اُس پر ہے۔ (قتادہ)

قال ابن شہاب فاخبرنی ابن حزم عن ابن عباس وابا حبۃ الانصاری کانا یقولان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم عرج بی حتی ظہرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام (ابن شہاب) | ابن شہاب نے کہا کہ مجھ کو ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری دونوں کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ کو اوپر لے گئے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پر پہنچا جہاں قلم کے لکھنے میں چلنے کی آواز مجھ کو سنائی دیتی تھی۔ (ابن شہاب)

ہشتدہم۔ احکام جو عنایت ہوئے

فاوحی اللہ الی ما اوحی (ثابت) | پس وحی کی خدا نے میری طرف جو کی (ثابت)

ثم فرضت علی الصلوٰۃ خمسین صلوٰۃ کل یوم (قتادہ)

پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں +

(قتادہ)

ففرض علیّ خمسین صلوٰۃ فی کل یوم ولیلۃ (ثابت) +

پھر مجھ پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں (ثابت) +

قال ابن حزم و انس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرض اللہ علی امتی خمسین صلوٰۃ (ثابت) +

ابن حزم و انس نے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس فرض کیں خدا نے میری امت پر پچاس نمازیں۔

(ابن شہاب)

فرجعت فمررت علی موسی فقال بما امرت قلت امرت بخمسین صلوٰۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمسین صلوٰۃ کل یوم وانی واللہ قد جربت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک فرجعت فوضع عنی عشرا فرجعت الی موسی فقال مثلہ فرجعت فوضع عنی عشرا فرجعت الی موسی فقال مثلہ فرجعت فوضع عنی عشرا فامرت بعشر صلوٰۃ کل یوم فرجعت الی موسی فقال مثلہ فرجعت فامرت بخمس صلوٰۃ کل یوم (قتادہ) +

پھر میں لوٹا اور موسےٰ پر گذرا اُنھوں نے کہا تم پر کیا فرض ہوا میںنے کہا ہر روز پچاس نمازیں موسےٰ نے کہا تمہاری امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکے گی اور میں بخدا تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنو اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں تم خدا کی طرف واپس جاؤ اور کم کراؤ اپنی امت کے لیئے۔ پس میں واپس گیا۔ سو خدا نے دس نمازیں گھٹا دیں، پھر میں واپس آیا موسےٰ کی طرف۔ موسےٰ نے پھر وہی کہا۔ میں پھر لوٹا خدا نے دس اور بھی کم کر دیں۔ پھر میں موسےٰ کے پاس آیا۔ موسےٰ نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا خدا نے دس اور بھی کم کر دیں۔ پس مجھ کو ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پس پھر میں موسےٰ کے پاس آیا۔ موسےٰ نے پھر وہی کہا۔ میں پھر لوٹا۔ پس مجھ کو ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا (قتادہ)

فنزلت موسیٰ فقال ما فرض ربک علی امتک قلت خمسین صلوٰۃ فی کل یوم ولیلۃ قال ارجع الی ربک فاسئلہ التخفیف فان امتک لا تطیق ذلک فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتہم قال فرجعت الی ربی فقلت یا رب خفف عن امتی فحط عنی خمسا فرجعت الی موسیٰ فقلت حط عنی خمسا قال ان امتک لا تطیق ذلک فارجع الی ربک فاسئلہ التخفیف قال فلم ازل ارجع بین ربی تبارک وتعالیٰ وبین موسیٰ حتی قال یا محمد انہن خمس صلوٰۃ کل یوم ولیلۃ (رشابت)

فرجعت بذلک حتی مررت علی موسیٰ فقال ما فرض اللہ لک علی امتک قلت فرض خمسین صلوٰۃ قال فارجع الی

پس میں اترا موسےٰ کی طرف۔ اُنھوں نے کہا خدا نے تیری امت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا ہر رات دن میں پچاس نمازیں۔ موسےٰ نے کہا۔ پھر خدا کے پاس جاؤ۔ اور کہو کہ کم کر دے۔ کیونکہ تمہاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما لیا ہے اور دیکھ لیا ہے۔ فرمایا آنحضرت

ربك فان امتك لا تطيق فراجعني فوضع شطرها فرجعت الى موسى فقلت وضع شطرها فقال ارجع الى ربك فان امتك لا تطيق ذلك فرجعت فوضع شطرها فرجعت اليه فقال ارجع الى ربك فان امتك لا تطيق ذلك فراجعته فقال هي خمس وهي خمسون لا يبدل القول لدي فرجعت الى موسى فقال ارجع الى ربك فقلت استحييت من ربي (ابن شہاب) ؎

نے پس میں واپس گیا خدا کی طرف اور کہا کہ اے خدا میری امت پر تخفیف کر۔ بس پانچ نمازیں گھٹا دیں پھر میں موسٰی کے پاس آیا اور کہا کہ پانچ کم ہوئیں موسٰی نے کہا تمہاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی تم پھر خدا کے پاس جاؤ اور کمی کی درخواست کرو۔ فرمایا کہ میں برابر خدا اور موسٰی کے درمیان آیا اور گیا یہاں تک کہ خدا نے کہا اے محمد وہ پانچ نمازیں ہیں ہر دن رات میں (ثابت) ؎

میں اس کے ساتھ لوٹا۔ یہاں تک کہ موسٰی پر گزرا۔ موسٰی نے کہا خدا نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسٰی نے کہا تم لوٹ جاؤ اپنے خدا کی طرف۔ کیونکہ تمہاری امت سے یہ نہ ہو سکے گا۔ میں واپس گیا تو ایک حصہ معاف ہوا۔ میں موسٰی کے پاس پھر آیا اور کہا کہ ایک حصہ معاف ہوا۔ موسٰی نے کہا پھر خدا سے گفتگو کرو۔ تمہاری امت سے اتنا نہ ہو سکے گا میں واپس گیا اور دوبارہ سوال کیا ایک حصہ اور معاف ہوا میں پھر موسٰی کی طرف آیا انہوں نے کہا پھر جاؤ تمہاری امت سے اتنا نہ ہو سکے گا میں نے دوبارہ سوال کیا خدا نے کہا کہ یہ پانچ ہیں اور وہ (در اصل) پچاس ہیں۔ میری بات دوسری نہیں ہوتی پھر موسٰی کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا تم پھر خدا کے

پاس جاؤ۔ میں نے کہا اب تو میں خدا سے شرما گیا (ابن شہاب)۔

لکل صلوٰۃ عشر فتلک خمسون صلوٰۃ (ثابت)۔

ہر نماز کے لئے دس ہیں۔ پس وہ پچاس نمازیں ہوئیں (ثابت)

قال فاعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثا اعطی الصلوٰۃ الخمس واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ وغفر لمن لا یشرک باللہ من امتہ شیئا المقحمات (عبد اللہ ابن مسعود)۔

کہا پس حضرت کو تین چیزیں عطا ہوئیں پانچ نمازیں۔ اور سورہ بقر کے خاتمہ کی آیتیں۔ اور بخش دیا گیا اس کو حضرت کی امت میں سے جو خدا کا کسی کو ساجھی نہیں کرتا۔

(عبد اللہ ابن مسعود)

ومن ھم بحسنۃ فلم یعملھا کتب لہ حسنۃ فان عملھا کتبت لہ عشرا ومن ھم بسیئۃ فلم یعملھا لم تکتب علیہ شیئاً فان عملھا کتبت لہ سیئۃ واحدۃ (ثابت)۔

اور جس شخص نے ایک نیکی کا قصد کیا اور کیا نہیں اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاوے گی۔ اور اگر کرلے تو دس لکھی جاوینگی اور جو شخص کسی برائی کا قصد کرے اور کرے نہیں تو کچھ نہ لکھا جاوے گا۔ اور اگر کرلے تو ایک برائی لکھی جاوے گی۔ (ثابت)۔

فرجعت الی موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمس صلوٰۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمس صلوٰۃ کل یوم وانی قد جربت

پس میں موسےٰ کی طرف واپس آیا۔ انہوں نے کہا تم کو کیا حکم

الناس قبلك وعالجت بني اسرائيل اشد المعالجة فارجع الى ربك فسئله التخفيف لامتك قال سالت ربي حتى استحييت ولكني ارضى واسلم (قتادة) +

قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد رجعت الى ربي حتى استحييت منه (ثابت) +

قال فلما جاوزت نادى مناد امضيت فريضتي وخففت عن عبادي (قتادة)

ثم انطلق بي حتى انتهى بي الى سدرة المنتهى وغشيها الوان لا ادري ماهي ثم ادخلت الجنة فاذا فيها جنابذ اللؤلؤ واذا ترابها

ہوا اپنے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا حکم نے کہا تمہاری امت ہر روز پانچ نمازیں نہ پڑھ سکیگی اور میں تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما لیا ہے۔ تم خدا کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کرو۔ فرمایا میں خدا سے سوال کرتے کرتے شرما گیا۔ اب میں اسی پر راضی ہو جاؤنگا اور تسلیم کرلوں گا (قتادہ) +

کہا۔ پس میں اترا یہاں تک کہ موسے کے پاس پہنچا اور انکو خبر دی۔ موسے نے کہا اپنے خدا کی طرف واپس جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو۔ پس فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میں نے کہا کہ میں خدا کی طرف پھر پھر کے گیا یہاں تک کہ اب میں اس سے شرما گیا + (ثابت) +

کہا پس جب میں آگے بڑھا ایک پکارنے والے نے آواز

المسلک (ابن شہاب) ؛ دی۔ میں نے اپنا فرض نافذ کیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کی (قتادہ) ؛

پھر مجھ کو لے کے چلے (جبرئیل) یہاں تک کہ سدرۃ المنتہےٰ پہنچے اور اس کو رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں ان کو نہیں جانتا تھا۔ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا۔ ناگاہ وہاں موتی کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک تھی (ابن شہاب) ؛

یہ سب روایتیں ایک دوسری سے اس قدر مختلف و متناقض ہیں کہ ہم ان کے قواعد کے پیش کرنے کی جن سے ان کا باطل اور موضوع ہونا ثابت ہو سکتا ہے غیر ضروری ہے۔ کیونکہ یہ خود روایتیں صراحتاً ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت اور اعتبار کو خود کھو دیتی ہیں ؛

مصنف لمعات کا بیان ہے کہ یہ روایتیں ایک دوسری سے اس قدر اختلاف رکھتی ہیں کہ ان کا تطبیق کرنا بالکل غیر ممکن ہے تاوقتیکہ تعدد معراج کو تسلیم نہ کیا جاوے۔ یا ایک کو دوسری پر ترجیح نہ دی جاوے یعنے ان میں سے کسی کو مانا جاوے اور باقیوں کو غلط اور بے اصل قرار دیا جاوے

وعلے تقدیر صحۃ الروایات تتعذر الجمع الا ان یقال بتعدد المعراج او یرجح بعض الروایات علے بعض (لمعات) ؛

وہ عیسائی مصنف جنہوں نے پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھی ہے ایک درجہ اور بھی بڑھ گئے ہیں اور ان تعریفوں اور منظوم نعتوں کو جو مسلمان شاعروں نے اپنی شاعرانہ طرز سے مختلف امور متعلق بہ معراج مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زینت اور شان۔ براق کی شکل۔ فرشتوں کے جلوس وغیرہ پر لکھی ہیں روایات مستند

شمار کر لیا ہے۔ مگر انہوں نے اسلام کے حق میں یہ بہت بڑی مدد اسف
کی ہے اور اسلام کو ہمیشہ ان کی محنتوں اور جاں فشانیوں کا مشکور ہونا چاہئے
کیونکہ جب کوئی منصف مزاج اور ذی فہم شخص ایسی تصنیفات کے مجموعہ
پر نظر ڈالے گا تو ہم کو امید ہے کہ وہ اس نتیجہ کے استنباط سے باز نہ رہ سکیگا
کہ یہ تصنیفات امر حق کی تحقیق اور تدقیق کے سوا اور کسی غرض کے لئے
کی گئی ہیں اور بیہودگی اور یاوہ گوئی میں گروشیس کے کبوتر کے قصے کے
ساتھ ہمسری کرتی ہیں +

شق صدر اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت
سیدھا سادہ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے جسم مبارک میں یا اس واقعہ کے خواب میں ہونے سے انکار کرے۔
اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں
جو اس واقعہ کے حقیقی یا خیالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثنا بالکل
غلط اور سراسر بے اصل موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اس کے ایمان میں
ذرہ برابر بھی خلل واقع نہ ہوگا بلکہ وہ پورا پکا اور سچا مسلمان رہے گا +

معراج کا خواب اس قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت یعقوب نے دیکھا
تھا اور جو معراج یعقوب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ "پس
بخواب دید کہ اینک نردبانے بر زمین بر پا گشتہ سرش بہ آسمان میرسید و
اینک فرشتگان خدا ازاں بہ بالا و زیر میرفتند و اینک خداوند براں
ایستادہ و بگفت من خداوند خدائے پدرت ابراہیم و ہم خدائے اسحاق
ام ایں زمینے کہ براں بخوابی بتو و بذریت تو دہم و ذریت تو مانند خاک
زمین گردد و بمغرب و مشرق و شمال و جنوب منتشر خواہند شد و اینک من

باتمام وہر جائے کہ میروی تراگاہ وابستہ بایں زمین بازپس خواہم آورد ۔ تا بوقتیکہ آنچہ بتو گفتہ ام بجا آورم ترا وا نخواہم گذاشت و یعقوب از خواب خود بیدار شدہ گفت بہ درستیکہ خداوند دریں مکان است و من نہ دانستم پس ترسیدہ گفت کہ ایں مکان چہ ترسناک است ایں نیست مگر خانہ خدا و ایں است دروازہ آسمان (سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۲-۱۷) +

معراج کی نسبت جس چیز پر کہ مسلمانوں کو ایمان لانا فرض ہے وہ اس قدر ہے کہ پیغمبر خدا کا اپنا مکہ سے بیت المقدس پہنچنا ایک خواب میں دیکھا اور اسی خواب میں اُنہوں نے درحقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ کیں۔ خواہ وہ شخص اُن نشانیوں کو لامعلوم نشانیاں کہے خواہ اُن نشانیوں کے دیکھنے سے عمدہ ترین احکام کا وحی کا ہونا مراد لے مگر اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا جو وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور برحق ہے +

اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا عقیدہ پر ایمان رکھ کر اُن سب روایتوں کو جو معراج کے قصے میں آئی ہیں نہ مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کر کے چھوڑ دے تو اُس کے دین و ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور وہ اُس شخص کے ہم پایہ ہوگا جو کسی چیز پر بلا تحقیق و تفتیش کے ایمان نہیں لاتا +

روایات معراج میں اگر کوئی مسلمان کسی حکم کا تلاش کرنا چاہے تو اُس کو بعد از تلاش بسیار بجز دو حکموں کے اور کوئی حکم نہ ملے گا۔ ایک نماز پنجگانہ کا اور دوسرا یہ کہ جو کوئی خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ مشرک خیال کیا جاویگا۔ مگر یہ احکام نہ اُن روایتوں پر منحصر ہیں اور نہ اُن کے ذریعے سے ہم تک پہنچے

ہیں بلکہ خدا تعالےٰ نے متعدد آیات قرآنی میں اُن کی نسبت صاف صاف
اور بالتصریح حکم صادر فرمایا ہے پس اُن روایات کے نہ ماننے سے کسی حکم
شرعی کا انکار لازم نہیں آتا ✦

اگر اُن روایتوں کی نسبت یہ خیال کیا جاوے کہ اُن سے ایک شان آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی پائی جاتی ہے تو اُس کی نسبت ہماری یہ راے ہے کہ
اگر یہ سب باتیں جو اُن روایتوں میں مندرج ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاویں تو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی شان کچھ بڑھ نہیں جاوے گی اور اُس سب سے اعلےٰ درجے کی شان میں
کچھ زیادتی ہوگی اور اگر اُن کا عشر عشیر بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
طرف منسوب کیا جاوے تو بھی اُس جناب کی عظمت و شان میں کچھ فرق
نہیں آوے گا ✦

ہم مسلمان اپنے نبی کو "ابن اللہ" بنانا نہیں چاہتے اور نہ اُن کو خدا
تعالےٰ کے دست راست پر بٹھانے کے مشتاق ہیں ہم اُن کی سب سے
بڑی عزت اس میں خیال کرتے ہیں جو خود انھوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے کہ
انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد۔ امنا باللہ وما جاء
محمد صلے اللہ علیہ وسلم ✦

الخطبة الثانی عشر

فی

ولادته وطفولیّته علیه الصّلوٰة والسّلام

وانّک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم

اس خطبہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت سے آپ کی بارہ برس کی عمر تک کا حال ہے

عبداللہ بن عبدالمطلب والد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی چوبیس برس کی

عمر تھی جب کہ اُنھوں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی - آمنہ بنت وہب قریش کے قبیلے سے تھیں جو عرب کے قبیلوں میں نہایت معزز اور شریف قبیلہ تھا - حضرت آمنہ حمل ہی سے تھیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ نے بغرض تجارت یثرب یعنے مدینے کی طرف سفر کیا اور قبل پیدا ہونے آنحضرت کے اُنھوں نے وفات پائی اور بنی نجار کے دار نابغہ میں مدفون ہوئے ؛

اُن کی وفات کے بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے - جمہور محققین کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بارھویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس یعنے ابرہہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ہوئے مگر اس بات میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے - منقح امر جو قرار پایا ہے وہ یہ ہے کہ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق تھا - کیونکہ سب مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی یعنے نزول وحی سے تیرھویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی - ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو ترپن قمری سال ہوتے ہیں اور جب کہ ان میں سے ایک برس قمری سال شمسی سے مطابقت کرنے کے لئے منہا کیا جاتے تو باون برس باقی رہتے ہیں اور جب ان باون برس کو چھ سو بائیس میں سے نکال ڈالا جاوے تو پانسو ستر باقی رہتے ہیں اور اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی ؛

آنحضرت کی ولادت کی نسبت بہت سی عجیب روایتیں مشہور ہیں کہ

ولادت کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگورے گر پڑے۔ فارس کا مقدس آتشکدہ جس میں سالہاسال سے برابر آگ جلتی چلی آتی تھی دفعۃً بجھ گیا۔ وہاں کے موبدوں نے عجیب عجیب خواب دیکھیں اور چشمہ ساوہ دفعۃً خشک ہوگیا۔ مگر ان روایتوں کی معتبری کی قابل اعتماد سند نہیں ہیں اور نہ یہ مذہبی روایتیں سمجھی جاسکتی ہیں۔ آنحضرت کی ذات بابرکات کے سبب اسلام نے رونق پائی اور مسلمانوں کو فتوحات نمایاں حاصل ہوتی گئیں اور تمام مملکت فارس مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور وہاں کے قدیم آتشکدے برباد ہوگئے اور کسریٰ کے محلوں میں زلزلہ ڈال دیا۔ ان واقعات کو جو بعد کو وقوع میں آئے شاعروں نے اپنے شاعرانہ خیالات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے منسوب کیا کہ گویا آپ کا پیدا ہونا ہی فارس کے آتشکدوں کا بجھنا اور کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑنا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شاعرانہ خیال بطور روایت کے مروج ہونے لگے اور عین روز ولادت ہی سے منسوب کر دئے گئے۔ پس ان روایتوں کو مذہبی روایتیں تصور کرنا اُن لوگوں کی غلط فہمی ہے جو مسلمانوں کی مذہبی روایتوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ؛

علاوہ ان کے اور بھی روایتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی نسبت کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اگرچہ اُن کی صحت کے لئے بھی کافی ثبوت موجود نہیں ہے مگر اُن کے غلط ہونے کے لئے بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ نے کسی کو عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع کی۔ عبدالمطلب نے الفور وہاں آئے

اور آنحضرت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر کعبے میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی +

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ عبد المطلب کی دعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح مسلمانی طرز کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبے میں عبد المطلب کا دعا مانگنا صرف مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مگر ہم کو اس بات سے کہ عبد المطلب نے جو دعا مانگی تھی وہ مسلمانی طرز کی دعا تھی کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم کو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے خدا پرستی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اور اس بات کا بڑا قوی ثبوت یہ ہے کہ عبد المطلب نے اپنے بیٹے یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ رکھا تھا جو خاص خدا پرستوں کا طریقہ ہے +

چند روز تک ثویبہ نے جو آنحضرت کے چچا ابو لہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں آنحضرت کو دودھ پلایا۔ ثویبہ نے آنحضرت کے چچا حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور اس سبب سے حمزہ اور مسروق ابن ثویبہ آنحضرت صلعم کے دودھ بھائی تھے +

عبد المطلب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا مگر حضرت آمنہ نے خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا تھا جس نے کہا تھا کہ آپ کا نام احمد رکھنا۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام احمد رکھا اور اس طرح توریت اور انجیل دونوں کی بشارتوں کی تصدیق ہو گئی جن کا بیان ہم نے خطبہ بشارات میں کیا ہے۔ ولادت کے ساتویں روز عبد المطلب نے قربانی کی اور تمام اپنے قبیلہ قریش کو دعوت میں بلایا +

شرفاے مکہ کا دستور تھا کہ آب و ہوا کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ بچوں کے لہجے اور زبان میں غیر زبان کا اثر نہ ہونے پائے اپنے بچوں کو جب کہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے باہر بھیج دیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے موافق آنحضرت کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا اور وہ اپنے گھر لے گئیں اور ہر چھٹے مہینے لاکر اُن کی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھلا جاتی تھیں۔ دو برس بعد آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ اور حضرت حلیمہ آپ کو لے کر حضرت آمنہ کے پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب و ہوا آپ کو موافق نہ ہوگی پھر حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا اور وہ اُن کو اپنے ساتھ لے گئیں اور ہر چھٹے مہینے لاکر ملا جاتی تھیں۔ جب آنحضرت کی عمر چار برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پس حضرت حلیمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلائی ماں اور اُن کے خاوند حارث ابن عبدالعزےٰ دودھ کے رشتہ کے باپ اور اُنکی اولاد عبداللہ اور انیسہ اور خذیمہ عرف عثمان دودھ بھائی اور دودھ بہن ہیں +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دودھ کے رشتے کو خون کے رشتے کے برابر سمجھتے تھے اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُن کا ادب اور اُن کی تعظیم ماں کے برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی رداے مبارک جس کو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کے لئے بچھا دی تاکہ وہ اُس پر بیٹھیں۔ دودھ کے رشتہ کا ایسا بڑا پاس و لحاظ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جو محبت اور الفت کہ حضرت حلیمہ اور اُس کی اولاد کے

ساتھ برتتے تھے اور جس احسان مندی کا اظہار دودھ کے رشتہ داروں کے ساتھ کیا کرتے تھے نہایت اعلےٰ اور عمدہ مثالیں آنحضرت کے اخلاق حمیدہ نیک خوئی اور نرم دلی کی ہیں جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی +

بنی قریش اور بالتخصیص اس کی وہ شاخ جو بنی سعد کہلاتی تھی جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے طفولیت میں پرورش پائی تھی تمام ملک عرب میں زبان کی شستگی اور فصاحت کے لئے مشہور تھی۔ اور اسی سبب سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہایت زبردست اور پر اثر فصاحت وبلاغت رکھتے تھے۔ اہل عرب درحقیقت فصاحت وبلاغت کی نہایت قدر کرتے تھے اور جو شخص فصیح وبلیغ نہ ہوتا تھا۔ اس کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل سمجھتے تھے گو وہ کیسے ہی نامور اور شریف خاندان کیوں نہ ہو +

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گفتگو جزیرہ نما عرب کی خوش نما زبان کے خالص ترین نمونہ پر بن گئی تھی۔ ۰ ۰ ۰ جب کہ ان کی فصاحت وبلاغت اُن کی کامیابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان اور ایک دلفریب گفتگو سے فائدہ عظیم مرتب ہوا۔ مگر ایک بات سر ولیم میور صاحب کی نگاہ سے رہ گئی کہ جب ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں جس میں یقین کیا جاتا ہے کہ خاص لفظ آنحضرت کے محفوظ رہیں جیسے دعائیں وغیرہ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طرز کلام اور فصحائے عرب کے طرز کلام سے کچھ مشابہ نہیں ہے۔ لیکن جب ہم

قرآن مجید کے مقدس صفحوں کو پڑھتے ہیں تو ہم کو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی ؛

جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہؓ آپ کو اپنے عزیز و اقربا سے ملانے کے لئے مدینہ منورہ لے گئیں۔ کچھ عرصے تک وہاں ٹھہریں اور پھر مکہ معظمہ کو مراجعت کی اور رستے میں بمقام ابواز وفات پائی۔ جب کہ آنحضرت مکہ میں پہنچے تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمے لی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ شفقت پدری سے پیش آتے رہے ؛

سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ طفولیت یعنے بارہ برس کی عمر تک کے بعض واقعات تعریضاً بیان کئے ہیں مثلاً مدینے کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ اُن کا کھیل کود میں مصروف رہنا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اُڑا دینا اور رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا اور مدینے سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا۔ اگرچہ ان باتوں کی اور اسی قسم کی اور باتوں کی تصدیق کی جو آنھوں نے بیان کی ہیں کوئی معتبر سند نہیں ہے لیکن اگر یہ سب باتیں تسلیم بھی کر لی جاویں تب بھی یہ ایسی باتیں ہیں جیسے کہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کے موافق ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو صرف یہ کہا کہ "انا بشر مثلکم یوحی الی"۔ پس ایسی باتیں اگر ہوئی بھی ہوں تو

انسانی فطرت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتیں ؛

جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آٹھواں برس شروع ہوا تو آپکے دادا عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت جنازے کے ہمراہ قبرستان حجون کو گئے تو لوگوں نے آن کو روتے دیکھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس سے برخلاف منشاء سر ولیم میور صاحب کے کچھ تعجب نہیں ہوتا بلکہ اگر نہ روتے تو نہایت تعجب ہوتا۔ آنحضرت اس وقت کم عمر تھے اور ایسے موقعوں پر آنسوؤں کا نکلنا اور دل کا جوش مارنا خدائے تعالےٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ رنج کے وقت دل کا ملایم ہونا اور محبت آمیز جوش کا آٹھنا اور آنکھوں کی راہ سے آنسوؤں کا بہنا خدائے رحیم نے انسان کے دل کو تسلی اور اُسکے رنج کی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے۔ پس آنحضرت نے بھی اُسی فطرت کی پیروی کی تھی جو خدا نے انسان میں بنائی ہے ؛

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابوطالب آپکے چچا نے جو آپ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ اپنے ذمے لی۔ یہ بھی آنحضرت کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے رہے اور مثل پدر مہربان کے ہر طرح سے خبرگیری کی۔ جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابوطالب کو تجارت کے سبب سے شام کا سفر پیش آیا اور اُسکے سرانجام کے بعد پھر مکہ کو واپس آئے۔ سر ولیم میور صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ابوطالب کے ہمراہ شام کو گئے تھے۔ اور ابوطالب نے اوّل تو اپنے ہمراہ لے جانے سے انکار کیا تھا مگر آنحضرت روانگی کے دن اتنی لمبی مفارقت کے خیال سے افسردہ دل ہو کر اپنے

مزنی سے لپٹ گئے اور ابو طالب کو بھی جوشش الفت آگیا اور اپنے ہمراہ لے گئے اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے آنحضرت کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا کسی طرح ثابت نہیں ÷

جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہنچے تو زمانہ طفولیت کا منقضی ہو گیا تھا اور نوجوانی کا آغاز تھا اور جمیع اوصاف حمیدہ سے جن سے انسان ہر دل عزیز ہوتا ہے آراستہ تھے۔ نہایت اعلےٰ درجے کا اخلاق اور صبر اور مردانگی جن کو اوضاع و اطوار کی خوبی اور فصاحت و خوش بیانی سے دوبالا جلا ہو گئی تھی آپ کی ذات بابرکات میں اس طرح پر مجتمع ہوئے تھے کہ عالم شباب ہی میں آپ نے امین عرب کا لقب حاصل کیا تھا ÷

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں جو ہم نے بیان کئے اور اس کے سوا جو باتیں اس زمانے کی مشہور ہیں وہ سب بے سند اور نامعتبر ہیں ÷

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بارہ برس کی عمر تک کے تاریخی واقعات جو ہم نے اوپر بیان کئے اُن کے علاوہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لائیف آف محمد میں اور بھی کچھ واقعات بیان کئے ہیں جو نہایت ضعیف اور نامعتبر روایتوں پر مبنی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق معجزات حال کے مسلمانوں کے نزدیک بہت دل پسند مضامین ہیں" اگر اس امر کی کچھ تحقیقات نہیں کہ کن معجزات کو حال کے زمانے کے مسلمان بھی معتبر سمجھتے ہیں اور کون سے معجزات کو نامعتبر بطور قصہ اور کہانی کے ہوا

یہ بھی نہیں بتلایا کہ عالم کے مسلمانوں کی بابت انہوں نے قید لگائی ہے اس سے ان کا کیا مطلب ہے۔ غالباً یہ مطلب ہوگا کہ متقدمین مسلمان ان کو قابل التفات نہیں سمجھتے تھے اگر یہی مطلب ہو تو صاف اس بات کا اقرار ہے کہ وہ روایتیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے نامعتبر اور غیر صحیح ہیں جس قدر کتب سیر یا کتب سوانح عمری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی علمائے اسلام نے لکھی ہیں اور جو روایتیں ان میں بیان کی ہیں تمام مسلمان ان روایتوں کو ایسی روایتیں خیال کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ صحیح مانی جاویں روایتاً اور درایتاً کامل تحقیق وتدقیق کی محتاج ہیں۔ اس قسم کی روایتوں کو تا وقتیکہ ان کی تصدیق کی کوئی کافی دلیل نہ ہو مسلمان مطلقاً قابل اعتبار تصور نہیں کرتے بلکہ خود علمائے محققین نے ان روایتوں کو نامعتبر قرار دیا ہے۔ علمائے محققین اسلام اور ذی علم مسلمانوں نے ان روایات پر کبھی اطمینان نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ ان کی کوششیں اس بات کی تحقیق میں کہ کون سی ان میں سے صحیح اور کون سی غیر صحیح ہیں مصروف رہی ہیں ۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں روایتوں کے درجہ اعتبار کو بیان کیا ہے ان تمام روایات کی نسبت جن میں صحیح روایتیں اور موضوع اور نامعتبر روایتیں بلا تمیز شامل ہیں صرف اتنی بات کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ سب بے اصل اور راویوں کی محض اختراعات ہیں۔ گو ہم باوجودیکہ سر ولیم میور صاحب کے علم اور رتبے کا بہت ادب کرتے ہیں اس کہنے پر مجبور ہیں کہ دعوے بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر وہ بالعموم مان لیا جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ استدلال محض بیکار چیز

ہے اور اُس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کہ یونان کے مشہور کاشتکار مسمے گارڈین کی گاڑی کے جوئے کی گرہ کو ایران کی بادشاہت کے طمع میں ہاتھ سے کھولنے کے عوض تلوار سے کاٹ دیا جائے جیسے کہ سکندر نے کیا تھا ✤

فرض کرو کہ اگر کوئی یہ کہے[1] (جیسے کہ لوگوں نے کہا ہے) کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام محض عوام الناس میں سے اور یہود کے فرقہ ایسینین میں سے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اُن کے ایک مرید تھے۔ اُن کے مصلوب ہونے کے بعد اُن کے مریدوں نے شان الوہیت اور قدرت اعجاز کو اُن پر لگا دیا ورنہ وہ محض ایک عام یہودی تھے اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کہنے میں اور مسلمانوں کی تمام روایتوں کی نسبت اس بات کے کہہ دینے میں کہ وہ سب بے اصل اور راویوں کی اختراعات ہیں کیا فرق ہے ✤

زندگی کے عام معاملات میں بھی کسی شخص پر واجب نہیں ہے کہ کسی شخص کے محض زبانی بیان پر گو وہ کیسا ہی معزز اور ذی فہم کیوں نہ ہو یقین لے آوے تو ایسے بڑے معاملات میں کسی مصنف کے بیان یا رائے کو کیونکر قطعی مان لیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہم قابل معافی ہیں۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ "ان روایات ہی کو غیر معتبر سمجھ کر خارج کر لینا چاہئے" قابل تسلیم نہ خیال کریں جب تک کہ دلیل اور واقعات سے اُس رائے کی صحت کا ثبوت نہ ملے ✤

جاننا چاہئے کہ مسلمانوں کے نزدیک روایتیں تین قسم کی ہیں اول تو وہ روایتیں ہیں کہ اُن کی صحت و اعتبار کی معقول دلیلیں موجود ہیں۔ اور

---

[1] دیکھو کتاب موسوم بہ "اسے والیس فرام دی گنجز"

علے العموم مسلم ہیں۔ دوسری قسم میں وہ مشہور روایتیں شامل ہیں جن کا وقوع قوانین
فطرت کے برخلاف نہیں ہے اور جن کی بے اصلی اور غیر معتبری کی نسبت کوئی
دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ یہ روایتیں نہ تو بلا تحقیق نامعتبر کرنے کے قابل ہیں۔
اور نہ اس قابل ہیں کہ آنکھ بند کرکے اُن پر اعتماد کرلیا جائے۔ تیسری قسم میں
وہ روایتیں ہیں جو بظاہر بالکل محال معلوم ہوتی ہیں اور اُن کے ثبوت
کی کوئی معتبر دلیل نہیں ملی ہے اور اس لئے غلط اور نامعتبر قرار دی گئی ہیں۔
پس اس سے زیادہ غلطی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اہل اسلام کی نسبت
یہ کہا جاوے کہ وہ اُن سب قسم کی روایتوں کو برحق سمجھتے ہیں اور اُن سب پر
بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں جیسے کہ ہم نے اپنے خطبے رسالہ روایات المرویات
فی الاسلام" میں بیان کیا ہے ‌•

اب ہم اُن روایات کی نسبت بحث کرتے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے
اپنی کتاب میں لغویت مذہب اسلام ثابت کرنے کی منشا سے بیان کیا ہے اور
جتلاتے ہیں کہ وہ روایتیں اقسام روایات متذکرہ بالا میں سے کون سی قسم
کی روایتوں میں داخل ہیں۔ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ ولادت میں جو حضرت آمنہ کا ایک خوفناک اور نامعلوم آواز کو سنکر
ڈر جانا ایک سفید مرغ کا دفعتًا نمودار ہونا اور حضرت آمنہ کے سینے پر اپنے بازو
کا پھیرنا اور اس سے حضرت آمنہ کے اضطراب کو تسکین کا ہونا حضرت آمنہ کے
لئے ایک خوشگوار شربت کے پیالہ کا ایک نامعلوم ہاتھ سے ظاہر ہونا ملائکہ کی آواز
آنی بلا اس کے کہ کوئی شخص دکھائی دیتا ہو پاؤں سے چلنے کی آہٹ
کا محسوس ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آدمیوں کی نظر سے چھپا رکھنے کے
لئے آسمان سے ایک نور کی چادر کا اترنا بہشت کے پرندوں کا چھانا بہشت کی

خوشبوئیوں کا مہکنا یہ سب شاعرانہ مضمون ہیں جو غالباً سر ولیم میور صاحب نے
کسی مولودنامہ سے اخذ کئے گئے ہیں اور ہر مسلمان جس کو ذرا سا بھی علم ہوگا سمجھتا
ہے کہ یہ تمام باتیں شاعروں کے گرم جوش شاعرانہ خیالات ہیں جو انہوں نے
اپنے مضامین کی تزئین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کی رونق کے
لئے بیان کی ہیں جیسے کہ شاعروں کا اور خصوصاً مشرقی شاعروں کا شاعرانہ
مضمون میں اس قسم کے واقعات بیان کرنے کا دستور ہے۔ حضرت عیسےٰ
کی نسبت بھی گرم جوش خیال کے عیسائی شاعروں نے اسی قسم کے خیالات
نظم میں بیان کئے ہیں جن کا نمونہ ہم نے اپنے خطبہ " فی حقیقة شق الصدر
وماهية المعراج " میں دکھایا ہے اور ملٹن کی تمام پیریڈیز لاسٹ انہیں خیالات
سے بھری ہوئی ہے۔ پس نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم اپنے
ہاں کے اس قسم کے خیالات کو تو شاعرانہ خیالات سمجھے اور مسلمانوں کی اس
قسم کی باتوں کو بطور مذہبی روایتوں کے قرار دے اور اس کا فیصلہ یوں کر دے
کہ وہ سب راویوں کی اختراعات ہیں ؛

اسی قسم کے وہ مضامین ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بطور مذہبی
روایتوں کے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
پیدا ہوتے ہی زمین پر سجدہ کیا اور اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی اور کلمہ
پڑھا اور تین نورانی فرشتے آسمان پر سے اترے ایک کے ہاتھ میں چاندی
کی چھاگل تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک زمرد کا لگن اور تیسرے کے پاس
ایک ریشمی رومال اور آنحضرت کو سات مرتبہ غسل دے کر آپ کو خیر البشر کا
خطاب دیا ؛

ہم کو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلعم کے مختون

پیدا ہونے کو بھی اُنہی مخترع روایات میں شمار کیا ہے جن کو وہ عجیب و غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ بات نہ معجزہ سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض نوادرات فطرت سے متعلق ہے ایسے نوادرات فطرت کی بہت سی نظیریں بتلائی جا سکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں۔ ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں ہے اس زمانے میں بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں جن سے بلا توسل معجزہ یا عجائبات کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقینیاً قرین قیاس ثابت ہوتا ہے لاوز اس کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پا گئی تھی اور عرب جاہلیت بھی اس کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ختنے کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے ؛

مہر نبوت کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "صفیہ سے نقل ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت اُن کی پشت پر نور کے حرفوں میں مرقوم تھی" تمام مستند محدثین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مسّا و غدود سا تھا اور اُس پر بال تھے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ یہ میری رسالت کی مہر ہے اور نہ کبھی اس کو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کیا۔ جس طرح کہ حضرت موسےٰ نے اپنے ید بیضا کو نبوت کے ثبوت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز کی حرمت اور تعظیم کی جاتی تھی اور اسی خیال

سے بعض لوگوں نے آنحضرت کی پشت کے غدود کو عام نام سے بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کرکے استعارتاً اس کو مہر نبوت کے معزز اور گرامی نام سے موسوم کیا ہوگا +

بعض لوگوں کے اس خیال کو کہ اُس پر حرف لکھے ہوئے تھے جمیع علمائے اسلام نے نہایت صراحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ پس کیا ایک عیسائی عالم کو یہ بات

واما روایة کانت المجمر او کرکبة عنز او کشامة حضراء او سوداء و مکتوب فیہا محمد رسول الله او سطر فانك المنصور لم یثبت منہا شیء کما قاله العسقلانی وتصحیح ابن حبان لذلك وهم وقال بعض الحفاظ من روی انه کان علی خاتم النبوة کتابة محمد رسول الله فقد اشتباہ علیہ خاتم النبوة بخاتم الید اذ الکتابة المذکورة انما کانت علی الثانی دون الاول +

(حاشیة الباجوری علی الشمائل)

نازیبا نہیں ہے کہ مسلمانوں پر اُنکے نبی کی رسالت کے ثبوت میں ایسے امر کے اعتقاد رکھنے کا اتہام لگائے جس سے وہ خود انکار محض کرتے ہوں۔ شمائل ترمذی کے حاشیہ میں باجوری میں لکھا ہے کہ "یہ جو روایت ہے کہ اُس پر پچھنے کے سے نشان تھے یا بز جانور کے گھٹنے کی مانند یا غدود سبز یا سیاہ رنگ کا تھا اور اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا یا یہ لکھا ہوا تھا" ایک منصور آن میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے جیسے عسقلانی نے کہا ہے۔ اور ابن حبان نے جو اس کی تصحیح کی ہے وہ صرف اُس کا وہم ہے۔ اور بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ بیان کیا ہے کہ مہر نبوت پر لینے اُس نے مہر جو آنحضرت کی پشت پر تھی۔ الفاظ محمد رسول اللہ لکھے ہوئے تھے اُس کو دھوکا ہو گیا ہے ہاتھ کی مہر

ہیں اور اُس پشت کے غدود ہیں جس کو خاتم نبوت کہتے تھے کیونکہ وہ عبارت اتنی کی ہر ہیں کہ وہ تھی نہ پشت کی چیز پر" پس جو محقق امر باجوری اور عسقلانی نے لکھا ہے اُس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ علماے اسلام نے اُن روایتوں کو جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے خود رد کیا ہے اور مہر نبوت سے وہ کیا مراد لیتے تھے +

شرح السنہ میں ابی رمثہ سے منقول ہے کہ " وہ اپنے باپ کے

عن ابی رمثہ ... قال
دخلت مع ابی علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فرأی
ابی الذی بظہر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقال دعنی
اعالج الذی بظہرک فانی
طبیب فقال انت رفیق واللہ
الطبیب رواہ فی شرح
السنۃ

ساتھ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
کے پاس گئے۔ اُن کے باپ نے
اُس چیز کو دیکھا جو رسول خدا صلے اللہ
علیہ وسلم کی پیٹھ پر تھی۔ اُن کے
باپ نے کہا کہ آپ مجھ کو اجازت دیجئے
کہ جو چیز آپ کی پیٹھ پر ہے۔ میں
اُس کا علاج کر دوں کیونکہ میں طبیب
ہوں۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ تم رفیق ہو اور اللہ طبیب

ہے" اس روایت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو مہر نبوت کہتے تھے وہ کیا چیز تھی اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانے کے مسلمان جو آنحضرت کے اصحاب تھے اُس کو کیا سمجھتے تھے۔ پس سر ولیم میور صاحب نے جو اُس کو بطور عجائبات اسلام کے بیان کیا ہے۔ محض غلط بیان کیا ہے +

سر ولیم میور صاحب نے اور روایتیں لکھی ہیں جن میں بیان کیا ہے

کہ حضرت آمنہؓ سے ایک نور پیدا ہوا جس نے کہ شام کی تمام گلیوں اور مکانوں کو روشن کر دیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو ٹیک کر اُٹھ بیٹھے اور ایک خاک کی مٹھی بھر کر آسمان کی طرف پھینکی۔ اور ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہؓ کو ایام حمل میں کچھ بوجھ یا تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کہتی تھیں کہ میں نے کسی بچے کو پیٹ میں آنحضرت صلعم سے زیادہ بھاری نہیں پایا۔ یہ روایتیں اور اسی قسم کی اور سب روایتیں بالکل سند سے معرا ہیں اور خود علماء اسلام اُن کو غیر صحیح اور نامعتبر قرار دیتے ہیں اور یہ سب گرم جوش خیالات کے نتیجے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب اسلام کی مذہبی روایتوں کی طرز پر بیان کرتے ہیں اس منشا سے کہ اسلام کی ایک بے وقعتی ظاہر کریں +

وہ روایت جس میں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو کتاب شرح السنہ میں بیان کی گئی ہے اُس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ سر ولیم میور صاحب نے بیان کی ہے۔ اس لئے ہم اُس روایت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں۔ شرح السنہ میں عرباض ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اپنے پہلے حال سے مطلع کروں میں دعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسےٰ کی اور خواب ہوں اور اپنی ماں کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانے میں دیکھا تھا کہ

عن العرباض ابن سارية عن رسول الله صلے الله عليه وسلم انه قال . . . سا خبركم باول امري انا دعوة ابراهيم وبشارة عيسےٰ ورويا امي التي رات حين وضعتني وقد خرج

لها نورا منه قصور الشام* اس سے ایک نور پیدا ہوا ہے۔ جس سے شام کے محل روشن ہو گئے"

(رواہ فی شرح السنۃ)

پس جن روایتوں میں حضرت آمنہ سے نور کا پیدا ہونا منقول ہے اگرچہ ان کی بھی کوئی کافی سند صحت کی موجود نہیں ہے لیکن اگر ہم ان کو تسلیم کر لیں اور صحیح قرار دیں تو ان سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے ایسا ایک خواب دیکھا تھا اور اس قسم کا خواب دیکھنا نہ تعجب انگیز ہے نہ خلاف قیاس ہے اور نہ بر خلاف فطرت ہے*

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ تمام راوی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ میں دوشنبہ کو ایک مشہور اور معروف دن خیال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اسی دن آپ کی زندگی کے سب سے بڑے واقعات ظہور میں آئے تھے۔ لیکن اس مشہور عالم نے اس جگہ کسی قدر غلطی کی ہے کیونکہ مسلمانوں کے ہاں دوشنبہ کے دن کو کوئی مذہبی شرف حاصل نہیں ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ جب علما نے ان مشہور و معروف واقعات پر غور کیا۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ظہور میں آئے تھے تو اکثر کو دوشنبہ کے دن واقع ہوا پایا۔ اس لئے انہوں نے ایک اتفاقی مطابقت کے خیال سے اپنی تصنیف میں دوشنبہ کا ذکر کیا۔ حالانکہ بعض علما نے اس اتفاقی مطابقت سے بھی اختلاف کیا ہے۔ پس یہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جس کے سبب اسلام کی طرف کسی منشا سے کوئی اشارہ کیا جائے*

سر ولیم میور صاحب نے تاریخ واقدی کے چند اختراعات بیان کرنے کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ اس مصنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے

عبدالمطلب سے فرشتہ کا یہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا" اسکے بعد صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ" حمد کے مادے سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا اور آنحضرت کے سوا پانچ مختلف اشخاص اور بھی گذرے ہیں جن کا نام محمد تھا"

واقدی کے حوالہ سے صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہ نام عرب کے وہ لوگ رکھا کرتے تھے جنہوں نے یہود اور نصاریٰ اور کاہنوں کی زبانی سنا تھا کہ عرب میں ایک نبی اس نام کا عنقریب ہونے والا ہے اور اکثر اشخاص اپنے لڑکوں کے بھی نام رکھتے تھے اور ہر شخص یہ امید کرتا تھا کہ میرا ہی بیٹا نبی آخرالزمان ہونے کی شرف و عزت حاصل کرے"

مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر حضرت آمنہؓ نے عبدالمطلب سے کہا ہو کہ ایک فرشتہ نے مجھ سے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو سر ولیم میور صاحب نے اس بات پر کیوں تعجب کیا ہے۔ اگر توریت مقدس کی یہ آیت کریمہ اللہ تعالےٰ کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ دیکھ تو حمل سے ہے اور تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام اسمٰعیل رکھنا" (کتاب پیدایش باب ۱۶ ورس ۱۱) اور نیز یہ آیت کہ "اللہ تعالےٰ نے کہا کہ سارا تیری بی بی کے بیشک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام اسحاق رکھنا" (کتاب پیدایش باب ۱۷ ورس ۱۹) اور نیز انجیل کی یہ آیت "اور اس کے (یعنے مریم کے) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھ کو (یوسف کو) چاہیئے کہ اس کا نام جیسے رکھے کیونکہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دے گا" (متی باب اورس ۲۰) صحیح ہے اور عیسائی اس کو تسلیم کرتے ہیں تو کس بنا پر وہ اسباب سے انکار کرسکتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر

نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ہونے والا تھا احمد اس کا نام رکھنے کو کہا تھا۔

اس روایت کی صداقت کا ایک نہایت تسکین بخش ثبوت وہ ہے جو ہم نے اپنے خطبہ بشارات میں بیان کیا ہے یعنے تورات مقدس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت محمد کے نام سے آئی ہے اور انجیل میں احمد کے نام سے اور اس لئے ان بشارات کے پورا کرنے کے لئے ضرور تھا کہ حضرت آمنہ کو احمد کا نام بتا دیا جاوے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نام تھا۔ جس کو اہل عرب کبھی نہیں یا شاذ و نادر رکھتے تھے۔

مگر یہ ولیم میور صاحب کا یہ بیان نہایت عجیب ہے کہ "لفظ احمد" انجیل یوحنا کے کسی قدیم عربی ترجمے میں بجائے لفظ "تسلی دہندہ" کے براہ غلطی واقع ہوا ہوگا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کسی جاہل یا متعصب راہب کی جعل سازی سے بجائے یونانی لفظ۔ پیریکلیٹوس کے لفظ پیریکلیوٹس۔ کر دیا گیا" سر ولیم میور صاحب نے یہ بات اس لئے بیان کی ہے کہ پہلے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کا ترجمہ تسلی دہندہ ہے اور دوسرے یونانی لفظ پیریکلیوٹس کا ترجمہ احمد ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان یونانی لفظوں کو معرب کرکے فارقلیط بنا لیا ہے اور اس سبب سے کہ مسلمان فارقلیط کا ترجمہ احمد کرتے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے یونانی لفظ پیریکلیوٹس کو معرب کرکے فارقلیط کیا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے جو یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علمائے اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرت سے پہلے عرب میں اس نام کا اور

کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے اُنہوں نے اس قسم کی تمام روایتوں
کو رد کر دیا اور نہایت تدین و ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنے
میں کامیاب کوشش کی کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے
تھے اور واقدی کو بھی ہم اُن لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر یہ بات
کہ اِن ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت سے پہلے درحقیقت گذرے
تھے[1] یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے مادے سے اہل عرب
ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہ بیان کہ یہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس
قوی امید پر رکھتے تھے کہ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا
ہو کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر موثر نہیں ہو سکتا کیونکہ
کسی لڑکے کے والدین نے اس کے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی
موعود کا نام اس لڑکے کے نبی ہونے کے طمع پر کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی
ہوا جس کو درحقیقت خدا تعالےٰ کو نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا۔ ہماری
اس رائے کی تائید اس وقت اور بھی ہوتی ہے جب کہ ہم اُن بڑے بڑے
کاموں پر غور کرتے ہیں جو آنحضرت سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے
کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جب کہ ہم
اس روحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا طفیل ہے جس کو آنحضرت

[1] حضرت عیسےٰ کے نام کی نسبت بھی ہم یہی حال پاتے ہیں۔ ریمن صاحب
کی لیف آف کرایسٹ میں لکھا ہے کہ "یسوع جو اُن کا نام رکھا گیا لفظ یوشع کا تبدیل
کیا ہوا ہے یہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد کو اس نام میں اسرار اور امت کی نجات دہندہ
کا اشارہ اپنی طرف سے اس میں لگا دیا گیا تھا"۔

نے اپنی حیات میں شائع کیا تھا اور آئندہ نسلوں کے لئے بطور ورثہ کے چھوڑ
گئے اور جب کہ ہم اس صدق اور پاک بازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جسکو
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رائج کیا اور جو زمانے کی گردشوں کے بعد
بھی غیر متبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابدالآباد تک ایسی ہی رہیں گی تو
ہم کو کامل یقین ہوتا ہے کہ جس محمدؐ اور احمدؐ کی بشارت عہد عتیق و عہد جدید
میں دی گئی تھی وہ وہی تھے جو عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے
پیدا ہوئے تھے ۔

حضرت آمنہ کا اگر رویا میں فرشتوں کی صورتوں کو دیکھ کر ڈر جانا اور عرب
جاہلیت کے دستور کے موافق نوبت کے تعویذوں کو گلے میں لٹکانا یا بازوؤں
پر بطور عمل اور تعویذ کے باندھنا اگر صحیح بھی تسلیم کیا جاوے تو کسی طرح تعجب انگیز
بات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اس امر کی تائید کرتا ہے کہ حضرت آمنہ
نے درحقیقت اپنے رویا میں آسمانی فرشتوں کو دیکھا تھا ان اسپرنگر صاحب
کی عقل اور ایمانداری پر نہایت تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے
ہیں کہ حضرت آمنہ کو ضعف دماغ اور صرع کی بیماری تھی اور حضرت سارا اور
حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھا تھا اس کو صرع کی بیماری نہیں قرار
دیتے ۔

مسٹر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں کسی منشا سے اور بھی چند تعجب
انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ حضرت آمنہ کو خواب میں اطلاع ہوئی تھی کہ اس
بچے کو قبیلہ ابو ذئیب میں سے ایک عورت دودھ پلاوے گی اور حلیمہ کو بڑا
تعجب ہوا جب بلا درخواست اس کے شوہر کا نام اس کو بتلایا اور جب حلیمہ
آنحضرت کو لے آئی تو دفعتاً اس کا اور اس کی اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ

ہوگیا اور جب کہ حلیمہ آنحضرت کو لے کر چلی تو اس کا سفید گدھا سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگیا اور اس کے مویشی نہایت فربہ ہوگئے اور کثرت سے دودھ دینے لگے یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی سند بجز حلیمہ کے بیان کے اور کوئی نہیں ہے اور اسی لئے یہ روایتیں مستند اور معتبر نہیں ہیں۔ لیکن اتفاقات سے ایسے امور کا واقع ہونا کچھ ناممکن بھی نہیں ہے۔ مگر عیسائی عالم جو ایسی باتوں کو بطور دور از قیاس باتوں کے بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ ہم کو تعجب آتا ہے کیونکہ جب وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ لابان نے اس سے کہا کہ میں التجا کرتا ہوں کہ اگر مجھ کو میرا خیال ہے تو ٹھیر جا۔ کیونکہ مجھ کو تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالے نے تیری وجہ سے مجھ کو برکت دی ہے" (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۲۷) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یعقوب نے کہا کہ "میرے آنے سے پیشتر تیرے پاس بہت تھوڑا تھا اور اب وہ کثیر التعداد ہوگیا ہے اور جب سے کہ میں آیا ہوں اللہ تعالے نے تجھ کو برکت دی ہے" (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۳۰) اور اسی طرح کتاب پیدایش کے باب ۳۰ ورس ۳۷ سے ۴۲ تک کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے لابان کے مویشی کو حضرت یعقوب کے مویشی سے کمزور پیدا کیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ اگر حلیمہ کے مویشی میں بھی برکت دی ہوتی ہو تو اس کو دور از قیاس اور تعجب انگیز طرز پر بیان کیا جائے۔

سر ولیم میور صاحب واقدی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شق صدر اور دل کے دھونے کا واقعہ چار برس کی عمر میں واقع ہوا تھا اور ہشامی کے حوالے سے اس بات کا استد[illegible]

کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صرع کا عارضہ تھا۔ ہم نے اپنے خطبہ در حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج " میں اس مضمون پر شرح وبسط سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شق صدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شب معراج کے خواب کا ایک جزو تھا نہ یہ کہ درحقیقت وہ جسمانی طور پر واقع ہوا تھا۔ مگر راویوں نے اُن اسباب سے جو اکثر روایات کے بیان کرنے میں واقع ہوتے ہیں مختلف طور پر بیان کیا ہے اور اس کے وقوع کے زمانے میں بھی اُن ہی اسباب سے اختلاف ہوگیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ طفولیت میں واقع ہوا تھا۔ بعض کا بیان ہے کہ اس کا وقوع ایام شباب میں ہوا تھا۔ اور بعض کے نزدیک شب معراج میں وقوع میں آیا تھا۔ ہم کو اس واقع کی حقیقت کا دوبارہ اس مقام پر بیان کرنا ضرور نہیں ہے بلکہ اس مقام پر ہم کو یہ بیان کرنا منظور ہے کہ ہمارے ذی علم اور لایق مصنف سر ولیم میور صاحب نے جو ہشامی کی روایت سے اگر وہ بالکل صحیح بھی مان لی جاوے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صرع کا عارضہ ہوگیا تھا وہ کیسا غلط اور بے اصل ہے +

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ہشامی اور دیگر متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ اس لڑکے کو عارضہ ہوگیا ہے، جس لفظ کا ہم نے عارضہ ترجمہ کیا ہے وہ انگریزی لفظ "فٹ" تھے جو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے "فٹ" کے معنے لغت میں کسی مرض کے ایسے سخت اور یکبارگی حملے کے ہیں۔ [illegible] بدن کپکپانے لگے اور بعض اوقات غشی طاری ہوجائے ۔

جس سے غالباً صاحب ممدوح نے صرع مراد لی ہے - مگر ہشامی میں جو لفظ واقع ہے اُس کا "مدفٹ" ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے - سر ولیم میور صاحب کو اُس لفظ کے صحیح پڑھنے میں بالکل غلطی ہوئی ہے جیسا کہ ہم آگے ثابت کرینگے ✦

ہمارے پاس سیرت ہشامی موجود ہے جو ۱۸۵۸ء میں بمقام گاٹجن زیر اہتمام ڈاکٹر فرڈیننڈ وسٹن فیلڈ کے چھپی ہے اُس کتاب سے ہم وہ عبارت جو اس بحث سے متعلق ہے بلفظہ نقل کرتے ہیں ✦

قالت وقال لی ابوہ یا حلیمة لقد خشیت ان یکون ھذا الغلام قد اصیب فالحقیه باھله ✦

یعنے حلیمہ نے کہا کہ اُس کے باپ (یعنے آنحضرت کے دودھ باپ یعنے شوہر حلیمہ) کہا اے حلیمہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ اس لڑکے کو کچھ ہو گیا ہے - اس لئے اُس کو اُس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دے ✦

مگر جب حلیمہ آنحضرت کو حضرت آمنہ کے پاس لے کر آئیں تو حضرت آمنہ نے ان کو نہیں لیا اور حلیمہ سے کہا کہ اُس کو واپس لے جاؤ - اُس وقت حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ کیا تجھ کو یہ اندیشہ ہوا تھا کہ اُس پر شیطان مسلط ہو گیا ہے یہ کلام بطور استفہام انکاری کے تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلیمہ کے شوہر کو جو گمان ہوا کہ آنحضرت کو کچھ ہو گیا ہے صحیح نہیں تھا ✦

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لیف آف محمد کے صفحہ ۲۱ حاشیہ پر بجائے لفظ اصیب کے مُیب لکھا ہے یعنے صاد کے جگہ میم لکھا ہے اور اُس کے معنے "مدفٹ" یعنے عارضہ ہونے کے لکھے ہیں - مگر یہ لفظ سیرت ہشامی میں ہم کو نہیں ملتا ہے اور نہ اُس کے معنے عارضہ ہونے کے پائے جاتے ہیں - ہشامی میں اُصیب کا لفظ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا

ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا اور چونکہ ان دونوں لفظوں کی شکل میں بہت
ہی کم فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے کسی
غلط قلمی نسخہ سے اس کو نقل کیا ہوگا۔

تمام عیسائی مصنف سوائے ایک دو کے جنہوں نے آنحضرت صلعم
کی سوانح عمری لکھی ہے اس بات کو بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق ہوا تھا۔ اولاً تو ہم متعجب
تھے کہ یہ خیال گروشیس کے کبوتر کے قصے کی طرح عیسائیوں کے ذہن
میں کیونکر سمایا۔ کسی تاریخ سے نہیں پایا جاتا کہ کوئی ڈاکٹر آنحضرت صلعم
کی جسمانی حالت کا امتحان کرنے کو عرب میں گیا ہو اور نہ ایشیائی مصنفوں
نے اس امر کی نسبت کچھ تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس خیال کی ابتدا کہاں سے
ہوئی اور کس نے اس کو پھیلایا۔ آخرکار بہت سی تلاش کے بعد ہم کو
متحقق ہوا کہ یہ خیال تمام عیسائیوں میں دو وجہ سے پیدا ہوا۔ اول عیسائیوں
کے تعصبات مذہبی کے سبب سے اور دوسرے عربی عبارت کے زبان
لیٹن میں غلط ترجمہ ہونے سے۔

کتاب لیف آف محمد مصنفہ پیڈو مطبوعہ لندن سنہ ۱۷۱۳ء کے صفحہ ۲
کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی ابتدا وہاں سے ہوئی ہے اور
تاریخ ابوالفدا کے بعض مقامات کے غلط ترجمہ سے بھی جو ڈاکٹر پوکاک
نے لیٹن زبان میں کیا ہے اس کی بنا معلوم ہوتی ہے یہ ترجمہ مع اصل
عبارت عربی کے پوکاک کے مسودے سے سنہ ۱۷۲۳ء میں بمقام آکسفورڈ
چھپا تھا۔ اول ہم اس چھاپے سے اس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور
پھر ہم اس کی عبارت اور نیز اس کے ترجمہ کی متعدد غلطیاں بتاتے

ہیں ؛

اُس چھاپہ میں عبارت مذکورہ اس طرح پر لکھی ہے ۔

فَقَالَ زَوْجُ حَلِيمَةَ لَهَا قَدْ خَشِيتُ اَنَّ هٰذَا الْغُلَامَ قَدْ اُصِيبَ بِالْحَقِيَةِ بِاَهْلِهِ فَاحْتَمَلَتْهُ حَلِيمَةُ وَ قَدِمَتْ بِهِ اِلٰى اُمِّهٖ ؛

اس عبارت کا جو لیٹن میں ترجمہ کیا ہے اُس کا ترجمہ اردو میں اس طرح پر ہوتا ہے "تب حلیمہ کے شوہر نے کہا کہ مجھ کو بہت خوف ہے کہ اس لڑکے نے کسی اپنے ساتھی سے دماغی بیماری کو اخذ کر لیا ہے ۔ اس واسطے اُس کو حلیمہ سے لے کر اُس کی ماں آستہ پاس لے گیا" اِس مترجم نے دماغی بیماری سے غالباً صرع کا عارضہ یا بے ہوش کرنے والی بیماری مراد لی ہے ؛

اول تو ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے جس لفظ کو اُمیب پڑھا ہے وہ اصیب ہے اور پھر ہم بتاتے ہیں کہ کتاب مذکورہ بالا کے مصنف نے جس لفظ کو بِالْحَقِيَةِ پڑھا ہے وہ بھی غلط پڑھا ہے وہ لفظ فَالْحَقِيَةِ ہے اور ترجمے میں یہ غلطی کی کہ جب مترجم نے دیکھا کہ لفظ بِالْحَقِيَةِ کے معنے عبارت کے مناسب نہیں ہو سکتے تو اُس کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا اور جب لفظ اصیب پر پہنچا تو اُس کا ترجمہ اخذ کیا اور جب کہ عبارت میں نہ کسی شے ماخوذ کا ذکر تھا اور نہ اُس کا ذکر تھا جس سے اخذ کیا اور بلحاظ قواعد نحوی اور لغت

عبارت کے اُن دو نوں کا عزور تھا اس سئے مترجم نے انگلی ہم باعلوت الفاظ وہ کسی اپنے ساحتی سے "اور الفاظ "دماغی بیماری" کو یا "بے ہوش کرنے والی بیماری" کو بڑھا دیا حالانکہ وہ اصل عبارت میں نہیں ہیں +

اگر عبارت مذکورہ کو صحیح طور پر پڑھا جاوے تو صحیح ترجمہ اس کا یوں ہوتا ہے کہ تب حلیمہ کے شوہر نے اُس سے کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ لڑکا مبتلا ہو گیا ہے پس اُس کو اُس کے لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ پس اُٹھا لیا اُس کو حلیمہ نے اور لے آئی اُس کو اُس کی ماں کے پاس +

اہل عرب ایسے مبہم کلمات کو ایسی بیماریوں کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے جن کا سبب اُن کو معلوم نہیں ہوتا تھا اور غالباً اُن کا خیال تھا کہ کسی مخفی قوی یا روح کا اثر ہے اور جن بیماریوں کا سبب اُن کو نہ معلوم ہوتا تھا اُن کو شیطان کے اثر کی طرف بھی منسوب کرتے تھے +

قدیم اہل یونان اپنے توہمات مذہبی سے صرع کی بیماری جو ایک عجیب و غریب قسم کی بیماری ہے یقین کرتے تھے کہ دیوتاؤں یا خبیث ارواحوں کے اثر سے ہوتی ہے۔ اسی بنا پر عیسائی مصنفوں نے لفظ اصیب سے بالتخصیص صرع کی بیماری سمجھ لی۔ حالانکہ ایسا سمجھنا عرب کے محاورے کے برخلاف ہے کیونکہ عرب صرف صرع ہی کی بیماری کو نامعلوم اثر کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک چیز کو جس کا سبب اُن کو نہ معلوم ہوتا تھا مخفی قوا سے یا شیطان یا جن کے اثر کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ اصیب سے صرع کا بالتخصیص مراد لیا جاوے +

اس بیان کی تائید میں ہم ایک نہایت ذی علم اور ذی فہم غیر متعصب مصنف کی راے کو نقل کرتے ہیں۔ جو کہتا ہے کہ "یہ متواتر بیان کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا۔ یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع ہے جنھوں نے اس عارضہ کے لحوق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہوگا کہ ان کے اخلاق چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کی طعنہ زنی اور تنفر کا مستوجب ہو"۔

نہایت مشہور اور لائق مورخ یعنے گبن نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان مرگی حملوں کی نسبت یہ لکھا ہے۔ کہ "یہ یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے"۔ اور ایک اور مقام پر اسی مورخ نے لکھا ہے کہ "وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے عارضہ صرع یا بیہوش کر دینے والی بیماری کو تھیوفینز زوناراس اور اَور یونانیوں نے بیان کیا ہے اور ہالنجر اور پریڈو اور مارکشی نے اپنے سخت تعصب کے سبب اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر نگل لیا ہے۔ قرآن میں جو دو سورتیں ہیں جن میں سے ایک کا نام مزمل اور ایک کا نام مدثر ہے ان میں سے صرع کی بیماری کی تاویل کرنی مشکل ہے۔ مسلمان مفسرین کا سکوت اور صرع کی بیماری سے ناواقفیت ان کے قطعی انکار کی نسبت زیادہ تر قاطع اور مرجح ہے۔ اور آزاد اندر راستہ اگلی گیگنر اور سیل نے اختیار کیا ہے"۔

اب ہم اس غلط اور بے اصل اتہام پر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا بہ لحاظ طب کے غور کرتے ہیں۔ چیمبرز سائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ "صرع اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں دفعتاً بے ہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ بند ہو

سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے پھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جائے۔ اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اس میں تیزی اور چستی نہیں رہتی اور ایسی مردہ دلی اس پر چھا جاتی ہے جو اس کو دنیا کے باقاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بدہضمی بھی اکثر ہوتی ہے اور تمام قوائے جسمانی میں ضعف اور ناطاقتی گھر کر جاتی ہے جس کی وجہ سے مریض کے چہرے سے دائمی نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اسی کے ساتھ مریض کے ذہن میں اپنے ضعف و نقاہت کا یقین بخوبی جم جاتا ہے اور مشقت طلب اشغال سے نفرت ہو جاتی ہے بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اس پر عام اندازہ سے زیادہ تنظر پڑیں"۔

اب ہمارا یہ کام ہے کہ اس امر کی تنقیح کریں کہ آیا یہ سب آثار یا ان میں کوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر کے کسی حصہ طفولیت سے لے کر وفات تک پائے گئے تھے یا نہیں۔

کوئی مؤرخ مسلمان یا عیسائی یہ نہیں بیان کرتا کہ منجملہ آثار مذکورہ بالا کے ایک بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں پایا گیا تھا بلکہ برخلاف اس کے سب کے سب متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم اپنے بچپن اور جوانی میں نہایت تندرست اور قوی تھے۔ خود سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "دو برس کے سن میں حلیمہ نے ان کا دودھ چھڑایا اور ان کے گھر لے گئیں اور آمنہ اپنے لڑکے کی تندرست اور قوی ہیئت کو دیکھ کر جو آپ سے دو چند عمر والے لڑکے کے برابر

معلوم ہوتا تھا اس قدر خوش ہوئیں کہ حلیمہ سے کہا اس کو پھر صحرا کو
لے جا" لڑکپن اور جوانی کے زمانے میں آنحضرت مضبوط و تندرست
اور قوی الجثہ تھے۔ وہ بہت تیز چلا کرتے تھے اور زمین پر مضبوطی سے
قدم رکھتے تھے۔ تمام عمر بھر ان کو بڑے بڑے خطرے اور تکلیفیں
پیش آئیں اور ان سب کو انہوں نے کمال صبر و استقلال کے ساتھ
برداشت کیا۔ انہوں نے خدائے واحد کی پرستش و عبادت کی تجدید
ایسے طور پر کی جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں پائی جاتی۔ اور علم الٰہیات
کو ایسے پختہ و معقول اصول پر قایم کیا جن کا ہمسر جہان سے معدوم
ہے۔ انہوں نے قوانین تمدن و اخلاق کو ایسے کمال پر پہنچا دیا۔ جو
اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا۔ انہی کی وساطت سے انسانوں کی
بہبودی اور رفاہ کے واسطے وہ ملکی و مالی و دینی و دنیوی قوانین کا مجموعہ
حاصل ہوا جو اپنے نوع میں یکتا و بے نظیر ہے۔ آنحضرت ہی وہ ہیں جنہوں
نے اپنی زندگی میں تمام جزیرہ عرب کو فتح کیا اور مختلف قبیلوں کو مجتمع
کر کے ایک مضبوط اور طاقتور عظیم الشان قوم بنا دیا جس نے اس
زمانے کی مہذب دنیا کے ایک جزو اعظم کو ایک عرصہ قلیل میں مفتوح و مسخر
کر لیا۔ کیا اس بات کا خیال کرنا قرین عقل و انصاف ہے کہ ایسے کارہائے
نمایاں ایک لاچار اور ناتوان مصروع شخص سے عمل میں آئے ہونگے۔
ایسے کارہائے نمایاں کا عمل میں آنا بجز اس شخص کے جس کے قوائے روحانی
و جسمانی کامل صحیح و سالم ہوں اور کسی شخص سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے
اور اس کی ماہیت تائید ربانی پر دلالت کرتی ہے +
سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ور حلیمہ پھر ایک

صلے اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ افگن دیکھ کر متوحش ہوئی اور انجام کار اُن کو اُن کی ماں کے پاس پہنچانے کے لئے روانہ ہوئی۔ اس فقرے پر صاحب موصوف یہ رائے دیتے ہیں کہ اگر اس روایت میں کچھ صدق ہو تو غالباً عارضہ سابق کے یعنے صرع کے آثار کے عود سے مراد ہوگی تعجب ہے کہ بادل کو سایہ کرتے ہوتے تو دیکھا حلیمہ نے اور سر ولیم صاحب نے اس سے آنحضرت کے عارضہ صرع کے آثار کا عود خیال کیا۔ اگر حلیمہ کی نسبت آثار صرع کا خیال فرماتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا۔ پھر دوسرے مقام پر صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں کہ اُن کے دوروں سے جن کو حلیمہ صرع کی قسم کے عارضے سمجھ گئی تھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں اُن مضطر حالتوں اور بیہوشی کنندہ غشیوں کے صحیح آثار نمودار تھے جو نزول وحی کے ہوتے تھے اور شاید جن کے سبب اُن کے دل میں نزول وحی کا خیال پیدا ہوگیا تھا اور اُن کے متبعین نے اُن مضطرابی اور غشیوں کو نزول وحی کا شاہد قرار دیا تھا۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی تمام کتاب میں ایسی روایتوں کو اپنی کتاب کی بنیاد ٹھیرایا ہے جن کی صحت خود اہل اسلام کے نزدیک مشتبہ اور غیر ثابت ہے۔ یہ روایت کہ آنحضرت پر بادل کا سایہ رہتا تھا محض باطل ہے اگر ایسا امر نفس الحقیقت واقع ہوا کرتا تو آنحضرت کے اکثر صحابہ و رفقا اس کا تذکرہ کرتے اور احادیث مستندہ میں اس کا ذکر ہوتا حالانکہ یہ نہیں ہے۔ تمام معتبر حدیثوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے بعض حدیثوں میں جو زمانہ کے بارے میں ہیں آنحضرت صلعم پر مثل دیگر اشخاص کے دھوپ کا پڑنا ثابت ہوتا ہے غالباً

روایت کی اشاعت کے بے شمار اسباب ہیں سے ایک یہ سبب بھی ہے کہ شے مرویہ کا اتفاقی وقوع ہونا۔ لہذا یہ امر از قبیل ممکنات ہے کہ کسی شخص نے پیغمبر صاحب کو اتفاقیہ ایک بادل کے ٹکڑے کے سایہ میں دیکھا ہو اور یہ ماجرا دوسرے شخص سے بیان کیا ہو اور دوسرے نے تیسرے سے کہا ہو اور اس طرح رفتہ رفتہ عام شہرت ہو گئی ہو اور آخرالامر عام اعتقاد ہو گیا ہو کہ بادل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سر پر ہمیشہ سایہ ڈالے رہتا تھا۔ اس قسم کی روایتیں جن کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے محققین علماے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کی ہیں ؞

نزول وحی کے وقت اضطرار اور غشی کی روایتیں ویسی ہی نامعتبر اور بے سند ہیں۔ اُن روایتوں میں خود راویوں کے خیالات اور توہمات ہیں ہم نے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرت کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے تاہم سر ولیم میور صاحب کی اس راے کو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صرعی غشوں نے اُن کے ذہن میں اپنی رسالت کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اُن کے متبعین کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسا آدمی جس کو ہر شخص مصروع جانتا ہو اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کرے جو اپنی قوم کی بت پرستی کے استیصال کیواسطے بھیجا گیا ہو اور تمام لوگ جو اُس کی اس بیماری سے واقف ہوں اُس عزیز و اقارب اور تمام اکابر عرب اس کی رسالت کو دل سے تسلیم کرلیں اپنے دین آبائی سے منحرف ہو کر اسکے قول و فعل پر ایمان کامل لے آویں

جن نامعتبر روایتوں پر عیسائیوں نے اتہام عارضہ صرع آنحضرت کی نسبت
قایم کیا ہے وہ روایتیں زیادہ تر شق صدر کی روایتوں سے علاقہ رکھتی ہیں ہمنے
حقیقت شق صدر کو اپنے ایک خطبے میں بیان کیا ہے اور جو غلطیاں واقعات کے
بیان کرنے میں راویوں کو واقع ہوئی ہیں اُن سب کو رکھا یا ہے پس اُنکے جانے کے
بعد عیسائیوں کا یہ اتہام سر کے بل گر پڑتا ہے +

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی
والدہ کی قبر پر تشریف لے جانے کا حال لکھکر اپنی والدہ کے لیے بخشش کی دعا
مانگنے کا ذکر کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ "یہ بات یعنے اُن لوگوں کی مغفرت کی دعا
مانگنے کی ممانعت کرنا جو حالت کفر میں مرے ہوں پیغمبر صاحب کے احکامات کی
سختی اور شدت کی اُن لوگوں کے حق میں جو دین سے جہالت کی حالت میں مرے
ہوں ایک عجیب مثال ہے" ہم اس روایت کی صحت اور غیر صحت کی بحث کو
چھوڑکر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اُن لوگوں کے حق میں دعاے مغفرت نہ
کرنے میں جو خداے واحد پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور انبیاے سابقین کے دین
کو بھی نہ مانتے ہوں بلکہ محض بے ایمانی کی حالت میں مرگئے ہوں کسی طرح کی
سختی اور شدت نہیں ہے بلکہ زندہ آدمیوں کو بت پرستی کے چھوڑنے اور اللہ
کی وحدانیت کے اقرار کی ترغیب دینے کے لئے ایک نہایت کارآمد اور عمدہ ذریعہ
ہے۔ پس جو شخص کہ ایسا کرے اُس پر سختی کا الزام نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم یہ دیکھنا
چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ بالا امر کے سبب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احکامات
پر کیسا ہی سختی اور شدت کا الزام لگایا گیا ہے تو رحیم عیسائی مذہب میں اُن لوگوں کے
ساتھ جو کہ اللہ تعالے کو مانتے ہوں۔ مگر حضرت عیسے کے ابن اللہ ہونے
[illegible] مانا کرنا نہ نرم تنیا فشاہ اور نرم آمیز سلوک کیا گیا ہے۔ مگر افسوس

ہے کہ ہماری یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ ہمارے خلاف تو تعلیم مذہب عیسائی میں غیر معتقدین کے لئے اس سے بھی زیادہ سخت احکام معلوم ہوئے۔ اُسکا ایک نمونہ یہ ہے کہ اتھنیسیاس خطبہ کو جو انگلستان کے تمام پروٹسٹنٹ گرجاؤں میں بروز ہائے معین پڑھا جاتا ہے اور تمام اہل کلیسا کی منظوری سے منظور ہوا ہے اُن سب عقائد کے بیان کرنے کے بعد جن کا ماننا ہر شخص پر خواہ نخواہ فرض ہے بالتصریح یہ لکھا گیا ہے کہ "یہ عیسوی عقیدہ ہے جس پر بدون اعتقاد رکھنے کے کوئی آدمی نجات نہیں پا سکتا۔" پس جب کہ تعلیم مذہب عیسوی کے بموجب ایسا شخص نجات کا مستحق نہیں ہے اور اس لئے کسی کی دعائے مغفرت بھی اُس کے حق میں مفید نہیں ہے تو عیسوی مذہب کو اس باب میں مذہب اسلام پر کیا فوقیت ہے۔

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں کسی منشاء سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کھانے پر موجود نہ ہوتے تھے تو تمام خاندان اپنے کفایت شعار کھانے سے بھوکا اُٹھتا تھا لیکن جب پیغمبر صاحب بھی کھانے میں شریک ہوتے تھے تو سب کا پیٹ بھر جاتا تھا اور یہ فرماتے ہیں کہ اس سے عروج پذیر ہونے کی بڑائی منظور ہوتی تھی مگر اہل اسلام تو ایسی واہیات کو معتبر نہیں سمجھتے اور نہ اُن کے معتبر ہونے کی کوئی کافی سند موجود رکھتے ہیں لیکن ہمکو تعجب آتا ہے جب کہ عیسائی ایسی روایتوں کو کسی اشارہ آمیز ارادے سے نقل کرتے ہیں کیونکہ اُن کو ایسے واقعہ کے امکان پر اعتقاد نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ متی کے باب ۱۴ ورس ۱۹ و ۲۰ کے اس بیان پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ ... [illegible] ... اپنے حضرت مسیح نے ایک جماعت کو جن کی تعداد پانچ ہزار تھی ... [illegible] ... حکم دیا ... اور پانچوں روٹیاں اور دونوں مچھلیاں نکالیں اور آسمان کی ... [illegible] ... دعا

کی اور اُن کو توڑا اور روٹیاں اپنے نوکروں کو دیں اور نوکروں نے جماعت کو تقسیم کیں اور اُن سب نے پیٹ بھر کر کھائیں اور بچے ہوئے ٹکڑوں کو جن سے بارہ ٹوکرے بھر گئے اٹھا لیا۔

اس کے بعد سر ولیم میور صاحب ایک اور روایت لکھتے ہیں کہ جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ملک شام کو گئے تو بحیرہ راہب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام جماعت میں سے اس نشان سے پہچان لیا تھا کہ اُن کے سر پر ایک بادل سایہ ڈالے ہوئے چلتا تھا اور درختوں کی شاخیں اُن کی دھوپ روکنے کے واسطے جھک جاتی تھیں اور بحیرہ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے اور تلاش مہر نبوت اُن کے جسم کا معائنہ کیا۔

جس اشارے سے سر ولیم میور صاحب نے اس روایت کو لکھا ہے۔ اس کی نسبت ہم بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ یقین کیا جائے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے الواقع اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام کو بغرض تجارت گئے تھے تو یہ بات ہرگز قابل تعجب کے نہیں ہے کہ بحیرہ نے ایسا خیال کیا ہو کیونکہ اُس وقت یہود اور نصاریٰ ایک مسیحا اور ایک فارقلیط کے منتظر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ محققین علمائے اسلام اس روایت کو معتبر روایتوں میں نہیں گنتے۔ وہ روایت جس میں بحیرہ کا حال اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانے کا ذکر ہے اس میں یہ بیان بھی ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معیت نگرانی حضرت ابو بکر اور بلال کے واپس بھیج دیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں جو سب سے زیادہ معتبر حدیث کی کتابیں [illegible] یہ روایت مذکور نہیں ہے گو ترمذی اور دیگر کم محتاط محدثوں نے [illegible] اس روایت کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ منجملہ اُن بہت سی

وجہوں کے جن سے ان روایتوں کی نامعتبری کا کافی ثبوت ملتا ہے ہمارے رہتے
ہیں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے قول کا جس کو خود سر ولیم میور صاحب نے بیان
کیا ہے اور جس سے اس روایت کی نامعتبری بخوبی ثابت ہوتی ہے اس جگہ
بجنسہ نقل کرنا کافی ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ترمذی کی یہ روایت کہ ابوطالب نے
محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر اور بلال کے ہمراہ شام سے واپس بھیجا تھا اسلئے
لغو اور مہمل معلوم ہوتی ہے کہ ابوبکر محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے
تھے اور بلال اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کا حال ابوطالب کے ہمراہ بیان کرنے
کے بعد جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ برس کی تھی اور جس کی نسبت ہمنے
ابھی بیان کیا کہ وہ صحیح نہیں ہے سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "روم سابق
کے منہدم اور اجڑے ہوئے مقاموں نے جن کو خیالی قصوں اور عجیب و غریب بیانوں
اور دل انگیز روایتوں نے اور بھی پر اثر کر دیا تھا اور گرجاؤں کو صلیبوں اور مورتوں
دینی علامتوں سے آراستہ کرنے اور گھنٹوں کے بجنے کی قومی رسموں نے محمد صلعم کے
غور کنندہ دل و دماغ پر ایک گہرا نقش اور پائدار اثر کر دیا تھا" ۔

ہم نہایت ادب سے سر ولیم میور صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایک مصروع شخص کا دل و دماغ
ایسا اثر قبول کر سکتا ہے؟ اور کیا ایک مصروع شخص غور کنندہ دل و دماغ رکھتا ہے؟ اگرچہ
یہ بیان سر ولیم میور صاحب کا نہایت دلچسپ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اس بیان سے اتفاق
نہیں کر سکتے کیونکہ اسی لڑکے نے جسکا دماغ صلیبوں اور مورتوں اور علامات تصاویر
کو دیکھ کر اس قدر اثر پذیر ہوا تھا بعد کو انہی چیزوں سے کمال نفرت اختیار کی
توڑا مورتوں کو پھوڑا انکی پرستش سے منع کیا اور یہ بتایا کہ خدا کا کوئی شریک
تثلیث کے عقیدے کو جھٹلایا خدا کو وحدہ لاشریک بتلایا اور اسکو

کیا اور تمام دنیا میں اُسی کو رواج دیا ۔

لیکن اس بات کو تسلیم کر کے کہ مذکورہ بالا چیزوں سے اُس لڑکے کے دل پر درحقیقت اثر پیدا کیا تھا۔ ایک اور خیال خود بخود دل میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا لڑکا جس کے ابتدائی چار برس ایک صحرا میں کٹے تھے اور پھر آٹھ برس تک مشرک اور بت پرست لوگوں میں گھرا رہا صرف بارہ برس کی عمر میں ایک ایسا دل رکھتا تھا کہ جس سے جو اسکی نفرت کم نہ ہوئی تھی یہاں سے مرد ہو کر تو نتیجہ اخذ کرنے کہ پادریوں عیسائیوں اور رسوم اور علما اور عیسائیوں کے دیکھنے سے ایک مذہب قبول کرنے کے قابل تھا اور اسقدر عقل و فہم و کمالات رکھتا تھا کہ ان سے نتیجہ برخلاف ایسے کمال اتحاد اور حسب و غیرہ ظاہرا اور تقاضے سبحے انسان کے بارے میں ایسے ایسے عالی خیالات مستنبط کر سکتا وہ لڑکا بلا شبہ ایک وسیلہ و پیغمبر برحق تھا۔ جس کی فطرت خود اس کی معلم تھی اور وہ وہی تھا جس کی نسبت خود حضرت عیسیٰ نے یہ کہہ کر بشارت دی تھی کہ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے ضرور ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط یعنے احمد مصطفےٰ تمہارے پاس نہیں آویگا اور اگر میں جاؤنگا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دونگا ۔

خاتمہ